حالم (نمرہ احمد)

انیسواں باب:

''ساکوراہانامی''

"The Viewing of Cherry Blossom Season

اس نے دیکھا..

وہ گھاس پہ نصب بنچ پہ بیٹھا ہے...

سڑک کنارے دور تک چیری بلاسم کے درختوں کی قطار ہے...

اور وہ گلابی نرم پھولوں سے لدے ہیں....

نیچے گھاس پہ بھی گلابی پنکھڑیوں کی تہہ بچھی ہے...

سامنے ایک جاپانی بچہ باپ کی انگلی پکڑے چل رہا ہے....اس کے ہاتھ میں کاٹن کینڈی ہے جس کی اسٹک کو وہ گھمار ہا ہے....اس کے جوگرز سے چلتے وقت گھنگھرو سے چھنکنے کی آواز آتی ہے...

وہ اس کے ساتھ بنچ پہ آ کے بیٹھتی ہے تو وہ چونکتا ہے۔

بنچ پہ رکھی کافی اٹھانے لگتا ہے جو چھلک جاتی ہے...گرم مائع گھاس پہ گرے ایک پھول کو داغدار کر دیتا ہے...

اسی پل بنچ کے پیچھے کھڑا چیری بلاسم کا درخت ہوا کے جھونکے کے ساتھ ڈھیروں پھول ان دونوں پہ گرا دیتا ہے...

کچھ پھول اس کے کوٹ پہ گرتے ہیں اور کچھ عصرہ کے بالوں پہ.....

☆☆=========☆☆

عصرہ بنتِ محمود کی موت سے دو روز قبل۔

بی این کے چیئر مین آفس کی کھڑکیوں کے بلائنڈز ہٹے تھے اور اندر سرما کی دھوپ پھیلی تھی۔ کنٹرول چیئر پہ وان فاتح آگے کو ہوئے بیٹھا' ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ آنکھوں پہ چشمہ لگائے' وہ جیل سے بال دائیں طرف جمائے' سرمئی سوٹ میں ملبوس کام میں مصروف نظر آتا تھا جب دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ فاتح نے عینک کے اوپر سے صرف نگاہ اٹھا کے دیکھا۔

اس کی سیکرٹری ایک فولڈر اٹھائے اندر آئی تھی۔

''سر.....میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے نمبر بدل لیا ہے تو آپ کے دوست ڈاکٹر.....(فولڈر سے نام پڑھا) ڈاکٹر دین جمال کی مجھے کئی دفعہ کال آئی ہے۔ ان کو آپ کا نیا نمبر دے دوں؟''

''ہاں دے دو۔ بلکہ اسے کال بیک کر کے مجھے ملا دو۔'' میز پہ رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کے مڑی تو فاتح بولا۔

''تالیہ کی کال تو نہیں آئی؟''

''تالیہ مراد؟ نہیں سر۔''

''اگر آئے تو اس کو میرا نیا نمبر دے دینا۔'' تاکید کی تو وہ سر کو اثبات میں خم دے کر مڑ گئی۔

فون کی گھنٹی بجی تو فاتح نے عینک اتاری اور ریسیور کان سے لگایا۔

''میں تمہیں کال کرنے کا سوچ ہی رہا تھا۔ تم نے مجھ سے میڈیکل سائنس کے معجزے کا وعدہ کیا تھا۔'' وہ اب کرسی پہ پیچھے کو ہو بیٹھا مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''اور میں اپنے وعدے اور دعوے پہ قائم ہوں۔ میں نے تمام پروسیجر کی تیاری کر لی ہے۔ تمہارے ہرے سگنل کا انتظار ہے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ میری اس ایک رات کی یادداشت واپس آسکتی ہے؟'' وہ گہری سانس خارج کر کے مسکرایا۔

''ہاں البتہ.....'' وہ ہچکچایا۔ ''یہ عمل خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور.....''

''بے فکر رہو۔ میں ہر طرح کا consent فارم سائن کر دوں گا۔''

وہ جانتا تھا کہ ہر ڈاکٹر کی طرح اس کا سب سے بڑا خدشہ یہی ہو سکتا تھا۔

''میرے لئے وہ رات بہت اہم ہے اور اس کو واپس لانے کے لئے میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔''

''فاتح!'' ڈاکٹر دین نے گہری سانس لی۔ ''اس عمل کو صرف اپنے سکون اور ذہنی تشفی کے لیے کرو۔ اس کو ایک محبت کے شکار مرد کی طرح نہ کرو۔ اگر وہ لڑکی تمہاری زندگی سے چلی گئی ہے اور تمہیں کال تک نہیں کر رہی تو وہ اس رات کو یاد کرنے سے تمہیں واپس نہیں مل جائے گی۔''

فاتح کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ پھر وہ دوبارہ فائل نہ اٹھا سکا۔ بلکہ کافی منگوائی اور کرسی کا رخ کھڑکی کی طرف موڑ لیا اور باہر پھیلی سرما کی دھوپ دیکھنے لگا۔

''سر.... ڈاکٹر دین نے آج سہ پہر کا وقت فائنل کیا ہے۔ ٹھیک ہے؟'' سیکرٹری کارمن کی آواز عقب میں سنائی دی۔ اور کانچ کی پرچ پیالی کے میز کی سطح پہ رکھے جانے کی۔

''ہاں دے دو۔'' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے چیئرمین نے باہر جھانکتے ہوئے ناک سے مکھی اڑائی۔ اس کے ماتھے پہ بل سے پڑ گئے تھے۔

''کچھ اور جو میں کر سکوں' سر؟'' اس کو الجھن میں دیکھ کے کارمن نے پوچھا۔ وہ گول چہرے اور سفید رنگت والی چینی لڑکی تھی جو گلابی لپ اسٹک کے ساتھ گلابی اور سفید رنگ کا اسکرٹ بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔

''محبت کا شکار آدمی کیسا ہوتا ہے؟'' رک کے اضافہ کیا۔ ''تمہارے نزدیک۔''

''محبت' محبت میں فرق ہوتا ہے' سر۔ اس کو اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے۔''

اس کی بات پہ وہ ہلکا سا مسکرایا اور کرسی کا رخ اس کی طرف موڑا۔ جیسے استاد کو کسی نئے شاگرد کی اپنے قد سے اونچی بات نے محظوظ کیا ہے۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی آرٹسٹک ہو۔ تم بی این میں کیا کر رہی ہو؟''

کارمن نے افسوس سے گہری سانس خارج کی۔ ''یہی تو مسئلہ ہے' سر۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاسی عہدوں پہ پہنچنے والے محبت کا شکار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کی نظر میں یہ جذبہ انسان کو کمزور بناتا ہے۔''

''کیا یہ درست نہیں ہے؟'' اس نے شانے اچکائے۔ ''جب تم میری عمر اور میرے تجربے کو پہنچو گی تو جانو گی کہ اس مقام پہ انسان کو کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔'' وہ سادگی سے کارمن کی آنکھوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''اس مقام پہ کیا ہو سکتا ہے پھر؟''

فاتح نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''کوئی آپ کے لیے اہم بن سکتا ہے۔ اس کی حفاظت اور خوشی اہم بن سکتی ہے۔ اس کی فکر کرنا ترجیح ہوتا ہے۔ ایک اچھی دوستی۔ بس۔ اس سے زیادہ نہیں۔''

''سر!'' وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ''تو محبت اس کے علاوہ ہوتی ہی کیا ہے؟''

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''میرے نزدیک محبت کا شکار آدمی وہ ہوتا ہے کارمن جو اندھا دھند کسی کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔ بے چین ہو۔ باقی ساری دنیا سے غافل۔ صرف ایک انسان کا حصول اس کا مقصد ہو۔''

''وہ جنون ہوتا ہے' سر۔ اور جنون کا شکار لوگ محبوب کے حصول کے لیے ہر حد پار کر لینے کو محبت سمجھتے ہیں۔''

''اور محبت کیا یہی نہیں ہوتی؟''

''نہیں' سر۔ محبت ایسی نہیں ہوتی۔ وہ تو انسان کو بدل دیتی ہے۔ اسے نرم بناتی ہے۔ اسے دوسرے انسانوں کی قدر کرنا سکھاتی ہے۔ انسان کو اچانک سے دنیا کی ہر شے میں خوبصورتی دکھائی دینے لگتی ہے۔ پھولوں کے رنگوں میں۔ بادلوں کی نرمی میں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ خدا نے سب کچھ کتنی محبت سے بنایا ہے۔''

''اور؟'' وہ دلچسپی سے چینی لڑکی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے کھڑی مسکرا کے بتا رہی تھی۔

''اور وہ محبت میں گرفتار دوسرے انسانوں کو پہچاننے لگتا ہے اور ان کے لیے خوش ہوتا ہے۔ اور وہ ہر حد پار کرنا سیکھ جاتا ہے لیکن کسی کو پانے کے لیے نہیں..... بلکہ دوسرے کو آرام دینے کے لیے' اس کو خوش اور محفوظ رکھنے کے لیے۔ محبت خود غرض نہیں ہوتی۔ obssession خود غرض ہوتا ہے۔ جنونی کو اپنے محبوب کی توجہ چاہیے ہوتی ہے۔ ہر وقت۔ محبت تو کیئرنگ ہوتی ہے۔ صرف دوسرے کی فکر کرنے والی..... دوسرے کے لیے زندگی کو آسان بنانے والی.....''

وان فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کافی کا کپ اٹھایا۔ ''Girl....you are in love!''

اس نے جیسے فیصلہ سنایا تھا کارمن نے مسکرا کے ٹرے اٹھائی۔ ''میں نے کہا نا' صرف محبت میں گرفتار شخص ہی کسی دوسرے محبت کرنے والے کو پہچان سکتا ہے۔'' اور واپس مڑ گئی۔ فاتح کی مسکراہٹ مدھم پڑی۔ ایک دم ساری فضا اداس ہو گئی تھی۔

اس نے فون اٹھایا اور کارمن سے کہا کہ وہ ڈاکٹر دین کا نمبر ملائے۔

''دین۔'' رابطہ ملنے پہ وہ قدرے سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ ''آئی ایم سوری مگر میں کسی سائنسی تجربے کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔''

''مگر..... تم نے کہا تھا کہ تم اس رات کو یاد کرنا چاہتے ہو۔''

''اس سے کچھ نہیں بدلے گا۔شاید چیزیں مزید خراب ہو جائیں۔اس رات کو بھول جانے میں ہی عافیت ہے۔''

اس رات عرصے بعد اس نے عجیب سا خواب دیکھا۔

وہ پولیس اسٹیشن سے نکلتا ہے.....اس نے گردن میں کوئی بھاری لاکٹ پہن رکھا ہے۔اس سے ایک سنہری پنکھ نکل کے اس کو راستہ دکھاتا اڑتا جا رہا ہے۔وہ اس کے تعاقب میں قدم اٹھا رہا ہے۔منظر دھندلا ہے مگر ایک چیز واضح ہے....اس نے ایک سنا سا گلی کا موڑ مڑا ہے۔یہ گلی جلال مسجد کے دائیں جانب ہے....نیلی اینٹوں کی دیواریں....باہر ایک ٹوٹا ہوا گملا....وہ ایک گھر کے دروازے تک جاتا ہے....وہاں سنہری پنکھ ڈور میٹ پہ گر جاتا ہے....وہ نظریں اٹھا کے گھر کا نمبر دیکھتا ہے...دھندلی بصارت کے باوجود اسے آدھا نمبر نظر آ جاتا ہے.....

وہ چونک کے اٹھا تھا۔کمرے میں اندھیرا تھا۔اس نے ہاتھ مار کے سائیڈ لیمپ جلایا تو مدھم سی روشنی پھیل گئی۔عصرہ کروٹ لیے سو رہی تھی۔فاتح اٹھ کے بیٹھا اور اپنی پیشانی چھوئی۔اسے پسینہ آ رہا تھا۔دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔یہ پہلی دفعہ تھا کہ اس رات کی کوئی ایسی یادداشت اس کے ذہن سے ٹکرائی تھی جس کا حقیقت سے تعلق لگتا تھا۔باقی سب تو عجیب سے خواب تھے۔جنگل میں تالیہ کے ساتھ....کبھی قید خانے میں زخمی حالت میں موجود ہونا....مگر یہ...یہ جگہ یہ گلی وہ پہچانتا تھا۔اگر وان فاتح اس رات کہیں گیا تھا تو وہ یہ گھر تھا۔

کسی معمول کی طرح وہ اٹھا اور بتی جلائی۔جب تک عصرہ کی آنکھ کھلی وہ تیار کھڑا بیگ میں کپڑے ڈال رہا تھا۔وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

''تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟''

''ملاکہ۔''وہ سر جھکائے اب والٹ میں اپنے کریڈٹ کارڈز جوڑ رہا تھا۔عصرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ایک دم وہاں جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟''

''ضروری کام ہے۔''

وہ تھکا ہوا بھی لگتا تھا جیسے کچی نیند سے جاگا ہو۔بار بار گردن کو دائیں بائیں اسٹریچ کرتا تھا۔عصرہ اٹھ بیٹھی اور چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہاں تالیہ ہے کیا؟''

فاتح کے بیگ کی زپ چڑھاتے ہاتھ رکے۔چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''اگر ہے بھی تو؟''اسے جیسے یہ بات ناگوار گزری تھی۔

''تم کب تک اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟''

فاتح سیدھا کھڑا ہوا اور گہری سانس لی۔ جیسے غصہ آیا ہو مگر ضبط کر گیا ہو۔

''عصرہ.... میری زندگی تالیہ کے گرد نہیں گھومتی۔ میں اس سے ہٹ کے اپنے کام کے لئے بھی کہیں جا سکتا ہوں۔''

''اپنے دل سے پوچھو۔ اس کام کا تعلق بھی کہیں نہ کہیں تالیہ سے جڑا ہو گا۔'' اس کی فاتح پہ جمی آنکھوں میں گلابی نمی تیرنے لگی۔ ''ہمیں کیا ہو گیا ہے فاتح؟ ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟''

وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر کندھے ذرا سے اچکائے۔

''ہم ویسے ہی ہیں جیسے اتنے سالوں سے تھے۔ کیا بدلا ہے؟''

''ہاں اور اتنے سالوں سے ہم ایک مردہ زندگی ہی گزار رہے ہیں۔''

''میں جاؤں؟'' وہ ذہنی طور پہ کہیں اور الجھا تھا۔ بیگ اٹھائے بولا تو وہ بستر سے اتری اور ایک دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''مجھے معلوم ہے تم اسے ڈھونڈنے جا رہے ہو۔ تم کب تک اس کے پیچھے جاتے رہو گے' فاتح۔''

''میں اپنے کام سے جا رہا ہوں' عصرہ۔'' اب کے اس نے تحمل سے کہا تھا۔ مگر عصرہ کی اس پہ جمی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

''کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ بیوی' بچے..... اور بہت جلد حکومت بھی.... تم اس سب کو اس عورت کے لئے داؤ پہ لگا سکتے ہو؟''

''میں نے ایسا کیا کیا ہے جو مجھے یہ سب کھونا پڑے گا؟'' اس نے ماتھے کو چھوا۔

''تم آدھی رات کو اس کے پیچھے اچانک سے سب چھوڑ کے جانے لگو گے تو میں خوفزدہ ہوں گی' فاتح۔''

وان فاتح نے گہری سانس بھری اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''میں نے اپنی یہ زندگی (اطراف میں نگاہ دوڑائی) برسوں کی محنت سے بنائی ہے۔ میں اس زندگی کو نہ تالیہ کے لئے چھوڑوں گا' اور نہ ہی تمہارے لئے۔'' سختی سے کہا اور ابرو سے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ نہیں ہٹی۔ ضدی' گیلی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''مت جاؤ۔ آج مت جاؤ۔ پلیز۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ ''میرے لئے آج یہ سارے کام ترک کر دو!''

''ہم ایک دوسرے کے لئے ایسی قربانیاں کب سے دینے لگے ہیں' عصرہ؟'' وہ زخمی انداز میں بولا تو عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ گال سرخ دہکنے لگے۔

''میں نے تمہارے لئے قربانیاں دی ہیں۔ اپنا کیریئر چھوڑا ہے۔ تمہارے بچوں کو پالا ہے۔ تمہاری بہن کو پالا ہے۔ میں

نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا؟''

''اور کیا میں نے تمہیں پارٹی کی نائب چیئر مین کا عہدہ نہیں دیا؟ گھر نہیں دیا۔عزت نہیں دی؟''

''تم نے مجھے محبت نہیں دی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تو فاتح نے گہری سانس لی۔

''وہ تو میں نے خود کو بھی عرصہ ہوا نہیں دی۔'' وہ ایک طرف سے نکلا اور آگے بڑھ گیا۔عصرہ نے بھیگی آنکھوں سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''اسے تو دی ہے۔ نہ دی ہوتی تو روز تمہارے لئے وہ تحفے نہ بھیجتی۔''

''وہ کیک تالیہ نہیں بھیجتی۔'' وہ عام سے لہجے میں کہتا لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔عصرہ محمود کا سانس اور آنسو ایک ساتھ رکے۔وہ چونک کے پلٹی۔

''تمہیں کیسے معلوم؟''

وہ دروازے تک پہنچ کے رکا اور مڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔''وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی....میری میلز کا جواب نہیں دے رہی...تو وہ مجھے ایسے کیکس کیوں بھیجے گی جبکہ اسے معلوم ہے کہ مجھے اتنا میٹھا نہیں پسند؟''

سادگی سے بتا کے وہ مڑ گیا۔اس کے گھر روز فینز اور دوستوں کی طرف سے تحائف آتے تھے۔زیادہ تر مفاد پرست عزیز و اقارب کی طرف سے ہوتے تھے۔اس کو پرواہ نہیں تھی کہ کوئی تالیہ کے نام سے کیک کیوں بھیجتا ہے۔اسے صرف ایک پہیلی کو حل کرنا تھا۔

اس رات وہ کس کے گھر گیا تھا؟

دروازہ بند ہونے کی آواز پہ عصرہ نے آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

وہ چند دن قبل تالیہ کے منہ سے یہ اعتراف سن کے کہ وہ فاتح کی پہلی بیوی ہے اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔اور اسے لگا تھا کہ یہ سب آسان ہوگا جو وہ کرنے جا رہی ہے۔اور ایسا کرتے ہوئے اسے دکھ نہیں ہوگا۔

مگر وہ ہر روز فاتح کو نئے سرے سے کھوتی تھی۔

وہ جو بھی کرلے وہ اس کے ہاتھ سے پھسل جاتا تھا۔بلکہ اب تو سارا کھیل اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

وہ وہیں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور سر گھٹنوں پہ گرا لیا۔اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔شاید اسے یہ نہیں کرنا چاہیے۔شاید اسے کچھ اور کرنا چاہیے۔مگر اب شاید دیر ہو چکی تھی۔

ملاکہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔وہی سمندر کی وجہ سے فضا کا نم ہونا....وہی چائے خانوں کی خوشبو....وہی

بازاروں کا شور.....وہ تنہا ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں آیا تھا۔سیدھا اپنے گھر نہیں گیا۔اس کا رخ اس مسجد کی طرف تھا جو اس نے اس خواب میں دیکھی تھی۔

آگے کا راستہ آسان تھا۔وہ ان گلیوں سے شناسا تھا۔اس شہر میں اس کا بچپن گزرا تھا۔یہاں قریب ایک دکان تھی جہاں وہ بہت آیا کرتا تھا۔

کار ایک جگہ روک کے فاتح باہر نکلا تو عام دنوں سے مختلف نظر آتا تھا۔سیاہ پینٹ پہ سیاہ جیکٹ پہنے' اس کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور متلاشی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اندھیر سڑک کو پولز کی روشنی نے منور کر رکھا تھا۔ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔وہ آگے قدم اٹھانے لگا۔

بہت عرصے بعد وہ اپنی سیکیورٹی ڈیٹیل کے بغیر یوں باہر نکلا تھا۔ملاکہ میں مجسمے کے اندر سے کتاب نکالنے والے دنوں کے بعد وہ یہاں نہیں آیا تھا۔ کے ایل کے شور ہنگامے سے دور یہ پرسکون شہر اس کے دل کو عجیب طرح سے کھینچتا تھا۔جانے کیا تھا جو اس شہر میں کھویا تھا۔کیا تھا جس کا گواہ سمندر کا پانی تھا اور آسمان تھا اور یہ راستے تھے....مگر صرف وہی نہیں جانتا تھا....

مطلوبہ دروازے پہ وہ رکا اور ڈورمیٹ کو دیکھا۔آج وہاں کوئی سنہری پنکھ نہیں تھا۔باقی سب ویسا ہی تھا۔آدھی رات کو وہ کسی کے گھر دستک کیسے دے؟ فجر کا انتظار کرے؟ وہ سوچ ہی رہا تھا جب دروازہ کھل گیا۔فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھائے۔

چوکھٹ میں ایک لمبی قمیص اور کرنگ پہنے' کمر پہ کپڑا باندھے' چمکتی آنکھوں والا آدمی کھڑا تھا۔وہ جیسے اس کے انتظار میں تھا۔

''خوش آمدید' وان فاتح۔آج آپ کو کیا چیز میرے دروازے پہ دوبارہ کھینچ لے آئی؟'' وہ مسکرا کے پوچھ رہا تھا۔

(دوبارہ؟) وان فاتح کے دل میں کچھ ڈوب کے ابھرا۔اس کو اس گمشدہ رات کا پہلا کلیو ملا تھا۔وہ واقعی اس گھر آیا تھا۔

''میں اندر آ سکتا ہوں کیا؟'' تیوری چڑھائے سپاٹ سے انداز میں پوچھا تو جادوگر نے راستہ دے دیا۔

اس گھر میں اگربتیوں کی عجیب سی مہک تھی۔جگہ جگہ موم بتیاں روشن تھیں۔جو ایک آدھ بلب جل رہے تھے وہ باہر سے نمک کے بنے تھے۔

''میں ایک دفعہ پہلے بھی یہاں آیا تھا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں فرشی نشست پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور درمیان میں لکڑی کی چوکی نما نیچی میز تھی۔

''جی' وان فاتح۔آپ سولہ جولائی کی رات کو میرے پاس آئے تھے۔'' آدمی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فاتح نے جواب میں پہلے ایک طائرانہ نظر دیوار کی طرف دوڑائی جہاں مختلف شیلف بنے تھے اور ان میں بوتلیں رکھی

تھیں۔ پھر اس آدمی کو دیکھا۔

''کون ہو تم؟ اور تمہارے پاس میں کیوں آیا تھا؟''

''میں تالیہ کا ایک عزیز ہوں۔ اس کے بچپن کا دوست اور آپ مجھے اس کے لئے ایک پیغام دینے آئے تھے۔ آپ کو ڈر تھا کہ صبح تک آپ یہ بات بھول جائیں گے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ میں نے تمہیں تالیہ کے لئے کوئی پیغام دیا تھا؟''

آدمی نے سر اثبات میں ہلایا۔

''اور مجھے کیوں لگتا تھا کہ میں وہ بھول جاؤں گا؟''

آدمی نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔ ''میں نہیں جانتا۔''

چند لمحے کے لیے پراسرار دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ موم بتیاں قطرہ قطرہ پگھلتی رہیں۔ اگر بتیاں سلگتی رہیں۔

''کیا پیغام دیا تھا میں نے؟''

جواباً اس آدمی نے چوکی پہ رکھا دستہ اٹھایا۔ پہلے صفحے پہ قلم سے کچھ لکھا اور پھر صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھا دیا۔ فاتح نے اچنبھے سے اسے تھاما۔ اس پہ چند ہندسے لکھے تھے۔

''ان نمبرز کا کیا مطلب ہے؟''

''اگر آپ چاہتے کہ میں اس پیغام کو سمجھ لوں تو کبھی اس کو ہندسوں کی صورت نہ لکھتے۔''

وہ چند لمحے کے لئے اس کاغذ کو دیکھتا رہا۔ ''دیٹس اِٹ؟''

''دیٹس اِٹ!''

''کیا تم نے اسے یہ پیغام دیا تھا؟''

''جی۔ میں نے امانت پہنچائی تھی۔'' اس آدمی کی چمکتی نظریں فاتح کے اندر تک دیکھ رہی تھیں۔ اسے اس ماحول سے عجیب اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ یہاں نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر ایک سوال ابھی اسے مزید پوچھنا تھا۔

''اس رات کیا ہوا تھا؟''

''میں آپ کی اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتا' وان فاتح۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اسے صاف انداز میں جانے کو کہہ رہا ہو۔ وہ باہر آیا تو گلی تاریک پڑی تھی۔ اردگرد مخروطی چھتوں والے گھر تھے اور سرمئی نیلی اینٹوں والی دیواریں تھیں۔

وہ اس چٹ کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

''کیا آپ کو اس کی بات پہ یقین ہے؟''

آواز پہ وہ رکا۔ آہستہ سے گردن موڑی تو سفید فراک والی بچی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ بہت دن بعد فاتح کھل کے مسکرایا تھا۔

''ہاں..... کیونکہ ایسا پیغام میں ہی لکھ سکتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے؟''

وہ دونوں اس ٹھنڈی رات میں ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

''جی ڈیڈ۔ یہ شفٹ سائیفر ہے جس میں میں آپ کو پیغام لکھا کرتی تھی۔ اور آپ کے کمرے میں چھپا دیتی تھی۔''

اتنے عرصے بعد اسے ایسی سکون آور تنہائی ملی تھی۔ وہ سڑک کنارے ایک چوکی پہ بیٹھا اور موبائل نکالا۔ اسکرین آن کی تو نیلی روشنی نے اس کا چہرہ منور کر دیا۔ وہ اب ایک ایک ہندسے کے مطابق حروفِ تہجی موبائل میں لکھ رہا تھا۔ پورا فقرہ مکمل ہوا تو اس نے ہر لفظ کو پہلے ایک ہندسہ پیچھے شفٹ کر کے دیکھا۔ وہ مبہم رہا۔ اس نے ایک حرف آگے شفٹ کیا تو یکدم پورا فقرہ ترتیب سے بنتا گیا۔

''اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔''

وہ اچنبھے سے اس کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔ کسی لڑکی کی بات ہو رہی تھی۔ وہ تالیہ کو کسی کے قاتل کے بارے میں بتا رہا تھا۔

''یہ کس کے بارے میں ہو سکتا ہے؟'' ساتھ بیٹھی آریانہ نے کندھے اچکائے اور چہرہ ہتھیلیوں کے پیالے میں گرا دیا۔

''کس کو فیری ٹیلز پسند تھیں' ڈیڈ؟''

''کیا مجھے اس رات کسی کے قتل کے بارے میں علم ہوا تھا اور میں تالیہ کو کچھ بتانا چاہتا تھا؟ اتنے مہینے تک تالیہ اس کے لئے کام کرتی رہی اور مگر اس نے ایک دفعہ بھی اس پیغام کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟''

اس کا ذہن ملا کہ جواب تلاش کرنے آیا تھا۔ یہاں آ کے وہ مزید الجھ گیا تھا۔

سفید ہیئر بینڈ والی لڑکی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ ''کس کو فیری ٹیلز پسند تھیں' ڈیڈ؟''

وہ چٹ اگلی صبح کے ایل میں اپنے آفس میں بیٹھے فاتح کی جیب میں مڑی تڑی حالت میں رکھی تھی۔ وہ ایک کے بعد ایک میٹنگ اٹینڈ کرتا اور تیس سیکنڈ کے درمیانی وقفے میں اس چٹ کو نکال کے پڑھتا' پھر واپس رکھ دیتا۔ کس کا قاتل؟ کون سی فیری ٹیل؟

جواب ایک ہی تھا جو بار بار وہ رد کر دیتا تھا۔

آریانہ کو فیری ٹیلز پسند تھیں اور وہ خود کو اسنو وائٹ سے تشبیہہ دیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے کہا تھا.... اس کی زندگی کے

سارے کردار اسنو وائیٹ جیسے ہیں۔ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور اس کی ایک سوتیلی ماں بھی ہے۔ ملکہ۔

''مگر تمہاری ماں ایول کوئین جیسی تھوڑی ہے؟'' وہ دونوں صوفے پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب عصرہ مسکرا کے کہتے ان کے ساتھ آ کے بیٹھی۔ آریانہ پھیکی پڑ گئی۔

''ظاہر ہے' نہیں۔'' اسے تب لگا تھا کہ وہ شرمندہ ہوئی ہے۔ اس نے نظر انداز کیا تھا۔ وہ کیا کچھ نظر انداز کرتا آیا تھا؟

کارمن کافی دینے آئی تو اس نے اسے پکارا۔ ''تم نے اسنو وائیٹ پڑھی ہے' کارمن؟''

وہ سادہ سی لڑکی مسکرائی۔ ''کس نے نہیں پڑھ رکھی؟''

''اس میں اسنو کو کس نے مارا تھا؟'' اسے لگا وہ کچھ بھول رہا ہے۔

''اس کی سوتیلی ماں نے.... بادشاہ کی بیوی.... ملکہ بدنے....'' وہ رکی اور بولی۔ ''مگر ملکہ اس کو مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے جنگل میں اس کے لیے شکاری کو بھیجا تھا مگر.....''

''ہاں ٹھیک ہے۔ جاؤ۔'' وہ ہاتھ جھلا کے بولا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ ایک دم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

پہیلی عجب صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ اسے حل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابھی صبح دوپہر میں نہیں بدلی تھی جب عصرہ کا فون آنے لگا۔ ایک ڈیلیگیٹ ابھی آفس سے اٹھ کے گیا تھا۔ فاتح کے پاس پانچ منٹ تھے۔ اس نے گہری سانس لے کر فون کان سے لگایا۔

''کہو عصرہ۔''

''تم رات گھر نہیں آئے۔''

''میں ملاکہ رک گیا تھا۔ صبح فجر کے ساتھ واپس نکلا اور سیدھا آفس آ گیا۔''

''کل ہم نے جس نوٹ پہ بات ختم کی' تمہارے پاس اس کا اثر زائل کرنے کو دو منٹ بھی نہیں تھے؟''

وہ گھر نہ آنے کا شکوہ کر رہی تھی۔

''عصرہ میں جھگڑے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری آج بیک ٹو بیک بہت سی میٹنگز ہیں' شام میں سیمینار ہے' اور....''

''کیا تم اس سے ملے؟'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''کس سے؟'' وہ انجان بن گیا۔

''وہی جس کے تعاقب میں تم ملاکہ گئے تھے۔''

''نہیں۔ میں اس نہیں ملا۔'' اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ اسے کانفرنس روم میں پہنچنا تھا۔

''فاتح.... کیا میں یہ ڈیزرو کرتی تھی؟ تمہارا یہ سرد رویہ' تمہاری بے وفائی؟''

''میں نے کبھی تم سے بے وفائی نہیں کی' عصرہ.... تم خود ہی اپنے شک کے ہاتھوں ہمارا تعلق برباد کر رہی ہو۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھا۔ فون کان اور کندھے کے درمیان تھا۔

''شاید تم ٹھیک ہو۔ تم شروع سے ہی ایسے تھے۔'' وہ ایک دم غصے میں تیز تیز بولنے لگی تھی۔ وہ اس وقت درست نہیں لگ رہی تھی۔ ''وان فاتح کو کبھی بھی عصرہ محمود سے محبت نہیں تھی۔ فاتح کو صرف فاتح سے محبت ہے۔''

''تھینک یو۔ میں میٹنگ میں جا رہا ہوں اس لئے....'' وہ آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

''یا تمہیں آریانہ سے محبت تھی۔ وہ گئی تو تم نے صرف اپنے بچوں سے محبت کی یا پھر تالیہ سے۔ میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔'' وہ اس پہ ایک دم چلانے لگی تھی۔ وہ اس کے آواز پہ اکتانے کے بجائے پریشان ہو گیا تھا۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ایک دم اپنی سرد مہری پہ افسوس ہوا۔

''عصرہ تم ٹھیک ہو؟ میں شام میں گھر آتا ہوں تو.....''

''کبھی میں سوچتی تھی کہ آریانہ نہ مرتی.... اس کو ہم اس روز چیئر لفٹ پہ نہ لے کر جاتے.... نہ وہ نینی اور اس کا شوہر اس کو اغوا کرتے اور نہ وہ مرتی.... تو ہماری زندگی مختلف ہوتی۔ تم ابھی بھی میرے ہوتے مگر نہیں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تم تب بھی اسی طرح مجھ سے بے وفائی کر جاتے' فاتح۔ تم تب بھی کسی تالیہ کو ڈھونڈ لیتے۔ ہمارا تعلق آریانہ کے جانے سے مردہ نہیں ہوا۔''

وہ وہیں کاریڈور میں کھڑا رہ گیا۔ بالکل ساکت۔ پتھر کا بت۔

''فاتح؟ سن رہے ہو؟ یا کال کاٹ دی ہے؟ فاتح؟'' وہ چلائی تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم وہ آدمی نینی کا شوہر تھا؟''

ساری دنیا وہاں رک گئی تھی۔ اسی کاریڈور میں۔ ایسے لگتا تھا کہ آتے جاتے لوگ اپنی جگہوں پہ نمک کے مجسمے بن گئے ہوں۔

اور دوسری طرف عصرہ کا سانس بھی تھم گیا تھا۔

''کیا؟ کون؟'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ پھر اس نے دوبارہ سے غصہ کرنے کی کوشش کی۔ ''میں تم سے تالیہ کی بات کر رہی ہوں اور تم....''

''نو نو۔ گو بیک۔ گو بیک۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''تم نے کہا نینی کا شوہر.... تمہیں کیسے معلوم وہ اس کا شوہر تھا؟''

''میں.... پتہ نہیں....'' وہ گنگ رہ گئی۔''پولیس رپورٹ میں تھا شاید....ظاہر ہے وہ اس کا شوہر'بوائے فرینڈ کچھ ہوگا' مگر....''

''پولیس رپورٹ میں اس آدمی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ان دونوں کی لاشیں میں نے دیکھی تھیں صرف۔میں نے تو کسی کو نہیں بتایا تھا سوائے تمہارے۔اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس آدمی کا نینی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ اور تم نے کہا تھا تم نہیں جانتیں۔''

''فاتح....تم کیا کہہ رہے ہو'میں تو غصے میں مثال دیتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ....''

سامنے کھڑا اس کا چیف آف اسٹاف اسے میٹنگ کے لئے بلا رہا تھا۔وقت کم تھا۔

اس کا ذہن جیسے الفاظ کے سمندر کے بھنور میں گھوم رہا تھا۔

''عصرہ....میں تم سے فارغ ہو کے بات کرتا ہوں۔''اس نے فون رکھ دیا۔

کاریڈور میں اس کے اٹھتے اگلے قدم بھاری تھے۔بے حد بھاری۔وہ دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ساری دنیا اردگرد سلوموشن میں رواں دواں نظر آ رہی تھی۔آوازیں بھاری ہو کے سنائی دے رہی تھیں۔ایسے میں چند الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔

کانفرنس روم کے دروازے پہ وہ اسے کھڑی نظر آئی تھی۔ہیئر بینڈ پہنے'اداس لڑکی جس کے سفید فراک پہ سامنے کو خون لگا تھا۔اس کی کنپٹی سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ گلہ آمیز نظروں سے دروازے کے قریب آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ....آپ کو میری پسندیدہ فیری ٹیل کیسے بھول گئی؟ ہمیں الگ ہوئے کیا اتنے برس بیت گئے؟''

وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا دروازہ کھول رہا تھا۔وہ باہر رہ گئی۔وہ اندر آ گیا۔مگر اس کا ذہن ابھی تک ماؤف سا تھا۔جیسے اس میں بہت شور برپا ہو۔

جیسے اس میں خوفناک سی خاموشی چھا گئی ہو۔

میٹنگ میں اشعر کچھ کہہ رہا تھا۔اپنی جگہ سے اٹھ کے'ہاتھ ہلا کے۔فاتح کو صرف اس کے لب ہلتے محسوس ہو رہے تھے۔وہ گال تلے انگلی جمائے اشعر کو دیکھ رہا تھا مگر نظریں اشعر کے پیچھے کھڑی آریانہ پہ جمی تھیں۔

وہ کانفرنس روم کے کونے میں کھڑی تھی۔اس کے سینے پہ لگے گھاؤ سے خون ابل ابل کے باہر گر رہا تھا اور وہ بھیگی آنکھوں سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہمیں بچھڑے اتنے برس بیت گئے تھے' ڈیڈ؟''

میٹنگ ختم ہوئی تو وہ ایک لفظ کہے بنا اٹھا اور باہر چلا گیا۔قدم اٹھا کہیں رہا تھا' پڑ کہیں رہے تھے۔

کاریڈور میں لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے۔فاتح نے چلتے چلتے جیب سے وہی پرچی نکالی اور اس کی سلوٹیں سیدھی کیں۔

اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔''

کوئی اور ہوتا تو ایک لمحے میں سب واضح ہو جاتا مگر وہ فاتح تھا اور سامنے عصرہ تھی۔

ایک لمحے میں سب واضح نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے پرچی مروڑ کے جیب میں رکھ دی۔اسنو وائٹ کے لئے جلاد اس کی سوتیلی ماں نے بھیجا تھا مگر یہاں وہ اس بات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔صرف ایک خیال ذہن کو مفلوج کر رہا تھا۔عصرہ نینی کے شوہر کے بارے میں کچھ جانتی تھی اور اس سے چھپا رہی تھی؟ اتنا عرصہ؟

وہ آفس میں واپس آیا تو کارمن نے چوکھٹ سے جھانکا۔''سر ابھی دس منٹ میں آپ نے پارلیمان کے لئے نکلنا ہے اور....''

''آؤٹ!'' وہ کرسی کی طرف جاتے ہوئے دھاڑا تھا۔کارمن گڑبڑا کے پیچھے ہوئی اور جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

اس نے ٹائی ڈھیلی کی اور فون اٹھایا۔وہ اس بات کو کلیئر کیے بغیر اگلا کام نہیں کر سکتا تھا۔

''تم آریانہ کی نینی کے بارے میں اور کیا جانتی ہو جو تم نے مجھے نہیں بتایا؟'' کال ملتے ہی وہ درشتی سے بولا تھا۔ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا' دوسرے سے ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' عصرہ سنبھل چکی تھی۔''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میرے منہ سے پتہ نہیں کیا نکلا کہ.....''

''جب اس آدمی کی کار ملی تھی تو میں نے اور پولیس نے سینکڑوں دفعہ تم سے پوچھا تھا اگر اس نینی کا کوئی مرد رشتے دار یا دوست اس سے ملنے آتا تھا؟ اور تم نے کہا تھا کہ تم نے چھان پھٹک کے اس نینی کو ہائر کیا تھا۔اس کا کوئی بوائے فرینڈ تک نہیں تھا۔تم جانتی تھیں مجھے ایسی نینی نہیں پسند تھیں جس کے یوں تعلقات ہوں۔''

''فاتح مجھے نہیں پتہ وہ آدمی اس کا کیا لگتا تھا۔تم نے کہا تھا کہ نینی کے ساتھ ایک آدمی کی لاش بھی تھی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کا شوہر ہو گا۔تم مجھ پہ کس چیز کا شک کر رہے ہو؟''

وہ اس پہ معلومات چھپانے کا شک کر رہا تھا۔اس سے نینی کو ہائر کرنے میں غلطی ہوئی تھی اور ضرور کوئی مشکوک آدمی آتا جاتا ہو گا مگر عصرہ نے اسے نظر انداز کیا اور جب خمیازہ بھگتنا پڑا تو اس نے اپنی غلطی چھپا دی۔

''تم جانتی ہو میں تم پہ کس چیز کا شک کر رہا ہوں۔''

''وان فاتح!'' وہ درد سے چلائی تھی۔ ''کیا آریانہ کی موت کے علاوہ ہماری زندگی میں کچھ نہیں ہے؟ ہر چیز اتنے برسوں سے اسی کے گرد کیوں گھومتی ہے؟ وہ مر گئی ہے فاتح۔ مگر میں تو زندہ ہوں۔''

''وہ ہماری بیٹی تھی!'' وہ دانت پیس کے غرایا۔

''ہماری نہیں۔ وہ صرف تمہاری بیٹی تھی۔'' وہ بھی برہمی سے چلائی۔ ''میں نے اتنے سال اسے پالا' اس کا خیال رکھا' مگر آخر میں تم نے مجھے یہ صلہ دیا کہ تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟''

''میں شک نہیں کر رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اپنی غلطی کور اپ کی ہے۔''

''تم.....تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس آدمی کو میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے کے لیے؟ تم مجھ پہ اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو؟''

اور وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے مڑی تڑی پرچی نکالی اور اس کی شکنیں سیدھی کیں۔ تحریر واضح تھی۔ جو بات وہ خود سے نہیں کہہ سکا' وہ عصرہ نے اتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔

''بولو.....جواب دو۔'' پھر جیسے اس کی خاموشی پہ وہ بے قرار ہوئی۔ ''فاتح.....تم واقعی مجھ پہ شک کر رہے ہو؟ یہ سب تالیہ نے تمہارے ذہن میں ڈالا ہے۔''

''اس کو.....تم نے بھیجا تھا۔'' وہ آہستہ سے بولا تو اس کی آواز مختلف تھی۔ سرد' اجنبی' اندر تک کاٹ دینے والی۔ عصرہ کی روح تک کانپ اٹھی۔

''فاتح.....کیا کہہ رہے ہو.....میری بات سنو.....''

''میں شام میں گھر آؤں گا۔ ہم تب بات کریں گے۔ ایک آخری بات۔ اس کے بعد میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہوں گا۔'' اس نے کاٹ کال دی۔ عصرہ کی کال آنے لگی تو فاتح نے فون آف کر دیا۔

پھر وہ پرچی زور سے پھاڑی۔ دو' چار' آٹھ.....اس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

عصرہ نے کہا تھا۔ ''کیا اسے میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے؟''

اس نے یہ نہیں کہا کہ آریانہ کو مارنے۔

کسی دوسرے کے لئے دونوں باتیں برابر تھیں مگر وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اسے صرف اغوا کرنے آئے تھے۔ اسے مارنے نہیں۔ عصرہ نے مارنے کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے بدترین گلٹ کو باہر نکال دیا تھا۔ اس آدمی کو عصرہ نے بھیجا تھا۔ نینی بھی عصرہ نے رکھی تھی۔ آریانہ کی موت کے بعد سب سے زیادہ خوف اور ڈپریشن کا شکار بھی عصرہ ہی رہی تھی۔ سب واضح تھا

مگر کون کہتا ہے کہ پہیلی کو حیرت انگیز جواب مل جائیں تو دل فوراً سے مان بھی لیتا ہے؟

دل انکار نہیں کرتا بے شک۔ اسے سارا کھیل سمجھ آ جاتا ہے۔ مگر وہ صدمہ.....وہ بے یقینی.....وہ اسے بالکل گنگ کر دیتی ہے۔

وان فاتح نے کس دل سے پارلیمان کا سیشن اٹینڈ کیا۔ صرف وہی جانتا تھا۔ وہ سارا وقت خاموش رہا۔ اس کے ذہن میں گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ کبھی عصرہ کا آریانہ سے تنگ پڑ جانا اور اس سے سلوک بدل لینا.....وہ کبھی آریانہ کا شکایت کرنا کہ عصرہ فاتح کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہے.....مگر اسے اپنے سامنے کبھی کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔ عصرہ اس بات کو یوں کور کر دیتی تھی کہ اسے لگتا بچے کی تربیت اور بھلائی کے لئے اگر بحیثیت ماں وہ سختی کر بھی دیتی ہے تو اچھی بات ہے۔ اور پھر آریانہ نے شکایت کرنا چھوڑ دی۔

وہ اپنی کتابوں میں رہنے لگی۔ اس کو اسنو وائٹ کی کہانی سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ اکثر کہتی تھی کہ وہ اسنو وائٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خود کو شہزادی سمجھتی ہے بلکہ اس کی بھی ایک ظالم سوتیلی ماں تھی جو اس کے باپ کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ رویہ بدل لیتی تھی۔

اس نے اپنا فون شام تک نہیں کھولا۔ اسے شام کا انتظار تھا جب وہ گھر جائے گا اور عصرہ سے دوٹوک بات کرے گا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی کال بند ہونے کے کچھ دیر بعد تالیہ نے اس نمبر پہ میسج بھیجا تھا جو عصرہ کے پاس تھا۔ عصرہ اس وقت دیوانہ وار اس کو کال ملاتے ہوئے مضطرب سی گھر میں چکر کاٹ رہی تھی۔ خوف سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ رات جب وہ گھر آئے گا تو جولیانہ اور سکندر کے سامنے ان کی ماں کی حقیقت کھول دے گا۔ سب کھل جائے گا۔ پہلے اس نے فاتح کو کھویا تھا اور وہ اپنے آپ کو دھیرے دھیرے ختم کر رہی تھی مگر وہ اپنے بچوں کو بھی کھو دے گی؟

وہ نڈھال سی صوفے پہ گر گئی۔ اس کے جسم میں درد تھا۔ اس کے اعصاب اب ویسے مضبوط نہ رہے تھے جیسے کبھی ہوتے تھے۔ وہ جس شان سے دنیا چھوڑنا چاہتی تھی، وہ اس سے شام میں چھین لی جائے گی۔ وہ فاتح کی آنکھوں میں دیکھ کے جھوٹ نہیں بول سکے گی۔ بولے گی بھی تو وہ جان لے گا۔

وہ غلطی پہ غلطی کر رہی تھی۔ سارا کھیل ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔ اور تب ہی تالیہ کا میسج آیا۔

بس ایک لمحے میں عصرہ کو علم ہو گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ فاتح کو فیس نہیں کر سکتی تھی۔ اسے آج شام سے پہلے اس کھیل کو ختم کرنا ہے۔

آگے کا مرحلہ آسان تھا۔نوکروں کو گواہ بنانا....دولت کو بلا کے اس کے سامنے تالیہ پہ شک کا اظہار کرنا....اور پھر....کیک کا آدھا ٹکڑا کھانا جس پہ آئسنگ کے طور پہ اس نے بہت سا آرسینک چھڑک رکھا تھا۔ذرا سا ٹکڑا اس نے بچا دیا....اور باقی اپنے اندر اتار لیا۔پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی اور گیلی آنکھوں سے چھت کو دیکھنے لگی۔

اس دنیا میں کوئی بھی اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔موت ایک فرار ہے۔اور عصرہ محمود کو ہمیشہ سے فرار کی عادت تھی۔اپنا جرم چھپانے کے لئے اول روز سے وہ فاتح کو ملائیشیاء سے واپس امریکہ لے جانا چاہتی تھی۔اسے فرار چاہیے تھا مگر جب یہ تسلی ہو گئی کہ آریانہ مر چکی تھی تو چند مہینوں کے لئے اسے لگا کہ وہ حکومت کر سکتی ہے۔وہ نئی زندگی شروع کر سکتی ہے۔مگر پھر....تالیہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔تالیہ مراد نے اس سے حکمرانی کی خواہش' اس کا شوہر' اس کے بچے سب چھین لیے۔اس کا دل مردہ کر دیا۔اور اب....اب تالیہ اس کی سزا بھگتے گی۔

عصرہ ایک دیوی کی طرح مرے گی۔اس کے بچے اس کو ہمیشہ مظلوم سمجھیں گے۔ایک ہیروئین۔اور تالیہ اس جال سے کبھی نہیں نکل سکے گی جو عصرہ نے اس کے لئے بچھایا تھا۔

وہ کرسی پہ بیٹھی تھی....سر پیچھے ٹکا رکھا تھا' نظریں چھت سے لٹکتے فانوس پہ جمی تھیں۔

اس کی روشنی کو دیکھتے ہوئے اس وقت عصرہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا....اس نے خود کو کیوں مار دیا؟ اس نے میدان تالیہ کے لیے کیوں چھوڑ دیا؟ وہ بی این کی نائب صدر تھی....اس کے پاس دولت تھی....گھر تھا....بچے تھے....اس نے ان سب کو کیوں چھوڑ دیا؟ نہیں....یہ سب غلط ہو رہا تھا....اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا....اسے لڑنا چاہیے تھا....اس نے اٹھنے کی کوشش کی....اسے ناک سے خون نکلتا محسوس ہوا....اسے وہ خوف محسوس ہوا جو مرنے سے پہلے ہر خودکشی کرنے والے کو ہوتا ہے....وہ سب کچھ ریورس کر لینے کی آخری خواہش....تڑت....مگر تب تک اس کا جسم مفلوج ہو چکا تھا....وہ اٹھ نہیں سکی۔گردن دائیں طرف ڈھلک گئی۔

اسے اب کرسی کے ساتھ....آریانہ کھڑی نظر آ رہی تھی۔

اس کے سفید لباس پہ خون لگا تھا....مگر وہ مسکرا رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک ادھ کھایا سیب تھا۔عصرہ کو دیکھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اس سیب کے بائٹ لیتی رہی تھی۔پھر ہونٹ بند کیے' اسے چباتی جاتی.....

وہ جب تک گھر آیا....گھر میں ہجوم پہلے سے اکٹھا تھا۔پولیس' پیرامیڈیکس' اشعر....اور دولت....جو شام سے عصرہ کو بار بار کال کر رہا تھا اور ملازم نے جب فون اٹھا کے اس کی بے ہوشی کا بتایا تو وہ فوراً آ گیا تھا۔

مگر سب کو دیر ہو چکی تھی۔عصرہ محمود جا چکی تھی۔

جب وان فاتح نے اس کی نعش دیکھی....اس کا سفید چہرہ....اور اس چہرے کے تاثرات...تو اس کا دل عجیب ویرانیوں میں گھرتا چلا گیا۔عصرہ نے آریانہ کے لئے اغوا کار بھیجے تھے عصرہ اتنے سال اس سے جھوٹ بولتی آئی تھی' یہ سب باتیں ثانوی ہوگئیں۔

انسانی موت اپنے اندر خود اتنی بڑی ٹریجڈی ہے جو کسی بھی زندہ انسان کا دل دہلا دیتی ہے۔ایک احساس زیاں' ایک خلاء.....ایک ملال سارہ جاتا ہے...عصرہ محمود فاتح کو فیس کیے بنا...اس سے معافی مانگے بنا...ایک ہی لمحے میں اپنے لیے اس کی معافی لکھوا گئی تھی.....

وہ ان لوگوں کے ساتھ اسٹریچر کے گرد شکستہ سا کھڑا تھا۔وہ سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔موت کی وجہ.....زہر.....یہ وہ.....

اور تبھی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔جیسے اوپر کوئی ہے۔اس نے نگاہ اٹھائی تو وہ وہاں کھڑی تھی۔سیاہ ٹوپی اور سیاہ لبادے میں میں اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔آنکھیں بے یقینی سے کھلی تھیں۔ان کی نگاہیں ملیں اور وان فاتح کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔

(بھاگ جاؤ تالیہ!) اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

رات خوفناک حد تک خاموش تھی۔تاریک آسمان خاموشی سے شہر کی گلیوں میں بھاگتی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ایک ٹیکسی سے دوسری بدلتی ' ایک گلی سے دوسری میں مڑتی...وہ بھاگتی بھاگتی اپنے گھر تک آ پہنچی تھی۔

اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں پولیس یہاں ہوگی۔اسے جو کرنا تھا اسی وقت میں کرنا تھا۔

تالیہ مراد نے کئی سال تک اس بات پہ تحقیق کی تھی کہ پولیس اس کے گھر تک کتنی جلدی پہنچ سکتی ہے۔کون سا اسٹیشن یہاں سے کتنا دور ہے۔ایک خوف سا تھا کہ کبھی وہ دن آئے گا جب اسے پولیس سے بھاگنا پڑے گا۔یہ نہیں معلوم تھا کہ بے گناہ ہونے کے باوجود ایسا ہوگا۔مگر یہ معلوم تھا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا کرنا تھا۔اور جو اسے معلوم تھا' اسے آج اس کی جان بچانی تھی۔

اس نے گیلے جوتے ڈور میٹ پہ اتارے' اور اپنے ٹریزز پیروں میں پہنے۔پھر بیسمنٹ میں کھلنے والے دروازے تک آئی۔فنگر پرنٹ سے اسے کھولا۔اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے کو لپکی۔

بیسمنٹ کو وہ عرصہ ہوا خالی کر چکی تھی۔اپنے پچھلے اعمال کے تمام ثبوتوں اور نشانیوں سے پاک۔

اب وہاں صرف ایک شے موجود تھی۔

اس نے بھاری میز دھکیلی۔ فرش سے ایک لکڑی کا پلینک اٹھایا اور نیچے ہاتھ ڈالا۔ خفیہ خانے میں ایک سیاہ بیگ رکھا تھا۔

تالیہ نے وہ بیگ اٹھایا اور زپ کھولی۔

اندر تین پاسپورٹ تھے۔ نوٹوں کے چند بنڈل' گن' چاقو' ایک کپڑوں کا جوڑا' دو کریڈٹ کارڈ' چند دستاویزات رکھے تھے۔ وگ' لینز' گلاسز' نیا فون' چارجر' پاور بینک' اور چاکلیٹ بارز۔

یہ اس کا گو بیگ تھا۔

برسوں سے وہ اس لمحے کے لئے تیار تھی۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا مگر کسی ریہرسل شدہ عمل کی طرح تمام اعضاء تیزی سے کام کر رہے تھے۔

اس نے بیگ کندھے پہ ڈالا' گھر کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ پولیس کے سائرن پسِ منظر میں سنائی دے رہے تھے۔

اب وہ بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ ہڈ سر پہ گرائے' آنکھوں پہ نظر کا چشمہ پہنے' اس نے ماحولیاتی آلودگی سے بچنے والا سبز ماسک اس نے ناک پہ جما رکھا تھا۔ یہاں کے ایل میں بہت سے لوگ ماسک پہنے گھوما کرتے تھے۔

ایک فون بوتھ پہ وہ رکی اور ریسیور اٹھا کے ایک نمبر ملایا۔ حسبِ متوقع آگے سے وائس میل آن تھا۔

''داتن۔'' وہ پھولے تنفس کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''پولیس میرے پیچھے ہے۔ اس لئے تمہارے ریگولر نمبر پہ کال نہیں کر سکتی۔ وہ ٹیپ ہو رہا ہوگا۔ اب میری بات دھیان سے سنو۔'' وہ دائیں بائیں احتیاط سے دیکھتی سرگوشی میں کہنے لگی۔ ''وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے عصرہ کو مارا ہے۔ مگر میں نے اسے نہیں مارا۔ تمہیں کوئی کچھ بھی کہے' اس کی بات کا اعتبار مت کرنا۔ اپنے دل کی سننا۔ میں مشکل میں ہوں۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔ چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

''کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں.... میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی..... اس ملک سے دور..... شاید جاپان کی طرف..... مگر ابھی..... ابھی مجھے سنگاپور جانا ہے۔ مجھے ایک کلین پاسپورٹ چاہیے۔'' وہ ہدایت دے رہی تھی۔ ''تم صبح گیارہ بجے تک اپنے گھر سے نہیں نکلو گی۔ ٹھیک گیارہ بجے تم اپنے گھر کے باہر والے ہمارے مخصوص ڈراپ باکس میں پاسپورٹ رکھ دو گی۔ میں وہاں سے اٹھا لوں گی۔ مگر میں تم سے مل نہیں سکوں گی.. اور دھیان کرنا' پولیس کو نہیں علم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد تم بھی ملک چھوڑ دینا اور میں.... میں سنگاپور سے آگے نکل جاؤں گی مگر.....'' وہ گیلی آواز سے مسکرائی۔ ''کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے۔ کسی اور زمانے.... کسی اور موسم میں.... سمندر کنارے کچی مچھلی کا شکار کرنے

....ہم ضرور ملیں گے داتن۔'' اس نے فون بند کیا۔ آنکھیں رگڑیں۔ ہڈ برابر کی اور تیزی سے بس کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

حالم کا بنگلہ رات کے اس وقت روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ باہر کھڑی پولیس موبائلز کی جلتی بجھتی روشنیوں اور آوازوں نے ساری اسٹریٹ کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ دروازے کھلے تھے۔ سیڑھیوں سے اوپر نیچے پولیس اہلکار آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے، چند منٹوں میں انہوں نے تالیہ کا سارا گھر الٹ کے رکھ دیا تھا۔

لاؤنج کے وسط میں دولت کھڑا تھا۔ ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے' شرٹ کے کف موڑے' وہ ناخوش نظر آتا تھا۔ اس کے کندھوں سے کمر تک بیلٹ سے بندھا ہولسٹر اور پستول واضح نظر آ رہا تھا۔

''گھر کلیئر ہے' سر!'' ایک اہلکار نے آ کے اطلاع دی تو دولت نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ظاہر ہے اسے معلوم تھا ہم آ رہے ہیں۔ وہ بھاگ چکی ہے۔ بات سنو سب۔ ایوری ون۔''

اس نے تالی بجائی تو اوپر نیچے پھیلے اہلکار ہاتھ روک کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''میری ابھی وزیر اعظم صاحبہ سے بات ہوئی ہے۔ عصرہ محمود ایک ہائی پروفائل خاتون تھیں اور ان کی موت کوئی عام بات نہیں ہے۔ پردھان منتری نے تالیہ مراد کی فوراً گرفتاری کا حکم دیا ہے۔''

وہ دائیں بائیں سر گھماتا ایک ایک کو دیکھتا سختی سے کہہ رہا تھا۔

''ایک گھنٹے میں پولیس کے ہر ناکے' شہر کی ہر انٹری ایگزٹ' ہر تھانے' اور ائیر پورٹ پہ تالیہ کی تصاویر بھیج دو۔ شہر کی ہر پولیس پٹرول یونٹ کو اس کا حلیہ اور تصویر ملنی چاہیے۔ اس کے گھر کے اردگرد سی سی ٹی وی سے اس کی نقل و حرکت کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے تمام دوستوں کے فونز ٹیپ کرو۔ وان فاتح کا بھی۔ وہ کسی سے رابطہ ضرور کرے گی۔''

وہ اب کنپٹی پہ انگلی رکھے سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''تالیہ مراد اگر میں جانتا ہوں تو اس کا اگلا اسٹیپ....'' اس نے رک کے سوچا۔ تالیہ اب کیا کرے گی؟

''فرار.... وہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرے گی۔'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ ''اور ہمیں اس شہر کے ہر دروازے پہ پہرہ لگا دینا ہے۔''

وہ کہہ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بات روک کے موبائل کان سے لگایا۔

''بولو زاہد۔'' دوسری جانب اس کا اینالسٹ ہیڈ کوارٹر سے بات کر رہا تھا۔

''سر.... ایک اطلاع ہے۔'' اینالسٹ دبے دبے جوش سے کہنے لگا۔ ''یاد ہے ہم نے تالیہ کی کیس انویسٹی گیشن کے

دوران اس کی دوست لیانہ صابری کی فائل تیار کی تھی۔ مجھے اس دوران لیانہ کا ایک ایسا فون نمبر ملا تھا جو اس کے گھر کے علاقے میں مخصوص وقت کے لئے آن ہوتا تھا۔ یہ نمبر اس کے نام پہ نہیں ہے' اور....''

''مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ تم نے وہ نمبر کیسے ڈھونڈا۔'' دولت نے اکتا کے بات کاٹی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ اس نمبر پہ تالیہ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے؟''

''یس سر۔'' وہ دبے دبے جوش سے بولا۔ ''وہ نہیں جانتی کہ ہم اس نمبر کو ٹیپ کر رہے تھے۔ اس نے وائس میل میں پیغام چھوڑا ہے۔ میں آپ کو سنواتا ہوں۔''

دولت چند لمحے تک اس پیغام کو سنتا رہا جو تالیہ نے داتن کے لیے چھوڑا تھا۔ پھر اس نے فون رکھا اور ٹیم کو مخاطب کیا۔

''چینج آف پلان۔ ہم اس کے گرد گھیرا تنگ ضرور کریں گے مگر ابھی تالیہ کے ملوث ہونے کی خبر میڈیا پہ نہیں دیں گے۔ وہ سب سے زیادہ اس چیز سے ڈرتی ہے۔ یہ پتہ ابھی ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ اور لیانہ صابری کو ابھی ہم گرفتار نہیں کریں گے۔ وہ تالیہ تک پہنچنے کے لئے ہمارا واحد لنک ہے۔'' وہ آس اور اضطراب کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ''امید ہے کہ تالیہ اس کے گھر کے قریب جائے گی نیا پاسپورٹ اٹھانے۔ ہمیں لیانہ کے گھر کے گرد گھیرا تنگ کرنا ہے اور صبح تک اپنی کارروائیوں کو خاموش رکھنا ہے۔ تالیہ مراد اس وقت خوف کا شکار ہے۔ اور ایسا انسان غلطی پہ غلطی کرتا ہے۔ ہم تالیہ کی غلطی کا انتظار کریں گے۔''

اسے تالیہ کی فون کال میں عرصے بعد وہی خوف محسوس ہوا تھا جو قید کے ان پانچ دنوں میں اس کے چہرے پہ نظر آتا تھا۔ وہ جس چیز سے ڈرتی تھی' وہی اس کے سامنے آ گئی تھی۔ بہت اچھے۔

وہ تالیہ مراد کے گرد ایسا گھیرا بنانے جا رہا تھا جس کو وہ توڑنے کی کوشش میں غلطیاں کرے گی۔

بلی اور چوہے کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح آسمان نے دیکھا کہ ایک بڑے سبزاہ زار پہ عصرہ محمود کے جنازے کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ لوگوں کا ایک منظم ہجوم وہاں کھڑا تھا۔ قطار میں لوگ باری باری آتے' اور مرکزی جگہ پہ کھڑے فاتح سے ہاتھ ملاتے' تعزیت کرتے' دعا دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔

وہ سر کے خم سے ان کی تعزیت وصول کرتا' شکریہ ادا کرتا اور پھر ایک ویران نظر اپنے دونوں بچوں پہ ڈالتا جو اس کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ دونوں نے اب زاو قطار رونا بند کر دیا تھا۔ جولیانہ صرف شل تھی اور سکندر بار بار سر جھکا کے گیلی آنکھیں

پونچھتا تھا۔ فاتح ایک ہاتھ لوگوں سے ملاتا تھا' اور دوسرا سکندر کے کندھے پہ جمائے ہوئے تھا۔

جولیانہ کے اس طرف اشعر کھڑا تھا۔ ان سب کے چہرے آج سوگوار تھے۔

خاندان کی ایک خاتون بچوں کو اپنے ساتھ دوسری طرف لے گئیں تو اشعر اس کے کندھے کے برابر آ کھڑا ہوا۔

''آپ ٹھیک ہیں' آبنگ؟''

''ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کاکا اور آپ کے اختلافات تھے اور....''

''میرے اور عصرہ کے کوئی اختلافات نہیں تھے' ایش۔ وہ ایک بہت اچھی بیوی اور ماں تھی۔ اس نے کبھی کچھ ایسا نہیں کیا جس سے میں ہرٹ ہوا ہوں۔'' اشعر نے نظروں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے جیسے سارے حساب کتاب ختم کر ڈالے تھے۔ اشعر کو خیال گزرا کہ آخری دنوں میں وہ دونوں کافی بہتر ہو چکے تھے۔ فاتح نے اسے نائب چیئر پرسن بھی بنا دیا تھا۔ واقعی اب ان کے درمیان کوئی تلخی نہیں تھی۔ وہ واپس تعزیت کرنے والوں کے ساتھ مگن ہو گیا۔

''فاتح۔'' دولت اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تو فاتح نے چونک کے گردن موڑی۔ پھر اس کی شکل دیکھ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ واپس چہرہ سیدھا کر کے زیرِ لب بولا۔

''تمہاری تفتیش کہاں تک پہنچی؟'' اسے اس کی آمد شدید ناگوار گزری تھی۔

''بہت جلد تالیہ مراد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گی۔'' وہ دونوں نامحسوس طریقے سے وہاں سے ہٹ گئے۔ اب تعزیت کرنے والوں سے قدرے فاصلے پہ وہ گھاس پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''یہ سب تالیہ نے نہیں کیا۔''

''تمہیں کیسے معلوم۔''

''اگر تم تعصب کا چشمہ اتار دو تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔'' وہ برہمی سے دولت کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ''وہ یہ نہیں کر سکتی۔ اس کو اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔''

''اچھا؟'' دولت طنز سے بولا۔ ''کس نے پھنسایا ہے اسے؟''

''یہ معلوم کرنا تمہاری جاب ہے۔ سرکار اسی کے پیسے دیتی ہے تمہیں۔ جاؤ اور معلوم کرو۔''

ناگواری سے کہہ کے وان فاتح آگے بڑھ گیا۔

دولت نے ضبط سے گہری سانس بھری' پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔ اسے داتن کے گھر سے چند فرلانگ دور مقررہ جگہ پہ پہنچنا تھا۔ تالیہ مراد اپنا پاسپورٹ اٹھانے آنے والی ہوگی۔

وان فاتح اب قطار میں آئے لوگوں سے تعزیت وصول کر رہا تھا۔ اگلا شخص ایڈم تھا۔ فاتح نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ قریب آ کے آہستہ سے بولا۔

''مجھے بہت افسوس ہوا' سر۔''

''مجھے بھی' ایڈم۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''میں اور میرے بچے اس ٹراما سے کیسے نکلیں گے' مجھے نہیں معلوم۔''

''میں آپ لوگوں کے لئے دعا کروں گا کہ آپ اس سے نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ دل سے مانگی ساری دعائیں پوری کرتا ہے۔'' پھر اس نے چہرہ آگے کو جھکایا اور پریشانی سے پوچھا۔ ''سر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ چے تالیہ....''

''یہ اس نے نہیں کیا۔'' فاتح نے سختی سے آہستہ آواز میں دہرایا۔ ایڈم چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آف کورس' سر... میں جانتا ہوں۔'' پھر سر کو خم دے کر آگے بڑھا تو کچھ سوچ کے وان فاتح اس کے پیچھے آیا۔ دونوں ہجوم سے ذرا دور گھاس پہ چلے آئے تو فاتح نے اسے پکارا۔ وہ چونک کے مڑا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

''ایڈم.... تم تالیہ کو ڈھونڈو۔ لیانہ صابری سے پوچھو یا کسی اور سے۔ کچھ بھی کرو مگر اس کو ڈھونڈو اور.....''

''اور؟''

''اور اس سے کہو کہ وہ روپوش نہ ہو۔ سامنے آ جائے۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دے دیں؟ اس جرم کے لئے جو انہوں نے نہیں کیا؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں کیونکہ بھاگنے سے وہ مزید مجرم لگ رہی ہے۔ ایک دفعہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر دے تو میں اس کو بچا لوں گا کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔''

''میرا ان سے رابطہ نہیں ہے مگر میں ان کو یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ پہلے ہمیں اس شخص کو ڈھونڈنا ہے جس نے ان کو پھنسایا ہے۔'' ایڈم کا پلان مختلف تھا۔ ''اصل قاتل کے خلاف ثبوت پولیس کو دینے ہیں تاکہ چے تالیہ کا نام کلیئر ہو جائے اور وہ واپس آ سکیں۔'' پھر وہ رکا۔ ''آئی ایم سوری..... اگین۔''

''جو میں نے کہا ہے' وہ اس تک پہنچا دو۔'' اس نے دوٹوک کہہ کے بات ختم کر دی۔

وہ واپس آیا تو اشعر نے ناگواری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔

''آپ اس لڑکی کا دفاع کیوں کر رہے ہیں؟ اس نے میری بہن کو مارا ہے۔'' اس نے ایڈم اور فاتح کی بات کا کوئی ٹکڑا سنا تھا۔

''تالیہ بے گناہ ہے۔ اس نے عصرہ کو نہیں مارا اور اگر تم اس بات پہ یقین نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے دوبارہ اس موضوع پہ بات نہ کرنا۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

اس نے تالیہ کی ای میل آج صبح پڑھی تھی۔ نہ پڑھتا تب بھی اسے یقین تھا کہ وہ کیکس تالیہ نہیں بھیجتی۔ وہ کسی کی جان کبھی نہیں لے سکتی۔ ساری بات یہیں آ کے ختم ہو جاتی تھی۔

☆☆=========☆☆

لیانہ صابری کے گھر سے چند فرلانگ دور ایک پینٹرز کمپنی کی وین کھڑی تھی۔ باہر سے دیکھ کے لگتا تھا وہ کسی گھر میں پینٹ کرنے آنے والوں کی وین ہے۔ البتہ اس کے اندر کا ماحول یکسر مختلف تھا۔ وہاں کرسیاں تھیں' قطار میں اسکرینز نصب تھیں جن کے آگے تکنیکی امور میں ماہر اینالسٹ بیٹھے تھے۔ اور ان کے پیچھے خالی جگہ پہ دولت ٹہل رہا تھا۔ بار بار وہ گھڑی دیکھتا۔

''گیارہ بج کے پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔ لیانہ گھر سے نہیں نکلی۔ اب وہ پاسپورٹ کیسے دے گی؟''

''ہم اس کے گھر کے باہر رات سے موجود ہیں۔ وہ رات سے گھر سے نہیں نکلی۔'' ایک اینالسٹ نے گردن موڑ کے اسے بتایا تھا۔ ''اس کے دونوں فونز آن ہیں اور ان کی لوکیشن گھر کے اندر کی ہی آ رہی ہے۔ یعنی وہ اندر ہے۔''

''اسے اب تک باہر آ جانا چاہیے تھا۔'' دولت خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ شدید مضطرب نظر آتا تھا۔

''او کے۔ ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔'' وہ رکا اور کان میں لگے آلے پہ اپنی اے ٹیم کو بزور قوت لیانہ کے گھر کے اندر جانے اور اسے گرفتار کر کے لانے کا حکم دینے لگا۔

''سر.... گھر کلیئر ہے۔'' دس منٹ بعد لیانہ کے گھر کا دروازہ توڑ کے داخل ہونے والا اہلکار بتا رہا تھا۔ ''اس کے دونوں فون بیڈروم میں پڑے ہیں چارجنگ پہ۔ وہ فرار ہو چکی ہے۔''

دولت نے زور سے کرسی کو بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ ''وہ کب فرار ہوئی؟ تم لوگ رات سے گھر کے چاروں طرف تھے۔''

''ہم تالیہ کے اس پیغام کے قریباً پچیس منٹ بعد یہاں پہنچے تھے۔ وہ اپنے فونز یہیں چھوڑ کے ہمارے آنے سے پہلے ہی فرار ہو چکی ہو گی' سر۔'' اس کا اینالسٹ مایوسی سے بتا رہا تھا۔

''لیکن اب وہ تالیہ کو پاسپورٹ کیسے دے گی؟'' ایک دوسرے اینالسٹ نے کہا تو دولت چونکا۔ ٹھوکر مارنے سے اس کا پیر

درد کرنے لگا تھا مگر اس ایک فقرے نے اسے سب بھلا دیا۔

''تالیہ مراد کو پاسپورٹ کیوں چاہیے تھا؟''

''ملک سے بھاگنے کے لیے سر!''

''اس نے پہلے سے ہنگامی صورتحال کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ پاسپورٹ' پیسے' نئی شناختیں۔ اس کے پاس اس کا اپنا گو بیگ ہر وقت ہونا چاہیے تھا۔ ایک منٹ.... وہ ریکارڈنگ.... وہ دوبارہ چلاؤ۔''

وہ تیزی سے ماتحت کی کرسی کے قریب آیا اور جھک کے اس کی اسکرین پہ جھانکا۔

ماتحت نے چند کیز پریس کیں تو رات والی کال کی ریکارڈنگ چلنے لگی۔ پہلے دولت نے اس ریکارڈنگ میں جس شے پہ سب سے زیادہ غور کیا تھا وہ تالیہ کی آواز تھی۔ بھیگی' خوف سے لبریز آواز جس میں کپکپاہٹ تھی۔ ایک صیاد کو شکار کی ایسی آواز سن کے لطف آتا تھا۔ وہ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔ مگر اب.... اب وہ الفاظ سن رہا تھا....

''تمہیں کوئی کچھ بھی کہے' اس کی بات کا اعتبار نہیں کرنا۔'' تالیہ کی آواز اسپیکرز میں گونج رہی تھی۔ دولت نے بے دردی سے اپنا لب کاٹا۔ (کیا اس کی باتوں کا وہی مطلب تھا جو وہ نظر آتا تھا؟)

''کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی۔.... جاپان....''

''کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے.... کسی اور زمانے میں.... کسی اور موسم میں.... سمندر کنارے مچھلی کا شکار کرنے.... پرانے وقتوں کی طرح.... ہم ضرور ملیں گے' داتن۔''

دولت ماتھے پہ بل ڈالے سیدھا ہوا۔ ''اس نے کہا.... وقت کی چابی۔''

ماتحت نے مڑ کے اسے دیکھا۔ ''سر آپ کو معلوم تو ہے۔ بے تالیہ کی تھیوری جو انہوں نے پراسیکیوٹر احمد نظام کو بتائی تھی کہ وہ وقت میں پیچھے گئی تھیں اور....''

''اونہوں۔ پیچھے نہیں.... اس نے کہا' وہ وقت میں آگے جانا چاہتی ہے۔'' وہ پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے کرسیوں کے پیچھے ٹہلنے لگا۔

''اس نے لیانہ کو پاسپورٹ کے لیے فون نہیں کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ہم کال ٹیپ کر رہے ہوں گے۔ اس کو صبح یہاں نہیں آنا تھا۔''

''تو پھر اس نے یہ کیوں کیا؟''

''اگر ہم یہ کال نہ سنتے....'' مڑ کے گھور کے اینالسٹ کو دیکھا۔ ''اگر تم مجھے یہ کال نہ سنواتے تو میں اسی وقت لیانہ صابری

کی گرفتاری کا حکم دے رہا تھا۔ میں تالیہ کے فرار کی خبر ہر جگہ چلانے جا رہا تھا مگر اس کال نے ہمیں روک دیا۔ دونوں کو موقع پہ پکڑنے کی خواہش نے ہمیں روک دیا۔ وہ لیانہ کو بھاگنے کا وقت دے رہی تھی۔"

وہ جانتی تھی کہ دولت کا خواب کیا ہے۔ تالیہ کو خوفزدہ دیکھنا۔ کون وومن نے اس کو ایک خواب دکھایا۔ ایک دلفریب سراب جس کے تعاقب نے اس کو جھانسہ دے ڈالا۔

"یعنی سر.... تالیہ مراد نے لیانہ سے نہیں ملنا تھا؟"

اور اس سوال پہ ٹہلتا ہوا دولت رکا۔ اسے ایک عجیب سا خیال آیا۔

"اونہوں۔ تالیہ کے پاس لیانہ سے رابطے کے لیے یہی ایک نمبر تھا۔ اسے اس سے بات بھی کرنی تھی اور اسے خوف بھی تھا کہ پولیس اسے ٹیپ کر رہی ہوگی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ واقعی کال میں لیانہ کو ملاقات کے لیے بلا رہی تھی مگر کہاں؟"

وہ خود دوبارہ اسکرین تک آیا اور جھک کے کی پریس کی۔ ریکارڈنگ پھر سے چلنے لگی۔

"کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی.... تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے چلی جاتی۔ جاپان۔"

اس نے اسٹاپ کا بٹن دبایا اور دھیرے سے سیدھا ہوا۔ "چار ماہ کے بعد جاپان میں کیا ہونا ہے؟"

"چار ماہ بعد؟" اینالسٹ نے انگلیوں پہ حساب کیا۔ "کچھ بھی نہیں۔ چار ماہ بعد اپریل ہے سر۔ اور...."

بس اس ایک لمحے میں پزل میں سارے ٹکڑے اپنی جگہ پہ آن گرے۔

"ساکوراہانامی۔" دولت بڑبڑایا۔ "مارچ اپریل میں جاپان میں 'ساکوراہانامی' شروع ہو جاتا ہے۔"

وین میں خاموشی چھا گئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دولت نے البتہ کراہ کے کنپٹی چھوئی تھی۔

"اسے جاپان نہیں جانا تھا۔" دولت نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ اسے دی کیوب میں بلا رہی تھی۔"

"دی کیوب؟ وہ جاپانی ریستوران؟" ایک اہلکار نے چونک کے کہا۔

"ہاں' کیونکہ اس نے کہا وہ لیانہ کے ساتھ کچی مچھلی کا شکار کرنا چاہتی ہے۔" اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔ اینالسٹ نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

"آف کورس۔ دی کیوب دو چیزوں کے لیے مشہور ہے۔ سوشی (کچی مچھلی کی ایک جاپانی ڈش) اور ہانامی۔ اس ریستوران کے جاپانی مالک نے اس کو ہانامی کے رنگوں سے سجا رکھا ہے اور وہاں دیواروں پہ جاپان کے ہانامی کے مناظر تھری ڈی پہ چلائے جاتے ہیں۔ وہاں جا کے لگتا ہے کہ...."

''کہ آپ وقت میں چار ماہ آگے جاپان میں چلے گئے ہیں اور آپ کے اردگرد چیری بلاسم کے پھول گر رہے ہیں۔ڈیم اٹ۔'' دولت نے تلخی سے کہتے ہوئے دوبارہ کرسی کو ٹھوکر ماری۔اب کے خالی کرسی الٹ کے پرے جا گری۔

''میں ابھی ایک ٹیم اس ریستوران بھیجتا ہوں۔'' ماتحت نے جلدی سے فون اٹھایا مگر دولت نے افسوس سے سانس بھری۔

''ضرور بھیجو مگر وہ کئی گھنٹے پہلے لیانہ سے ملاقات کر کے وہاں سے روپوش ہو چکی ہوں گی۔تالیہ مراد ہم سے ہمیشہ ایک قدم آگے رہتی ہے۔''

☆☆=========☆☆

چند گھنٹے قبل پچھلی رات میں واپس جاتے ہیں۔

داتن کے لیے پیغام ریکارڈ کروا کے تالیہ فون بوتھ سے نکلی' سر پہ ہڈ برابر کی' آنسو پونچھے اور اندھیرے میں بس کی طرف بڑھ گئی۔

بس میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تالیہ کی آنکھوں میں اب سپاٹ سا تاثر تھا۔وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی تھی۔اگر اس کا اندازہ درست تھا تو داتن آدھے گھنٹے تک دی کیوب پہنچ جائے گی۔پولیس اگر کالز ٹیپ کر رہی تھی اور پیغام کو ڈی کوڈ بھی کر لے تب بھی ان کے دی کیوب پہنچنے تک وہ دونوں وہاں سے جا چکی ہوں گی۔

کے ایل کے دل میں واقع یہ ریستوران اندر سے نیم اندھیر سا تھا۔ایک گول سا ہال جس کے وسط میں لکڑی کا جھونپڑا بنا تھا۔جھونپڑے کے اندر سٹنگ ایریا تھا۔

مدھم موسیقی چل رہی تھی اور کھانا سرو کیا جا رہا تھا۔دیوار پہ ایک پینٹنگ لگی تھی۔اس میں جاپان کی ایک سڑک کی تصویر تھی جس کے کنارے چیری بلاسم کے گلابی پھول گرے تھے۔

مارچ اپریل میں اس ریستوران میں ''ہانامی فلیورنگ'' شروع ہو جاتی تھی اور بوڑھا جاپانی مالک اس جگہ کو گلابی رنگوں سے سجا دیتا تھا۔مگر ابھی چونکہ سرما تھا' اس لیے یہاں ہانامی کی محض چند ایک نشانیاں موجود تھیں۔

'ساکورا' جاپانی زبان میں 'چیری بلاسم' کو کہتے ہیں۔ ایک نرم و نازک سا پھول جو چیری کے تناور درختوں پہ اگتا ہے۔ اس پھول کی عمر کم ہوتی ہے۔یہ چند دن تک درختوں پہ رہتا ہے اور پھر گر جاتا ہے۔

جب یہ پھول گرتے ہیں تو جاپان کی سڑکوں کے کناروں پہ گلابی تہیں سی بچھ بچھ جاتی ہیں۔مگر گرنے سے قبل.....چند دن کے لئے جب ساکورا کے پھول درختوں پہ کھلے رہتے ہیں...تو یہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔جاپان میں دفتروں اور کاروبار سے خاص چھٹی دی جاتی ہے.....سیاح دور دور سے آتے ہیں....فیملیز سارے کام چھوڑ کے باہر نکل آتی ہیں....اور

لوگ جگہ جگہ لگے چیری بلاسم کے درختوں کا نظارہ کرتے ہیں....

کھلی فضا میں کھڑے ہو کے ان نرم و نازک پھولوں سے لدے درختوں کا نظارہ کرنا "ہانامی" کہلاتا ہے۔ جاپان میں یہ بہار کے ایک قومی تہوار کا درجہ رکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ کوریا اور ملائیشیاء جیسے دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہو چکا تھا جہاں چیری بلاسم کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اصل ہانامی صرف جاپان میں ہوتا ہے۔ اس لیے ملائیشیا میں جاپان کا منظر نامہ کھینچنے کے لیے دی کیوب میں موسم بہار میں جاپان کے چار بڑے شیف جمع ہوتے ہیں اور وہ چند دن کے لیے یہاں خاص سوشی تیار کرتے ہیں۔

ہانامی کی اصل روح جاپانی کھانے بالخصوص سوشی کو کھاتے ہوئے چیری بلاسمز کا نظارہ کرنے میں ہے۔ مگر یہ بس چند دن تک ہوتا ہے۔ پھر ختم اور سب معمول پہ آجاتا ہے۔

چیری بلاسم کے پھول گر گر کے سڑک کنارے مرجاتے ہیں اور درخت خالی ہو جاتے ہیں۔

اسی لیے چیری بلاسم دراصل جوانی کے زوال اور زندگی کی ناپائیداری کی برف اشارہ کرتی ہے۔ مگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ.... یہ جوانی میں مرجانے کی علامت ہے۔

البتہ فی الحال بہار دور تھا۔ سرما ہر سو پھیلا تھا۔ اس لئے ریستوران قدرے خالی خالی سا تھا۔ ہال کے وسط میں بنے جھونپڑے میں بیٹھی تالیہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ سر پہ ہڈ گرا رکھا تھا اور انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

دفعتاً بوڑھا جاپانی شیف قریب آیا اور قہوے کی پیالی سامنے رکھی۔ پھر قریب جھکا اور سرگوشی کی۔

"اگر پولیس لیانہ سے پہلے آجائے تو تم مڑے بغیر کچن میں چلی آنا اور وہاں سے....." اشارہ کیا۔

تالیہ پھیکا سا مسکرائی اور تشکر میں سر ہلایا۔

"شکریہ تاؤ۔ اتنی جلدی پولیس یہاں نہیں آئے گی۔ لیکن اگر آگئی تو میں تمہیں مشکل میں نہیں ڈالوں گی۔"

تاؤ نے مسکرا کے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا جو ہڈ کے ہالے میں زرد سا پڑ رہا تھا۔ پھر اس کی پیالی میں سنہری قہوے کی دھار انڈیلی۔

"کون تم؟ میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں۔ اور سی سی ٹی وی صبح سے خراب پڑا ہے۔" مسکرا کے وہ آگے بڑھ گیا۔

"میں نے سنا تھا تم مجھ سے ناراض ہو۔"

خفا سی آواز سنائی دی تو تالیہ مراد نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔

بھاری بھرکم سی گھنگریالے بالوں والی داتن ماتھے پہ بل ڈالے اس کے سامنے کرسی کھینچ رہی تھی۔

اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا اور وہ اسے ویسی ہی لگی تھی۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ میں زندگی سے ناراض تھی۔''

داتن نے کہنیاں میز پہ رکھی اور آگے کو جھکی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔''تالیہ.....تم نے سوچا بھی کیسے کہ ہم تمہیں اکیلا چھوڑ دیں گے؟ ہم واقعی سمجھے تھے کہ تم ٹھیک ہو۔اور میں کچھ دوسرے کاموں میں پھنسی تھی۔میری غلطی ہے کہ میں عصرہ کے دھوکے میں آ گئی اور سمجھی کہ.....''

''تم کمزور لگ رہی ہو۔کیا ہوا ہے؟''

داتن لمحے بھر کو رکی اور پھیکا سا مسکرائی۔''ڈائیٹنگ کر رہی ہوں۔خود ہی تو کہتی تھیں کہ وزن کم کرو۔''

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''مجھے تم سے گلہ نہیں ہے۔ہر انسان کو اپنے آپ کو خود بچانا پڑتا ہے۔میں اس سے بھی نکل آؤں گی۔اور پہلے بھی....''

''تالیہ!''اس نے بات کاٹ کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔''ہم اس دلدل میں ساتھ گئے تھے۔ساتھ نکلیں گے۔ تمہارے پاس پاسپورٹ ہے نا؟ ہم آج ہی سنگاپور جا رہے ہیں۔''

''نہیں داتن۔صرف تم سنگاپور جا رہی ہو۔''تالیہ کا انداز قطعی تھا۔

داتن نے ابرو بھینچے۔''ہمارا فرار کا پلان کئی سالوں سے وہی ہے تالیہ۔پہلے سنگاپور اور وہاں سے دبئی۔سب تیار ہے۔ہم ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔میں اپنی فیملی کو وہیں بلا لوں گی اور.....''

''مگر میری فیملی یہیں ہے۔ایڈم یہاں ہے۔وان فاتح یہاں ہیں۔میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔مجھے صرف.....''وہ آگے کو جھکی اور آواز مدھم کی۔''کے ایل میں ٹھہرنے کو جگہ چاہیے۔''

''کوئی سیف ہاؤس؟ ہاں ایک دو جگہیں ہیں لیکن اگر پولیس کو علم ہو گیا تو....''

''میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں' داتن!''

بوڑھا تاؤ پھر سے ان کے قریب آیا اور پوچھا۔''کیا تم لوگ سوشی کھاؤ گی؟''

''نہیں' تاؤ۔''تالیہ نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ اس وقت کچھ بھی نہیں کھا سکتی تھی۔خود کو بہادر ظاہر کرنے کے باوجود اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔اور وہ بار بار اضطراب سے انگلیاں مروڑتی تھی۔

''میں تمہیں یہاں چھوڑ کے نہیں جا سکتی' تالیہ۔''داتن فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

''میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔مگر میں بھاگ نہیں سکتی۔صرف چھپنا چاہتی ہوں۔کچھ دن کے لیے۔''

''اور فاتح؟''

''وہ جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں۔ مگر مجھے نہیں معلوم وہ میرے لئے کچھ کر سکیں گے یا نہیں۔'' اس کے انداز میں شک تھا۔ داتن نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے وان فاتح سے بہت سی باتوں پہ اختلاف ہے مگر تم اپنے دل سے یہ بے یقینی نکال دو تالیہ کہ وہ تمہیں پھر سے اکیلا چھوڑ دیں گے۔ ہم تینوں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے لئے ہر حد تک جائیں گے۔''

تالیہ کی داتن پہ جمی نگاہیں بھیگنے لگیں۔

''اگر میں اچھائی کا راستہ نہ اپناتی تو یہ سب میرے ساتھ نہ ہوتا۔ میں برائی کے راستے پہ رہتی تو چھپی رہتی۔''

''نہیں' تالیہ... میں ہمیشہ کہتی تھی کہ انسان اس راستے کو ترک نہیں کر سکتا مگر میں غلط تھی۔ انسان سب کر سکتا ہے۔ تم نے درست کیا جو کیا۔''

وہ اعتراف کر رہی تھی مگر تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر تھا۔

''کیا فائدہ ہوا سب ترک کرنے کا؟ مجھے ایسے جرم میں پھنسایا جا رہا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان اچھے راستے پہ آ جائے تو دوسرے انسان بھی اس کی مدد کرتے ہیں مگر اب داتن...'' اس نے ارد گرد دیکھا۔ ''اب مجھے اس دنیا اور اس کے انسانوں کے اندر کی اچھائی سے امید ختم ہوتی جا رہی ہے۔''

لیانہ نے اسے کبھی یوں بے بس اور مایوس نہیں دیکھا تھا۔ وہ بار بار لب کاٹ رہی تھی۔ کچھ گردن کی پشت کو ہتھیلی سے دباتی۔ کبھی میز پہ ناخن رگڑتی۔

داتن دھیرے سے پیچھے ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''تالیہ... کوئی بھی ہمت ہار سکتا ہے۔ مگر تم نہیں۔''

''میری زندگی میں ایک کے بعد ایک مسئلہ شروع ہو جاتا ہے۔ میں اب ان مسئلوں سے ایک ہی دفعہ چھٹکارا پانا چاہتی ہوں۔'' پھر اس نے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں۔ میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔''

''میرے ساتھ سنگاپور چلو۔''

''نہیں۔''

تالیہ مراد نے سر اٹھایا۔ وہ جھونپڑے کے اندر بیٹھی تھی۔ سامنے داتن تھی۔ دونوں کے قہوے کی پیالیاں لبالب بھری تھیں۔

اسی پل تاؤ نے ریستوران کی بتیاں مدھم کر دی تھیں۔

مرکزی دیوار ساری کی ساری اسکرین بن گئی تھی اور اس پہ ایک منظر چلنے لگا تھا۔

ایک طویل سڑک کا کنارا.... وہاں اگے ڈھیروں درختوں کی قطار.... ہلکی چلتی ہوا.... اور درختوں سے گرتے چیری بلاسم کے گلابی اور سفید پھول.... کوئی مدھم سروں میں پیانو بجا رہا تھا.... دیوار پہ نظر آتی سڑک کے کنارے پھولوں سے بھرتے جا رہے تھے...

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم..... تم ٹھیک ہو؟''

اس کے سوال نے لیانہ صابری کو چونکایا تھا۔ وہ قدرے پیچھے کو ہوئی۔

''مجھے کیا ہوا ہے؟'' سامنے اوپن کچن کے کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ سوشی بناتا نظر آ رہا تھا۔ فضا میں جھینگے تلنے کی مہک بسی تھی۔

''تمہارے بال پتلے اور کم لگتے ہیں۔ تم ہیئر ایکسٹینشن استعمال کر رہی ہو۔ کیوں؟'' نرمی سے پوچھا۔

''کیمو کر رہی ہوں۔ اس سے بال جھڑ جاتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی تمہیں پتہ چلے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

تالیہ نے موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اس پہ ان تینوں کی سیلفی نظر آ رہی تھی۔ کونے میں میز پہ رکھی دوا کی بوتل کو اس نے زوم کر رکھا تھا۔

''یہ کینسر کی دوا ہے۔ اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟''

چیری بلاسم کے رنگوں سے سجے نیم روشن جھونپڑے میں خاموشی چھا گئی۔ پیانو جیسے رک گیا۔ جھینگے تلنے کا شور چپ ہو گیا۔

''میں سچ سننا چاہتی ہوں' داتن۔ تم بیمار ہو نا۔ اور تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ دکھ سے پوچھ رہی تھی۔ داتن نے قہوے کا پیالہ اٹھایا اور لبوں سے لگایا۔ پھر سنجیدگی سے اسے دیکھ کے بولی۔

''تم سن کے ہرٹ ہو گی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔ کیا تم واقعی سننا چاہتی ہو؟''

پیانو کی آواز پھر سے تیز ہو گئی۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ تیزی سے سوشی کو رول میں لپیٹ رہا تھا۔ پھر اس نے چھرا اٹھایا اور ٹھک ٹھک رول کے پیس کاٹنے لگا۔ ٹھک ٹھک ٹھک....

تالیہ اٹھی اور سنجیدگی سے محض اتنا ہی بولی۔ ''چینج آف پلان۔ مجھے ملاکہ جانا ہے۔ وہاں ایک جگہ ہے جہاں میں چھپ سکتی ہوں۔ مجھے کے ایل سے آج رات نکلنے میں مدد دو۔ پھر تم سنگاپور چلی جانا۔''

''میرا ایک دوست روز فوڈ ٹرک کے ساتھ شہر سے باہر جاتا ہے۔ اگر ہم ابھی چلیں تو میں تمہیں اس کے ٹرک میں سوار کر سکتی ہوں۔ اس کی پولیس سے جان پہچان ہے۔ وہ اس کو چیک نہیں کرتے۔'' داتن بھی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ البتہ وہ بار بار فکرمندی سے تالیہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے دوست کی جان ایک موذی مرض لینے والا ہے تو وہ کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے' داتن؟'' اس نے بھیگی آنکھوں سے کہتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر کا وہ علاقہ رات کی تنہائی میں ویران پڑا تھا۔ کہیں کسی گھر کی کھڑکی روشن تھی تو کسی کی بیرونی بتی جلی تھی۔ ورنہ سارے میں اندھیرا پھیلا تھا۔ فجر میں ابھی گھنٹہ پڑا تھا اور یہ روشنی سے پہلے والی تاریکی تھی جو رات کی ہو یا کسی کی زندگی کی' ہمیشہ تاریک ترین ہوتی ہے۔

نیلا ہٹ مائل سرمئی اینٹوں والی گلی کے ایک گھر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ گھر کے بیرونی دروازے اور گلی کے درمیان تین اسٹیپ تھے۔ وہ اسٹیپ عبور کر کے دروازے تک آئی اور آہستہ سے دستک دی۔ ہڈ سر کو ڈھانکے ہوئے تھا اس لیے دور سے وہ ایک ہیولہ سا نظر آتی تھی۔

ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ ''تم یہاں؟ میں نے سنا تھا کہ....''

تالیہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ خود بخود ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر لاک سے اسے مقفل کیا۔ پھر ہڈ اتاری اور گہرا سانس لیا۔ ''مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

''جانتا ہوں۔ یہ بھی کہ عصرہ محمود کے قتل کے الزام میں تمہاری تلاش جاری ہے۔''

وہ جو دروازے سے کمر ٹکائے کھڑی تھی' ان الفاظ پہ اس کی آنکھوں میں ایک بے بس سا تاثر ابھرا۔

''ابھی تک یہ بات پبلک نہیں ہوئی۔ صبح جب وہ داتن اور مجھے گرفتار کرنے سے مایوس ہا جائیں گے تب اسے پبلک کر دیں گے۔''

''میرے اپنے تعلقات ہیں' تالیہ۔ تم نے کھانا کھایا؟''

ساحر ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے بولا اور پھر اندر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ پھر محسوس کیا کہ وہ ابھی تک رکی ہوئی ہے۔ ذوالکفلی نے واپس مڑ کے اسے دیکھا۔ ''اندر آؤ۔''

''گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے؟ دیکھو میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔''

ذوالکفلی نے اس کے چہرے کو افسوس سے دیکھا جس کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

''تم خوفزدہ ہو؟''

''نہیں تو۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''شہزادی تالیہ کو ذرا سی پولیس نے ڈرا دیا ہے۔'' وہ استہزایہ مسکرا کے آگے بڑھا تو تالیہ کے گال سرخ ہوئے۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

''تالیہ کو کوئی اتنی آسانی سے نہیں ڈرا سکتا۔ میں بس.....'' لب کاٹتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس گھر میں مدھم زرد روشنیاں پھیلی تھیں جو اسے عجب پراسرار سا تاثر دیتی تھیں۔ وہ دیوان خانے میں آئی اور نیچے چٹائی پہ بیٹھی تو پہلی نظر شیلف پہ رکھی بوتلوں پہ پڑی۔ ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''وان فاتح کی بوتل سے چند بوندوں کے سوا کچھ غائب نہیں ہوا۔ وہ ابھی تک اپنی یادداشت واپس نہیں حاصل کر سکا۔''

وہ انہی بوتلوں کو دیکھ رہی تھی جب ذوالکفلی ٹرے لیے اندر داخل ہوا۔ تالیہ چونکی۔ پھر بھاپ اڑاتے پیالے کو دیکھ کے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا اور پیالے کو دونوں کے درمیان چوکی پہ رکھ دیا۔ تالیہ نے جلدی سے اسے قریب کھسکایا۔ سوپ میں تیرتے رامن (نوڈلز) اس وقت شدید اشتہا انگیز لگ رہے تھے۔

''شکریہ۔'' وہ تیزی سے چاپ اسٹکس میں بھر بھر کے نوڈلز کھانے لگی۔ گرم گرم مائع نے زبان جلا دی مگر اس نے ذرا سا وقفہ دیا اور پھر سے کھانے لگی۔ وہ کہنیاں چوکی پہ رکھے اپنی چمکتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کبھی تمہیں اتنا خوفزدہ نہیں دیکھا۔''

تالیہ چپ چاپ کھاتی رہی۔

''تم نے عصرہ کو زہر دیا ہے کیا؟''

چوپ اسٹکس والا ہاتھ منہ تک جاتے رک گیا۔ تالیہ کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

''تمہیں لگتا ہے میں کسی کو زہر دے سکتی ہوں؟''

''ہاں۔ دے سکتی ہو۔ لیکن صرف تب جب وہ انسان اس کا اہل ہو۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے ہرٹ سی ہو کے اسے دیکھتی رہی۔ پھر چاپ اسٹکس نیچے رکھ دیں۔

''میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔ مگر سب ثبوت میرے خلاف جاتے ہیں۔ میں ملائیشیا نہیں چھوڑ سکتی اور میرے پاس چھپنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ پتہ نہیں میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟'' پھر وہ اٹھنے لگی۔ ''نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''تالیہ.....بیٹھو.....ہم مل کے کوئی حل نکالتے ہیں۔''

''اگر تمہیں میری بے گناہی پہ یقین نہیں ہے تو باقی دنیا کو کیسے آئے گا؟'' وہ کھڑی ہوئی اور ہڈ سر پہ ڈال لی۔ پیروں میں

رکھا بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔میرا کوئی دوست نہیں ہے۔''

''تالیہ.....''اس نے پکارا مگر وہ تلخی سے کہتی ہوئی باہر جا رہی تھی۔

''جو دوست تھے'ان کو کبھی میری بے گناہی کا یقین نہیں آئے گا۔اور جس کو آئے گا'اس کی عمر ختم ہونے والی ہے۔میں دوستوں کے معاملے میں بہت بدقسمت ہوں۔''اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

ملاکہ کا ساحل اس گھنے اندھیرے میں ویران پڑا تھا۔چاند بادلوں میں چھپا تھا اور لہریں قدرے پرسکون تھیں۔وہ ریت پہ کھڑی تھی' ہڈ پیچھے گرا رکھی تھی اور چھوٹے بال پونی میں مقید تھے۔وہ خاموشی سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔لہریں لپک لپک کے آتیں'اس کے پیروں کو بھگو دیتیں'اور واپس پلٹ جاتیں۔وہ اپنی حد سے چاہنے کے باوجود نہیں بڑھ سکتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ پانی میں قدم آگے بڑھانے لگی۔اس کے چہرے پہ عجیب سی مایوسی تھی۔دماغ جیسے کہیں دور الجھا تھا۔ٹخنے پانی میں ڈوبنے لگے۔وہ چلتی گئی۔آگے.....اور آگے.....

''اب گھر جانے کا وقت ہے'پتری تالیہ۔اس سے پہلے کہ سورج نکلے اور تمہیں کوئی دیکھے۔''کسی نے اس کو کہنی سے پکڑ کے روکا تو تالیہ پتھر ہوگئی۔پھر بے یقینی سے مڑی تو بوڑھا جادوگر سامنے کھڑا تھا۔اس کی آنکھیں ویسی چمکتی ہوئی تھیں اور چہرہ سپاٹ تھا۔

''تم.....میرے پیچھے آرہے تھے؟''وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

''تم دوستوں کے معاملے میں بدقسمت نہیں ہو۔تم ملاکہ کی شہزادی تالیہ ہو اور تم یوں مایوس ہو کے اس پانی میں قدم نہیں رکھ سکتیں۔''وہ درشتی سے بولا تو وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ریت پہ چلتے سڑک کی طرف جا رہے تھے۔

''تم ہمت کیسے کھو سکتی ہو؟اتنی جلدی؟''

وہ سینے پہ بازو لپیٹے کندھے اچکا کے بولی۔''میں.....سوچنے کے لیے یہاں آئی تھی۔میں صرف پانی میں کھڑے ہونا چاہتی تھی۔''

''تم پانی میں کھڑی نہیں ہو رہی تھیں'تم آگے بڑھ رہی تھیں۔بنا کچھ سوچے سمجھے۔اندھا دھند۔''وہ اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔''کیا تمہارے سامنے اتنا بڑا پہاڑ ہے جس پہ تم چڑھ نہ سکو؟''

''اس پہاڑ کو عبور کرنے کے لیے کوئی سڑک نہیں ہے'ذوالکفلی!''وہ ایک دم دبا دبا سا چیخی۔وہ دونوں آمنے سامنے ریت

پہ کھڑے تھے۔سیاہ آسمان اور تاریک سمندر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''تالیہ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔''

''اب نہیں ہے۔میرے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے۔سر چھپانے کو جگہ تک نہیں ہے۔میرے دوست تک کھو گئے ہیں اور داتن.....''اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔''داتن کو کینسر ہے۔وہ مر رہی ہے اور میں اس کو بچا بھی نہیں سکتی۔میں ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی جس میں مجھے خوف کے سایے تلے رہنا پڑے۔میں تنگ آ گئی ہوں۔''

''تو اپنے خوف کو شکست دو۔''

''میں نے پانچ دن قید میں کاٹے ہیں۔قید میرا سب سے بڑا خوف ہے اور میں دوبارہ اس میں نہیں جا سکتی۔میرے پاس چھپنے کے لیے بھی جگہ نہیں ہے۔میں....''اس نے پلٹ کے پانی کو دیکھا۔''میں اس سمندر میں چھپنے کے لیے جا رہی تھی۔شاید یہ مجھے اپنے اندر پناہ دے دے۔''

''اگر میں نہ آتا تو....''

''اگر تم نہ آتے' تب بھی میں واپس پلٹ جاتی۔ڈوب کے مرنے میں سنا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور میں مزید تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔''وہ زخمی سا مسکرائی۔

''تمہیں سمندر کی پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ابھی ملاکہ میں پناہ گائیں ختم نہیں ہوئیں۔''وہ تلخی سے بولا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

فجر روشن ہو رہی تھی جب وہ دونوں واپس اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ذوالکفلی سیدھا راہداری میں آگے آیا اور کونے سے میٹ ہٹایا۔وہاں ایک لکڑی کا تختہ تھا جو فرش کا حصہ لگتا تھا۔اس نے احتیاط سے اسے اٹھایا تو نیچے ایک ٹریپ ڈور تھا۔ذوالکفلی نے اسے کھولا اور سر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا۔وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ وہ جگہ ہے جہاں تک کوئی پولیس نہیں پہنچ سکتی۔تم یہاں جتنا عرصہ چاہو رہ سکتی ہو۔میں کسی کو ادھر داخل نہیں ہونے دیتا لیکن میں یہ بھی نہیں برداشت کر سکتا کہ تم سمندر میں پناہ ڈھونڈو۔''

تالیہ ایک قدم پیچھے کو ہٹی۔اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔''میں کسی قبر میں نہیں رہ سکتی۔میرا سانس گھٹ جائے گا۔''

''کیا تمہارے پاس کوئی بہتر پناہ گاہ ہے' پتری تالیہ؟''بوڑھا جادوگر پوچھ رہا تھا۔اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ٹریپ ڈور کے نیچے لکڑی کا ایک زینہ بنا تھا۔وہ اسے عبور کر کے نیچے فرش پہ اتری تو اندھیرے میں اتنا معلوم ہوتا تھا کہ

وہ ایک طویل ہال ہے۔ دیوار پہ بٹن چمک رہے تھے۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو مدھم روشنیاں جل اٹھیں اور سارے ہال کو روشن کر گئیں۔

وہ ہال اتنا وسیع تھا جتنا کہ اوپر موجود ذوالکفلی کا سارا گھر۔ وہاں قطار در قطار کتابوں کے ریک رکھے تھے اور ان میں پرانے چمڑے کی جلد والی کتابیں سجی تھیں۔ وہ کتابوں کا ایک عظیم الشان مقبرہ تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ ہال کے دہانے پہ کھڑے ہوئے حیرت سے بولی۔ ذوالکفلی زینے اتر کے نیچے آ رہا تھا۔ سادگی سے کندھے اچکائے اور بتانے لگا،

''یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔ اکثر کا تعلق پمبورو سے ہے اور باقی دیگر علوم کی ہیں۔ جادو' ان دیکھی طاقتیں.... علم طب.... یہ میرا ذخیرہ ہے۔ تمہارے کام کا نہیں ہے۔'' وہ اب دو ریکس کے درمیان سے گزر کے ہال کے دوسرے سرے تک آیا اور اسے کونے میں موجود ایک کمرہ دکھانے لگا جس کے اندر ایک بیڈ تھا۔ ساتھ ایک چھوٹا کچن جس میں بجلی کا چولہا تھا۔ چھوٹا فریج' باتھ روم 'اور ایک اسٹڈی ٹیبل کرسی سمیت۔ گویا پراسرار لائبریری کے اندر ایک شخص کی رہائش کا سارا بندوبست موجود تھا۔

تالیہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ مدھم زرد بتیاں روشن ہوتی گئیں۔ ریکس میں سجی کتابیں خاموشی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں گرد کی بو بھی تھی اور کوئی عجب سی ویرانی بھی۔

''تم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔ تمہیں سمندر کی پناہ گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا اور تالیہ بھی اداسی سے مسکرا دی تھی۔

کتابیں.... وہ ایک دفعہ پھر اس کی پناہ گاہ بن گئی تھیں۔ خاموش دوست۔ محرم راز۔

قید کی ساتھی ہوں۔

☆☆=========☆☆

تین دن بعد:۔

دوپہر کے باوجود زیر زمین بنے کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔ اس کے تین دن اسی حالت میں گزرے تھے' جو فی الوقت نظر آ رہی تھی۔ کتب خانے کی دیوار میں موجود شیشے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر کمرے میں سنگل بیڈ پہ نیم دراز تھی۔ ہینڈز فری کانوں میں لگائے' وہ موبائل دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ لباس وہی تھا۔ اور الجھے الجھے بال پونی میں جکڑے تھے۔

موبائل پہ خبروں کا بلیٹن چل رہا تھا۔

''تالیہ مراد جو کہ وان فاتح کی ایکس چیف آف اسٹاف بھی رہ چکی ہیں' اس کیس میں مرکزی suspect ہیں۔ پولیس کے مطابق چے تالیہ اس وقت لاپتہ ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔ اب ہم اس بارے میں اپنے پینالسٹ سے بات کریں گے۔'' نیوز اینکر اب اسٹول پہ گھوم کے اسٹوڈیو میں موجود آدمی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آپ کے خیال میں چے تالیہ کا عصرہ محمود کے قتل میں کیا motive ہو سکتا ہے؟'' اینکرز اپنے تئیں سارے فیصلے سنا کے ملزم کو مجرم تصور کر چکے تھے۔

دانشور تجزیہ نگار نے کھنکھار کے گلا صاف کیا۔

''دیکھیں اگر یہ قتل تالیہ مراد نے کیا ہے تو صاف ظاہر ہے۔ عصرہ محمود بی این کی وائس چیئر پرسن تھیں۔ ان کی جگہ لینے کے لئے.....''

''میرا خیال ہے کسی ذاتی رقابت کی وجہ سے.....'' ایک کے بعد ایک پینالسٹ اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔

اس نے زور سے بٹن دبا کے ویڈیو بند کی۔ پھر پیچھے گئی تو سامنے ہی اشعر محمود کی ویڈیو کھل گئی۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا رپورٹرز سے بات کر رہا تھا۔

''ظاہر ہے میری بہن کی جان تالیہ مراد نے ہی لی ہے۔'' وہ رعونت اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں پولیس کو بتا چکا ہوں اور بار بار سب کو یاد کروا تا رہوں گا کہ عصرہ محمود نے خود ہمیں متعدد بار وہ کیک دکھائے تھے جو تالیہ ان کو بھیجتی تھی۔'' سرد انداز' تنفر بھرا لہجہ۔ تالیہ نے لب کاٹتے ہوئے آگے سوائپ کیا۔ اگلی ویڈیو وان فاتح کی تھی۔

وہ چند افراد کی معیت میں کار کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ تیز ہوا سے اس کی ٹائی بار بار پیچھے کو اڑتی۔ وہ ٹائی پن لگانا بھول گیا تھا۔ شاید کوئی یاد کروانے والا موجود نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر افسردہ لگتا تھا۔

مائیک پکڑے رپورٹرز کا ہجوم اس کے سامنے الٹے قدموں چلتا پیچھے کو آ رہا تھا۔ وہ سب کار پارکنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''سر.... میڈیکل رپورٹ کے مطابق آپ کے جسم سے بھی آرسینک ملا ہے مگر اس کی مقدار بے ضرر ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ آپ نے کیک کم تعداد میں کھائے تھے؟''

وہ کار کے قریب رکا' اور سپاٹ سے انداز میں رپورٹر کو دیکھا۔

''میں ongoing تفتیش کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔ یہ پولیس کا کام ہے کہ وہ حقائق سامنے لائے۔''

''سر.... تالیہ مراد کا آپ کی بیوی کو مارنے کے پیچھے کیا مقصد ہو سکتا تھا؟''

فاتح نے دروازے پہ ہاتھ رکھے اسی ٹھنڈے تاثر کے ساتھ رپورٹر کو دیکھا۔

''یہ تالیہ نے نہیں کیا۔ پولیس اپنی نااہلی چھپانے کے لئے ایک بے گناہ لڑکی کو مجرم بنا کے پیش کر رہی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ واقعی اس میں ملوث ہے' تب بھی عدالت کے فیصلے تک ہم ملزم کو بے گناہ تصور کرتے ہیں۔ اس لڑکی کا میڈیا ٹرائل بند کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' وہ برہم ہوا تھا۔ ایک رپورٹر نے پیچھے سے پکارا۔

''سر اگر ایسا ہے تو تالیہ مراد سامنے آ کے اپنی بے گناہی ثابت کیوں نہیں کر دیتی؟ وہ روپوش کیوں ہیں؟''

وان فاتح نے ابرو اچکائے۔ ''ہمیں نہیں معلوم کون کس وقت کس مسئلے میں پھنسا ہو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی سامنے آ کے خود کو اس الزام سے بری کروا لے گی۔'' اور ہاتھ کے خفی اشارے سے ''بس'' کہہ کے وہ کار میں بیٹھنے لگا۔

''سر.... آپ ان کے باس رہے ہیں.... کیا انہوں نے آپ سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟'' کسی نے سوال پھینکا تھا۔ فاتح نے سن لیا تھا مگر اس نے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کر دیا۔ البتہ اس سوال پہ پہلی دفعہ اس کے سپاٹ تاثرات میں دراڑ سی دکھائی دی تھی۔ جیسے وہ ڈسٹرب ہوا ہو۔ جیسے وہ اداس ہوا ہو۔ اور پھر کار آگے بڑھ گئی اور ویڈیو ختم ہو گئی۔

تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے فون رکھا اور ہینڈز فری کانوں سے نوچ اتارے۔ وہ گزشتہ تین دن سے خبریں ہی دیکھ رہی تھی۔ سارا ملک اس کو قاتل کہہ رہا تھا۔ نیلوفر کی کتاب سے بنائی چند دن کی شہرت ماند پڑ گئی تھی اور اب وہ عصرہ محمود کی قاتل اور ایک Fugitive بن کے رہ گئی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لئے اور تھوڑی ان پہ جما دی۔ جیسے اس کتابوں کے اس ویران مقبرے میں وہ خود کو اپنے ہی گلے سے لگائے محفوظ کرنا چاہ رہی ہو۔

خوف اور بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر ایک بات طے تھی۔ تالیہ کبھی دوبارہ پولیس کی پہنچ میں نہیں جائے گی۔ وہ اب کسی نئی جیل کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ دوبارہ نہیں آ سکتی تھی۔

سامنے رکھے بک شیلف پہ ایک کتاب ترغیب دلانے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے گہرے نیلے سرورق پہ سفید سفید الفاظ جگمگا رہے تھے۔

''خودکشی کرنے کے لئے تین Painless زہر۔''

وہ چپ چاپ اس کتاب کو دیکھنے لگی۔

کوئی شک نہیں کہ وہ کتابیں ممنوعہ تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے اس دن کی یاد ان کے سامنے آ بکھری۔

وہ ریستوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی....

اسی پل تاؤ نے بتیاں مدھم کی تھیں....اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....

سڑک کنارے درختوں کی قطار.....اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید چیری بلاسم کے پھولوں کی بچھی تہہ....ہوا چل رہی تھی اور پھول گرتے جا رہے تھے.....

''تم.....تم ٹھیک ہو داتن؟''

فضا میں جھینگے تلنے کی مہک تھی۔اور شڑ شڑ کا شور بھی۔قہوے سے بھری پیالیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

''یہ کینسر کی دوا ہے اور یہ بوتل تمہاری ہے۔تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟''

پیانو رک گیا۔جھینگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔

''تم سن کے ہرٹ ہو گی۔اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔''

پیانو تیز ہو گیا۔کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوشی رول کو چھرے سے کاٹنے لگا۔دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آ رہے تھے۔اور سوشی رول کٹنے کی آوازیں.....ٹھک ٹھک ٹھک.....

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔وہ کتابوں کے مقبرے میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے رکھی وہ بنا درد کے مار دینے والی زہریلے نسخوں کی کتاب تمسخر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بالآخر تالیہ نے ہاتھ بڑھایا اور دھڑکتے دل سے اس کتاب کو اٹھا لیا۔ایسا زہر جو درد نہ دے....کیا یہی اس کا آخری راستہ ہو سکتا تھا؟ آخری پناہ گاہ؟

☆☆=========☆☆

بی این کے آفس میں اس روز معمول کے کام جاری تھے۔ایسے میں لفٹ کے دروازے کھلے اور وان فاتح نکلتا دکھائی دیا تو اس کے ماتھے کے بل واضح تھے اور وہ شدید ناخوش لگتا تھا۔گرے سوٹ میں ملبوس وہ بظاہر ورک ڈے کے لئے تیار لگ رہا تھا مگر اس کا موڈ خراب معلوم ہوتا تھا۔آج پھر راستے میں اس کو رپورٹرز نے روک کے سوالوں کی بوچھاڑ کی تھی اور یہ سوال اب اذیت دینے لگے تھے۔

وہ اپنے آفس کے قریب پہنچا تو سیکرٹری فوراً سے اٹھی۔

''آپ کی تائید کے مطابق ایڈم بن محمد کو میں نے بلوا لیا تھا۔وہ اندر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔''

فاتح نے بس صرف سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گیا۔

ایڈم اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔وہ مرجھایا ہوا لگتا تھا۔

فاتح گھوم کے میز کے پیچھے آیا اور اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے تشویش سے اسے دیکھا۔

''تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہے؟'' سارے سوال جواب بس ایک ہی انسان کے بارے میں ہو سکتے تھے۔ نام لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

''نہیں۔'' ایڈم نے فکرمندی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ جینز اور سفید شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے' بال جیل سے پیچھے کیے شاید کام کے لیے تیار ہوا تھا مگر فاتح کی کال نے اسے کام چھوڑ کے ادھر آنے پہ مجبور کیا تھا۔

''اور لیانہ صابری؟'' فاتح مٹھیاں باہم ملائے' میز پہ آگے ہو کے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ ملک سے فرار ہو چکی ہیں۔ مجھے ان کی میل آئی تھی۔ سیکیورٹی خدشات کے باعث اب ہم رابطہ نہیں کر سکتے۔ چے تالیہ کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔'' ایڈم رکا۔

''کیا آپ سے بھی چے تالیہ نے رابطہ نہیں کیا؟'' اس کے انداز میں جھجک تھی مگر یقین بھی تھا۔

''وہ گھر آئی تھی۔'' فاتح پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔ پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

''کب؟'' ایڈم چونکا۔ وہ مختصر الفاظ میں بتاتا گیا۔

''اس وقت عصرہ کی میت سامنے تھی اور سب اس پہ شک کر رہے تھے۔ اگر وہ میری چھت پھلانگ کے داخل ہوتی دکھائی دیتی تو مجرم لگتی۔ اس کا وہاں سے بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔ مگر.....'' وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ''مگر وہ صبح واپس آسکتی تھی۔ اس کو چاہیے کہ وہ منظرِ عام پہ آجائے اور اپنی صفائی دے۔''

''وہ ایک دفعہ پولیس کی قید میں رہ چکی ہیں۔ وہ خوفزدہ ہیں۔''

''اس کا یوں بھاگنا اس کو مزید مجرم بنا رہا ہے' ایڈم۔'' وہ غصے سے بلند آواز میں بولا۔

''وہ.....خوفزدہ ہیں' سر!'' ایڈم نے بھی آواز اتنی ہی اونچی کی۔

چند لمحے کے لئے آفس میں تناؤ بھری خاموشی حائل ہوگئی۔ پھر فاتح نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

''میں اس کے لئے پریشان ہوں' ایڈم۔'' آواز دھیمی کی۔ انگلیوں سے کنپٹی دبائی۔ ''وہ اپنا دفاع نہیں کر رہی' اور لوگ اس کا میڈیا ٹرائل کیے جا رہے ہیں۔ اسے اپنے لئے لڑنا ہوگا۔ اس سب کو فیس کرنا ہوگا۔''

''چے تالیہ.....خوفزدہ ہیں!'' ایڈم نے توڑ توڑ کے دہرایا۔

وان فاتح چند لمحے کے لیے اسے دیکھتا رہا۔ پھر لب ہلائے۔

''اپنی چے تالیہ سے کہو.....وہ واپس آجائے۔''

وقت چند صدیاں پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ دونوں چائے خانے میں موجود تھے اور سفید کرتے والا غلام فاتح ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہا تھا۔

''اپنی شہزادی کو کہو' سلطان سے دور رہے۔''

''تمہاری اس سے ملاقات ہو....(فاتح کی آواز اسے ماضی سے کھینچ لائی۔ وہ سنبھل کے سننے لگا)... یا رابطہ ہو تو....اس کو کہو کہ وہ گرفتاری دے دے۔ اگر وہ یوں چھپ کے بیٹھ جائے گی تو میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔''

''وہ رابطہ نہیں کریں گی۔ وہ کوئی رسک نہیں لیں گی۔''

''تو تم اس سے رابطہ کرو۔ کوئی طریقہ تو ہوگا اسے ڈھونڈنے کا۔''

''سر' وہ داتن سے رابطہ کریں گی۔ ان دونوں کے پاس ایک دوسرے تک پہنچنے کے طریقے ہوں گے۔ مگر مجھے انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ اگر وہ کھو جائیں تو انہیں کیسے ڈھونڈنا ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں ان کو تب بھی ڈھونڈ لیتا جب وہ پولیس کی قید میں تھیں۔''

''ایڈم۔'' وہ آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں تالیہ کو ایسے نہیں جانتا جیسے تم جانتے ہو۔ ہمارے تعلق میں کچھ چیزیں مِسنگ ہیں۔ جیسے کھو گئی ہوں۔'' وہ کہتے کہتے چپ ہوا۔ کچھ تھا جو بات بے بات کھو جانے کا احساس دلاتا تھا۔ ''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایسی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا جس میں وہ نہ ہو۔ وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔ مگر تم.....''

اس نے ابرو اٹھا کے زور دے کر کہا۔ ''تم اس کو زیادہ جانتے ہو اور جو تم جانتے ہو' وہ ہمیشہ تمہاری مدد کرتا ہے۔''

اس بات پہ ایڈم بن محمد مسکرا دیا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا جو وان فاتح کو یاد نہیں آتا تھا۔

''اس کو ڈھونڈو اور اس سے کہو کہ وہ مجھ سے ملے۔''

''کیا آپ ان کے خوف دور کر پائیں گے؟''

''میں کوشش کرنا چاہتا ہوں۔''

چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر ایڈم نے سر ہلایا اور ایک فائل میز پہ رکھی۔ مگر اسے کھولا نہیں۔ اس پہ ہاتھ رکھے رکھے وہ پوچھنے لگا۔

''آپ کے بچے....وہ ٹھیک ہیں' سر؟''

''کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس ماحول میں جہاں ٹی وی پہ بار بار ان کی ماں کے قتل کی باتیں دہرائی جائیں۔''

''آپ کو انہیں اس ماحول سے دور کرنا ہوگا۔''

''اشعر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ ہم بچوں کو کچھ عرصے کے لئے عصرہ کی کزن کے پاس امریکہ بھیج دیں۔ میرے لئے یہ ایک بہت مشکل فیصلہ ہوگا' مگر پھر.....(گہری سانس لی۔) کسی نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ زندگی آسان ہوگی۔''

پھر اس نے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ پہ پتہ لکھا۔

''یہ آدمی ذوالکفلی.....ملاکہ میں رہتا ہے۔ شاید یہ تالیہ کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔''

ایڈم نے چٹ جیب میں رکھ لی مگر اٹھا نہیں۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ فاتح نے بے اختیار گھڑی کو دیکھا۔ ''کچھ اور؟''

''میں نے چے تالیہ کو چار دن دیے تھے کہ وہ اس آف شور کمپنی کیس میں آپ کی بے گناہی ثابت کر دیں۔''

فاتح نے بے زاری سے سر جھٹکا۔ ''میں بتا چکا ہوں' میری کوئی آف شور کمپنی نہیں ہے۔''

''وہ چار دن کل تمام ہو گئے تھے۔'' وہ سنے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''آج مجھے جن پیپرز کو ریلیز کرنا ہے ان میں آپ کے دستخط شدہ کاغذات بھی شامل ہیں۔ یہ اوریجنل ڈاکومنٹس ہیں' سر۔ یہ کوئی فوٹو کاپی نہیں ہے۔'' اس نے فائل کھول کے فاتح کی طرف دھکیلی۔ (اس سے پہلے اس نے فاتح کو فوٹو کاپی دکھائی تھی جس کو اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔)

''میں نے ان کی تصدیق دوبارہ اپنے سورس سے مانگی تو اس نے مجھے ہانگ کانگ سے اپنے آفس کی آرکائیوز سے یہ اوریجنل فائل لا کر دی ہے۔ پہلے صرف فوٹو کاپی تھی.....آپ اس کو نہیں پہچانتے تھے....مگر اس کو دیکھیں اور بتائیں۔ یہ تین کاغذ آپ نے خود سائن کیے تھے؟''

وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

فاتح نے فائل کھولی۔ اندر تین کاغذ اسٹیپل سے پن اپ کیے گئے تھے۔ ان تینوں کے نیچے فاتح کے دستخط تھے۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں' یہ میں نے نہیں کیے نہ میں ان کاغذات کو پہچانتا ہوں اور.....'' وہ قدرے ناگواری سے صفحہ پلٹتے ہوئے کہہ رہا تھا جب وہ ٹھہرا۔

پہلے اور دوسرے صفحے کے درمیان جہاں اسٹیپل کی پن لگی تھی' وہاں کچھ پھنسا تھا۔ فاتح نے آہستہ سے پن جدا کی۔

ایک ننھی سی مقید شے آزاد ہوئی۔

اس نے دو انگلیوں میں اسے اٹھایا۔

وہ گلابی رنگ کے چیری بلاسم کی ایک پتی تھی۔

خشک' مرجھائی ہوئی' ان کاغذوں میں برسوں سے امر ہوئی۔

اس نے پتی کو اوپر لے جا کے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ ایڈم غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو کچھ یاد آیا' سر؟'' اس کے اندر جوش سا بھرا۔

فاتح نے پتی رکھی۔ اور ان کاغذات کو الگ الگ کر کے دیکھا۔ پھر دستخط کی جگہ پہ انگلی پھیری۔ اور اوپر پرنٹ شدہ عبارتیں پڑھیں۔ ایڈم اس کے ایک ایک تاثر کو دیکھ رہا تھا۔

''ایسے لگتا ہے آپ دستخط کو پہچانتے ہیں مگر..... عبارتوں کو نہیں۔ کیا کسی نے کورے کاغذ پہ آپ سے دستخط کروائے تھے؟''

وان فاتح اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک اور منظر چلنے لگا تھا.....

وہ ساکورا ہانامی کے دن تھے.....

جاپان کی سڑک تھی.... گلابی اور سفید روئی کے گالوں جیسے چیری بلاسم ہر طرف گرے تھے۔

وہ لمبا کوٹ اور مفلر پہنے' ٹھنڈی ہوا میں بنچ پہ بیٹھا تھا۔ وہ نظریں جھکا کے اخبار پڑھتا' دوسرے ہاتھ سے کافی اٹھا کے پیتا' پھر واپس بنچ پہ رکھ دیتا۔

یکدم سکے کھنکنے کی سی آواز آئی۔ فاتح نے نظریں اٹھائیں۔

سامنے ایک کپل چلا آ رہا تھا جن کے ساتھ ایک پانچ چھے سال کا بچہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلابی کاٹن کینڈی تھی اور وہ اس کی اسٹک کو خوشی سے ہاتھ میں گھما رہا تھا۔

فاتح کی نظریں اس کے قدموں پہ جھکیں۔ اس کے جوگرز میں سکے لگے تھے۔ وہ چلنے سے کھنکتے تھے۔ اس نے واپس نظریں اخبار پہ جھکائیں۔

بنچ کے پیچھے بڑا سا چیری بلاسم کا درخت تھا۔ اس کے عقب سے عصرہ نکل کے قریب آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔ اس کے بیٹھنے پہ وہ چونکا۔ کافی کا کپ اٹھا لیا۔ بے دھیانی میں ذرا سی کافی چھلکی۔ گھاس پہ گرتے ایک سفید پھول کو وہ داغدار کر گئی۔ ہاتھ پہ بھی گرم گرم قطرے گرے تھے۔ عصرہ نے اوہو کہتے ہوئے ٹشو سے اس کا ہاتھ صاف کیا۔

''تھینکس۔'' اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے ہچکچاہٹ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہوا سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک فولڈر تھا۔

''مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔ اور تم انکار نہیں کرو گے۔'' وہ نرمی بھری قطعیت سے کہہ رہی تھی۔

''کہو۔'' ہوا کا جھونکا آیا اور درخت سے ڈھیر سارے پھول نیچے آن گرے۔ کچھ عصرہ کے بالوں اور کندھوں پہ ٹھہر گئے۔ کچھ فاتح کے مفلر پہ۔

''میں ایک کاغذ پہ تمہارے سائن لینا چاہتی ہوں۔بغیر کوئی سوال کیے تم ان پہ سائن کر دو گے کیا؟''

فاتح نے اچنبھے سے فولڈر کو دیکھا۔''اس میں کیا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں۔''وہ مسکرائی۔''اگر بتایا تو تم لمبی بحث کرو گے۔بس بنا سوال کے سائن کر دو۔میری بات مان لو۔''

''بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن؟''

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''اس نے مان سے فاتح کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔''کیا میں کوئی ایسا کام کر سکتی ہوں جو ہماری فیملی کے لیے خطرہ بنے؟''

اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔وہ مسکرا دیا۔

''پین دو۔''ہاتھ بڑھایا تو عصرہ نے مسکرا کے پین اس کی طرف بڑھایا۔اس نے پین پکڑا اور فولڈر کھولنے لگا۔اس میں تین کاغذ تھے اور وہ اسٹیپل نہیں ہوئے تھے۔

ہوا کا ایک سرد جھونکا آیا اور کاغذ پھڑ پھڑائے۔ساتھ ہی بہت سے پھول چھم سے نیچے آن گرے۔کاغذ پتیوں سے گلابی ہو گیا۔

''آپ کو یاد ہے.....ہے نا؟''ایڈم کی آواز پہ وہ چونکا۔وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔سانس روکے۔پل بھر میں فاتح واپس اپنے آفس میں آ گیا۔

''کسی نے آپ کو یہ کاغذ سائن کرنے کو دیے تھے کیا؟''ایڈم اندازہ لگا رہا تھا۔

فاتح نے ابرو اچکائے'اور فائل بند کر کے اس کی طرف بڑھائی۔

''میں نے کہا نا'میں اس عبارت کو نہیں پہچانتا۔''انداز خشک ہو گیا۔

''کیونکہ جب آپ نے دستخط کیے تو عبارت لکھی ہی نہیں گئی تھی۔آپ کو بلینک کاغذات دیے گئے تھے۔''وہ رکا۔''عصرہ بیگم.....انہوں نے بنائی تھی یہ کمپنی'رائٹ؟''

''میری بیوی مر چکی ہے۔اس کو اس معاملے میں مت گھسیٹو۔''اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا'مگر ایڈم کو جیسے سارا معاملہ سمجھ آ رہا تھا۔

''سر.....آپ مجرم نہیں ہیں کیونکہ آپ کو نہیں معلوم تھا ان میں کیا ہے۔مگر مسز عصرہ آپ کو ایسے سکینڈل میں پھنسا کے چلی گئی ہیں جو آپ کا کیریئر برباد کر سکتا ہے۔''

''میں نے کہا نا'مجھے یہ کاغذ یاد نہیں ہیں۔تم نے ان کو لیک کرنا ہے'کر دو۔میرا واحد کنسرن فی الوقت تالیہ ہے۔اس کو

ڈھونڈ نا مت بھولنا۔'' ایڈم گہری سانس لے کر اٹھا۔

''یعنی یہ کاغذ سچے تھے۔ میں درست تھا۔ آئی ایم سوری' سر۔ مگر مجھے ان کو عوام کے حوالے کرنا ہوگا۔ پورا سچ بولنا بھی آپ نے ہی مجھے سکھایا تھا۔''

فاتح ماتھے پہ بل ڈالے اسے دیکھے گیا۔ وہ اب مڑ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ آف شور کمپنی اس کے دستخط سے بنی تھی مگر فاتح کے کسی ٹیکس ریٹرن' یا الیکشن کے کاغذات نامزدگی میں اس کمپنی کا کوئی ذکر نہیں تھا جو کہ ایک جرم تھا۔

ہر امیدوار کو الیکشن لڑتے وقت اپنی ہر کمپنی' گھر' زمین' بینک اکاؤنٹ وغیرہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسے ''اثاثہ جات ظاہر کرنا'' کہتے ہیں۔ یوں عوام خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہلے کتنا امیر تھا اور اب کتنا امیر ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کوئی ناجائز پیسا تو نہیں بنا رہا۔ یوں اس کے الیکشن سے پہلے اور بعد کے اثاثوں میں زمین آسمان کا فرق آ جائے گا۔ سیاستدانوں کو بالخصوص ہر سال ٹیکس فائل کرتے وقت بھی اپنے اثاثے دکھانے ہوتے ہیں تاکہ ان کی کریڈیبلٹی شفاف رہے۔

آف شور کمپنی بنانا جرم نہیں تھا۔ اسے بنانے کے بعد چھپا لینا جرم تھا۔ اس پہ ٹیکس نہ دینا' اور اس کو ظاہر نہ کرنا جرم تھا۔

اور فاتح کو معلوم تھا کہ وہ شدید مشکل میں گرفتار ہونے والا ہے۔

☆☆=========☆☆

کتابوں کے مقبرے میں دن رات یکساں تھے۔ کون سا پہر تھا' کیا وقت ہوا تھا' کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

تالیہ انگلیاں مروڑتی' بے چینی بک ریکس کے درمیان ٹہل رہی تھی۔ ہڈ پیچھے گرائے' بالوں کو گول مول باندھے' وہ بے رونق' زرد چہرے کے ساتھ بار بار کنپٹیوں کو چھوتی جیسے سوچ سوچ کے دماغ تھکنے لگا ہو۔

اس کے آپشنز کیا تھے؟ فرار کے کون سے راستے دستیاب تھے؟

کنکھیوں سے اسے وہ ریک نظر آ رہا تھا جس میں نیلی جلد والی کتاب ہنوز اسے تمسخر سے دیکھ رہی تھی۔ اس روز تالیہ نے اسے اٹھانے کے سند لمحے بعد واپس رکھ دیا تھا مگر آج... آج لگتا تھا کہ کوئی راستہ نہیں بچا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی اور دھڑکتے دل سے وہ کتاب نکالی۔

اس کے صفحے وقت گزرنے کے باعث بھربھرے ہو رہے تھے۔ ہاتھ لگانے سے کنارے ٹوٹنے لگتے تھے۔ اس نے کھڑے کھڑے احتیاط سے صفحے پلٹائے۔

''اگر تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو.... اور ہر چیز تمہارے خلاف جا رہی ہے.... اور تم مرنا چاہتے ہو تو مزید تکلیف کیوں

اٹھاتے ہو؟''

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ کتنی ظالم سطور تھیں وہ۔

''تم پہلے ہی بہت اذیت سہہ چکے ہو۔

اب خود کو ایسے طریقے سے فنا کرو جس میں خوشی ہو' آرام ہو۔ اور تکلیف نہ ہو۔

جیسے تم بادلوں میں اڑ رہے ہو۔

بنا درد کے مرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کی تیاری کرنا سکھاتا ہوں۔

یہ میرے تین زہر ہیں جو تمہاری جان ایسے لیں گے کہ تمہیں درد محسوس نہیں ہوگا۔

یوں جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔ یوں تمہاری روح.....''

اس نے جھرجھری لے کر کتاب زور سے بند کی۔ گرد باہر کو اڑی۔ اس نے جلدی سے اسے واپس رکھا اور اس کی طرف پشت کر لی۔ کسی قدیم زمانے کے شکار باز کی لکھی یہ کتاب بہت ڈراؤنی تھی۔

اور جو خیال اس کے ذہن میں پنپ رہا تھا' وہ زیادہ خوفناک تھا۔ ابھی اس کو ایسا کچھ نہیں سوچنا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس زندگی پہ give up نہیں کرے گی۔ اس کو مقابلہ کرنا تھا۔ سارے آپشن آزمانے ہوں گے۔

یہ کتاب اس کا آخری آپشن ہوگی۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

وہ ایک کونے میں دیوار سے کمر ٹکائے بیٹھ گئی اور موبائل کھولا۔ پھر چونکی۔

ایڈم کے نام سے ٹوئیٹر بھرا پڑا تھا۔ اس نے بنگارایا ملایو کا دوسرا حصہ ریلیز کر دیا تھا اور اس میں وان فاتح کا نام بھی تھا۔

چار دن گزر چکے تھے۔ تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ہر چیز اس کے اور اس کے عزیز لوگوں کے خلاف جا رہی تھی۔ ایک دوست موت کے قریب ہو اور دوسرے کا سیاسی کیریئر برباد ہونے جا رہا ہو.... تو ایسے میں کوئی راستہ کیسے نکل سکتا تھا؟ اب وہ کیا کرے؟

☆☆=========☆☆

اگلی صبح کے ایل کے باسیوں کے لئے ایک نیا دن طلوع ہوئی تو بہت سے لوگوں کی زندگیاں بدلنے لگیں۔

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ صبح اداسی لائی تھی۔

وہ لاؤنج کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ سوٹ ٹائی میں ملبوس' وہ آفس کے لئے تیار تھا مگر باہر نہیں نکلا تھا۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ چبھتی نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

پورچ کے آگے چھوٹے گیٹ سے باہر کھڑے رپورٹرز کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ وہ رات سے یہیں تھے۔ وہ اس کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ کل ایڈم کی کتاب ریلیز ہوئی تھی اور تب سے اب تک واب فاتح رپورٹرز کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

وہ اس کے گھر اور آفس کے سامنے ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گئے تھے۔ وہ غصے میں تھے۔ وہ ہرٹ تھے۔ صوفیہ تو ایسی ہی تھی مگر فاتح؟ اس نے بھی اپنی کمپنی چھپائی تھی؟ وہ اس کے منہ پہ اس کے سارے لیکچرز' اس کے سارے بڑے بول دے مارنے کے منتظر تھے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ اس نے اپنی آف شور کمپنی کیوں بنائی تھی اور کیوں چھپائی تھی؟ اور صوفیہ کے ساتھ ڈی بیٹ میں بانگ دہل کیوں دعویٰ کیا تھا کہ اس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے؟

''ڈیڈ!''

آواز پہ وہ چونکا۔ سکندر لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پہ خوف و ہراس تھا۔

''اب ہم اسکول کیسے جائیں گے؟''

''اوہ سکندر!'' وہ اس کے قریب آیا اور پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم میرے بیٹے ہو۔ تم بہت بہادر ہو۔''

''جولیانہ صبح سے رو رہی ہے۔ ٹی وی پہ سب کہہ رہے ہیں کہ آپ بھی اتنے ہی مجرم ہیں جتنی صوفیہ رحمٰن۔'' سکندر کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''ڈیڈ.... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''میری بات غور سے سنو' سکندر۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا۔ ''ہم فیملی ہیں' اور فیملیز دوسروں کی باتوں پہ یقین کر کے کبھی آپس میں لڑائیاں نہیں کرتیں۔ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں تمہارے باپ کے خلاف۔ میں نے یا تمہاری ماں نے کبھی کوئی ایسا غلط کام نہیں کیا۔ تم جو سنو' اس کو ذہن سے نکالتے جاؤ۔''

''ماما نے بھی نہیں کیا تھا نا یہ؟'' نہ جانے کیوں سکندر نے پوچھا تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''تمہاری ماں ایک بہت اچھی عورت تھی اور کوئی اس کے بارے میں جو بھی کہے' تم ہمیشہ یاد رکھو گے کہ وہ بہترین عورت تھی۔'' وہ جیسے بے چین ہو گیا تھا۔

اس کے بچے ایک دفعہ اپنی ماں کھو چکے تھے۔ وہ دوسری دفعہ اسے کھونے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

''آج تم اسکول نہ جاؤ۔ آرام کرو۔ میں جولیانہ کو دیکھتا ہوں۔'' وہ سیدھا کھڑا ہوا اور موبائل نکالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

جب وہ سکندر کی پہنچ سے دور ہو گیا تو اس نے کال ملا کے فون کان سے لگایا۔

''ایش.....'' اور گہری سانس لی۔

''آبنگ..... یہ آپ نے کیا کر دیا ہے؟'' وہ گویا سر ہاتھوں میں دے بیٹھا تھا۔ میڈیا' سوشل میڈیا' ہر جگہ غم و غصے کا طوفان برپا تھا۔

''میں اس سب کا مقابلہ کر لوں گا۔ مگر بچے..... میں ان کو اس ماحول میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ ذہنی مریض بن جائیں گے۔'' وہ شدید پریشان لگتا تھا۔

''ظاہر ہے۔ میں چارون سے یہی کہہ رہا ہوں۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں آ رہا ہوں آپ کی طرف اور میں آج ہی بچوں کو حرمت کا کا کے پاس باہر بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں۔'' وہ رکا اور توقف سے بولا۔ ''میں بھی کچھ دن کے لئے ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ وہ سیٹ ہو جائیں گے تو میں آ جاؤں گا۔''

فاتح کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

(اشعر بھی میڈیا کے سوالوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فاتح کے دفاع میں جھوٹ بول کے اپنی کریڈیبلٹی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس سارے بکھیڑے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ مگر خیر... فی الوقت اسے اشعر کے اس اقدام کی ضرورت تھی۔)

''تھینک یو' ایش۔''

''اینی ٹائم' آبنگ۔'' پھر وہ رکا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ یہ کمپنی آپ کی نہیں ہے۔ نہ آپ نے یہ بنائی ہوگی مگر.....'' وہ ہچکچایا۔ ''کیا کا کا نے آپ کے نام سے....'' وہ بھی اپنی بہن سے واقف تھا۔

''عصرہ نے کچھ نہیں کیا۔'' فاتح تیزی سے بولا۔ ''اور میں کسی کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ ایک مری ہوئی عورت کو اس معاملے میں گھسیٹے۔ تمہیں بھی نہیں۔'' اور موبائل نیچے کرتے ہوئے زور سے سرخ بٹن دبایا۔

پھر ٹائی درست کی اور جولیانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنی بیٹی کو تسلی دے کر اسے باہر جانا تھا' اور صرف ایک کمنٹ دینا تھا۔

اسے جھوٹ اور سچ دونوں سے احتراز کرنا تھا۔

''نو کمنٹس۔ میں کسی کی ٹویٹس یا آن لائن کتابوں پہ تبصرہ نہیں کر سکتا۔ نہ میرے پاس ایسے کاغذات کو نظر بھر کے دیکھنے کا وقت ہے۔ جب مجھے عدالت نوٹس سرو کرے اور کسی کورٹ میں بلایا جائے' تب میں ان کو دیکھوں گا اور بتاؤں گا کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔''

اسے یہ جواب دینا تھا۔ یہ جواب سب کو چپ کروا دے گا۔ مگر زیادہ سے زیادہ دو دن تک۔ اور اس کے بعد؟

☆☆=========☆☆

وہ صبح ایڈم بن محمد کے لئے بھی کچھ نیا لائی تھی۔

وہ تیار ہو کے باہر برآمدے میں آیا تو اس کا باپ باغیچے میں کرسی ڈالے بیٹھا' دھوپ سینکتا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔اس کے لبوں پہ فخریہ مسکراہٹ تھی۔ ماں بھی کندھے کے ساتھ کھڑی جھک کے اخبار پہ جھانک رہی تھی۔میز پہ چند دوسرے اخبار بھی رول ہوئے رکھے تھے۔

آج اخبارات' ٹوئیٹر اور ٹی وی چینلز صرف ایڈم بن محمد کا ذکر کر رہے تھے یا وان فاتح کا۔اس نے دھوپ میں بیٹھے ان دونوں بوڑھوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا' اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔آہستہ سے نکلا اور باہر کھڑی اپنی کار کی طرف آیا۔دروازے کے شیشے میں اپنا عکس نظر آیا تو وہ مسکرا دیا۔

کوٹ کے اندر ہائی نیک پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو' اور سلیقے سے کٹے بالوں کے ساتھ کافی اچھا لگ رہا تھا۔اس کے کندھوں کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔اس نے سچائی کے ساتھ قوم کی امانت ان تک پہنچا دی تھی۔اپنا فرض نبھا دیا تھا۔دوست' دشمن' دونوں کو ایک پیمانے پہ رکھ کے فیصلہ کیا تھا اور وہ ایک دم بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے دو تین محلے داروں نے اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلائے تھے۔وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

وقت کتنا بدل گیا تھا۔کہاں وہ ایک بزدل شخص تھا۔کم اعتماد' مستقبل سے پریشان' مایوس سا ایڈم جس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا....اور کہاں.....اس نے بیک مرر درست کیا اور مسکرا کے کار اسٹارٹ کی....اور کہاں یہ ایڈم تھا۔

پراعتماد' نڈر' بہادر۔اس کا مستقبل روشن تھا۔لوگ اس سے پیار کرتے تھے اور وہ اسی طرح اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔اب کوئی اسے اس کے رنگ کی بنا پہ کسی جگہ سے نہیں نکال سکتا تھا۔کوئی اسے کسی تمغے سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔اب کوئی ایڈم بن محمد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

وہ بالآخر ایک آزاد انسان بن چکا تھا۔

جب اس نے یہ سوچا تو آٹھ بج کے اکیس منٹ تھے۔

کار کو چند بلاک دور لے جانے میں اسے سات منٹ لگے۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے وہ مرکزی شاہراہ پہ کار ڈال رہا تھا اور عین اسی وقت.....فضا تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی تھی۔

تڑتڑ چلتی اندھا دھند گولیاں کار کے شیشوں سے ٹکرائیں۔چھناکے سے کانچ ٹوٹا۔اس نے بریک لگانی چاہی مگر کار بے قابو ہو گئی۔وہ تیزی سے نیچے ہوا۔گولیوں کی بوچھاڑ رک گئی مگر کار سنبھالتے سنبھالتے دائیں طرف ایک درخت میں جا لگی۔

رفتار کم تھی اس لئے اسے محض زور سے جھٹکا لگا۔ سیٹ بیلٹ اور ائیر بیگز نے بروقت اسے بچالیا۔ اس نے ماتھا ائیر بیگ سے اٹھایا اور بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔

ونڈ اسکرین پہ کانچ ٹوٹنے کے باعث مکڑی کا جالہ سا بنا تھا۔ سائیڈ شیشہ آدھا ٹوٹ چکا تھا اور کانچ اس کے ہاتھوں پہ آ لگا تھا۔ سوائے چند خراشوں کے بظاہر اسے کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔.....مگر.....

اس کا سانس رک چکا تھا۔ لب ادھ کھلے تھے جیسے وہ اس قاتلانہ حملے پہ دنگ رہ گیا ہو۔ موت کا خوف واپس آ گیا تھا جسے وہ دبا کے سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سائمن کے بندے نہیں تھے جو چند ٹھوکریں مار کے چلے گئے تھے۔ یہ اندھی گولیاں تھیں جو ایک دفعہ چوک گئی تھیں مگر ہر دفعہ نہیں چوکیں گی۔ یہ ڈرانے کے لئے بھی نہیں ماری گئی تھیں۔ اس نے کل صرف فاتح کا نام نہیں باہر نکالا تھا۔ اس نے بیسیوں طاقتور آدمیوں کے راز افشاء کیے تھے۔

یہ انتقامی وار تھا۔ اور یہ بہت دلخراش تھا۔

وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ بونٹ سے دھواں نکل رہا تھا اور لوگ اردگرد جمع ہو رہے تھے۔ کوئی اندر جھانک کے پوچھ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اور کوئی پولیس کو کال کر رہا تھا.... مگر وہ بس تیز تیز سانس لے رہا تھا۔

وہ ٹھیک نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔

وہ ڈر گیا تھا۔ سہم چکا تھا۔ اس کا سارا اعتماد چکنا چور ہو چکا تھا۔ اور آزادی کے پر ٹوٹ گئے تھے۔

موت کو اتنا قریب دیکھ کے اسے احساس ہوا تھا کہ ہر دوسرے انسان کی طرح وہ بھی موت سے ڈرتا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اب وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆==========☆☆

ایڈم انہی قدموں پہ گھر واپس آیا مگر اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔ وہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

''تمہاری کار کو کیا ہوا؟ اور تم کسے کال کر رہے ہو؟''

وہ جس طرح دیوانہ وار فون ملاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا' باغیچے میں کھڑے اس کے باپ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ایبو جو برآمدے میں پودوں کو پانی دے رہی تھی' وہ بھی رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''پولیس کو۔ مجھے رپورٹ کروانی ہے۔'' فون کان سے لگائے وہ گہرے سانس لیتا کہہ رہا تھا۔ اس کے ماں باپ نے پریشان نظروں کا تبادلہ کیا مگر خاموش رہے کیونکہ رابطہ مل چکا تھا اور ایڈم تیز تیز بولتا سارا وقوعہ بتا رہا تھا۔

اس نے فون رکھا اور باپ کا چہرہ دیکھا تو وہاں بھی وہی خوف تھا۔اور پریشانی بھی۔وہ دونوں سب سن چکے تھے۔

''یہ کس نے کروایا ہے؟''

''میں نے بہت سے لوگوں کے نام لیک کیے ہیں۔کوئی بھی کروا سکتا ہے۔اور مزے کی بات....اگر ایک شخص مدِ مقابل ہوتا تو اس پہ شک جاتا۔اب اتنے سارے لوگوں کی وجہ سے بندہ کس پہ شک کرے؟''

وہ مضطرب سا کہہ رہا تھا۔

''تم....تم پریس کانفرنس کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ....'' باپ پریشانی کے عالم میں کہنا چاہ رہا تھا مگر ایڈم نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس سے کیا ہوگا؟ کوئی ایک آدمی ہوتا تو میں کہتا کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو میرا خون اس کے ذمے ہے مگر کتنے لوگوں پہ شک کروں؟ پبلک مجھے نہیں بچا سکتی۔یہ سلسلہ اب نہیں رکے گا۔''

پھر اس نے موبائل کی اسکرین باپ کو دکھائی۔

''یہ میرے میگزین کے دفتر کی فوٹیج ہے۔اور یہ (سوائپ کیا) پبلشر کے آفس کی۔یہاں بھی فائرنگ ہوئی ہے۔دو افراد زخمی ہو گئے ہیں۔''

''تم خوفزدہ ہو ایڈم؟'' ایبو تشویش سے دیکھتی قریب آئی۔وہ تینوں اب تکون صورت گھاس پہ کھڑے تھے۔چمکتی دھوپ میں چاردیواری پہ لگے کانچ کے ٹکڑے چمک رہے تھے۔

''میں بہت خوفزدہ ہوں' ماں۔'' اس کے ماتھے پہ پسینہ تھا۔''میں مرنا نہیں چاہتا۔اور یہ سب یہاں نہیں رکے گا۔وہ آپ لوگوں کو بھی نقصان دے سکتے ہیں۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کچھ عرصے کے لئے گاؤں چلے جائیں۔خالہ کے پاس۔''

''کیا موت گاؤں میں نہیں آسکتی؟'' ایبو نے باری باری دونوں کو دیکھا تو ایڈم زچ ہو گیا۔وہ اس وقت نصیحت نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

''میں آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں' ایبو۔''

''موت ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہے' ایڈم۔کوئی نہیں جانتا وہ کس زمین پہ مرے گا۔اور تمہارے تایا نے کہا تھا کہ اگر تم سچ بولو گے اور.....''

''کاش تایا نے اپنے خواب کے آخر میں یہ بھی بتایا ہوتا کہ سچ بولنے کے بعد کیا ہوگا۔''

تلخی سے کہہ کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ایڈم بن محمد کو آج کے واقعے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ موت سے نہیں بھاگ سکتا۔ وہ عرصے سے اس کے تعاقب میں تھی۔ اسے اب اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔

اسے تالیہ کو ڈھونڈنا تھا۔ صرف وہی اس کو اس مشکل سے نکال سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

ایڈم کمرے میں آیا اور گزشتہ روز کے اتارے ہوئے کوٹ کی جیب سے وہ چٹ نکالی جس پہ ذوالکفلی کا پتہ درج تھا۔ اسے اس شخص کو ڈھونڈنا تھا۔ وہی جانتا ہوگا کہ تالیہ کہاں جا سکتی ہے۔

☆☆=========☆☆

کتابوں سے بھرے تہہ خانے میں اس نے موم بتیاں جلا رکھی تھیں۔ مصنوعی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ وہاں خوف تھا' اور اداسی تھی۔ وہ میٹ پہ آلتی پالتی کیے یوگا کے پوز میں بیٹھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ سینکڑوں کتابیں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بار بار جیسے کچھ سوچتی' اور پھر سر جھٹکتی....

تالیہ مراد پریشان اور خوفزدہ تھی.....اداس تھی.....اکیلی تھی.....

بی این کے آفس میں فاتح کرسی پہ بیٹھا' بے توجہی سے فائلز دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔ اور ریموٹ اٹھا کے آواز بلند کی۔

اینکر گلا پھاڑ کے وان فاتح کی مبینہ آف شور کمپنی کے بارے میں لوگوں کو بتا رہی تھی۔ اسکرین پہ بار بار فاتح اور صوفیہ کی میوزیم کی ڈی بیٹ کا وہ منظر چلایا جا رہا تھا جس میں فاتح نے ببانگِ دہل کہا تھا کہ اس کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔ اس نے چینل بدلا۔ ہر جگہ یہی تھا۔ اس نے بے زاری سے بٹن دبا کے ٹی وی کو خاموش کرایا اور پیچھے ٹیک لگا لی۔

وان فاتح پریشان تھا.....خوفزدہ تھا.....اداس تھا.....اکیلا تھا.....

بس سرسبز بیلٹ کے درمیان سڑک پہ رفتاری سے تیز رواں دواں تھی۔ مسافر نشستوں پہ بیٹھے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ کچھ فونز اور آئی پیڈز پہ لگے تھے۔ ایڈم البتہ بالکل گم صم سا کھڑکی سے باہر بھاگتے درخت دیکھ رہا تھا۔ وہ ملا کہ جا رہا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔ سوائے ذوالکفلی کے کوئی نشانی' کوئی طریقہ' کچھ بھی اس کے پاس نہ تھا۔ وہ کہاں تھی' اور اس کو کیسے ڈھونڈا جا سکتا تھا؟ اگر وہ اسے ڈھونڈ نہ پایا تو ایڈم کو موت کے اس تعاقب سے کوئی نہیں بچا

پائے گا۔

ایڈم بن محمد پریشان تھا.....خوفزدہ تھا.....اداس تھا.....اور اکیلا تھا۔

☆☆=========☆☆

مغرب کا نیلگوں اندھیرا وان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیل رہا تھا۔ گیٹ کھلے تھے اور اس کی کار اندر داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشے سے فاتح نے دیکھا' اس کے لان میں دولت کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ منتظر مسکراہٹ کے ساتھ کار کو آتے دیکھ رہا تھا۔

فاتح کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہوئیں۔ لب بھنچ گئے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر نکلا اور نیلے اندھیرے میں ڈوبتے لان کی طرف آیا۔

''السلام علیکم فاتح۔ امید ہے سب خیریت ہوگی۔'' دولت دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

فاتح نے زیرِ لب اس کے سلام کا جواب دیا اور اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے قریب آیا۔

''تم نے تالیہ کو ڈھونڈ لیا ہے؟ اگر نہیں تو میں تمہاری اپنے گھر میں موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔''

''نہیں۔ ابھی تک ہم اس کو نہیں ڈھونڈ سکے۔ مگر....'' دولت نے اعتراف کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔ اب وہ دونوں لان میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''چونکہ تم چائے نہیں پیو گے اس لئے تم جا سکتے ہو۔''

وہ اسی درشتی سے کہتا گھر کی طرف مڑ گیا۔ اسے اس آدمی سے مزید کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

''فاتح....میری بات سنو۔'' دولت اس کے پیچھے لپکا۔ ''میں جانتا ہوں تم اب مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے کیونکہ تمہیں میری جاب سے اختلاف ہے مگر تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دوستوں کو بھی برسوں سے تمہاری سیاسی پالیسیز سے اختلاف ہوتا ہوگا' مگر انہوں نے پروفیشنل معاملات کی وجہ سے پرسنل تعلقات کو کبھی خراب نہیں کیا۔''

وہ پورچ تک پہنچا تھا جب پیچھے آتے دولت کی بات پہ رکا اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''تم تالیہ کو میرا نام لے کر....دھوکہ دے کر....اس قید میں لے کر گئے تھے جس نے اس لڑکی کو اتنا ہرٹ اور خوفزدہ کر دیا کہ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی قانون پہ بھروسہ نہیں کر پا رہی۔''

لان میں اندھیرا گہرا ہونے لگا تو ایک ملازم نے پورچ کی بتیاں جلا دیں۔ (باقی ملازم اور گارڈ ادھر ادھر کھسک گئے۔)

پورچ ایک دم روشنی میں نہا گیا تو دولت کو اس کا چہرہ واضح نظر آیا جس پہ شدید غصہ تھا۔ اس نے بے بسی سے ماتھے کو چھوا۔

''فاتح....فاتح....وہ کوئی بے گناہ لڑکی نہیں ہے۔وہ اسکامر ہے۔چوراور فراڈ۔''

وان فاتح ایک قدم آگے آیا اور افسوس سے دولت کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم خود کو اس لڑکی کی جگہ پہ رکھ کے سوچ سکتے ہو؟ ایک دفعہ دولت تم اپنے تعصب کو بھلا کے....صرف اس لڑکی کا سوچو جو ایک سیاہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔وہ میرے لئے' اپنے سیاسی آئیڈیلز کے لئے کام کر رہی تھی۔اس نے معاشرے میں عزت بنائی تھی۔وہ خوش تھی۔وہ غلط راستے کو چھوڑ چکی تھی کیونکہ میں نے اسے کہا تھا' اچھائی پہ چلنے کے اچھے نتائج پر یقین رکھو۔اور تم لوگوں نے کیا کیا؟''

وہ تکلیف بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔دولت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''جب کوئی اچھا بننا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے کرتے ہیں کیا؟ پروموشن کے لئے.....اپنا نام خبروں میں دیکھنے کے لئے کسی اچھے انسان کو یوں بدنام کرتے ہیں کیا جیسے تم کر رہے ہو؟''

دولت کی آنکھوں میں بھی تاسف ابھرا۔''You're a man in love''

فاتح نے سر جھٹکا۔''میرے جذبات تمہارا کنسرن نہیں ہیں۔تم اپنی پروموشن کی فکر کرو۔''

مگر اس سے پہلے کہ وہ واپس مڑتا' دولت تیزی سے بولا۔

''میں برا ہوں' ٹھیک ہے۔مگر تم اس کے لئے کچھ اچھا کیوں نہیں کرتے۔''

وان فاتح ٹھہر گیا۔بالآخر دولت اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔اسے خاموش دیکھ کے وہ تیز تیز کہنے لگا۔

''وہ تم سے ضرور رابطہ کرے گی۔تم جانتے ہو کہ اس کا بھاگنا اس کو مزید مشکوک بنا رہا ہے۔تم اس کو سمجھاؤ۔اس کی بھلائی کے لئے کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو واپس آ جائے۔بجائے اس کے کہ ہم اس کو پکڑیں.....وہ خود آ جائے....اور باعزت طریقے سے گرفتاری دے دے۔میں وعدہ کرتا ہوں (سینے پہ ہاتھ رکھ کے بولا) کہ میں اسے کسی مجرم کی طرح گرفتار نہیں کروں گا۔میں اس کو میڈیا کے سامنے ہتھکڑی بھی نہیں لگاؤں گا۔میں رپورٹرز کو بتاؤں گا کہ وہ ملک سے باہر تھی' وہ بیمار تھی' اسی لئے وہ آ نہیں سکی اتنے دن۔وغیرہ وغیرہ۔مگر اس نے خود ہم سے رابطہ کر لیا تھا اور وہ خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر رہی ہے۔کورٹ میں' میں تالیہ کے خلاف ہی رہوں گا' مگر اس کی گرفتاری تک...میں اس کو.....بے عزت نہیں کروں گا۔''

وہ رکا اور فاتح کے خاموش چہرے کو دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہنے لگا۔

''لیکن....دوسرا امکان سوچو...اگر ہم نے اسے خود گرفتار کیا....اور ہم اسے گرفتار کر لیں گے.....تو تم وہ منظر جانتے ہو کیسا ہو گا؟ ایک عورت کو ہتھکڑیاں لگا کے' سر جھکائے' پولیس کے نرغے میں تھانے تک لایا جانا....کیا لگے گا ٹی وی چینلز کی اسکرین

پہ؟ کیا تم چاہتے ہو کہ تالیہ کے ساتھ یہ ہو؟''

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا تو دولت نے دہرایا۔''فاتح... کیا تم اس کو گرفتاری دینے کے لئے راضی کرو گے؟ اگر ہاں تو... میں یہ گارنٹی دیتا ہوں کہ.....''

''تم یہ گارنٹی لکھ کے دے سکتے ہو؟''

وہ بات کاٹ کے سپاٹ سا بولا تو دولت نے گہری سانس لی اور جیب سے ایک لفافہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے معلوم تھا تم یہی کہو گے۔ اسی لیے گارنٹی ساتھ لایا ہوں بلیک اینڈ وائٹ میں۔ اس کو راضی کرو' فاتح... اس کے اپنے لئے اسے راضی کرو۔''

فاتح نے کاغذ کھول کے دیکھا۔ پورچ کی تیز روشنی میں دھندلی نظر دوڑانے کے باوجود اسے تحریر سمجھ آ گئی۔ اس نے ہلکے سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''اگر اس نے مجھ سے رابطہ کیا... تو میں کوشش کروں گا۔ اور چونکہ تم چائے نہیں پیو گے' اس لئے تم جا سکتے ہو۔'' اسی بے رخی سے کہہ کے کاغذ لئے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ دولت روشنیوں میں نہائے پورچ میں کھڑا مسکرا کے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

☆☆=========☆☆

ذوالکفلی کے گھر کی راہداری میں لکڑی کا تختہ باہر ہٹا تھا' کیونکہ تالیہ کچھ دیر پہلے اوپر آئی تھی۔ سارے گھر میں اسی طرح مدھم بتیاں جلی تھیں۔ دیوان خانے میں ساحر دوزانو بیٹھا' چھوٹی میز پہ کاغذ رکھے کچھ لکھ رہا تھا۔

''اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھی ہو' پتری تالیہ؟'' وہ سر اٹھائے بنا لکھتے لکھتے بولا۔

وہ سامنے اکڑوں بیٹھی' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔ تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے اداسی سے بولی۔''کیا کہوں؟ کچھ کہنے میں دلچسپی ہی نہیں رہی۔''

''مایوس ہو؟''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی کنچیل (غزال) جیسی آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔ ذوالکفلی نے کتاب بند کی' قلم واپس رکھا اور نرمی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں تمہارے لئے اور کیا کر سکتا ہوں' پتری تالیہ؟''

''تم جانتے تھے کہ میں پتری تاشہ ہوں۔ پھر بھی تم مجھے ہمیشہ شہزادی تالیہ کیوں کہتے تھے؟''

''کیونکہ یہی تمہاری اصل شناخت ہے۔ پندرہویں صدی ملاکہ کی ''شہزادی'' اور آج کی ''تالیہ''۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''

تالیہ نے گردن موڑی اور دیوار پہ نصب شیلف پہ رکھی ایک جامنی رنگ کی بوتل کو دیکھا جس کے پیندے میں کچھ سونے کا دمک رہا تھا۔

''کیا تم مجھے وقت میں واپس پیچھے بھیج سکتے ہو؟'' وہ حسرت سے اسے دیکھ کے بولی۔

''نہیں تالیہ۔ وقت کی چابی زائل ہو چکی ہے اور وہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ یہ کچھ اور ہے جو میں نے تمہاری ہیئر پن سے بنایا تھا۔ مگر تم دوبارہ وقت کی قید میں جانے کا کیسے سوچ سکتی ہو؟''

''کیونکہ.....'' اس نے ذوالکفلی کی طرف چہرہ موڑا اور تذبذب سے لب کاٹے۔ ''کیونکہ میں اپنے بابا سے ایک آخری دفعہ ملنا چاہتی ہوں.....بس چند لمحوں کے لیے اگر میں پیچھے جا سکوں....''

''آخری دفعہ؟'' ذوالکفلی نے غور سے اس کی اداس آنکھوں کو دیکھا۔ ''آخری دفعہ تم مراد سے ملنے کے بعد کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''اگر کچھ کر بھی گزروں تو یہ پچھتاوا نہیں رہے گا کہ بابا کو خدا حافظ نہیں بولا تھا۔'' وہ دور خلا میں گھورتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی۔

''مجھے تم سے اب خوف آنے لگا ہے۔ کیا اس موجودہ دنیا سے تمہاری ساری امیدیں ختم ہو گئی ہیں؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ ''نہیں۔ ابھی فاتح ہے۔''

''ہاں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بابا سے ملاقات کا نہ سوچو۔ وہ دروازہ اب بند ہو چکا۔''

''مگر بنگارایا ملایو کے آخری تین ابواب میں لکھا تھا کہ میں واپس گئی تھی ملاکہ میں۔'' اسے یاد آیا۔

''وہ ابواب بعد میں مراد راجہ نے لکھوائے تھے۔ تمہارے غائب ہونے کی وجہ اور اپنی عزت بچانے کو۔ وہ سچ نہیں تھے۔ تاریخ کی ساری کتابیں سچ نہیں ہوتیں۔ تم اب واپس نہیں جا سکتیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''یعنی کہ واپسی کی امید بھی ختم؟ میں نے سوچا تھا کہ اگر اس زندگی سے امید ختم ہو گئی تو میں واپس چلی جاؤں گی۔ مگر تم نے میری وہ امید بھی توڑ دی۔ اب اگر فاتح نے مجھے مایوس کیا تو میں کیا کروں گی؟''

وہ میز پہ کہنیاں رکھ کے آگے کو جھکا اور مسکرا کے کہنے لگا۔ ''انسان بہت بڑا سروائیور ہوتا ہے۔ تم اس کو بھی جھیل لو گے۔ یوں کرنا اس ملک سے دور چلی جانا اور نئی زندگی شروع کرنا۔''

تالیہ زخمی سا مسکرائی۔ ''نہیں' ذوالکفلی۔ اگر فاتح نے بھی مجھے مایوس کر دیا تو میرے پاس اس زندگی کو جاری رکھنے کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔''

''ایسے مت سوچو۔ کم از کم تم ایسے سوچتے ہوئے اچھی نہیں لگتی ہو۔ تم تو بہت بہادر ہو۔ ہم سب سے زیادہ بہادر۔''

وہ اداسی سے مسکراتی رہی۔ ''ٹوٹا ہوا دل انسان سے وہ کام بھی کروا دیتا ہے جن کے بارے میں اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ مگر خیر..... فکر نہ کرو... مجھے موت کی تکلیف سے بھی ڈر لگتا ہے۔''

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔

''اس وقت کون آیا ہے؟'' وہ تیزی سے اٹھی۔ ایک دم چہرے پہ خوف نظر آنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ۔'' وہ اطمینان سے کہتا اٹھا۔ تالیہ تیزی سے راہداری تک آئی' ٹریپ ڈور ہٹایا' نیچے کودی اور تختہ بند کر دیا۔ ذوالکفلی نے اوپر میٹ برابر کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے ٹریپ ڈور پورا بند نہیں کیا تھا۔ وہ وہیں اوپری زینے پہ کھڑی' کان لگا کے سننے لگی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو سامنے ایڈم کھڑا تھا۔ اس کی شیو بڑھی تھی' ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور شکل سے مضمحل نظر آتا تھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں' ذوالکفلی صاحب؟''

''نہیں' کیونکہ میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کو جو کام ہے' یہیں سے بتا دیں۔'' ذوالکفلی رکھائی سے بولا۔

نیچے تہہ خانے کے زینے پہ کھڑی تالیہ نے بے چینی سے لب کاٹے تھے۔ پھر بلا ضرورت ہی سر پہ ہڈ ڈال دی۔ کہیں وہ فرش کے اندر سے ہی اس کو نہ دیکھ لے۔

''میں.... ایڈم ہوں....'' ایڈم جھجک کے بتانے لگا۔ ''چے تالیہ مجھے جانتی ہیں اور مجھ پہ اعتبار کرتی ہیں۔ میں انہی کے لئے آپ سے ملنے آیا ہوں۔''

ذوالکفلی نے گہری سانس لی اور راستہ چھوڑ دیا۔

اب قدموں کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں اندر دیوان خانے کی طرف جا رہے ہیں۔ تالیہ کان لگا کے سنے گئی۔ ہر آہٹ' ہر لفظ۔ اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آ رہا تھا۔

وہ دیوان خانے میں چٹائی پہ اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں تالیہ بیٹھی تھی اور چھوٹی میز پہ کہنیاں رکھے' آگے کو جھکے بات کا آغاز کیا۔

''میں چے تالیہ کے لئے بہت پریشان ہوں۔''

''میں بھی ہوں۔ کیا تم اس کو میرا ایک پیغام دے سکتے ہو؟'' ذوالکفلی نے جواباً اتنی ہی فکرمندی سے کہا تو ایڈم دھیرے سے پیچھے ہوا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''یعنی آپ.... نہیں جانتے وہ کہاں ہیں؟'' اس کی آس ٹوٹ گئی۔

''میں؟ میں نے چند ماہ سے اسے نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے شدید ضرورت کے علاوہ رابطہ نہیں کرتی۔ میں سمجھا تم اس کا پیغام لائے ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں اندر آنے دیا۔'' ذوالکفلی ایک دم مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو ایڈم جلدی سے بولا۔

''انہوں نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا؟''

''نہیں۔ میں نے کوشش کی۔ ہمارے کچھ (آواز دھیمی کی) خفیہ طریقے ہیں مگر اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید وہ ملک چھوڑ چکی ہے۔''

''اُف۔'' ایڈم نے آنکھیں بند کیں اور پیشانی کو دو انگلیوں سے چھوا۔

''اب میں کیا کروں؟ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔'' پھر سر اٹھا کے ذوالکفلی کو دیکھا۔

''آپ جادوگر ہیں' میں جانتا ہوں۔ کیا آپ ان کا سراغ نہیں لگا سکتے۔''

''اگر یہ ممکن ہوتا تو پھر ساری دنیا کے سراغ رساں ایک جادوگر ساتھ لیے پھرتے' نوجوان۔ جادو ایسے کام نہیں کرتا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''اگر تم کہہ چکے تو جا سکتے ہو۔''

ایڈم چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟''

''تمہیں یقین نہیں کرنا تو نہ کرو۔''

''دیکھیں.... میں وان فاتح کا پیغام لایا ہوں ان کے لئے۔ اگر وہ آپ سے رابطے میں ہیں تو پلیز ان کو میرا پیغام پہنچا دیں۔''

''کیا مجھے تمہیں اپنے گھر سے نکالنے کے لئے پولیس کو بلانا پڑے گا؟''

ایڈم پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''سوری۔ مجھے آپ کا یقین کرنا چاہیے۔ میں اب آپ کو تکلیف نہیں دوں گا مگر یہ میرا نمبر ہے۔ اگر وہ رابطہ کریں تو مجھے بتائیے گا۔''

''اوکے۔ یہ میں کر سکتا ہوں۔'' ذوالکفلی نے اس کا کارڈ رکھ لیا تو وہ اٹھ گیا۔ وہ باہر چلا گیا تو ذوالکفلی دروازہ بند کر کے

راہداری میں آیا' اور جوتے کی نوک سے میٹ پرے کیا۔ٹریپ ڈور کی درز نظر آ رہی تھی۔

''کوئی پیغام جو تم اس کو پہچانا چاہو؟ وہ تم سے مخلص لگتا ہے۔''

تالیہ نے جواب دینے کے بجائے زور سے ٹریپ ڈور بند کیا اور زینے اترنے لگی۔ یہ صاف انکار تھا۔

باہر گلی میں چلتے ایڈم نے دوسرا موبائل نکالا جو محفوظ تھا اور فاتح کے اس نمبر پہ کال ملائی جو اس نے خفیہ گفتگو کے لیے ایڈم کو دیا تھا۔ کیونکہ اس نمبر کو پولیس ٹریس نہیں کر سکتی تھی۔

فاتح نے چھوٹتے ہی فون اٹھایا۔

''کچھ معلوم ہوا؟''

''جی۔ وہ اسی کے گھر میں ہیں۔ میں نے انہیں ڈھونڈ لیا ہے۔''

''آر یو شیور۔''

''جی۔ جس طرح اس آدمی نے مجھے بار بار گھر سے نکل جانے کو کہا' اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ گھر میں ان کو چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن میں زبردستی سے تالیہ کو اس گھر سے نہیں نکال سکتا۔ وہ خوفزدہ ہیں۔'' گلی میں چلتا ہوا ایڈم الجھا الجھا سا کہہ رہا تھا۔ ''مجھے.... مجھے کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ وہ خود مجھ سے ملنے پہ راضی ہو جائیں کیونکہ اگر میں نے یہاں کوئی سین کری ایٹ کیا تو اردگرد لوگوں اور پولیس کو معلوم ہو جائے گا۔''

''ہوں..... کیا چیز ہو سکتی ہے جو اسے باہر آنے پہ مجبور کر دے۔''

''اگر آپ آ جائیں!'' ایڈم نے کہا تو دل میں عجیب سا خالی پن محسوس ہونے لگا۔

''دولت مجھ پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔ میں آؤں گا لیکن تمہیں پہلے اس کو باہر نکلنے پہ راضی کرنا ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ وہ اب وہاں سے بھی بھاگ جائے۔ کوئی حل نکالو!''

اس کو تحکم سے کہہ کے فاتح نے فون رکھ دیا اور ایڈم پریشانی سے مڑ کے اس گھر کو دیکھنے لگا۔

جو اسے معلوم تھا' وہ اس کی مدد کر سکتا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا' تالیہ کے بارے میں؟

اس کا ذہن کورے کاغذ کی طرح خالی تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح بی این کے چیئرمین آفس کو سرما کی چمکیلی دھوپ نے منور کر رکھا تھا۔ سیکرٹری کارمن بھاپ اڑاتا مگ فاتح کی میز

پہ رکھ رہی تھی۔ وہ کاغذوں میں اتنا الجھا تھا کہ لب بنا آواز کے ہلائے۔ (تھینک یو تالیہ)

قلم سے کچھ لکھتے لکھتے وہ رک گیا اور ہولے سے سر جھٹکا۔ (اتنے ماہ گزر چکے تھے مگر تالیہ کی کافی اور تالیہ کی موجودگی کی عادت نہیں گئی تھی۔) پھر اونچا سا بولا۔ ''تھینک یو 'کارمن!'

''سر! آپ میڈیا بریفنگ کب دیں گے؟'' سیکرٹری وہیں رک کے پوچھنے لگی۔ وہ بجھی بجھی لگتی تھی۔ ''رپورٹرز نے الگ ناک میں دم کر رکھا ہے اور مخالفین خاموش ہی نہیں ہو رہے۔''

وان فاتح آگے کو جھکا' کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔ ''ابھی انتظار کرو۔''

سیکرٹری نے بے بسی سے اسے دیکھا وہ دو دن سے یہی سوال پوچھ رہی تھی' اور وہ یہی جواب دیتا تھا۔

وہ کس شے کے انتظار میں تھا؟

''سر آپ کے وکلاء آ گئے ہیں۔ میں ان کو بھیج دیتی ہوں۔'' وہ کہہ کے جانے لگی تو فاتح نے پکارا۔

''ہاں' .....اور تم بھی یہیں آ جانا۔''

سیکرٹری کارمن اس بات پہ ٹھٹھک کے رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔ اس کا باس ٹائی ڈھیلے کیے' آستین موڑے' کاغذوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔ بالکل بے نیاز' مطمئن۔

''سر.... میں وکیل اور کلائنٹ کی میٹنگ کے درمیان کیسے بیٹھ سکتی ہوں؟''

کارمن سمجھدار لڑکی تھی۔ وہ تالیہ کے بعد آئی تھی اور اب تک اسے ان قوانین کی بخوبی سمجھ آ چکی تھی۔

''کیوں' کارمن؟'' اس نے فائل سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ جز بز ہوئی۔

''جب کلائنٹ اپنے وکیل سے بات کرتا ہے تو کانفیڈینشیلٹی کا قانون اپلائی ہوتا ہے۔ وکیل آپ کے راز نہیں کھول سکتا۔ آپ کی کہی بات آپ کے خلاف نہیں استعمال کر سکتا۔ لیکن ایک تیسرا فرد بیٹھ جائے تو....''

''تو اس پہ یہ قانون لاگو نہیں ہو گا اور وہ جب چاہے میرے اور میرے وکلاء کی باتیں باہر جا کے بتا سکتا ہے۔ یہی نا؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تمہیں لگتا ہے وان فاتح ان چیزوں سے ڈرتا ہے؟''

کارمن اداسی سے مسکرائی۔ ''آپ مجھ سے آج تک ملنے والے انسانوں میں مضبوط ترین' سر۔ مگر یہاں ہر کوئی آپ کو گرانا چاہتا ہے۔ میں آپ کے لئے فکر مند ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے' میں نے یہ کیا ہو گا؟'' وہ قلم بند کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کارمن نے تھوک نگلا۔ چیئر مین سے براہِ راست یہ بات ڈسکس کرنے کی ہمت رپورٹرز کے سوا کسی میں نہیں تھی۔

''سر' جب میں یہاں آئی تھی تو آپ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے نصیحت لینے آتی تھی۔ اور آپ.....'' وہ یاد کر کے کہتی میز کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ''اور آپ مجھے سچ بولنے کا درس دیتے تھے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے کوئی چھوٹا سا واقعہ سنا کے کہتے تھے کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ جس شخص کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات یاد رہیں' وہ کبھی اتنا بڑا دھوکہ نہیں کر سکتا۔ آپ میرے آئیڈیل رہے ہیں' اور میرے ملک کے بہت سے لوگوں کے آئیڈیل ہیں۔ ہم ان باتوں پہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ کسی نے آپ کو وہ کاغذات سائن کرنے کے لئے ٹرک کیا ہو گا۔'' پھر وہ رکی۔ ''آپ یہ بات میڈیا پہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان لوگوں کے الزامات کا شور مجھے اور آپ کے ووٹرز کو پریشان کر رہا ہے۔''

فاتح نے ٹیک لگائی' اور قلم بند کرتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''ایک دفعہ ایک بوڑھے کسان کی گھڑی کھو گئی' کارمن۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا تو کارمن توجہ سے سننے لگی۔ ''اس نے باڑے میں اسے بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی۔ وہ تھک گیا تو باہر کھیلتے بچوں کے گروہ کو بلایا اور انعام کا وعدہ کر کے انہیں گھڑی تلاشنے کو کہا۔ بچے خوشی خوشی گھڑی ڈھونڈنے ادھر ادھر بھاگے۔'' اس نے ساتھ ہی مگ اٹھایا' گھونٹ بھرا اور اسے واپس رکھا۔

''کئی گھنٹے بچے گھڑی ڈھونڈتے رہے مگر وہ انہیں نہ ملی۔ آخر تھک کے بچے جانے لگے۔ ان کی تعداد گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ سب بچے چلے گئے سوائے ایک کے۔ اس ایک نے ابھی تک گھڑی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چپ کر کے بیٹھا رہا تھا۔ جب سب چلے گئے تو وہ تھکے ماندے کسان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا میں گھڑی تلاش کروں۔ کسان نے فوراً اجازت دے دی۔ وہ باڑے میں گیا اور چند منٹ بعد گھڑی ڈھونڈ لایا۔''

کارمن کے ابرو استعجاب سے اٹھے مگر وہ خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ وجہ بتانے والا ہے۔

''کسان خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوا۔ اس نے پوچھا کہ جو کام اتنے گھنٹے تک اتنے سارے بچے نہیں کر سکے وہ تم نے کیسے کر لیا۔ تو اس بچے نے کہا کہ....'' وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''کہ زیادہ بچوں کے باعث شور بہت تھا۔ جیسے ہی وہ گئے اور شور تھما' باڑے میں خاموشی ہوئی اور اس خاموشی میں گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک سننا زیادہ آسان تھا۔ میں نے صرف اس آواز کو تلاشا' اس کا تعاقب کیا اور مجھے یہ گھڑی مل گئی۔''

وہ خاموش ہوا تو کارمن نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''آپ شور تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ.... تاکہ وہ اصل آواز سن سکیں جو آپ کو سننی چاہیے۔''

''وکلاء کو اندر بھیج دو اور تم بھی آ جاؤ۔'' وہ مسکرا کے آستین واپس موڑنے لگا۔ یہ طے تھا کہ وہ براہ راست جواب نہیں دے

گا۔

کچھ دیر بعد کارمن دیوار کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھی اور وکلاء فاتح کے مقابل براجمان' کاغذات کھولے بحث میں لگے تھے۔

''اگر یہ دستخط اصلی ہیں تو آپ مشکل میں ہیں' فاتح۔''سینئر وکیل فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔''آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔مگر یہ واقعہ آپ کی کریڈیبلٹی ختم کر رہا ہے۔''

''میری کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔''وہ ٹیک لگائے اسی سکون سے بولا۔جونیئر وکیل آگے ہوا اور آواز دھیمی کی۔

''سر.....ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فراڈ ہے۔آپ کے نام سے کسی نے دستخط کیے ہیں۔ہم ایڈم کو عدالت میں لے جا سکتے ہیں اور کلائیڈ اینڈ لی کمپنی کے گواہوں کو خرید سکتے ہیں۔وہ کورٹ میں بیان دیں گے کہ ایسی کوئی فائل کمپنی کے ڈیٹا میں موجود نہیں ہے۔''

دور بیٹھی کارمن نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔فاتح کے تاثرات ویسے ہی تھے۔ٹھنڈے' پرسکون۔

''مگر کمپنی اس فائل کی کاپی نکال کے دکھا سکتی ہے۔''

''نہیں سر۔''جونیئر وکیل پرجوش ہوا۔''ایڈم بن محمد کی کتاب کے حصہ دوم کے بعد کلائیڈ اینڈ لی بند ہو گئی ہے اور انہوں نے تمام ڈیٹا تلف کر دیا ہے۔ایک پراسرار آگ میں۔آپ اگر اس کمپنی کی ملکیت سے انکار کر دیں' تو کوئی بھی آپ کو اس کا مالک ثابت نہیں کر سکتا۔''

''بالکل' فاتح۔''سینئر وکیل گویا ہوا۔''تمہیں صرف یہ کہنا ہے کہ میں نے یہ کاغذات زندگی میں پہلی دفعہ اب دیکھے ہیں۔تم ان کو نہیں پہچانتے۔''

''میں دو دن گزر جانے کے بعد یہ کہوں کہ میں ان کو نہیں پہچانتا؟''

''جی سر۔دو دن آپ وکلاء سے مشورہ کر رہے تھے اور ان کاغذات کے فارنزک کروا رہے تھے۔اس لئے جواب نہیں دیا۔پھر ایڈم بن محمد پہ قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔وہ اس وقت کیس لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔یہ معاملہ چند دن میں دب جائے گا۔آپ صاف انکار کر دیں۔بس۔''

فاتح نے وہ فائل اٹھا کے دیکھی جس میں ان کاغذات کی کاپی موجود تھی۔اسٹیپل کے قریب ایک دھبا سا تھا۔سوکھے چیری بلاسم کی پتی کا نشان جو ساتھ ہی فوٹو کاپی ہو گیا تھا۔

وہ اس کو دیکھنے لگا اور منظر بدلنے لگا.....

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا.....سڑک پہ سفید اور گلابی چیری بلاسم کے پھولوں کی تہہ بچھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے کانوں اور گردن کو مفلر میں لپیٹ رکھا تھا.....سامنے سے ایک بچہ گزر رہا تھا.....اس کے جوتوں سے چھنکنے کی آواز آتی تھی.....فاتح کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی کاٹن گینڈی پہ جمی تھیں جس کی اسٹک کو وہ گھما رہا تھا۔ گول.....گول.....کسی سمندر میں بنے بھنور کے وسطی نقطے کی طرح.....

عصرہ درخت کے عقب سے نکلی اور اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھی۔ وہ چونکا۔ بے دھیانی میں کافی چھلکی، پیروں میں گرا ایک پھول داغدار ہو گیا۔

''مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''صرف ایک دستخط.....میرے لئے.....بنا کوئی سوال پوچھے۔''

''بلینک ڈاکومنٹ ہے؟''

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''پین دو۔'' اس نے کہتے ہوئے فائل کھولی۔ ہوا کا جھونکا آیا اور چھم سے ڈھیروں چیری بلاسم کھلی فائل پہ آ گرے.....

''سر!'' وہ چونکا اور سر جھٹکا۔ وکیل کچھ کہہ رہا تھا۔

''آپ ان کاغذات کو واقعی نہیں پہچانتے کیونکہ.....'' وہ کھنکھارا۔ ''میری تفتیش کے مطابق یہ مسز عصرہ نے کلائیڈ اینڈ لی میں جمع کروائے تھے۔ انہوں نے شاید آپ سے بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن لیے تھے۔''

کونے میں بیٹھی کارمن نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ اتنے دنوں کی بے کلی تمام ہوئی۔ (تو وہ درست تھی۔ اس کے لیڈر کو اس کی بیوی نے پھانسا تھا۔ اور اب وہ مر چکی تھی تو وہ اس کا پردہ رکھ رہا تھا۔)

''تو آپ کا یہ کہنا جھوٹ نہیں ہوگا کہ آپ نے یہ کمپنی نہیں بنائی تھی۔'' وکیل کہہ رہا تھا۔ دوسرا بھی کھنکھارا۔

''آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسز عصرہ نے کیا ہے۔ یہی سچ ہے' آپ ہمیں نہ بتائیں تب بھی ہمیں سب سمجھ آ رہا ہے کہ.....''

''عصرہ کا نام اس میں نہیں آئے گا۔'' وہ ایک دم سختی سے بولا۔ ''یہ دستخط میں نے ہی کیے ہیں۔ خود کو بچانے کے لئے میں اپنی مرحوم بیوی کو ولن بنا کے نہیں پیش کر سکتا۔''

''بے شک آپ نے دستخط کیے ہیں' مگر آپ کو علم نہیں تھا' سر کہ یہ کاغذ کس لیے استعمال ہوگا۔ آپ سے غلطی ہوئی ہے' جرم نہیں۔'' جونیئر وکیل نے زور دیا۔ ''اور ان کاغذات کی قانونی حیثیت کبھی ثابت نہیں ہوگی۔ ہمیں صرف اخلاقی گراؤنڈز پہ اس بحث کو جیتنا ہے۔ آپ لوگوں کو صرف اتنا بتا دیں کہ یہ آپ کی بیوی نے آپ سے کروایا تھا تو یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ آپ

ملک کے اگلے وزیرِ اعظم ہیں سر۔"

"عوام کو اپنے لیڈر سے بہت محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کی غلطیوں کو جسٹفائی کرنے کے بہانے کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس کی بیوی، مشیر، دوست، کسی اور کو اس کے لیے قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"عصرہ کا نام بیچ میں نہیں آئے گا۔" وہ تلخی سے بولا۔ آفس میں ایک افسوسناک خاموشی پھیل گئی۔

"پھر آپ کہہ دیں کہ آپ نے یہ کاغذات کبھی نہیں دیکھے۔ مہینے لگ جائیں گے انہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ...."

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کاغذات دیکھے تھے اور خود سائن بھی کیے تھے۔"

"مگر ہم سب جانتے ہیں کہ مسز عصرہ نے دھوکے سے وہ سائن کروائے تھے۔"

فاتح کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور ان کو جانے کی اجازت دی۔ وکلاء مزید نصیحتوں کے ساتھ رخصت ہوئے مگر کارمن کھڑی رہی۔ فاتح نے اسے دیکھا تو وہ قریب آئی اور اس کے سامنے رک گئی۔

"آپ صرف مسز عصرہ کو نہیں بچا رہے۔ آپ یہ اعتراف نہیں کرنا چاہتے کہ آپ اتنے سمجھدار ہو کے بھی بلینک ڈاکومنٹ پہ کیسے سائن کر سکتے ہیں۔ یوں آپ naive اور بے وقوف لگیں گے، ہے نا۔" وہ اس کی نفسیات کو سمجھنا چاہ رہی تھی۔

"انسان فیملی کے لئے بہت کچھ کرتا ہے، کارمن۔"

"مگر اس وقت آپ کو اپنے لئے کچھ کرنا ہے۔ مسز عصرہ کی فکر نہ کریں۔ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اپنے سر پہ وہ الزام نہ لیں جس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔" وہ تاسف سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "پلیز سر، لوگوں کو سچ بتا دیں۔ سچ آپ کو بچا لے گا۔"

وہ دونوں میز کے دونوں سروں پہ کھڑے تھے۔ اور وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیا تم مجھے نصیحت کر رہی ہو، کارمن؟" وہ پتہ نہیں کیوں مسکرایا۔

"جی۔ کیونکہ آپ ہی سارا وقت ہم سب کو نصیحتیں کرتے آئے ہیں۔ جب میں کوئی مسئلہ لے کر آتی تھی تو آپ کہتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ خوشی اور غم میں ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہی تو آپ کا امتحان ہے کہ اس موقع پہ آپ سچ بولتے ہیں یا نہیں۔"

"سچ بولنے کے نتائج ہوتے ہیں، کارمن۔" اسے پہلی دفعہ فاتح کی آنکھوں میں زخمی پن نظر آیا۔ اس کا دل دکھ گیا۔

"تو پھر آپ کیا کریں گے، سر؟"

"خاموشی سے گھڑی کی سوئیوں کو سننے کا انتظار۔" وہ واپس کرسی پہ بیٹھا اور عینک اٹھاتے ہوئے فائل کھول لی۔ یہ اشارہ تھا

کہ کار من اب جا سکتی ہے۔ وہ بجھے دل کے ساتھ باہر آ گئی۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ اس دوپہر ٹھنڈی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ شاہراہ پہ ٹریفک زور و شور سے رواں دواں تھی۔

ایسے میں ایک فون بوتھ کے اندر کھڑا ایڈم ریسیور کان سے لگائے بات کرتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی اور چہرے پہ فکرمندی کے واضح آثار تھے۔

''تمہاری ماں شہر چھوڑنے کے لئے راضی نہیں تھی مگر....'' دوسری جانب اس کا باپ کہہ رہا تھا۔ ''آج صبح....''

''میں جانتا ہوں آج صبح کیا ہوا ہے۔ مجھے اطلاع مل گئی ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ لوگ ہمارے گھر تک آن پہنچے ہیں۔''

''وہ ہمیں مارنا نہیں چاہتے تھے۔ گولیوں سے صرف کھڑکیوں کے شیشے توڑے اور چلے گئے۔''

''گولیاں اندھی ہوتی ہیں۔ کسی کو لگ جائیں تو نیت بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے۔'' وہ غصے بھری بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ ''بابا.....پلیز.....آپ.....''

''میں جانتا ہوں۔ میں نے تمہاری امی کو سمجھایا ہے۔ ہم آج ہی کے ایل چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ مگر تم.....''

''میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتا۔ یہ میرا دوست جس کے گھر پہ اس وقت میں کال کر رہا ہوں' یہ آپ کو بحفاظت گاؤں پہنچا دے گا۔ میرا آپ سے دور رہنا بہتر ہے کیونکہ ٹارگٹ میں ہوں۔ میں دور رہوں گا تو وہ آپ کی طرف نہیں آئیں گے۔'' پھر خیال آیا۔ ''آپ کو اس گھر میں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

''نہیں۔ تمہارا دوست مجھے بازار میں ملا تھا اور احتیاط سے یہاں لایا تھا کیونکہ تم نے کال کرنی تھی۔'' محمد صاحب نے وقفہ دیا۔ ''ایڈم.....ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ جب یہ لوگ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں تو ہمارے پاس چلے آنا۔ تم ہماری ساری زندگی کی کمائی ہو۔''

ایڈم کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''میں آ جاؤں گا' بابا۔ بس پہلے مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔'' اس نے فون رکھا اور آنکھیں بند کیں۔ ٹوٹے دل کا ایک آنسو دل پہ ہی گر کے جذب ہو گیا۔ کیا وہ زندہ سلامت اپنے ماں باپ کے پاس واپس جا سکے گا؟ اسے اب یقین نہیں رہا تھا۔

وہ ابھی تک تالیہ کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔ تالیہ دوسری دفعہ کھوئی تھی اور دونوں دفعہ وہ اسے تلاشنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

کیسا دوست تھا ایڈم بن محمد؟

وہ صحیح کہتی تھی کہ اگر اس کی جگہ ایڈم کو کچھ ہوتا تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالتی۔ وہ کبھی آرام سے نہ بیٹھتی اور.....

ایڈم نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ وہ چمکیلی دھوپ میں ہنوز فون بوتھ میں کھڑا تھا۔ شیشے کے بند ڈبے میں اور اس کے دونوں اطراف میں گاڑیاں آجا رہی تھیں۔ مگر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور فاتح کو پیغام لکھا۔ ''مجھے معلوم ہے چے تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔''

داتن کی طرح وہ تالیہ سے رابطے کے طریقے نہیں جانتا تھ۔ مگر وہ ''تالیہ'' کو جانتا تھا۔ اور جو وہ جانتا تھا' وہی اسے تلاش کرنے کی کنجی تھی۔

☆☆=========☆☆

کتابوں کا مقبرہ موم بتیوں سے نیم روشن تھا۔ ایک بلب بھی کونے میں جل رہا تھا جس کے نیچے زمین پہ اکڑوں بیٹھی تالیہ ایک کتاب کی ورق گردانی کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ آج اس کے کپڑے مختلف تھے۔ اس نے سیاہ ٹراؤزر پہ کھلے بازوؤں والی بھوری قمیض پہن رکھی تھی اور بال پونی میں بندھے تھے۔ چہرہ ویسا ہی بے رونق تھا اور کتاب پکڑے ہاتھوں میں سرخ یاقوتی انگوٹھی دکھائی دیتی تھی۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں تو ذوالکفلی اوپری زینے پہ کھڑا تھا۔ اتنی دور سے وہ اس کی کتاب کا سرورق نہیں دیکھ سکتا تھا مگر تالیہ نے پھر بھی نامحسوس انداز میں کتاب نیچے کی۔

''کیا ہوا؟'' (اور کتاب پیچھے گول مول رکھے لحاف میں چھپائی۔)

''تمہارا دوست.....ایڈم.....وہ ایک خط چھوڑ گیا ہے۔'' ذوالکفلی نے خط اوپری زینے پہ رکھا اور خود مڑ گیا۔ تالیہ کتب خانے کے دوسرے سرے پہ تھی۔ اس کے اور زینوں کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا۔

''تم مجھے یہ دینے نیچے بھی آسکتے تھے۔'' اس نے بھنویں چڑھا کے اس فاصلے کو دیکھا۔

''پھر تمہیں کیسے علم ہوگا کہ تم اس خط کو پڑھنے کے لئے کتنی بے تاب ہو۔''

وہ بے نیازی سے کہہ کے واپس اوپر چلا گیا اور ٹریپ ڈور بند کر دیا۔

تالیہ تیزی سے اٹھی اور دوڑ کے زینوں تک آئی۔ پھر دھڑکتے دل سے زینے پھلانگتی گئی۔ لکڑی کے چٹخنے کی ہلکی ہلکی سی آواز آتی تھی۔

اوپری زینے پہ بیٹھ کے اس نے خط اٹھایا اور کھولا۔

''ڈیئر انچے ذوالکفلی۔

میں نہیں جانتا کہ آپ میرا یہ خط چے تالیہ تک پہنچا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ آپ شاید سمجھتے ہوں کہ میں
چے تالیہ کو اس لئے تلاشنا چاہتا ہوں تا کہ ان کو سرینڈر کرنے کا مشورہ دے سکوں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔
اسے میری خودغرضی کہہ لیں یا کیا' مگر میں ان کو اپنے لئے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ میں مشکل میں ہوں۔
میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھ پہ قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں اور میرے ماں باپ کو کے ایل چھوڑنا پڑ گیا ہے۔
مجھے نہیں معلوم میں اپنی زندگی کے لیے کیا کروں۔ میں بالکل بھی وہ سیلیبریٹی
رپورٹر نہیں رہا جو عوام کو چند ماہ سے دیکھنے کو مل رہا ہے۔ میں ایک کم ہمت اور جلدی ہار مان جانے والا
وہی باڈی مین بن گیا ہوں جو چے تالیہ کو پہلی دفعہ ملا تھا۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔
میں آج رات گیارہ بجے ان کا اسی جگہ انتظار کروں گا جہاں وقت میں سفر سے پہلے ہم ملے
تھے اور تب تک انہوں نے مجھ سے سچ نہیں بولا تھا۔

فقط

شاہی مورخ۔''

اس نے خط واپس تہہ کیا اور گہری سانس لی۔ پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ گیارہ بجنے میں ابھی کافی وقت تھا اور اب... ایڈم کی اس ''مدد کی پکار'' کے بعد اگر وہ تالیہ مراد تھی تو وہ اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

اس نے چہرہ گھٹنوں پہ ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

وہی یاد نظروں کے سامنے چلنے لگی۔

وہ ریستوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی... دونوں کی قہوے کی پیالیاں گرم تھیں۔

اتاؤ نے جھونپڑے کی بتیاں مدھم کر دی تھیں.... اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....

سڑک کنارے چیری بلاسم کے درختوں کی قطار... اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید پھولوں کی بچھی تہہ... ہوا چل رہی تھی اور پھول گرتے جا رہے تھے.... دھیرے دھیرے..... ایک ایک پتی....

''تم... تم ٹھیک ہو' داتن؟''

فضا میں جھینگے تلنے کا شور تھا۔ اور ان کی اشتہا انگیز مہک بھی۔ قہوے کی پیالی سے اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان بار بار حائل ہوتی' پھر چھٹ جاتی۔

''یہ کینسر کی دوا ہے' اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟''

پیانو رک گیا۔ جھنگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

''تم سن کے ہرٹ ہو گی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔''

پیانو تیز ہو گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوشی رول کو چھرے سے کاٹنے لگا۔ دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آ رہے تھے۔ اور سوشی رول کٹنے کی آوازیں..... ٹھک ٹھک ٹھک.....

تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو خود کو تہہ خانے کے زینے پہ بیٹھے پایا۔ اس نے پھر سے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بجنے میں کافی وقت تھا۔

اسے یاد تھا وہ دونوں کہاں ملے تھے۔ ملکہ یان سوفو کے کنوین پہ جہاں ایڈم نے اسے سکہ اچھالنے کو کہا تھا کیونکہ جو سکہ اچھالتا ہے وہ ملاکہ دوبارہ واپس ضرور آتا ہے۔ اور تالیہ نے سکہ نہیں اچھالا تھا۔ پھر بھی وہ ملاکہ واپس آ گئی تھی۔ کئی دفعہ۔

ایک دفعہ پھر اسے اس کنویں پہ جانا تھا۔ ایڈم کے لئے۔ وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

مغرب کی نیلاہٹ وان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیلی تھی۔ اس کا گھر سونا سونا اور ویران سا لگتا تھا۔ وہاں ایسی خاموشی تھی جیسی ان عجائب گھروں میں ہوتی ہے جہاں بچوں کا داخلہ منع ہوتا ہے۔

اس کے بچے چلے گئے تھے اور وہ گھر کی ساری رونق لے گئے تھے۔ وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا۔ شرٹ کے آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ کہنیاں میز پہ جمائے لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کے تاثرات سنجیدہ اور سپاٹ تھے۔ ان سے اندرونی جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

وہ تحریر مختصر تھی۔ ختم کر کے اس نے پرنٹ کا بٹن دبایا۔ پرنٹر زوں زوں کی آواز کے ساتھ اس کے الفاظ سے ایک کورا صفحہ رنگین کرتا گیا۔ کاغذ کو باہر آنے میں چند لمحے لگے۔ یہ چند لمحے بہت بھاری تھے۔

پھر اس نے قلم کی نوک صفحے کے نچلے حصے پہ رگڑی۔ نوک نے سیاہی کو اس کے دستخط میں تبدیل کیا اور سارے فیصلے خود بخود ہوتے گئے۔

اس نے سیاہی کو سوکھنے دیا۔ پھر سست روی سے اس کاغذ کو تہہ کیا۔ لفافے میں ڈالا۔ اور اس پہ لکھا'' کارمن... پرائیوٹ اینڈ کانفیڈینشل''۔ پھر اسے سیل کیا اور گھنٹی بجائی۔

چند لمحوں بعد بٹلر نے اندر جھانکا۔ ''جی سر؟''

''یہ لفافہ میں اسٹڈی کے پہلے دراز میں رکھ رہا ہوں۔ کل ویک اینڈ ہے۔ تم سوموار کی صبح اسے کارمن کے حوالے کرو

گے۔ یہ ایک امانت ہے۔"

"آپ کہیں جا رہے ہیں سر؟"

"میں سوموار تک واپس آ جاؤں گا۔ امید ہے۔" توقف کے بعد اضافہ کیا۔

بھاری لفافہ دراز میں رکھ کے اس نے دراز بند کیا تو گویا سارے فیصلے خود بخود ہوتے گئے۔

☆☆=========☆☆

ملکہ یان سوفو کا کنواں رات کے اس پہر ویران پڑا تھا۔ سیاح دن کے وقت آتے تھے اور اب گیٹ بند ہو چکے تھے۔ پھر بھی اندر داخل ہونے والے راستے نکال لیتے تھے۔

یہ ایک قدیم طرز کا کھلا سا صحن تھا جس کے وسط میں کنواں بنا تھا۔ احاطہ ویران پڑا تھا اور اوپر آسمان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

احاطے کے ایک طرف دیوار میں راستہ تھا جو مندر کی طرف جاتا تھا۔ اس کی چوکھٹ پہ ایک ہیولہ سا کھڑا تھا۔ سیاہ لبادے پہ سیاہ ہڈ پہنے' ایک لڑکی جو احتیاط سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

وہ اندر نہیں جا رہی تھی۔ اسے کچھ دیر یہیں چھپ کے ایڈم کا انتظار کرنا تھا۔ ایڈم کو سامنے سے آنا تھا اور وہیں سے گزر کے کنویں تک جانا تھا۔ وہ پہلے اسے اندر آنے دینا چاہتی تھی۔

دفعتاً ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ پھر قدموں کی آواز آئی۔ آواز کافی واضح تھی جیسے نوارد کو چھپنے یا ملاقات کو خفیہ رکھنے میں دلچسپی نہ ہو اور وہ اعتماد سے چلتا آ رہا ہو۔

تالیہ کی اندھیرے میں دیکھتی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔

یہ ایڈم کے چلنے کا انداز نہ تھا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

وان فاتح احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ ادھر ادھر دیکھتا کنویں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ وہ کنویں تک آیا اور اس کی منڈیر کے کنارے پہ بیٹھا۔ کنویں کی سطح جالی سے ڈھکی تھی۔ وہ مڑ کے جالی کے نیچے گہرے کنویں کو دیکھ کے بولا۔

"باہر آ جاؤ' تالیہ..... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

اس کا انداز پرسکون تھا۔ اس میں تحکم بھی تھا اور اپنائیت بھی۔

تالیہ کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا اور سارے آنسو اندر اتارے۔ پھر ہڈ پیچھے کو گرائی اور باہر آئی۔ اندھیرے سے چاندنی کا سفر اس نے لمحوں میں کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ منڈیر پہ بیٹھا ابھی تک گردن موڑے کنویں کے اندر جھانک رہا تھا۔

''یہ ملاکہ کی ایک ملکہ یان سوفو کا کنواں تھا جو اس کے لئے سن باؤ وانگ لی نے تعمیر کروایا تھا۔ یان سوفو شاہِ چین کی بیٹی تھی اور ملاکہ میں وہ خود کو اجنبی محسوس کرتی تھی۔ غیر' فارنر۔''

کہتے ہوئے اس نے گردن موڑی اور مدھم مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھا جو جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے سے وہ مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔

''تم نے جو سونے میں لکھی کتاب مجھے پڑھنے کے لئے دی تھی' اس میں لکھا تھا کہ ملکہ یان سوفو ملاکہ میں کسی پہ اعتبار نہیں کرتی تھی۔ وہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمیشہ خود کو خود بچائے کیونکہ اس کا ماننا تھا کہ کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔''

''کوئی کسی کو بچانے آیا بھی نہیں کرتا۔'' وہ تلخی سے زیرِ لب بولی مگر منڈیر پہ بیٹھے شخص نے سن لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح فکرمندی ابھری تھی۔

''مگر.... کبھی تو.... کبھی تو تالیہ انسان کو دوسروں کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اسے بچائیں۔ کیا ایک دفعہ تم وان فاتح پہ اعتبار نہیں کر سکتیں؟''

وقت تھم گیا۔ کنواں خاموش تھا اور آسمان پہ چاندنی پھیلی تھی۔ اس چاندنی کے ہالے میں فاتح کا چہرہ روشن دکھائی دیتا تھا۔

''کیا ایک دفعہ تم مجھے اپنی مدد نہیں کرنے دے سکتیں؟''

وہ آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھی۔

بہت کچھ یاد آیا۔

کبھی وہ ابوالخیر کی حویلی کی منڈیر پہ یونہی بیٹھتے تھے اور قدیم ملاکہ کو اپنے سامنے پھیلے دیکھتے تھے۔ مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ اسے سب یاد تھا اور فاتح کو (اس نے چہرہ موڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔) فاتح کو کچھ یاد نہیں تھا۔

''ایڈم.... کیوں نہیں آیا؟'' وہ بولی بھی تو یہی۔ یوں لگتا تھا ایک زمانے بعد وہ اس سے ملی ہے۔

''اسے نہیں آنا تھا۔ اس کو یہ ملاقات کروانے کے لیے میں نے کہا تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔

''آپ کو میری ای میل مل گئی تھی؟ اسی لئے آپ نے اس دن کہا تھا کہ میں بھاگ جاؤں؟''

''مجھے تمہاری بے گناہی پہ یقین کرنے کے لئے اس ای میل کو پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جس تالیہ کو میں جانتا ہوں' جو اتنے مہینوں سے میرے لئے کام کرتی رہی ہے' وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔''

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ صرف اپنی چیف آف اسٹاف کو جانتا تھا۔ وہ شہزادی تاشہ کو نہیں جانتا تھا۔

''آپ کو واقعی میرا یقین ہے۔''

''ہاں۔ میں نہیں جانتا عصرہ کو کس نے مارا ہے مگر....''

''انہوں نے خودکشی کی ہے۔'' وہ ایک دم بول پڑی۔ فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''نہ یقین کریں۔ آپ کو تو اس بات کا یقین بھی نہیں آئے گا کہ مسز عصرہ نے ہی آریانہ کو....'' اس نے تلخی سے کہہ کے سر جھٹکا اور سامنے اندھیرے میں ڈوبی خستہ حال دیوار کو دیکھنے لگی۔

''مجھے ذوالکفلی نامی آدمی نے وہ تحریر دی تھی جو میں تمہارے لئے اس کے حوالے کر گیا تھا۔ اس رات میں جو میری یادداشت سے کھو چکی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے مگر میں عصرہ کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔ تالیہ چپ چاپ سامنے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو۔

''میں تمہارے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔''

''آپ اس اسکینڈل سے خود کو کیوں نہیں نکالتے؟'' تالیہ نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ ''میں کافی دن سوچتی رہی کہ ان کاغذات پہ آپ کے دستخط کیسے آ گئے۔ یقیناً کسی نے نقلی دستخط کیے ہوں گے۔ مگر.... مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ شاید وہ آپ نے ہی کیے ہوں۔ کورے کاغذ پہ۔''

اس نے چہرہ موڑ کے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا اور تلخی سے مسکرائی۔

''مسز عصرہ نے آپ سے کورے کاغذ پہ دستخط لیے تھے' ہے نا؟''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ دستخط تو میرے ہی ہیں۔'' وہ سادگی سے شانے اچکا کے بولا۔

''فرق پڑتا ہے۔'' وہ افسوس سے بولی۔ ''آپ مسز عصرہ کو کور کرنے کے لئے سارا الزام اپنے سر نہیں لے سکتے۔ یہ جھوٹ ہوگا۔ آپ کو لوگوں کو حقیقت بتانی پڑے گی۔''

''میرے دو بچے ہیں' تالیہ۔''

''وہ سروائیو کرلیں گے۔آپ ان کے ساتھ ہوں گے تو وہ ہر چیز برداشت کرلیں گے۔پلیز اپنا کیریئر اس جرم کے لئے تباہ نہ کریں جو آپ نے نہیں کیا۔''

''صوفیہ رحمٰن کی آف شور کمپنی بھی سامنے آئی تھی۔وہ ابھی تک تخت پہ براجمان ہے۔اس کا کیریئر تو برباد نہیں ہوا۔''

''کیونکہ وہ لیڈر نہیں ہے۔لوگ اس سے سچائی کی توقع نہیں کرتے۔مگر آپ کے لئے لوگوں کے پیمانے مختلف ہیں۔وہ آپ کو عظمت اور سچائی کے جس معیار پہ بٹھا چکے ہیں' وہ آپ کو اس سے نیچے برداشت نہیں کر پائیں گے۔اس جرم کو تسلیم کرنے سے آپ اپنے لوگوں کا اعتبار کھو دیں گے۔ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ سے دھوکے سے سائن کروائے گئے تھے۔ پلیز' فاتح....خود کو بچائیں۔''

وہ تالیہ کو دیکھ کے نرمی سے مسکرایا۔

''آج تم میری چیف آف اسٹاف کی طرح بول رہی ہو۔کیا تم اپنی جاب کو مس کر رہی ہو؟''

شہزادی کے تاثرات بدلے۔ماتھے پہ بل پڑا اور ناک نخوت سے سکوڑی۔

''مشورہ دے رہی ہوں۔مفت تھا۔''اور کندھے اچکا کے ناراضی سے سامنے دیکھنے لگی۔''افسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کے لیے۔آپ اتنے عقلمند ہو کے بغیر سوال و جواب کے کسی کے دیے بلینک ڈاکومنٹ پہ کیسے دستخط کر سکتے ہیں؟یا اللہ!''

فاتح نے واب نہیں دیا۔وہ بھی سامنے موجود اس کھنڈرزدہ دیوار کو دیکھے گیا۔

''تم کبھی ہانامی کے دنوں میں جاپان گئی ہو' تالیہ؟''

''چیری بلاسم سیزن میں؟نہیں.....مگر میں نے ملائیشیاء میں ساکورا کے پھولوں کو گرتے دیکھا ہے۔''

''میں نے بھی۔''وہ خاموش ہو گیا۔اردگرد پھیلا اندھیرا پل بھر کے لئے چھٹ سا گیا۔

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا۔فضا میں پھولوں کی خوشبو تھی۔سڑک پہ چیری بلاسم کی تہہ بچھی تھی۔قریب سے گزرتے بچے کے جوتے کچھ چھنکا رہے تھے.....وہ ہاتھ میں پکڑی کاٹن کینڈی کی اسٹک گول گول گھما رہا تھا....کاٹن کینڈی بالکل چیری بلاسم کی طرح تھی....اتنی نازک کہ ہاتھ لگانے سے فنا ہو جاتی تھی.....

عصرہ کے بیٹھنے سے فاتح کی کافی چھلکی تھی....ایک زمین بوس پھول داغدار ہو گیا تھا.....

''کیا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''وہ فائل اس کی طرف بڑھائے کہہ رہی تھی۔فاتح نے فائل کھولی تو ڈھیر سارے پھول چھم سے نیچے آن گرے۔اس نے آستین سے صفحے سے پھول ایک طرف ہٹائے....

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' تالیہ کی آواز پہ وہ چونکا۔

''یہی کہ اس نے کاغذات سائن کروانے سے پہلے کیا کہا تھا۔''

وہ دونوں اندھیر کنویں کے دہانے پہ بیٹھے تھے اور سامنے کائی زدہ خستہ حال دیوار انہیں دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہا تھا؟'' تالیہ نے گردن موڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ فاتح کافی خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ تالیہ کو اپنا سوال بھول گیا۔

''تم جانتی ہو چیری بلاسم کس شے کی علامت ہیں؟''

''جوانی میں جلد مر جانے کی؟''

''ہاں اور نزاکت کی بھی۔ یہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ زیادہ دیر موسم کی سختی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہار مان جاتا ہے اور گر جاتا ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ کسی اور کو موقع نہیں دیتا کہ وہ اسے بچا لے۔ یہ صرف خود پہ ہی انحصار کرتا ہے مگر کوئی انسان ہر دفعہ اپنے آپ کو خود ہی نہیں بچا سکتا۔''

''میں چیری بلاسم نہیں ہوں' تو انکو۔'' عرصے بعد وہ لفظ منہ سے نکلا۔

''مگر تم چیری بلاسم کی طرح زمانے کی ساری سختی کو اکیلے جھیلنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ ایسے تم گر جاؤ گی' تالیہ۔ ختم ہو جاؤ گی۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ سارے موسم رک گئے تھے۔ وقت ان کے آس پاس ٹھہر گیا تھا۔

''ہر انسان کو خود کو خود ہی بچانا پڑتا ہے۔''

''ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ''تم زندگی کے سارے مسئلوں سے اکیلے نہیں لڑ سکتیں۔ فیملی' دوست' یہ سب کس لئے ہوتے ہیں اگر یہ ہمارے ساتھ ہماری جنگیں نہ لڑ سکیں؟''

''مگر ہر انسان اکیلا ہی ہوتا ہے۔ اسے....''

''ایک دفعہ' تالیہ.... ایک دفعہ تم مجھے خود کو بچانے دو۔'' وہ اس کی طرف ترچھا رخ موڑے زور دے کر کہہ رہا تھا۔ ''ایک دفعہ تم ہر کسی کو اپنی زندگی سے شٹ آؤٹ کرنے کی بجائے... مجھے اپنی مدد کرنے دو۔''

''آپ مجھے اس میں سے نہیں نکال سکتے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''مسز عصرہ مجھے بہت برا پھنسا گئی ہیں۔''

''میں تمہیں اس میں سے نکال سکتا ہوں اگر تم مجھ پہ اعتبار کرو۔''

''آپ کیا کر سکتے ہیں؟''

''تم مجھ پہ اعتبار تو کر کے دیکھو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔'' وہ دھیمی آواز میں قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

''اچھا.... آپ بتائیں.... کیا کروں میں؟'' تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''میں نے اس وقت تمہیں کہا تھا کہ بھاگ جاؤ کیونکہ تم غلط وقت پہ غلط جگہ موجود تھیں' مگر میرا خیال تھا کہ تم وہاں سے گھر جاؤ گی اور.... جب پولیس آئے گی تو تم....''

''تو میں گرفتاری دے دوں گی؟'' اس کی آنکھیں بے یقینی سے کھلیں۔

''تمہیں اپنا بیان دینا چاہیے تھا۔ وکیل اگلے روز تمہاری ضمانت کروالیتا۔ تم اس سب کا سامنا کر سکتی تھیں بجائے بھاگنے کے۔ تم اب بھی یہ کر سکتی ہو۔''

وہ بے بسی بھرے اصرار سے کہہ رہا تھا۔ ''اب بھی'' کے الفاظ پہ تالیہ بدک کے کھڑی ہوئی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

''آپ چاہتے ہیں میں اس جہنم میں دوبارہ چلی جاؤں جہاں سے میں اتنی مشکل سے نکلی تھی؟ میں مصر تک گئی... اتنی دور.... اپنی آزادی خریدنے.... اور وہاں بھی میں اتنے دن اس خوف سے لڑتی رہی جو اس قید خانے نے میرے دل میں بٹھا دیا تھا۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ اس میں چلی جاؤں؟''

''کیا تم ایک دفعہ میرا اعتبار نہیں کر سکتیں؟'' وہ بھی کھڑا ہو گیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''مجھے موقع دو خود کو بچانے کا۔ میں تمہیں اس سب سے نکال لوں گا۔''

مگر تالیہ مراد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں دوبارہ اس جہنم میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ایک دم ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

''تو تم کیا کرو گی؟ تم ملک سے باہر نہیں جا سکتیں۔ تم مجھ سے دن کی روشنی میں نہیں مل سکتیں۔ تم سر اٹھا کے یہاں چل نہیں سکتیں۔ تم ہر ایک سے کٹ کے خوف سے بھاگتے ہوئے کیسے زندگی گزارو گی؟''

''دولت کی قید میں جانے سے پہلے میں اپنی اس زندگی کو ختم کرنا بہتر سمجھوں گی۔'' وہ غرا کے بولی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وان فاتح کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔

''کم از کم تم اپنی زندگی خود ختم نہیں کر سکتیں۔'' اس نے جیسے ماننے سے انکار کیا۔

''کیوں سمجھتے ہیں آپ سب مجھے اتنا بہادر اور مضبوط؟ کیوں لگتا ہے آپ کو کہ تالیہ مراد آپ اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہو سکتی؟'' اسے اس بات نے غصہ دلایا تھا۔

اور اسی وقت باہر شور سا مچا۔ جلتی بجھتی نیلی سرخ بتیاں' پولیس کے سائرن۔ تالیہ چونکی اور پھر..... اس نے بے یقینی سے فاتح کو دیکھا۔

''آپ مجھے پکڑوانے آئے تھے؟ آپ نے.... آپ نے پولیس بلالی۔''

''فار گاڈ سیک... میں نے نہیں بلایا ان کو۔ شاید وہ کسی طرح میری لوکیشن ٹریک کر رہے ہوں گے۔''

مگر تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی۔ ''آپ مجھے گرفتار کروانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ نے دولت سے ساز باز کر رکھی تھی؟ اور میں ایڈم پہ اعتبار کر کے یہاں چلی آئی۔''

''نہیں' تالیہ۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ''پلیز.... مت جاؤ۔ ان کا سامنا کرو۔ تم بے گناہ ہو' میں تمہیں بچا لوں گا۔''

مگر وہ مڑ چکی تھی۔ اس کے قدم دیوار کی طرف اٹھ رہے تھے۔ کنویں کے پاس کھڑا شخص بے بسی سے آخری دفعہ بولا۔

''تالیہ.... مت جاؤ.... میرے ساتھ رہو۔''

وہ الفاظ.... وہ لہجہ.... وہ اس کے دل کو دھکا دے گیا مگر اس کے قدم اب نہیں تھم سکتے تھے۔ چند لمحوں میں وہ دیوار پھاند کے اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی اور وان فاتح تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

کچھ ثانیے یونہی گزر گئے پھر وہ احاطے سے باہر نکلا اور مرکزی ہال تک آیا جہاں بارہ دری بنی تھی۔ اس کی چوکھٹ پہ رک کے اس نے باہر سڑک کی طرف دیکھا۔

سڑک کنارے کسی کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور وہاں ایک ایمبولینس کھڑی دکھائی دے رہی تھی جو زخمی کو لینے آئی تھی۔ ساتھ میں پولیس کی ایک بائیک بھی موجود تھی۔

''اوہ تالیہ!'' اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں اور افسوس سے سر جھٹکا۔

☆☆=========☆☆

وہ دبے قدموں ذوالکفلی کے گھر کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تو دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے کمر سے پشت ٹکائے چند گہرے سانس لیے' پھر ہڈ اتاری اور راہداری میں آگے بڑھی۔

دیوان خانے کی بتی جلی تھی۔ وہ پہلے اس طرف آئی تا کہ ذوالکفلی سے بات کر سکے مگر چوکھٹ پہ ٹھہر گئی۔

وہاں ذوالکفلی کے ساتھ فرش پہ ایڈم بیٹھا تھا۔

وہ چند ثانیے کے لئے بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر سوالیہ نظروں سے ذوالکفلی کو دیکھا جس نے کندھے اچکا دیے۔ ''یہ نوجوان بہت ضدی واقع ہوا ہے۔ میں اسے گھر سے نہیں نکال سکا۔''

ایڈم اسے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے اداسی سے ایک دوسرے کو دیکھے گئے' پھر وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر بولا۔

''شہزادی!'' اور مسکرایا۔

تالیہ جواب میں تمکنت سے سر نہیں جھٹک سکی جیسے قدیم ملاکہ میں جھٹکا کرتی تھی۔ بس چپ چاپ آگے آئی اور فرش پہ بیٹھ گئی۔ وہ بھی سامنے بیٹھ گیا تو ذوالکفلی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم پریشان لگ رہی ہو۔ میں تمہارے لئے سوپ لاتا ہوں۔'' بوڑھے جادوگر نے اپنی ٹوپی سر پہ جمائی اور باہر نکل گیا۔

دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرشی نشست پہ بیٹھے تھے۔ سمجھ نہیں آتا تھا بات کہاں سے شروع کریں۔

''تم نے کہا تم مشکل میں ہو....''

''وہ تو ہوں۔''

''اور تم نے وہاں کنویں پہ وان فاتح کو بھیج دیا.....''

''آپ دونوں کا ملنا ضروری تھا۔''

''اور انہوں نے پولیس بلا لی!'' تالیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

ایڈم کے ابرو تحیر سے اٹھے۔ ''کیا؟''

''وہ چاہتے ہیں کہ میں گرفتاری دے دوں۔'' پھر وہ چونکی۔ ''تم بھی یہی چاہتے ہو کیا؟ کیا ادھر بھی تم پولیس کو لے آؤ گے جو.....'' وہ بدک کے اٹھنے لگی۔

''نہیں بے تالیہ۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ پولیس کو بلا لیں گے ورنہ میں ان کو کبھی آپ سے ملنے نہیں دیتا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ گرفتاری دیں۔ اگر آپ جیل چلی گئیں تو مجھے کون بچائے گا؟''

تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اور وہ تذبذب سے اسے دیکھنے لگی۔

''ایڈم.... تم سچ بول رہے ہو نا؟'' وہ بار بار چوکھٹ کو بھی دیکھتی۔ کوئی معلوم نہیں وہاں سے ابھی پولیس دروازہ توڑ کے داخل ہو جائے۔

''ایڈم جھوٹ نہیں بولتا' اور ایڈم آپ کے ایسے کاموں میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتا ہے جنہیں آپ وان فاتح سے بھی چھپانا چاہیں۔''

اسے یاد آیا.... ان دونوں کا خزانے والا ایڈونچر.... یوں لگتا تھا اس واقعے کو واقعی چھ سو سال گزر چکے ہوں۔

یا شاید پانچ سو ستاون برس۔

''ہاں۔ تم میری ہر بات مانتے تھے۔'' وہ قدرے ڈھیلی ہو بیٹھی اور آزردگی سے مسکرائی۔ ''کیسے ہو تم؟''

''اب آپ کو دیکھ کے لگ رہا ہے کہ میرا مسئلہ آپ سے بڑا نہیں ہے۔''

''تم اپنے حملہ آوروں سے چھپ رہے ہو؟ تم چاہو تو یہاں رہ سکتے ہو۔ یہاں نیچے.... کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جو....''

''نہیں' چے تالیہ۔موت میرے تعاقب میں ہے۔اور کتابیں مجھے نہیں بچا پائیں گی۔آپ بتائیں' ایڈم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے۔''

تالیہ چند لمحے کے لئے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔موم بتیوں سے نیم روشن دیوان خانے کو آزردگی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''تم بتاؤ' مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''میں وان فاتح نہیں ہوں جو لیڈ کرتے ہیں اور مسئلوں کا حل بتاتے ہیں۔میں ایڈم ہوں۔میں لیڈ ہونے والوں میں سے ہوں۔آپ جو کہیں گی' میں کروں گا۔آپ بتائیں۔'' وہ بے لوث انداز میں کہہ رہا تھا۔

تالیہ کا آخری حل اس کے ذہن میں تیار تھا مگر وہ ایڈم سے کیسے کہے؟ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ذوالکفلی کو معلوم ہو۔اور وہ کچن میں تھا۔

پھر اس نے جیب سے ایک چٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔

''مجھے ایک پاؤڈر تیار کرنا ہے۔اس کے لئے کچھ جڑی بوٹیاں چاہیے ہیں۔تم یہ صبح مجھے لا دو گے؟''

ایڈم نے چٹ نکالی اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔''مگر یہ پاؤڈر آپ کو اس مسئلے سے کیسے نکال سکتا ہے؟''

''یہ....میرے لئے نہیں ہے۔'' کون وومن نے کہانی گھڑنی شروع کی۔''یہ داتن کے لئے ہے۔اس کو کینسر ہے۔وہ مر رہی ہے۔''

''واٹ؟'' ایڈم ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔اس کے بال جھڑ رہے تھے کیونکہ وہ کیموکروا رہی تھی مگر اس نے مجھے کہا کہ وہ کیٹو ڈائٹ پہ ہے اور اس لیے ایسا ہو رہا ہے۔مگر.....ذوالکفلی کے کتب خانے میں میں نے ایک دوا کی ترکیب پڑھی ہے جو اس کا کینسر مکمل طور پہ ٹھیک کر سکتی ہے۔یہ جادو نہیں ہے۔ایک قدیم جاپانی دوا ہے۔میں یہ اس کو سنگاپور بھجوا دوں گی' تم بس اس کو بنانے میں میری مدد کرو۔''

ایڈم افسوس سے گنگ ہو گیا تھا۔کچھ لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔پھر دیکھا کہ ذوالکفلی ٹرے میں بھاپ اڑاتے پیالے لیے آ رہا ہے تو اس نے چپ چاپ پرچی جیب میں رکھ لی۔ذوالکفلی سوپ رکھ کے وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا تو ایڈم نے پرچی نکال کے پڑھی اور اچنبھے سے پوچھا۔

''یہ عجیب طرح کی جڑی بوٹیاں ہیں۔ان میں سے اکثر زہریلی ہیں۔آر یو شیور یہ دوا بنانے کے لئے ہی ہیں؟''

''ایڈم....تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟'' وہ برا مان کے بولی۔اور عورت کا مان سے کہا یہ فقرہ بڑے بڑے کام کروا لیتا

ہے۔

مشکل دستخط بھی۔

زہریلی جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی۔

''اوکے۔ مجھے آپ پہ اعتبار ہے۔ میں لا دوں گا۔ مگر ان سے دوا کیسے بنے گی؟''

''بڑے بڑے تریاق زہریلی بوٹیوں سے ہی بنتے ہیں' ایڈم بن محمد!'' وہ مبہم سے انداز میں بولی تھی۔

''میں تو داتن پہ حیران ہوں۔ وہ کب سے اس بیماری کا شکار تھیں اور انہوں نے مجھے بتایا تک نہیں؟ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ.....''

''پلیز اب تم جاؤ۔ مجھے آرام کرنا ہے۔''

وہ سوپ کا پیالہ اٹھا کے ایک دم کمرے سے نکل گئی۔ ایڈم نے دیکھا کہ اب وہ نیچے جا رہی تھی۔

وہ گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ ذوالکفلی نے اسے پکارا۔ ایڈم چونک کے مڑا۔ بوڑھا جادوگر اس کے پیچھے باہر آ رہا تھا۔

''سنو نوجوان۔'' وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا۔ ''میں تالیہ کے پلانز میں مداخلت نہیں کرتا۔ وہ جو کرنا چاہتی ہے' وہ اس میں آزاد ہے۔ اور میں تمہیں یہاں آنے سے بھی نہیں روکوں گا۔ تم جب آنا چاہو' آ جاؤ۔ مگر کل مجھے شہر سے باہر جانا ہے۔ میں رات تک آ جاؤں گا۔ اور....'' وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ ''تم اس کو کوئی جڑی بوٹی لا کر نہیں دو گے۔''

''وہ اپنی دوست کے لئے دوا بنانا چاہ رہی ہیں۔ آپ کی کتابوں سے انہوں نے....''

''ہاں ٹھیک ہے' نیچے ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں طب کے نسخے ہیں مگر وہ دوا نہیں بنانا چاہتی۔'' وہ بے چینی سے بولا۔ ''وہ زندگی سے مایوس ہو چکی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنی زندگی ختم کرنے کا نہ سوچے۔''

ایڈم بن محمد ہنس دیا۔ ''چے تالیہ کبھی بھی خودکشی نہیں کر سکتیں۔''

ذوالکفلی سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔ ''وہ اس روز سمندر میں خود کو ڈبونے چلی گئی تھی۔ اگر میں اسے واپس نہ لاتا تو تم اس سے یوں مل نہ سکتے۔''

مگر ایڈم پھر سے ہنس دیا۔ ''آپ کو غلطی لگی ہو گی۔ میں چے تالیہ کو جانتا ہوں۔ کوئی بھی خودکشی کر سکتا ہے۔ وہ نہیں۔ اور اگر انہیں اپنی جان لینی ہوتی تو سمندر تک جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ خنجر تو ہے ان کے پاس۔''

''موت کی تکلیف شدید ہوتی ہے۔ نیچے کتب خانے میں ایسے زہریلے مادے بنانے کی کتابیں موجود ہیں جو انسان کو بنا تکلیف کے مار دیتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے وہ ایسا ہی زہر اپنے لیے نہ تیار کرنا چاہتی ہو۔''

''بنا تکلیف والا زہر؟ کیا معلوم اس سے بھی تکلیف ہوتی ہو مگر کوئی اس تکلیف کا بتانے تک زندہ نہ رہ سکا ہو۔''

''مجھ سے بحث مت کرو' لڑکے۔ جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔ تم اسے کوئی ایسا مواد نہیں لا کر دو گے جس سے وہ اپنی جان لے لے۔''

''او کے! میں کہوں گا مجھے وہ بوٹیاں نہیں ملیں۔'' اس نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا اور اس کا انداز ایسا تھا کہ ذوالکفلی نے یقین بھی کر لیا۔

''بہت بہتر۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

گلی کے اس پار جاتے ہوئے ایڈم نے مڑی تڑی چٹ نکالی اور اسٹریٹ لائیٹس میں اسے پڑھنا چاہا۔

اب اسے یہ سوچنا تھا کہ یہ بوٹیاں اسے کہاں سے ملیں گی؟

وہ تالیہ کا دوست تھا' ذوالکفلی کا نہیں۔ اسے تالیہ سے وفا نبھانی تھی۔ اگر تالیہ نے کہا تھا کہ اسے یہ بوٹیاں چاہیے ہیں' تو ایڈم انہیں زمین کے آخری سرے سے بھی ڈھونڈ کے لا دے گا۔

☆☆==========☆☆

سن باؤ وانگ لی کی سرخ حویلی چاندنی میں ڈوبی' اپنے ڈھیروں راز چھپائے وہیں کھڑی تھی۔ اس کا صحن اب مزید ویران لگتا تھا کیونکہ مجسمہ وہاں موجود نہ تھا اور اس کا ملبہ تک صاف کر دیا گیا تھا۔ برآمدے میں بنے آتش دان میں ہیٹر جلا تھا جس نے صحن سے آتی سردی کو روک رکھا تھا۔

کنواں' درخت' اور صحن کا سرخ اینٹوں والا فرش.... سب خاموشی سے برآمدے کو دیکھ رہے تھے جہاں آتش دان کے قریب الیکٹرک چولہے پہ رکھی کیتلی میں پانی گرم ہو رہا تھا۔ فاتح وہیں کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ کوری سفید سوئیٹر پہنے' وہ ماتھے پہ بال بکھرائے' موبائل پہ میسج دیکھتا' بی این کے صدر سے مختلف ایک بے نیاز سا آدمی دکھائی دیتا تھا۔

دفعتاً گیٹ پہ گھنٹی بجی تو فاتح نے گہری سانس لی۔ موبائل رکھا اور پہلے کیبنٹ اوپری کیبنٹ کھولی۔ ایک اور مگ نکالا اور میز پہ موجود اپنے مگ کے ساتھ رکھا۔ پھر کیتلی میں ایک دوسرے فرد کی چائے کے پانی کا اضافہ کیا۔

''مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔'' دروازہ کھول کے اس نے جتا کے کہا اور خود واپس مڑ گیا۔ ایڈم اس کے تعاقب میں برآمدے تک آیا جہاں اب کیتلی میں پانی کھولتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں نے آپ پہ اعتبار کیا اور آپ نے پولیس بلا لی؟'' ایڈم برہمی سے کہتا وسط برآمدے میں آ رکا۔

''اگر مجھے پولیس بلانی ہوتی تو پہلے ان کو ذوالکفلی کے گھر بھیجتا جہاں وہ پناہ لئے ہوئے ہے۔''

وہ اب پتی کے ڈبے کا ڈھکن کھول رہا تھا۔ ایڈم کی طرف پشت تھی اور چہرہ سنجیدہ لگتا تھا۔

''تو پھر وہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے.....'' ایڈم الجھن اور خفگی سے بولا۔

''کیونکہ وہ خوفزدہ ہے۔'' اس نے مٹھی میں سوکھے پتے مسلے اور کیتلی میں جھونکے۔ پتے گرتے ساتھ ہی گرم پانی کے بھنور میں پھنستے چلے گئے۔

''تو آپ کو ان کا خوف دور کرنا چاہیے تھا۔'' ایڈم کی آواز بلند ہوئی۔

''میں نے پولیس نہیں بلائی تھی۔ وہ کسی اور کے لئے آئی تھی۔ سڑک پہ کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔'' ٹھنڈے سے انداز میں فاتح نے اپنی صفائی دی۔ ساتھ ہی کیتلی کو ہینڈل سے پکڑ کے ہلایا۔ پتے پانی میں گھلتے ساتھ ہی اسے رنگین کر رہے تھے۔ سارے برآمدے میں چائے کی خوشبو پھیلتی جا رہی تھی۔

''آپ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دیں۔''

اس نے بٹن دبا کے تپش دھیمی کی اور کیتلی کو ڈھک دیا۔ پھر ایڈم کی طرف مڑا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ فرار حل نہیں ہوتا۔ انسان کو حالات کو فیس کرنا چاہیے۔''

''مگر آپ خود تو ایسا نہیں کر رہے' معاف کیجئے گا۔ آپ اس آف شور کمپنی کے بارے میں واضح جواب نہیں دے رہے۔ اتنے دن سے سب آپ سے پوچھ رہے ہیں۔''

فاتح سپاٹ نظروں سے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ ''تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ بھاگتی رہے۔''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ان کے ہر فیصلے میں ان کا ساتھ دوں۔''

''غلط فیصلوں میں بھی؟''

''انسان کو ہر وقت ناصح دوست نہیں چاہیے ہوتے' سر۔ کبھی کبھی صرف غم بانٹنے والے اور ہر حال میں ساتھ دینے والے بھی چاہیے ہوتے ہیں۔'' وہ جتا کے بولا۔ اسے معلوم نہیں کس بات کا غصہ تھا۔

''اور تم اسی لئے اس کی مدد کر رہے ہو تا کہ وہ ساری عمر بھاگتی رہے؟''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مجھے ان پہ اعتبار ہے۔ بے تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

فاتح مڑا اور پھر چولہا بند کر کے کیتلی کا ڈھکن اتار دیا۔ خوشبودار بھاپ تیزی سے اوپر کو اٹھی۔ اس نے چہرہ پیچھے کر لیا اور چھلنی پیالی پہ رکھی۔ پھر کیتلی سے سنہری دھار اس میں انڈیلنے لگا۔

''تم اس کی کس کام میں مدد کر رہے ہو؟ وہ کیا کرنے کا سوچ رہی ہے؟''

''اگر چے تالیہ مجھے کوئی کام کہیں گی تو میں آنکھیں بند کر کے اسے کروں گا' سر۔ کسی کو بھی بتائے بغیر۔''

''چاہے وہ کام اس کے اپنے لئے برا بھی ثابت ہو؟''

اب وہ سر جھکائے دوسری پیالی میں چائے انڈیل رہا تھا۔ پتوں کی کڑک دار خوشبو سارے برآمدے کو معطر کر گئی تھی۔

''وہ ان کو کسی بھی چیز کے لیے انکار نہیں کر سکتا۔''

وان فاتح دونوں کپ اٹھائے اس کی طرف مڑا اور سادگی سے پوچھا۔

''کیوں؟ کیا تمہیں ڈر ہے کہ شہزادی تمہارا دایاں ہاتھ کٹوا دے گی' شاہی مورخ؟''

اور ایک پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

ایڈم بن محمد سکتے میں آ گیا۔ لب ذرا سا کھل گئے۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکا۔

''چائے!'' فاتح نے اسے پکارا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک بڑھا ہوا تھا۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ساری ناراضی ہوا ہو گئی۔ اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کپ تھاما۔ آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے فاتح کو تک رہی تھیں۔

''آپ کو..... سب یاد ہے؟''

''کیا تمہیں ابھی بھی شک ہے؟''

اپنے کپ سے گھونٹ بھر کے اس نے پیالی نیچے کی اور چھوٹے قدم اٹھاتا برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ باہر چاندنی میں ڈوبا صحن خاموش پڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کب سے؟'' ایڈم نے کمزور لہجے میں پکارا۔ گرم کپ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں سرد پڑتا جا رہا تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نیند کتنی گہری تھی؟ جاگنا زیادہ اہم ہے۔'' وہ اندھیر درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ بھر کے بولا۔

''مگر کیسے؟'' ایڈم بے جان قدموں سے چلتا اس کے عقب میں آ رکا۔

''کل رات یہاں آنے سے پہلے میں نے ایک کاغذ لکھا تھا۔ اس کو دراز میں رکھنے کے بعد مجھے ملاکہ آنے تک سب یاد آ گیا تھا۔ ایسے جیسے کبھی بھولا ہی نہ ہو۔''

''اور آپ نے چے تالیہ کو نہیں بتایا؟'' وہ صدمے سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا۔

''اگر آج آپ ان کو بتا دیتے تو وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتیں۔''

''اس سے کہو کل وہ مجھ سے ملے۔'' اس نے ایڈم کی بات کاٹی تھی۔

چند منٹ پہلے اس نے یہ کہا ہوتا تو ایڈم سختی سے انکار کر دیتا مگر اب سب بدل چکا تھا۔ اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔

''کل رات.....وہی وقت.....وہی جگہ۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے فاتح اس کی طرف مڑا۔ وہ بالکل پرسکون لگتا تھا۔

''سو کے۔'' ایڈم نے پھر سے سر کو جنبش دی۔ اب وہ ان دونوں کے درمیان نہیں آ سکتا تھا۔

''تمہارے خیال میں وہ دوبارہ ملنے پہ راضی ہو جائے گی؟''

''انہوں نے مجھے ایک کام کہا ہے۔ میں اس کے بدلے میں ان سے آپ سے ملنے کے لئے کہوں گا۔''

اس نے چائے سے بھرا کپ واپس رکھا اور مڑ گیا۔ تب فاتح نے اسے پکارا۔

''ایڈم.....تھینک یو!''

ایڈم اس کی طرف پشت کیے چند ثانیے کھڑا رہا۔ فاتح نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے لب کاٹے تھے اور آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا تھا۔ وہ لمحہ جس کا اس کو ہمیشہ خوف رہا تھا.....وہ آ گیا تھا۔ فاتح کو تالیہ یاد تھی۔ اور تالیہ کو وہ کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ دونوں اپنی جگہوں پہ واپس آ گئے تھے۔ وقت کے اس چکر نے اگر کسی کو برباد کیا تھا تو وہ ایڈم بن محمد تھا۔

''آپ کو شکریہ کہنا بھی چاہیے سر۔ کیونکہ شکر ہے کہ ایڈم بن محمد کوئی خود غرض آدمی نہیں تھا۔ ورنہ.....'' اور پھر سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گیا۔

وان فاتح افسوس بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ ایڈم بن محمد کے اَن کہے الفاظ میں کیسا درد پنہاں تھا۔

☆☆=========☆☆

ذوالکفلی کا گھر اگلی صبح اپنے مالک کی غیر موجودگی میں مزید ویران نظر آنے لگا تھا۔ وہ شہر سے باہر تھا اس لئے آج اس نے تالیہ کا کھانا ٹریپ ڈور سے نیچے نہیں رکھا تھا۔ وہ اب خود کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ ذرا سے کھٹکے پہ چونک جاتی۔ بار بار کھڑکی کی بلائنڈز کو دو انگلیوں سے کھولتی اور درز سے باہر جھانکتی۔

اردگرد سب سکون تھا۔ صرف وہی خوفزدہ تھی۔

ناشتے کی ٹرے لئے وہ دیوان خانے میں آئی اور اسے فرش پہ اپنے سامنے سجایا۔ پھر کافی کا مگ اٹھایا ہی تھا کہ نظر شیلف پہ پڑی۔ وہاں قطار میں بوتلیں رکھی تھیں۔ وہ اپنی بوتل کو پہچانتی تھی۔ جو عرصے سے خالی ہو چکی تھی مگر.....مرکزی مقام پہ رکھی

وان فاتح کی بوتل....آج وہ بھی خالی تھی۔

تالیہ کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔اس نے پرسوں رات یہ بوتل غور سے دیکھی تھی اور یہ تین چوتھائی بھری تھی۔کل وہ اسے دیکھ نہیں پائی تھی۔اور آج یہ خالی تھی۔

وان فاتح کی یادداشتیں اس کے ذہن کو واپس مل گئی تھیں۔کب؟

یقیناً پچھلے چوبیس گھنٹوں میں۔وہ گزشتہ روز ملاکہ آیا تھا۔اور پچھلی رات تالیہ سے ملا تھا۔کیا تب اس کو سب یاد تھا؟ پھر بھی اس نے پولیس بلالی؟اس نے تالیہ کو بتایا کیوں نہیں؟

چند لمحے وہ شاک میں بیٹھی رہی.....اور پھر.....پھر اسے ڈھیروں غصہ آیا۔اور آنکھیں..آنکھیں بے بسی بھرے زخمی پن سے بھر گئیں۔وہ مارے باندھے ناشتہ کرنے لگی۔بار بار آنکھوں میں پانی آتا مگر وہ اسے ہتھیلی سے رگڑ دیتی۔

تبھی گھنٹی بجی۔تالیہ کرنٹ کھا کے اٹھی اور تیزی سے ٹخنے سے بندھا خنجر نکالا۔اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔

چند لمحے وہ خاموشی سے دم سادھے کھڑی رہی۔پھر باہر سے آواز سنائی دی۔''میں ہوں۔ایڈم۔''

''مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آجاؤ گے۔''

وہ اسے اندر لائی اور پھر دروازے کو لاک کیا'چٹخنی بھی چڑھائی اور بولٹ بھی اٹکایا۔آج موسم قدرے زیادہ ٹھنڈا تھا۔اس لئے ایڈم نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔مگر گھر گرم تھا۔اس نے راہداری میں آتے ہی جیکٹ اتاری اور اسے افسوس سے دیکھا' جواب کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔

''فکر نہ کریں۔کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔میں بہت احتیاط سے ادھر آیا ہوں۔''

تالیہ نے سر جھٹکا اور دیوان خانے میں چلی آئی۔وہ اس کے پیچھے آیا اور بنا تمہید کے کہنے لگا۔''وان فاتح کو سب یاد ہے۔''

''جانتی ہوں۔ابھی دیکھا ہے۔''وہ تلخی سے شیلف کی طرف اشارہ کر کے بولی اور واپس فرش پہ دوزانو بیٹھی۔ماتھے پہ بل تھے اور اس نے دوبارہ ناشتے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''واہ۔خاصا ترقی یافتہ جادوگر واقع ہوا ہے ذوالکفلی۔کافی اپ گریڈڈ سسٹم ہے اس کا۔''

پھر اس نے تالیہ کے تاثرات دیکھے تو چہرے کو سنجیدہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

''انہوں نے پولیس نہیں بلائی تھی۔وہ....''

''مجھے بعد میں اندازہ ہو گیا تھا۔''وہ ہنوز تلخ تھی۔ایڈم نے گہری سانس لی۔وہ سارے مسئلے خود ہی حل کر چکی تھی۔

''وہ آپ سے دوبارہ ملنا چاہتے ہیں۔''

''اب کیا بچا ہے جس کے لئے وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کے پاس میرے سوالوں کے جواب ہیں؟ کیونکہ ان کی طرف میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں' ایڈم۔''

اتنے مہینوں کے ادھورے جواب اور فاتح کے ادھورے فیصلے یاد آئے تو اس کے دل پہ آنسو گرنے لگے۔

''جواب ہو گا تو ملنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ ان کی بات سن لیں۔ آج رات وہی جگہ' وہی وقت۔ فیصلہ آپ کا ہے۔''

پھر اس نے جیب سے ایک پوٹلی نکالی اور اس کے سامنے رکھی۔

''یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو آپ کو درکار تھیں۔''

تالیہ دنگ رہ گئی۔ ''تمہیں یہ اتنی جلدی کیسے ملیں۔''

''آپ کو ڈھونڈنا ان جڑی بوٹیوں کو ڈھونڈنے سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر.... چے تالیہ.... آپ کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہیں۔''

تالیہ نے تیزی سے پوٹلی جھپٹی اور کھولی۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

''اگر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو خاموشی سے اس کو نبھاؤ۔ میں کچھ ایسا نہیں کروں گی جس سے کسی دوسرے کا کوئی نقصان ہو۔''

ایڈم کو ذوالکفلی کی بات یاد آئی۔ اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا کہ وہ کہے' اپنی جان مت لینا' مگر نہیں.... جس تالیہ کو وہ جانتا تھا.... وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہامی بھر لی۔

''میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

وہ چلا گیا تو تالیہ دروازہ بند کر کے راہداری میں آئی تا کہ نیچے جا سکے مگر اسی پل دوبارہ گھنٹی بجی۔

وہ چونکی۔

دو دفعہ۔ تین دفعہ۔ کوئی بے چینی سے بار بار گھنٹی بجا رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

اس نے پوٹلی سینے سے لگائے' اضطراب سے بند دروازے کو دیکھا۔ اب کون آیا تھا؟

☆☆=========☆☆

اندھیرا ملا کہ شہر کو دھیرے دھیرے نگل رہا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی روشنیاں مغرب ڈھلتے ہی جل اٹھی تھیں مگر وہ اندھیرے سے لڑنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ آسمان پہ آج ایک بادل تک نہ تھا۔

صرف سناٹا تھا۔ اور تارے تھے۔ اور تارے خاموشی سے یان سوفو کے کنویں کو دیکھ رہے تھے جو خستہ حال دیواروں سے

گھرے احاطے میں واقع تھا۔

کنویں کی منڈیر پہ وہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا جسے وہ دھیرے دھیرے توڑ رہا تھا۔ ٹھنڈ کے باوجود اس نے سوئیٹر یا جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بلکہ سیاہ شرٹ کے آستین بھی موڑ رکھے تھے۔ بار بار وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا پھر دوبارہ سے تنکے کے ٹکڑے کرنے لگ جاتا۔

اسے احساس بھی نہ ہوا اور کب فضا میں اس کی مانوس خوشبو گھلتی گئی۔ فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ پھر تنکا ہاتھ سے پھسل جانے دیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آج اس نے سفید.... کورے سفید رنگ کا باجو کرنگ پہن رکھا تھا اور گردن میں مفلر کی طرح سرخ اسٹول لے رکھا تھا۔ بال پن لگا کے آدھے باندھ رکھے تھے اور دائیں کان کے اوپر ننھا سا چیری بلاسم کا نقلی پھول اٹکا تھا۔ کانوں میں قدیم ملاکہ سے لائے ٹاپس اور ہاتھ میں وہی سرخ یاقوتی انگوٹھی تھی۔

تالیہ کا چہرہ اسی طرح سفید اور بے رونق تھا مگر وہ تیار لگ رہی تھی۔ کس شے کے لئے تیار؟

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور آسمان پہ بکھرے تارے ان کو۔

''تو آپ کو یاد آ گیا کہ آپ مجھے کیسے اکیلا چھوڑ گئے تھے؟'' وہ آنکھوں میں گلہ لیے بولی تھی۔ ''آپ نے میرے بابا سے سودا کر لیا.... اپنی یادداشتوں کا سودا.... اور مجھے اعتماد میں لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔''

اس کے پاس بہت سے شکوے تھے۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا۔''

''آپ مجھے بتا تو سکتے تھے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں نہ جان پاتی؟ جانتے ہیں جب ہم واپس آئے اور میں آپ سے پارٹی میں ملی تو مجھے کیسا دھچکا لگا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''آپ مجھے بھول گئے تھے اور مجھے لگا مجھے ساری دنیا بھول گئی ہے۔''

''آئی ایم سوری!'' وہ اس سے نگاہ ہٹائے بغیر دھیرے سے بولا۔ ''میں تمہیں وقت سے پہلے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''تو پھر مجھے آزاد کر دیتے۔ اس زبردستی کے رشتے سے۔ اس بنا ثبوت کے تعلق سے۔ مجھے خود سے باندھ کے کیوں رکھا؟'' بے بسی بھرے غصے سے لبریز آواز بلند ہونے لگی۔

''میں نے سوچا تھا کہ میں یہ کروں گا مگر میں نہیں کر سکا۔'' وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں تحریری طور پہ آزاد کرنا چاہتا

تھا مگر جب ذوالکفلی نے مجھے وہ تین سوال بتائے تو مجھے اندازہ ہوا کہ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کبھی اپنی زندگی کے ان بھولے ہوئے چار ماہ کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔"

"میں آپ کے لئے سب سے اہم ہوں؟" وہ تلخی سے سر جھٹک کے ہنسی۔ پھر آگے آئی اور کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی اور گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ میرے باپ سے سودا کر لیا ہے۔ میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ آریانہ کی موت میں عصرہ کا ہاتھ تھا۔ میں اہم تھی تو اتنے ماہ مجھے ایک باڈی وومن کی طرح ٹریٹ کیوں کیا؟ آپ تو سب بھول گئے تھے۔ اپنی زندگی' الیکشن اور high ambitions میں مصروف ہو گئے تھے۔ میرے دل پہ کیا گزر رہی تھی' آپ کو اندازہ بھی ہے۔"

وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ وقت کے دونوں مسافر اب شکستہ حال سے کنویں کی منڈیر پہ بیٹھے اندھیر دیوار کو دیکھ رہے تھے۔

"میں سمجھا تھا میرا بھول جانا ہی ٹھیک ہے۔ تم آزاد ہو جاؤ گی اور میں واپس اپنی زندگی میں چلا جاؤں گا۔ میرے ambitions مختلف تھے۔ مجھے اپنے ملک کو تسخیر کرنا تھا۔ میں وہ سب بھلا دینا چاہتا تھا۔"

"مجھے بھی؟" شہزادی نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو فاتح نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"میں غلط تھا۔ مجھے راجہ سے سودا کرنے کے بعد علم ہوا کہ آریانہ کو کس نے مروایا تھا۔ تم مجھے لگا کہ میں اس بات کو نہیں بھولنا چاہتا۔ میں نے وہ نشانیاں تمہارے لیے چھوڑیں تا کہ تم مجھے وہ یاد کروا دو۔"

"آپ نے مجھے خود سے صرف اس لئے باندھے رکھا تا کہ میں آریانہ کے قتل کا معمہ حل کر سکوں۔ آپ نے یہ میرے لئے نہیں کیا۔ آپ نے خود کو چنا۔ آپ خود غرض ہیں' وان فاتح۔"

"میں غلط تھا۔ انسان کو بعض دفعہ خود اپنے آپ کو سمجھنے میں زمانہ بیت جاتا ہے۔ وہ نہیں جان پاتا کہ اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ میں نے خود کو کہا تھا کہ میں صرف آریانہ کے لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں لیکن....." وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔ "لیکن دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔"

"اور تالیہ کے دل کا کیا؟" وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ کے لئے کام کرنے کی وجہ سے میری ساری زندگی داؤ پہ لگ گئی۔ میں پبلک فگر بن گئی۔ میرے خلاف انکوائریز کھل گئیں۔ اور اب.... اب آپ کی وجہ سے میں ایک قاتل کے طور پہ جانی جا رہی ہوں۔ آپ کے سارے فیصلے غلط تھے' وان فاتح۔ آپ کے فیصلوں کی سزا میں نے بھگتی ہے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ کو چنا۔ اور آپ نے خود کو۔"

''کیا تم مجھے ایک دفعہ موقع دے سکتی ہو کہ میں تمہیں چنوں؟'' وہ اسے دیکھ کے سنجیدگی سے بولا تو یکدم وقت ٹھہر گیا۔ وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔ شاید اوپر بکھرے تاروں نے بھی دم سادھ لیا تھا۔

''آپ.... مجھے.... چنیں گے؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''میری زندگی میں اس وقت تم سے زیادہ اہم کوئی بھی نہیں ہے۔ تم میری وجہ سے اس سب میں پھنسی ہو۔ مجھے خود کو اس میں سے نکالنے دو۔''

''میں آپ کے لئے اہم ہوں؟'' وہ پھر سے تلخی سے ہنسی۔ سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ اس کو جیسے بے یقینی سی تھی۔ وہ بھلا فاتح کے لئے اہم کیسے ہو سکتی تھی۔

''ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے' تالیہ۔ میں مانتا ہوں کہ میرے فیصلے غلط تھے مگر میں تمہیں اس قدیم دنیا سے نکال کے واپس یہاں لانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم ایک نئی زندگی شروع کرو۔ جرائم اور دھوکہ دہی سے پاک زندگی۔''

''اور اس زندگی میں وان فاتح کو کبھی تالیہ یاد نہ رہے' ہے نا؟ آپ اپنے فیصلوں کی جتنی صفائیاں دے ڈالیں' آخر میں سچ یہی ہے کہ آپ نے تالیہ کو بھول جانا مناسب سمجھا' مگر پھر صرف اپنی یادداشتیں واپس لانے کے لئے اسے اپنے سے جوڑے رکھا۔ اب آپ کو سب یاد آ گیا ہے۔ اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔''

''تمہیں معلوم ہے تم خود بھی کسی چیری بلاسم کی طرح ہو۔'' وہ اس کے کان میں اٹکے پھول کو دیکھ کے بولا۔ وہ نقلی تھا مگر اصلی کا گمان ہوتا تھا۔ ''اور چیری بلاسم نازک ہوتے ہیں۔ وہ تنہا سروائیو نہیں کر سکتے۔''

''ہاں۔ وہ جلدی مر جاتے ہیں۔ انہیں جلدی مر جانا چاہیے۔'' وہ تلخی سے بولی تھی۔

''تم ایک دفعہ مجھ پہ اعتبار کر کے دیکھو۔ میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا' تالیہ۔''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کیا کروں؟''

فاتح نے گہری سانس لی۔ کنویں کا پانی.... اور اس میں گرے لاتعداد سکے دم سادھے سننے لگے۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں؟'' اس نے ملامتی نظروں سے فاتح کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے وان فاتح۔ آپ بیچ راستے کے چھوڑ دینے والوں میں سے ہیں۔''

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اس جنگل سے تمہیں نکالوں گا۔ کیا میں نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا تھا کہ تمہیں جدید ملاکہ میں واپس لاؤں گا وقت کی قید سے نکال کے۔ کیا میں نے وہ وعدہ توڑا تھا؟ مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' تالیہ۔''

''اور آپ کے وعدوں کی قیمت میں نے چکائی تھی۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔''میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔وہ دکھ سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم مجھے ملنے آ گئیں تو مجھے لگا تم میری بات مان لو گی۔''

''میں کسی اور شے کے لئے آئی تھی۔''وہ منڈیر کنارے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔اس کا سفید لباس چمک رہا تھا۔اندھیرے میں کفن کی مانند.....

''کس لئے؟''وہ چونکا۔

''میں آپ کو خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ہم آج کے بعد کبھی نہیں ملیں گے۔''

فاتح کے ابرو پریشانی سے اکٹھے ہوئے۔وہ دھیرے سے اٹھا۔''کیوں؟''

''کیونکہ میں اب تھک چکی ہوں۔میں دولت اور اس کے آدمیوں سے اب نہیں لڑ سکتی۔تالیہ کی ہمت ٹوٹ چکی ہے۔''

''تم کیا کرو گی؟''

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''میرے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔داتن مجھ سے الگ ہو گئی۔میں ایک مفرور مجرم بن کے رہ گئی ہوں۔میرا گھر'میرے بینک اکاؤنٹس'سب مجھ سے چھن گیا ہے۔''

''اور وان فاتح؟''

تالیہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔''آپ کو تو میں نے عرصہ ہوا کھو دیا تھا۔''

''تالیہ....میرے ساتھ چلو۔میں تمہیں بچا لوں گا۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔''

''تم نے سفید کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟''اسے ایک دم عجیب سا احساس ہوا۔جیسے کچھ غلط تھا۔

''یہ آخری ملاقات تھی اور لوگ الوداع کرتے ہوئے سفید ہی پہنتے ہیں۔یا پھر کیا وہ سیاہ پہنتے ہیں؟ آج کل مجھے چیزیں ٹھیک سے یاد نہیں رہتیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔''آپ مجھے میری چوائسز کے لئے معاف کر دیجئے گا۔میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔''

''تم کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟'' وہ واقعی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''کسی نے مجھے کہا تھا کہ میرے اندر killer instinct نہیں ہے۔ کسی کے دل پہ پیر رکھ کے فیصلے کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر اب.... اب میں یہ کر سکتی ہوں۔''

وہ چوکھٹ تک پہنچ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا' تالیہ مڑی اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔

وہ اس کے پیچھے لپکا۔ دوسرا احاطہ سنسان پڑا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ مگر اس کا آخری چہرہ فاتح کے ذہن کے پردے پہ نقش ہو چکا تھا۔

بھیگی سیاہ آنکھیں۔ آدھے بندھے چھوٹے سیاہ بال..... کان پہ لگا پھول۔ کیا تھا اس کے انداز میں جو ڈسٹرب کر رہا تھا؟

تالیہ واپس آئی تو اپنے آنسو خشک کر چکی تھی۔ ذوالکفلی واپس آ چکا تھا۔ اس وقت وہ دیوان خانے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اسے تیزی سے راہداری سے گزرتے دیکھ کے ٹھٹکا۔ ''تالیہ۔''

مگر وہ سنے بغیر سیدھی نیچے آئی۔ اس کے چھوٹے سے کمرے میں چائے کا سامان رکھا تھا۔

تالیہ نے آنکھیں دوبارہ رگڑیں اور کیٹل میں پانی گرم کرنے رکھا۔ پھر اسٹول کے پلو سے بندھی گرہ کھولی۔ اس میں ایک پُڑی تھی جس کے اندر پسا ہوا جامنی سفوف نظر آتا تھا۔ اس کی کوئی خوشبو نہ تھی۔ اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا اور دیکھنے میں وہ بے ضرر سا پاؤڈر لگتا تھا۔

کیا سارے راستے بند ہو چکے تھے؟ کیا یہی واحد راستہ تھا؟ سارے مسئلے ختم کرنے کا؟

ہاں۔

اس نے لب بھینچے اور بہت سے دلوں پہ پیر رکھ کے سفوف پیالی میں ڈال دیا۔ پھر گرم پانی اس میں انڈیلنے لگی۔ آنکھیں ایک دفعہ پھر بھیگنے لگیں۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کتنی دیر اس احاطے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ اس کے ابرو فکرمندی سے بھنچے تھے اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

وہ جیسے ہی گئی تھی' فاتح کو اس کی فکر شروع ہو گئی تھی۔

بالآخر وہ وہاں سے نکلا اور کار کو بے مقصد سڑک پہ ڈال دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بار بار اپنا فون دیکھتا تھا۔ ایڈم کو کال ملائے؟ یا نہیں؟ کس سے پوچھے تالیہ کے بارے میں؟

اس کی فکرمندی اب شدید پریشانی میں بدل رہی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی' اور اسے نجانے کیوں محسوس ہونے لگا کہ وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتی ہے۔ شدید مایوسی میں انسان سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔

بالآخر اس نے ایڈم کو کال ملائی۔ کار فون کے اسپیکرز پہ اس کا ہیلو گونجا تو فاتح نے اسٹیئرنگ وہیل گھماتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''ایڈم.....تالیہ کہاں ہے؟''

''کیا وہ ملنے نہیں آئیں؟''

''آئی تھی۔ مگر وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔''

ایڈم چپ ہو گیا۔ ''وہ خوفزدہ ہیں اور.....''

''نہیں ایڈم۔ کچھ غلط ہے۔ کیا تم اس سے ابھی رابطہ کر سکتے ہو؟''

''میں.....کوشش کر سکتا ہوں مگر.....''

''اس نے تمہیں کیا کام کہا تھا؟'' یکدم اسے یاد آیا۔

''وہ.....وہ ان کا ذاتی کام تھا اور اگر میں نے آپ کو بتایا تو وہ برا مانیں گی۔''

''ایڈم.....اس نے.....کیا کام کہا تھا؟'' وہ درشتی سے زور دے کر بولا۔ ایڈم تذبذب سے چپ ہو گیا۔ فاتح نے تیسری دفعہ بات دہرائی اور ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سچ بولے یا جھوٹ۔

''وہ چند مخصوص جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تھیں جن سے وہ لیانہ صابری کے لئے دوائی بنا سکتی ہیں۔''

''کیسی جڑی بوٹیاں؟'' اس نے بریک پہ پاؤں رکھا اور کار کو سڑک کنارے روک لیا۔

''انہوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس کوئی نسخہ ہے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں کہ کس قسم کی جڑی بوٹیاں تھیں وہ؟''

''وہ زہریلی تھیں مگر بہت سی دوائیں زہریلی بوٹیوں سے بھی بنتی ہیں اور.....''

''ڈیم اِٹ' ایڈم!'' اس نے جھڑک کے اسے خاموش کروایا۔ ''وہ کہاں ہے؟ ذوالکفلی کے گھر میں؟''

''پلیز وہاں مت جائیے گا۔ اگر آپ وہاں گئے تو وہ مجھ پہ خفا ہوں گی کہ.....''

مگر فاتح نے سنے بغیر فون بند کیا اور تیزی سے کار اسٹارٹ کی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔ ایکسلیٹر پہ زور سے پیر رکھے' اس نے کار کو دوبارہ سڑک پہ ڈال دیا۔ وقت کم تھا۔ سارے کھیل وقت کے ہی تھے۔

ذوالکفلی کا دروازہ اس نے جتنی زور سے پیٹا تھا' بوڑھا جادوگر پریشانی سے باہر آیا تھا....اسے دیکھ کے وہ ٹھٹھکا۔ ''وان فاتح؟''

''تالیہ کہاں ہے؟'' اس کے چہرے سے شدید اضطراب جھلک رہا تھا اور اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکا۔ راستہ چھوڑ دیا اور راہداری کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ نیچے گئی ہے۔ ابھی کچھ دیر کے لئے اوپر آئی تھی۔ میرے پاس بیٹھی تھی مگر وہ پریشان لگ رہی تھی۔ کچھ ہوا ہے کیا؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس ہاتھ سے اشارہ کیا تو ذوالکفلی آگے آیا اور جھک کے ٹریپ ڈور کھولا۔

نیچے موجود کتابوں کا مقبرہ نیم روشن تھا۔ وان فاتح تیزی سے زینے اترتے نیچے آیا تو دیکھا۔ وہاں ایم کونے میں ڈھیروں موم بتیاں جلی تھیں۔ قدیم کتابوں کے ریک قطار در قطار رکھے تھے اور دور....سامنے....ایک دیوار کے ساتھ تالیہ زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گھڑی تھی جس کی ٹک ٹک وہ سن رہی تھی۔

جیسے لمحہ لمحہ گن رہی ہو۔ جیسے انتظار کر رہی ہو۔ اس کا چہرہ اداس تھا۔ بے رونق اور مرجھایا ہوا۔

''تالیہ!'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ کہتا سامنے آیا تو وہ چونکی۔ اسے دیکھ کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

''آپ؟ یہاں؟'' وہ پریشانی سے کہتی اٹھی' پھر فاتح کے عقب میں آتے ذوالکفلی کو دیکھا جو متعجب نظر آتا تھا۔

''تم مجھ پہ اعتبار نہیں کرنا چاہتیں' ٹھیک ہے' مگر تم اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہو؟'' وہ اس کے سامنے آرکا اور غصے سے بولا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''آپ کو کس نے....''

''مجھے ایڈم نے کہا ہے کہ اس نے تمہیں زہریلی جڑی بوٹیاں لا کے دی ہیں۔''

''کیا؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔'' ذوالکفلی تیزی سے آگے آیا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

تالیہ نے لب کاٹے۔ وہ اس سب کے لئے تیار نہیں تھی۔

''میرے پاس اس زندگی میں کوئی امید نہیں بچی تھی۔ آئی ایم سوری!''

فاتح کے دل کو دھکا سا لگا۔ اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''مجھے وہ زہر دو جو تم نے بنایا ہے۔'' اس نے ہتھیلی سامنے کی مگر یہ الفاظ کہتے ہوئے بھی اس کو اندازہ تھا کہ اب دیر ہو چکی تھی۔

تالیہ نے بے بسی سے شانے اچکا دیے۔ آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا' مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں جا گرا۔ ذوالکفلی البتہ تیزی سے آگے آیا اور اس کو کہنی سے پکڑ کے جھنجھوڑا۔

''کون سا زہر کھایا ہے تم نے' ہاں؟ مجھے بتاؤ۔ میرے پاس اس کا تریاق ہوگا۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نظریں جھکائے کھڑی لب کاٹتی رہی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ فاتح کی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ ٹک.....ٹک.....ٹک.....

''تالیہ.....میں پوچھ رہا ہوں تم نے کون سا زہر کھایا ہے؟ ہر زہر کا تریاق ہوتا ہے۔'' ذوالکفلی نے چلا کے پوچھا تھا۔

تالیہ مراد نے سر جھکائے گہری سانس لی۔

پھر اس نے آنکھیں رگڑیں اور پلکیں اٹھائیں۔

اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔

ان میں ایک مخصوص چمک تھی۔

''کس نے کہا کہ زہر تالیہ نے کھایا ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ذوالکفلی ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا۔ پھر وہ بے اختیار پیچھے ہٹا۔

''زہر میری کافی میں نہیں تھا' شکار باز۔ زہر تمہاری کافی میں تھا جو ابھی تم نے میرے ساتھ پی تھی۔''

وہ تلخی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

ذوالکفلی سکتے میں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وان فاتح نے البتہ کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ایڈم تالیہ کو جانتا تھا۔ صرف ایڈم اسے اچھے سے جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا تالیہ مراد کبھی اپنی جان نہیں لے سکتی۔

''جانتے ہو سب سے مشکل کام کیا ہوتا ہے؟ کسی کون مین کو کون کرنا۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کہتے ہوئے دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ ''تم نے میرے باپ کو اپنے جیسا جادوگر بنایا تھا۔ تم نے ہم سب کی زندگیاں برباد کی تھیں۔ تمہاری وجہ سے ہم وقت کے چکر میں پھنسے تھے۔ مجھے تم پہ رحم نہیں آتا' ذوالکفلی۔ میں تمہارے پاس پناہ کے لیے نہیں آئی تھی۔ میں تمہیں کون کرنے آئی تھی۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کے گرد دائرے میں ٹہل رہی تھی۔

''تمہارے پاس کچھ ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ مگر میں وہ تم سے کیسے لوں؟ اس کے لیے مجھے تمہیں یہ یقین دلانا تھا کہ میں

خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔تمہارے پاس مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ تمہارے پاس ایک کتب خانہ ہے۔بابا نے مجھے بتایا تھا کہ ہر شکار باز کے پاس ہوتا ہے۔تم نے مجھے بالکل وہیں ٹھہرایا جہاں میں ٹھہرنا چاہتی تھی۔اور ایڈم نے میری مدد کی ایسا زہر تیار کرنے میں جس کو کھانے کے بعد تمہیں تب علم ہوگا جب دیر ہو چکی ہوگی۔''

اور اس وحشت ناک لمحے میں ذوالکفلی نے اپنے ہاتھوں کی پشت کو دیکھا۔اس کے ناخن ہلکے ہلکے نیلے پڑنے لگے۔اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کون سا....زہر تھا وہ؟''وہ ہلکا سا غرایا۔اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''اس کا تریاق تمہارے پاس نہیں ہے۔میرے پاس ہے اور میں نے تمہارے گھر میں کہیں چھپایا ہے۔''وہ اس کے مقابل کھڑی کہہ رہی تھی۔

''تالیہ....تم کیا کر رہی ہو؟''فاتح نے پریشانی سے اسے ٹوکا مگر بولنے کی باری شہزادی کی تھی۔

''میں کوئی چیری بلاسم نہیں ہوں جو ذرا سی ہوا سے گر جائے گا۔میں ملاکہ کی شہزادی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور میں اپنی اس زندگی کو ختم کر کے واپس اپنی اصل زندگی میں جا رہی ہوں۔''

پھر اس نے نظروں کا رخ ذوالکفلی کی طرف موڑا اور ہتھیلی پھیلائی۔

''تم مجھے وقت کی چابی دے دو تو میں تریاق تمہیں دے دوں گی۔''

''تم میرے ساتھ یہ کرو گی....میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''ذوالکفلی نے کراہ کے آنکھیں بند کیں پھر جب ان کو کھولا تو ان میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔تم نے مجھے زہر نہیں دیا۔''مگر اس کا لہجہ شکستہ تھا۔تالیہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''اور اگر میں سچ بول رہی ہوں' تب؟ تمہارے پاس چانس لینے کا وقت ہے کیا؟''

اس کی ہتھیلی اب تک پھیلی تھی۔اور آنکھیں ذوالکفلی پہ جمی تھیں جس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔ہونٹ جامنی ہو رہے تھے۔

''تالیہ....یہ مت کرو۔''فاتح آہستہ سے بولا۔وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا مگر آج تالیہ کو کسی کی نہیں سننی تھی۔

''چابی! وہ چابی جو تم نے میری ہیئر پن سے بنائی تھی۔اور اس دفعہ بوتل کا پانی تم خود پیو گے۔کیونکہ ہم میں سے کوئی یادداشت نہیں کھونا چاہتا۔''اس نے زور دے کر دہرایا تو ذوالکفلی الٹے قدموں مڑا اور زینے کی طرف لپکا۔

''میں نے وہ سب....وہ سب تمہیں واپس لانے کے لئے کیا تھا اور تم....'' وہ صدمے اور پریشانی سے کہتا قریب آیا۔''تم اس قید میں پھر واپس جانا چاہتی ہو؟''

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔''آپ کی دنیا نے میرے اوپر زندگی تنگ کر دی ہے۔آپ کو آپ کی دنیا مبارک ہو۔مجھے میرے بابا کے پاس واپس جانا ہے۔''

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔''تم....واپس....نہیں جا سکتیں۔تم ہماری ریاضت کو ضائع نہیں کر سکتیں۔''

''آپ نے مجھے بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔میں آپ کو بھول جانے کا انتخاب کر رہی ہوں۔''

''تم یہ کیوں کر رہی ہو؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''کیونکہ جب میں کچھ دن پہلے داتن سے ملی اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کینسر کی دوا کی بوتل کیوں تھی؟ تو جانتے ہیں اس نے مجھے کیا کہا؟''

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔

اس کے اردگرد کا منظر بدلنے لگا۔

وہ جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔دیوار پہ چیری بلاسم کے گرتے پھولوں کا عکس ہنوز چل رہا تھا۔

''کیا تم سچ جاننا چاہتی ہو؟'' تاؤ سوشی رول کو ٹھک ٹھک کاٹ رہا تھا اور داتن کہہ رہی تھی۔

''میں سچ جانتی ہوں۔تمہیں کینسر ہے اور تم نے اسے مجھ سے چھپایا ہے۔اس تصویر میں تمہاری دوا کی بوتل.....''

''یہ بوتل میری نہیں ہے' تالیہ۔'' داتن دکھ سے بولی اور وہ ٹھہر گئی۔

''اس تصویر میں ایک تیسرا شخص بھی ہے جسے تم ہمیشہ نظر انداز کر جاتی ہو۔یہ دوا ایڈم کی ہے۔ایڈم بیمار ہے۔میں نہیں۔''

دیوار پہ گرتے پھول جیسے فضا میں ٹھہر گئے تھے۔

''ہم دونوں اس وقت تمہیں اس لیے نہیں تلاش کر سکے تھے کیونکہ میں ایڈم کی بیماری کے علاج میں الجھی تھی۔اس نے صرف مجھے بتایا تھا۔تمہیں وہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''ایڈم کو.....ایڈم کو کیا ہوا ہے؟''

''وہ جب سے وقت میں سفر کر کے واپس آیا ہے' اس کی طبیعت دھیرے دھیرے خراب ہونے لگی تھی۔مگر وہ اسے نظر انداز کر کے کام میں جتا رہا۔میں زبردستی اسے چیک اپ کے لیے لے گئی تو اس کا کینسر ڈائیگنوز ہوا۔لیکن یہ کینسر نہیں تھا۔یہ کوئی ایسی بیماری تھی جو بظاہر کینسر کی طرح لگتی تھی اور اسے اندر سے کھا رہی تھی مگر ڈاکٹر اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔پھر ایڈم

اپنی کتابوں کی طرف پلٹا اور اس نے مختلف جڑی بوٹیوں کے ساتھ کینسر کی کچھ دوائیں ملا کے اپنا علاج کرنے کی کوشش کی۔ دو ماہ وہ اپنی بنائی دوا کھاتا رہا مگر اسے فرق نہ آیا۔ پھر وہ اپنی کتاب میں لگ گیا اور اس نے خود کو موت کے خوف سے بے نیاز کر لیا لیکن.....لیکن میں اس بیماری کو جاننے کے لیے پمبورو کی کتابوں کو کنگھالنے لگی۔''

''وقت کا چکر.....یہ اسے وقت کی وجہ سے ہوا ہے۔'' تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

''ہاں اور مجھے یہی سمجھ آیا کہ وقت کا سفر انسانی جسم کو شدید تکلیف سے گزارتا ہے اور اس تکلیف کو زائل کرنے کے لیے بوتل کا وہ پانی پینا پڑتا ہے جس کو پی کر ہی چابی ملتی ہے۔ وہ پانی دراصل اس مرض سے مدافعت کی دوا تھی۔ یادداشت کا کھو دینا اس دوا کا ایک سائیڈ ایفیکٹ تھا۔ تم نے وہ دوا پی تھی۔ فاتح نے پی تھی۔ ایڈم نے نہیں پی تھی۔ اس لیے اس کا جسم اس چکر سے نکلنے کے بعد اس کے اثرات کو برداشت نہیں کر پایا۔''

''اس کا حل....اس کا حل کیا ہے؟''

''اس کا حل صرف شکار باز کے پاس ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں جو ذوالکفلی کے پاس ہوں گی۔ اگر تم اس سے پوچھو تو....''

''ذوالکفلی نے کبھی بدلے میں کچھ مانگے بنا کوئی کام نہیں کیا۔ وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ مجھے اس کے کتب خانے تک رسائی چاہیے۔ چینج آف پلان۔ مجھے ملاکہ جانا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں اسی لیے ملاکہ آئی تھی۔ ایڈم کے لیے۔ مگر.....'' نیم اندھیر کتب خانے میں کھڑی تالیہ نے اردگرد کتابوں کو دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ ''مگر ان کتابوں سے معلوم ہوا کہ اس بیماری کا تریاق ذوالکفلی کے پاس نہیں ہے۔ اس بیماری سے وقت کے ایک صرف ایک مسافر کو آج تک شفا ملی ہے اور جانتے ہیں اس کا تریاق کس شکار باز نے بنایا تھا؟''

''مراد راجہ نے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ اسے تالیہ کا پلان سمجھ آنے لگا تھا۔

''تم وقت میں واپس جانا چاہتی ہو.....اپنے باپ سے ایڈم کی دوا لینے۔''

''ہاں.....بابا کو نہیں معلوم تھا کہ ایڈم بھی ہمارے ساتھ آیا تھا۔ مجھے ان کی وہ افسوسناک نظریں یاد ہیں جن سے انہوں نے ایڈم کو ہمارے ساتھ واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لیے ان کو معلوم تھا کہ میں واپس آؤں گی۔'' وہ رکی اور تصحیح کی۔

''ہم.....ہم واپس جائیں گے۔''

وہ کونے میں لگے ایک بک ریک تک گئی تھی اور پھر اسے دھکیلنے لگی۔

جیسے جیسے ریک ہٹتا گیا.....ایک دروازہ سامنے آتا گیا۔ بھوری لکڑی کا دروازہ جس کے اوپر لگا تالہ ٹوٹا ہوا تھا۔

تالیہ نے دروازہ دھکیل دیا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک طویل راہداری بنی تھی جس کے اندر مشعلیں روشن تھیں۔ زرد سا اندھیرا بھی تھا۔ اور سامنے کوئی کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھتا۔

اسے دیکھ کے فاتح نے گہری سانس خارج کی۔ ''تم دونوں اس کام میں شریک تھے۔''

ایڈم بن محمد نے ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔ وہ کرتے اور پاجامے میں ملبوس تھا اور سر پہ ٹوپی تھی۔ اس کے کندھے پہ ایک سفری بیگ بھی تھا۔

وہ وہاں کھڑا ساری بات سن چکا تھا۔ جانے وہ کب سے وہاں موجود تھا۔

''میں اکیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر ایڈم جب صبح مجھے جڑی بوٹیاں دینے آیا تو.....''

''تو چند قدم دور جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ داتن واقعی کیٹو کر رہی تھی جس سے اس کے بال جھڑے تھے۔ اور چے تالیہ میری دوا لینے کے لیے کچھ کرنے جا رہی ہیں۔ اسی لیے میں الٹے قدموں واپس آیا اور انہوں نے مجھے سب بتا دیا۔ اب ہم دونوں واپس جا رہے ہیں۔ ان قاتلانہ حملوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔''

فاتح نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ عرصے سے اسے اداس اور مضمحل نظر آتا تھا۔ مگر وہ اداس اور مضمحل نہیں تھا۔

وہ بیمار تھا۔

''سوری سر.... مگر ہم واپس جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم نے وقت کا دوسرا دروازہ بھی ڈھونڈ لیا ہے۔''

تالیہ اس کے برابر میں جا کے کھڑی ہو گئی۔ وان فاتح اکیلا رہ گیا۔

''تو یہ طے ہے کہ تم دونوں اپنے خفیہ منصوبوں میں مجھے کبھی شامل نہیں کر سکتے۔'' اسے افسوس ہوا تھا۔

''آپ ہمیں بھول چکے تھے سر۔ ہم نے آپ کو واپس لانے کی بہت کوشش کی مگر آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے جب ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ اب ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے پروں پہ اڑنا سیکھ چکے ہیں۔''

ان دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی طرح کے تاثرات تھے۔ بغاوت۔ ہٹ دھرمی۔ تنفر.....

''میں نے تم لوگوں کو واپس لانے کے لیے وہ سب کیا اور تم؟''

''ہم ہمیشہ کے لئے واپس نہیں جا رہے۔ میرا علاج ہو جائے تو ہم واپس آ جائیں گے۔''

''اور ہم بنگارایا ملایو کو مکمل کرنے جا رہے ہیں۔ ذوالکفلی نے غلط کہا تھا کہ وہ کتاب مراد راجہ نے مکمل کروائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ایڈم ہی مکمل کرے گا۔''

''اور تم دونوں کو لگتا ہے کہ مراد راجہ تمہیں واپس آنے دے گا؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''یہ ہمارا مسئلہ ہے۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

زینے اترنے کی آواز آئی تو فاتح نے پلٹ کے دیکھا۔ ذوالکفلی سفید چہرے کے ساتھ تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوتل تھی جو خالی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اس کا پانی پی لیا تھا اور چابی نکال لی تھی۔

کھلے دروازے کو دیکھ کے وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لی۔

''میں نے تمہیں پناہ دینے کی غلطی کی۔ تم نے مجھے ہی دھوکہ دے ڈالا۔'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے قریب آیا۔

''مجھے یہ سب سکھانے والا استاد بہترین تھا۔'' شہزادی نے مسکرا کے کندھے اچکائے اور ہتھیلی پھیلا دی۔

''پہلے تریاق!''

''پہلے چابی۔'' وہ غرائی۔

ذوالکفلی چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ چابی ہاتھ میں دبوچی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''چابی مت دینا' ذوالکفلی۔ مجھے یقین ہے اس نے تمہیں زہر نہیں دیا۔ یہ دونوں تمہارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔''

وہ تنبیہہ رہا تھا۔

ذوالکفلی نے لب کاٹتے ہوئے واپس ان دونوں کو دیکھا۔ جو برابر کھڑے' اس پہ چبھتی نظریں جمائے ہوئے تھے۔ جیسے اسے چیلنج کر رہے ہوں۔

پھر اس نے اپنے ناخن دیکھے وہ مزید نیلے پڑتے جا رہے تھے۔

وہ آگے بڑھا اور چابی تالیہ کے ہاتھ پہ رکھی۔ ''تم وقت کے ساتھ خطرناک کھیل کھیل رہی ہو پتری تالیہ.... تمہیں اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔''

''دیکھیں گے۔'' وہ جتا کے بولی اور راہداری میں آگے بڑھ گئی۔ سامنے دوسرے سرے پہ ایک قدیم دروازہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا تریاق!'' وہ چیخا تھا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ ایڈم نے مڑتے مڑتے کہا تھا۔

''بے فکر رہو۔ جو بے ذائقہ سفوف ہم نے بنایا تھا' وہ زہر نہیں تھا۔ تمہیں کسی تریاق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہاری یہ علامات قے اور پانی پینے سے صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی۔''

ذوالکفلی نے زور سے زمین پہ پیر مارا۔ پھر فاتح کو دیکھا جو اسے افسوس سے دیکھ رہا تھا۔

''تم اب ان سے چابی نہیں لے سکتے؟''

''جبراً یا چوری کر کے اس چابی کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ تم اس قدم کی قیمت چکاؤ گی تالیہ۔'' آخری فقرہ اس نے چلا کے ادا کیا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں دور ہوتے جا رہے تھے۔ ذوالکفلی کو گردن پہ دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اسے قے آنے والی تھی۔ وہ الٹے قدموں زینے کی طرف لپکا۔

''تھینک یو ایڈم۔'' وہ دوسرے سرے تک آئی اور اس دروازے تک رکی۔

وقت کا دروازہ اس کے سامنے تھا۔ بس تالے میں چابی گھمانے کی دیر تھی۔

پھر کسی احساس کے تحت مڑی تو لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔

فاتح اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ''تالیہ.... مت جاؤ!'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''تمہاری دنیا یہ ہے۔ وہ نہیں۔ مراد راجہ تمہیں کبھی واپس نہیں آنے دے گا۔''

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں فین گرل بن کے آپ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کسی کے پیچھے نہیں بھاگنا۔''

''میں تمہیں بہت مشکل سے واپس لایا تھا' تالیہ۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھو سکتا۔'' وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ نے مجھے کبھی نہیں چنا' فاتح۔ آپ نے ہمیشہ خود کو چنا ہے۔ آپ کے سارے فیصلے خود غرض تھے۔'' وہ کہہ کے مڑی اور تالے کو چھونا چاہا۔ مگر اسی لمحے.....

وہ تیزی سے آگے آیا.... اور دونوں کے درمیان سے گزر کے اس نے تالے کو پکڑا۔

ایڈم اور تالیہ بے اختیار پیچھے ہٹے۔

فاتح نے ہتھیلی بڑھائی تو لمحے بھر کو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے خود کو چابی فاتح کی ہتھیلی پہ رکھتے دیکھا۔

''تم مجھ پہ give up کر سکتی ہو۔ میں تم پہ give up نہیں کر سکتا۔ سوری تالیہ.... مگر میں تمہیں اس سونے کے جہنم میں اکیلے نہیں جانے دے سکتا۔''

وہ شدید تکلیف سے یہ الفاظ کہتا چابی تالے میں گھما رہا تھا۔ ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے اور تالیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

''آپ کیا کر رہے ہیں۔'' تالہ کھول کے اس نے دروازہ دھکیلا تو سامنے راہداری میں پانی پڑا تھا۔ وہاں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دو دریا ان کے سامنے تھے۔

وہ اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں تمہارا چناؤ کر رہا ہوں۔''

اور پھر وہ خود سب سے پہلے آگے بڑھا۔

جیسے وہ ہمیشہ بڑھتا تھا۔ سب سے آگے۔ راستہ دکھاتے ہوئے۔

اور وہ دونوں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آتے تھے.....

''آپ.....نہیں جا سکتے.....آپ کے پاس پیچھے.....ایک.....ایک زندگی ہے۔ شاندار مستقبل ہے۔ آپ وہ سب نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ حواس باختہ سی اس کے پیچھے آئی۔

''آپ.....پلیز.....واپس جائیں۔'' ایڈم بھی پریشانی سے اسے پکار رہا تھا۔

مگر وہ تینوں دہلیز پار کر چکے تھے۔ جب تک ایڈم نے مڑ کے دیکھا' وقت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ ماضی اور مستقبل کے دریا کے دہانے پہ کھڑے تھے۔

''آپ نے یہ کیوں کیا؟'' وہ بے یقینی سے اسے آگے چلتا دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال کے لاؤں گا۔ اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔''

وہ آگے چلتا جا رہا تھا۔ ان دونوں کو بھی اب آگے ہی جانا تھا۔ پیچھے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔

فاتح نے درمیان میں رک کے ایک مشعل دیوار سے نکالی اور اسے فضا میں بلند کیے آگے راستہ دیکھتا چلتا گیا۔ پانی کی بوندیں مسلسل ان پہ گر رہی تھیں۔ وہ بھیگتے جا رہے تھے.....

آخری سرے پہ ایک بڑا سا لکڑی کا دروازہ تھا۔ اس پہ بھی اسی طرح زنجیریں اور تالا بندھا تھا۔ وان فاتح اس کے قریب پہنچا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی اور ایک دم آگے آئی ایسے کہ دروازے اور فاتح کے درمیان حائل ہو گئی۔ وہ ٹھہر گیا۔

''آپ واپس چلے جائیں۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔ ''آپ کے پاس آپ کی دنیا میں کھونے کو بہت کچھ تھا' فاتح۔''

وہ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ اس کے گیلے بال ماتھے پہ آگے کو گر رہے تھے۔

''میرے پاس وہاں کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔''

''غلط۔ آپ وزیرِ اعظم بننے جا رہے تھے۔'' وہ بے چینی اور تکلیف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جانتی ہو میں نے وقت کے تینوں سوال کیسے حل کیے؟ جب ملاکہ آنے سے پہلے میں ایک تحریر اپنی اسٹڈی میں لکھ کے

رکھ آیا تھا۔"

"کیسی تحریر؟"

"میں نے جان لیا تھا کہ اس کو لکھنے کا بہترین وقت ابھی ہے۔اور میری زندگی کا اہم ترین شخص تم ہو۔اور تمہیں بچانا میرے لئے سب سے اہم کام ہے۔اسی لیے وقت سے مجھے میری یادیں واپس کر دی تھیں۔"

"کیسی تحریر؟ کیا لکھا آپ نے؟"

"میں نے بی این کی چیئرمین شپ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔میں اب ملک کا وزیر اعظم نہیں بننے جا رہا۔"

تالیہ کے اوپر جیسے ایک دم کسی نے گھڑوں پانی الٹ دیا تھا۔وہ گنگ رہ گئی۔ایڈم بھی سکتے میں آ گیا۔

"مگر کیوں؟اس آف شور کمپنی کی وجہ سے؟وہ عصرہ نے بنائی تھی۔"

"سر...آپ نے مسز عصرہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے....آپ نے ان کاغذات کا الزام اپنے سر کیوں لیا جو بلینک تھے اور دھوکے دہی سے سائن کروائے گئے تھے؟"

ایڈم افسوس سے کہہ رہا تھا اور وہ مارے صدمے کے مزید کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

وان فاتح زخمی سا مسکرایا۔پھر سر اٹھا کے دیکھا۔اوپر اندھیرا تھا۔اور بارش ہو رہی تھی..مگر..یکا یک...

پانی کی گرتی بوندیں....چیری بلاسم کے پھولوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا۔سڑک اور گھاس پہ گلابی پھولوں کی تہہ بچھی تھی۔سامنے چلتا بچہ گلابی کاٹن کینڈی کی اسٹک ہاتھ میں گھما رہا تھا۔اس کے پیروں سے سکے چھنکنے کی آواز آ رہی تھی.....

عصرہ ساتھ آ کے بیٹھی تھی۔اس کی کافی ذرا سی چھلکی تھی۔

"تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟"

فاتح نے فائل کھولی تو ایک دم ڈھیر سارے پھول اوپر سے آن گرے۔سفید کاغذ گلابی پھولوں سے بھر گیا۔

اس نے ہاتھ سے پھول ایک طرف گرائے تھے تو نیچے سے کاغذ نظر آنے لگا۔

وہ بلینک نہیں تھا۔

اس پہ سیاہ چھپی ہوئی تحریر واضح تھی۔

"یہ کیا ہے؟"اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

عصرہ نے گہری سانس لی۔"کاش تم بغیر بحث کے اسے سائن کر دیتے...لیکن...میں یہ ہماری فیملی کے لیے کر رہی

ہوں۔ہم اس رپورٹر کو ڈائریکٹ پے نہیں کر سکتے' فاتح۔انکوائری شروع ہوئی تو اسکینڈل بن جائے گا۔میں ایک آف شور کمپنی بنا رہی ہو۔اس کے اکاؤنٹ سے ہم اسے آف شور پے کر دیں گے تا کہ وہ اپنا منہ بند کرے اور ہماری بیٹی کو ناجائز اولاد نہ کہا جا سکے۔''

وہ کاغذ اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ماتھے پہ بل تھے۔''کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟''

''ہم رسک نہیں لے سکتے۔اور یہ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے ہوگا۔رپورٹر کا منہ بند ہو جائے گا تو ہم اس کو بند کر دیں گے۔آف شور کمپنی بنانا غیر قانونی نہیں ہے۔اسے چھپانا غیر قانونی ہے۔جب الیکشن قریب آئیں گے اور اثاثے ظاہر کرنے ہوں گے تو ہم اس کو بند کر چکے ہوں گے۔میرے پاسپورٹ کا آج کل مسئلہ بنا ہوا ہے ورنہ میں خود کھول لیتی۔پلیز فاتح....سائن کر دو۔''

چیری بلاسم بارش کی بوندوں میں بدل گئے۔وہ تینوں نیم اندھیرے میں اس قدیم دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے بلینک ڈاکومنٹ پہ دستخط نہیں کیے تھے۔کمپنی ہم دونوں نے بنائی تھی۔صرف آریانہ کو اسکینڈل بننے سے بچانے کے لئے۔ہم سمجھے تھے کہ رپورٹر کو ایک ہی دفعہ پے کرنا ہوگا مگر وہ بار بار بلیک میل کرنے لگا تو میں نے عصرہ سے کہا کہ کمپنی بند کر دو کیونکہ اثاثوں کی ڈیکلریشن کا وقت آ گیا تھا۔میں رپورٹر کو اپنے ایک دوسرے اکاؤنٹ سے پیسے بھیجنے لگا۔میں سمجھا تھا عصرہ نے کمپنی بند کر دی ہوگی مگر اس نے نہیں کی۔وہ اسے استعمال کرتی رہی۔میں اس کو بھول بھی چکا تھا۔اس لئے میں اس کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا مگر پھر مجھے یاد آ گیا تھا۔کمپنی رکھنا جرم نہیں ہے۔اس کو چھپانا جرم ہے اور میں اس جرم کا مرتکب ہو چکا تھا۔مجھے استعفیٰ دینا تھا۔کیونکہ میں اپنے لوگوں کو سچ بولنے کی تلقین کر کے خود جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

''آپ.....آپ لوگوں کو وضاحت دے دیتے....آپ بتا دیتے کہ آپ بلیک میل ہو رہے تھے اور.....''

''میں نے کمپنی چھپائی' یہ جرم ہے۔کیوں چھپائی' یہ غیر اہم ہے۔اور یہ میری بیٹی کی یاد لوگوں کے ذہنوں میں داغدار کر دے گا۔میں عصرہ اور آریانہ کسی کو بھی ڈھال کے طور پہ استعمال نہیں کر سکتا۔میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا جو میں نے صوفیہ سے ڈی بیٹ کے وقت کیا تھا۔میں نے بھی لاعلمی میں....اس بات کو ہلکا سمجھ کے....ایک جرم کر دیا تھا۔میرے ضمیر پہ اس کا بوجھ اب بہت زیادہ تھا۔میں انتظار کرتا رہا کہ میرے خواب اور ضمیر کی جنگ میں کون جیتتا ہے۔اور ضمیر جیت گیا۔اگر میں خود سچ نہیں بول سکتا تو میں دوسروں کو سچائی کی تلقین کیسے کر سکتا ہوں۔''وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''میں چاہتا تو جھوٹ بول دیتا کیونکہ میری سیکرٹری ہو یا وکیل' سب خود سے فرض کر چکے تھے کہ مجھ سے بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن کروائے گئے ہوں گے۔مگر وہ کاغذ بلینک نہیں تھے۔میں واقعی چاہتا تھا کہ میرے ملک میں بہتری آئے۔لیکن کبھی

کبھی انسان کو خود کو اس بہتری کی مثال بنانا ہوتا ہے۔ میں سچ بول کے.....اپنے کیریئر اور خواب کی قربانی دے کر.....اپنے لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سچ دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ میں اپنی سچائی نہیں کھو سکتا تھا۔''

وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ.....وہ کندھے اچکا کے تکلیف سے کہہ رہا تھا مگر اس کے انداز میں اطمینان بھی تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور دروازہ کھولنے لگا۔

''مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ دکھ ہے مگر افسوس نہیں۔ میں نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے اور اب....'' اس نے زنجیر علیحدہ کی اور تالیہ کو دیکھا۔ ''اب میں تمہیں بچاؤں گا۔'' پھر دروازہ کھول دیا۔

باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی تھی۔ چند لمحے کے لئے تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

پھر اس نے چوکھٹ سے باہر قدم رکھا۔ سامنے زینے بنے تھے۔ وہ زینے قدم قدم چڑھنے لگی۔ اوپر سے روشنی آ رہی تھی۔

وہ تینوں باہر نکلے تو خود کو سن باؤ وانگ لی کے گھر کے صحن میں پایا۔

فضا زرد تھی۔ آسمان صاف تھا۔ سارے میں بارش کے بعد کی مٹی کی سوندھی سی مہک بسی تھی۔ کونے میں تازہ پانی کا کنواں تھا۔ دوسری طرف وانگ لی کا مجسمہ تھا۔ سرسبز پودے اس صحن میں لہلہا رہے تھے۔

قدیم زمانے کی خوشبو اس کے اندر تک اترتی چلی گئی۔

تالیہ نے آنکھیں بند کیں اور سانس اندر کو کھینچی۔

وہ اپنی دنیا میں واپس آ چکی تھی۔

''ہم جنگل میں کیوں نہیں ہیں۔'' ایڈم نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کندھے پہ رکھے بیگ میں جنگل کے مقابلے کے لیے بہت سا سامان لایا تھا۔

''کیونکہ وقت کے دروازے مختلف جگہوں پہ کھلتے ہیں شاید۔ ہم پچھلی دفعہ وانگ لی کے گھر سے دروازے میں داخل ہوئے تھے اور جنگل میں باہر نکلے تھے۔ اس دفعہ ذوالکفلی کے گھر میں داخل ہوئے اور وانگ لی کے گھر سے نکلے ہیں۔''

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو فاتح نے پکارا۔ ''تم اب کیا کرو گی؟''

تالیہ اس کی طرف پلٹی۔ دھوپ اس کے عقب سے آ رہی تھی اس لئے فاتح کو اسے دیکھنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنانا پڑا۔

''میں.....ملاکہ پہ حکومت کروں گی۔'' اس نے اپنے سفید لباس میں کچھ چھپا کے رکھا ہوا نکالا اور سر پہ پہنا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے دیکھا۔ وہ ہیروں سے مزین نازک سا تاج تھا۔

پھر وہ مڑی اور آگے بڑھ کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولا۔

باہر چند سپاہی کھڑے تھے۔اسے دیکھ کے وہ سیدھے ہوئے۔

''تم کب سے یہاں کھڑے ہو؟''شہزادی نے ماتھے پہ بل ڈال کے پوچھا۔

''چار دن سے'شہزادی۔جب سے آپ گئی تھیں'مراد راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم یہیں آپ کا انتظار کریں۔انہوں نے کہا تھا کہ آج آپ واپس آجائیں گی۔''

سپاہی نے ادب سے اطلاع دی۔تالیہ نے مڑ کے اسے دیکھا جو برآمدے میں کھڑا'سینے پہ بازو لپیٹے تندہی سے اسے دیکھ رہا تھا۔پیچھے ایڈم گھوم پھر کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

شہزادی مسکرائی۔''مجھے اب جانا چاہیے'غلام فاتح۔مجھے اپنی شادی کی تیاری کرنی ہے۔''

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''تم سلطان سے شادی نہیں کرسکتیں۔''

شہزادی نے ابرو اٹھایا۔

''واچ می۔''اور پھر وہ مڑ گئی۔

قطار صورت کھڑے سپاہی اطراف میں ہٹتے گئے۔تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرتی فخر سے سر اٹھائے'قدم اٹھا رہی تھی۔

سورج تیز تھا اور دن کی روشنی میں وہ بنا کسی خوف کے اپنی شاہی سواری کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسے یہاں کوئی گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔اسے یہاں کی عوام چور یا قاتل کے طور پہ نہیں جانتی تھی۔

وہ آزاد تھی۔

ایک اعلیٰ عہدیدار وردی میں ملبوس بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ اس تک رکی اور تحکم سے بولی۔

''میرے محل پہنچنے سے پہلے بابا کو اطلاع مل جانی چاہیے کہ میں آگئی ہوں۔اس کے علاوہ...''وہ رکی۔''ابوالخیر سے کہو'وہ رات کا کھانا میرے اور بابا کے ساتھ کھائے گا۔مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''سپاٹ چہرے کے ساتھ حکم جاری کیا اور بگھی میں سوار ہوگئی۔سپاہی نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دروازہ بند کردیا۔گھوڑے بگھی کو کھینچتے آگے قدم بڑھانے لگے۔

''مجھے بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے۔''شاہی مورخ نے ایک معذرتی نظر اس پہ ڈالی اور ان کے پیچھے لپکا۔

چوکھٹ پہ کھڑے وان فاتح نے خاموشی سے ان دونوں کو جاتے دیکھا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے ڈیڈ؟'' عقب میں کھڑی آریانہ بولی تو اس نے گردن موڑی۔ وہ آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں اسے واپس لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ میرے بغیر وہ دونوں کبھی واپس نہیں جا سکیں گے۔''

وہ سنجیدگی سے زیرِ لب بولا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر کچے راستے پہ شاہی سواری دھول اڑاتے ہوئے دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

مراد راجہ اپنے دیوان خانے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جب چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ رکا اور اس طرف گھوما۔ سامنے وہ کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں والی..... سادہ سفید لباس پہ تاج پہنے..... وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مراد نے گہری سانس خارج کی.....

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔''

''بابا۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔ مراد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس کی یادداشتیں واپس مل گئی ہیں۔ اسے اس کا باپ یاد آ گیا ہے۔

''کیا وہ دونوں بھی ساتھ آئے ہیں؟'' وہ اس سے الگ ہوئی تو مراد نے اسے شانوں سے تھام کے پوچھا۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''ہاں۔ مگر وہ واپس جانے کے لیے آئے ہیں۔''

''تو چلے جائیں..... مگر تم؟'' اسے دھڑکا لگا۔

تالیہ کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ''میں جان گئی ہوں کہ وہ میری دنیا نہیں تھی۔ اس دنیا نے اور اس کے باسیوں نے آپ کی بیٹی کو بہت تکلیف دی ہے بابا۔ میں نے ان دونوں سے یہی کہا ہے کہ میں واپس چلی جاؤں گی مگر.....'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ اور تمکنت سے گردن کڑائی۔

''میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں ملاکہ پہ حکومت کرنے آئی ہوں۔''

بندا ہارا مراد راجہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ اپنی بیٹی کو کبھی واپس جانے نہیں دے گا۔

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

بیسواں باب:

"شہزادی کی آخری مانگ۔"

اور شہزادی تاشہ کی سات مانگوں میں سے

آخری مانگ کچھ تھی اس طرح

کہ بھر دے سلطان مرسل ایک پیالہ

اپنے خون سے....

ایسا خون کہ جس میں شامل ہو اس کے ماں باپ کا خون....

اور پاک ہو وہ ہر ملاوٹ سے....

پھر ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ....

جب سلطان مرسل شاہ کر چکا باقی چھے مانگیں پوری....

تو ایک دن تنہا' اداس بیٹھے اپنے محل میں....

اس نے رکھا ایک خنجر کلائی پہ....

اور قریب تھا کہ کاٹ ڈالتا اپنی رگِ جان کو....

کہ بند دروازوں والے دیوان خانے میں

کسی جادو سے نمودار ہوئی شہزادی تاشہ....

اسے دیکھ کے رہ گیا سلطان مبہوت....

اور پھسلا خنجر اس کے ہاتھ سے....

سامنے آئی پری چہرہ شہزادی اور گویا ہوئی مسکرا کے....

"مقصد تھا میرا آپ کا امتحان لینا....

نہ کہ آپ کی جان لینا۔

سات مانگوں کے اس کھیل کو روک ڈالیں یہیں پہ۔

کہ میرے اور آپ کے راستے ہیں جدا جدا۔"

یہ کہہ کر وہ دھوئیں میں ہو گئی غائب....

اور جھکا دیا مرسل شاہ نے اپنا سر....

اور اس روز پہلی دفعہ اس نے لقب دیا تھا اسے.....

تاشہ پسونا کا.....

(بنگارایا ملایو۔ باب ۱۳۔ "شہزادی کی آخری مانگ")

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ پہ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کہیں کہیں کوئی مشعل روشن نظر آتی' باقی ہر طرف اندھیرے کا غلاف اوڑھے وہ شہر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

البتہ بنداہارا کے محل کا حال مختلف تھا۔ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ اوپر آسمان سے دیکھو تو وہ عمارت زرد ستاروں سے سجی دکھائی دیتی تھی۔

محل کا کتب خانہ اس وقت مکمل روشن تھا۔ ایک طرف دو غلام کتابوں کو ترتیب سے رکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور چوکھٹ پہ ایڈم کھڑا تھا۔ کتب خانے کو دیکھ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وقت صرف کے ایل میں گزرا تھا۔ قدیم ملاکہ میں تو وہ ٹھہر گیا تھا۔

سارے مسئلے وقت کے ہی تو تھے۔

غلام صفائی کر چکے اور اپنے جھاڑن لئے رخصت ہو گئے تو ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی۔ کرتا پاجامہ پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ اس ماحول میں ڈھلا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر ان کتابوں کے درمیان واپس آ گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر سارے مسائل کا حل کتابوں سے ملنا تھا۔

وہ پلٹا تو دیکھا۔ اس کی میز جسے وہ "تین روز قبل" چھوڑ کے گیا تھا' اس پہ بنگارایا ملایو کا مسودہ یونہی رکھا تھا۔ کاغذ کی خوشبو تک ویسی تھی۔ وہ چونکا۔ پھر میز کے پیچھے آیا اور کتاب اٹھائی۔

یہ اس کے ہاتھ سے لکھی کتاب تھی۔ بارہ ابواب کی۔ وہ اسے اشاعت کے لئے دے کر گیا تھا مگر یہ یہیں پڑی تھی۔

''یہ اشاعت کے لئے نہیں بھجوائی گئی؟'' اس نے پہریدار کو بلایا اور کتاب کے صفحے اچنبھے سے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' شاہی مورخ۔ مراد راجہ نے کہا تھا کہ ابھی طباعت و اشاعت کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب نامکمل ہے۔ آپ واپس آ کے اسے آگے لکھیں گے۔'' وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

ایڈم نے ہنکارا ابھرا اور قدیم کتاب واپس رکھ دی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔

ایڈم کی لکھی بنگارایا ملایو میں بارہ ابواب تھے۔ مگر جو بنگارایا ملایو جدید دور میں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی' اس میں کل پندرہ ابواب تھے۔ یہ تین اضافی باب ایڈم نے جدید کے ایل میں جا کے پڑھے تھے۔ تیرہویں باب کے آغاز میں یہ سطور پڑھ کے کہ شہزادی سفر سے واپس لوٹ آئی تھی اور اس کے بالوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا' وہ گھبرا گیا تھا۔ مگر جب اس نے ان تینوں ابواب کو مکمل پڑھ لیا تو وہ جہاں الجھ گیا' وہاں اسے ایک اطمینان بھی نصیب ہوا کہ یہ باب اس نے نہیں لکھے تھے۔

یہ تین ابواب ایڈم بن محمد نہیں لکھ سکتا تھا۔

وہ تین ابواب عجیب تھے۔ احمقانہ' سوپر نیچرل' بغیر لاجک کے واقعات پہ مبنی... جیسے کسی نے خانہ پری کے لئے لکھے ہوں۔ جیسے ان تین ابواب کی sense نہ بنتی ہو۔ ایک اچھی بھلی کہانی کو جیسے مصنف نے گھما کے عجیب سوپر نیچرل اور غیر فطری رخ دے دیا ہو اور آخر میں ایک ٹریجک اختتام پہ کہانی ختم کر دی ہو۔

پچھلے چند ماہ میں..... جب سے ایڈم نے ان تین ابواب کو پڑھا تھا۔ اس کو لگتا تھا یہ راجہ نے کسی اور سے لکھوائے تھے۔ خانہ پری۔ دیومالائی سا اینڈ۔ مگر اب جبکہ وہ واپس آ گیا تھا' وہ واقعی یہ سوچنے لگا کہ اس کتاب کو کون مکمل کرنے جا رہا تھا؟

وہ تو یہاں چند دن کا مہمان تھا۔ بیمار تھا مگر پر امید تھا کہ دوا ملے گی اور وہ واپس اپنی زندگی میں چلا جائے گا۔ لکھنے کے لیے تو ڈھیروں سکون اور تحریک چاہی ہوتی ہے۔ اور ساتھ دل کا درد بھی۔ دل کے درد کے بغیر کوئی لکھ بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ دوسرے کاموں میں الجھے تھے۔

نہیں۔ وہ ابواب ایڈم نے نہیں لکھے تھے نہ اس نے کچھ مزید لکھنا تھا۔ اسے صرف اپنی دوا کے حصول پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ اسے دوا مل جائے' اور وہ تینوں واپس چلے جائیں۔ یہی ان کی کہانی کا منطقی انجام تھا۔

اس نے مسودے پہ کپڑا ڈال دیا۔ کل وہ اسے دوبارہ اشاعت کے لیے بھجوا دے گا۔ بنگارایا ملایو یہیں پہ ختم ہو جانی چاہیے۔

☆☆=========☆☆

تاریکی کا غلاف وانگ لی کی سرخ حویلی پہ بھی چڑھا تھا۔ پھاٹک کے باہر ابھی ابھی گھوڑے آن رکے تھے اور فربہی مائل چینی سفیر اپنی سواری سے اتر رہا تھا۔

وہ دروازے تک پہنچا تو ٹھٹک کے رکا۔ باہر ایک مشعل روشن تھی۔ اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ چرچراتا ہوا کھلا۔ اندر راہداری بھی روشن تھی۔ گھر میں کوئی تھا۔

جب سے غلام فاتح گیا تھا' اس نے ابھی تک دوسرا غلام نہیں رکھا تھا جو گھر کے اندرونی کاموں کے لیے ہو۔ پہریدار اور سپاہی کافی تھے۔ وہ سارا وقت امور سلطنت میں الجھا رہتا اور رات دیر سے گھر آتا تو گھر تاریک ملتا تھا۔

آج ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ چوکنا سا چلتا اندر تک آیا۔ ہاتھ کمر سے بندھے خنجر کے دستے پہ جما تھا۔ مگر برآمدے تک پہنچ کے اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

برآمدے کے ستون کے ساتھ... اس کی طرف پشت کیے... سفید کرتے پاجامے والا شخص کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

چاندنی میں نہایا مجسمہ صحن میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔

وانگ لی نے گہری سانس لی اور ماتھے پہ بل ڈال لئے۔

''تم واپس آ گئے؟ اتنی جلدی۔''

فاتح نے گردن موڑی اور ایک بے نیاز سی نظر اس پہ ڈالی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر فاتح نے رخ واپس پھیر لیا۔

''تم میرے گھر کیوں آئے ہو؟ میں نے تو تمہیں آزاد کر دیا تھا۔'' وانگ لی اس کے قریب آ کے رکا۔ اس کے چہرے پہ فاتح کو دیکھ کے واضح غصہ در آیا تھا۔

''جانتا ہوں۔ اس لئے تمہارے آگے سر جھکانے نہیں کھڑا ہوا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے سامنے کنویں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں آزاد کرنے کا مطلب تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''یہ میرا بھی گھر ہے۔'' وہ زیر لب بولا مگر وانگ لی سن نہ سکا۔ تیوریاں چڑھائے' پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے تلخی سے بولا۔

''تمہیں ملکہ اور میرے ساتھ دھوکہ کرنے کے بعد یوں اتنے نڈر انداز میں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ تم یہاں سے جاتے وقت بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔''

وان فاتح بے تاثر مگر پرسکون چہرے کے ساتھ اس کی طرف پلٹا اور غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سب یاد ہے اور میں اسی لئے واپس آیا ہوں کہ مجھے سب یاد ہے۔''

''تم نے نہ صرف ملکہ سے دھوکہ کیا بلکہ تمہیں یہاں دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے چاری شہزادی کو بھی تم اپنے گاؤں چھوڑ آئے ہو جس نے تم پہ بھروسہ کر کے.....'' وانگ لی کہتے کہتے رکا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ''شہزادی کہاں ہے؟''

''جہاں انہیں ہونا چاہیے۔ اپنے باپ کے محل میں۔''

وانگ لی کا رنگ بدلا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''تم اسے واپس لے آئے؟''

''ہاں۔ وہ بھی دن کی روشنی میں۔''

''ملکہ نے.....ملکہ نے تمہاری جان اس لئے بخشی تھی کیونکہ تم شہزادی کو یہاں سے لے جا رہے تھے۔ یہ ایک شرط پوری کی تھی تم نے اور وہ بھی.....'' وانگ لی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

فاتح نے کندھے اچکائے۔ ''یہاں سے لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کبھی واپس آنا چاہے گی تو اسے روک لوں گا۔''

''تم.....تم چار دن بھی اپنے وعدے کو پورا نہیں کر سکے۔ چار دن بھی.....''

''سن باؤ۔ کتنا اچھا ہوا گر تم وقت کے حساب کتاب مجھے نہ سمجھاؤ۔'' پھر کرتے کے آستین پیچھے کو موڑتے ہوئے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی۔ ''صبح چلا جاؤں گا۔ رات مجھے یہیں ٹھہرنا ہے۔''

''یہ میرا گھر ہے اور تم میرے غلام نہیں ہو جو.....''

''یہ میرا بھی گھر ہے' سن باؤ۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔''

وہ سنجیدگی سے کہہ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی گردن اٹھی تھی اور چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا۔ وانگ لی ضبط کا سانس بھر کے رہ گیا۔ پہلے سوچا پہریداروں کو آواز دے وہ حویلی کے باہر کھڑے تھے' پھر کسی خیال کے تحت خاموش ہو گیا۔

وہ لکھائی کی میز تک آیا اور قلمدان سے قلم نکال کے جلدی جلدی ایک رقعہ تحریر کرنے لگا۔

اسے ملکہ کو اس خطرے سے آگاہ کرنا تھا جو ٹلتے ٹلتے واپس ان کے سروں پہ منڈلانے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کی کھڑکیاں ہنوز روشن تھیں۔ ایسی ہی ایک روشن بالکونی میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔ سیاہ بال جوڑے میں باندھے' سر پہ تاج سجائے' وہ گہرے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ دیکھ کے کنیزوں کی آنکھیں پھیلی تھیں مگر سوالات پہ پابندی تھی اس لیے انہوں نے خاموشی سے اسے تیار کر دیا تھا۔ وہ اپنے ''اصل'' روپ میں...ایک

شہزادی کے روپ میں واپس آ چکی تھی... مگر کیا یہ اس کا اصل تھا؟

محل کی بالکونی سے دور نظر آتے سیاہ سمندر کو دیکھتے ہوئے تالیہ مراد کا دل بالکل خالی تھا۔

''شہزادی۔'' کنیز نے پیچھے آ کے ادب سے پکارا تو وہ چونکی۔ اس طرزِ تخاطب کی عرصہ ہوا عادت نہ رہی تھی۔

''ابوالخیر اور مراد راجہ آپ کا کھانے پہ انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوں۔'' شہزادی نے ابرو سے اس کو اشارہ کیا اور پھر..... کندھے سیدھے کیے اور گردن کڑالی۔ اسے اب شہزادی کی طرح رہنا تھا۔ کسی پولیس سے بھاگتی مفرور ملزمہ کی طرح نہیں۔ (میری زندگی کا وہ فیز اب پیچھے رہ گیا ہے۔ کوئی پولیس' کوئی دولت اب میرے پیچھے نہیں آ سکتے۔ میں آزد ہوں اور میرے لیے یہی زندگی کافی ہے۔)

وہ خود کو ایسے خیالات سے تسلی دے رہی تھی اور واقعی بجھے دل کو یہ خیالات تسلی دے بھی رہے تھے۔

ایک خوبصورت دیوان خانے میں طعام سجا تھا۔ وسط میں چھوٹی میز رکھی تھی اور اس کے گرد مراد اور ابوالخیر آمنے سامنے زمین پہ بیٹھے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ پیچھے غلام ہاتھ باندھے پانی اور قہوے کی صراحیاں پکڑے کھڑے تھے۔

تالیہ نے ایک نظر چھت سے لٹکتے فانوس پہ ڈالی۔ پھر اطراف میں دیکھا۔ محل کی شان' اس کی دیواروں سے ٹپکتی ہیبت' غلاموں کی اس کو دیکھتے ہی جھک جانے والی نظریں۔ یہ وہ دنیا تھی جہاں وہ چٹکیوں کے اشارے سے گردنیں مار سکتی تھی۔ جہاں کوئی دولت امان نہ تھا۔ جہاں اسے کسی کو یقین نہیں دلانا تھا کہ وہ ایک اچھی لڑکی بن چکی ہے۔ یہاں کسی کا اس پہ احسان نہ تھا۔ کسی کا ہاتھ اس کے اوپر نہ تھا۔ وہ یہاں کسی کی باڈی وومن نہیں تھی۔

تالیہ مراد بالآخر آزاد تھی۔

شہزادی کو مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوتے دیکھ کے وہ دونوں افراد اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مراد شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھوں تک آتے سیاہ بالوں میں ہمیشہ کی طرح بارعب اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ البتہ تالیہ کو دیکھ کے لبوں پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ در آئی تھی۔

ابوالخیر کی آنکھوں میں البتہ طنزیہ تاثرات ابھرے تھے۔

''آپ سے مجھے بہت گلے ہیں' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے بولا مگر لہجے کا طنز اور شاکی پن واضح تھا۔

''مجھے افسوس ہے اس سب کے لئے جو آپ کے غلاموں کے ساتھ ہوا۔'' وہ مسکرا کے کہتی بیٹھی۔ لباس پھول کی طرح اردگرد پھیلا دیا۔ وہ دونوں بھی اپنی جگہوں پہ بیٹھے۔

''اور اسی لئے میں آپ سے مل کے ہمارے درمیان تمام ابہام رفع کرنا چاہتی تھی۔''

اسے اب یہاں رہنا تھا تو ملاکہ کے تالاب کے سارے مگرمچھوں سے اچھے تعلقات بھی رکھنے تھے۔

دیوان خانہ زرد روشنیوں سے روشن تھا۔ وسط میں رکھی میز کے تینوں اطراف میں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ ایک غلام نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹا رکھا تھا اور مراد اپنی طشتری میں کھانا نکال رہا تھا۔ سارے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلنے لگی۔ ابوالخیر البتہ تالیہ کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی..... آپ نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر آپ غلاموں کو نہ اکساتیں تو وہ ''جیا'' سے نکل کے آپ کے محل کے سامنے نہ کھڑے ہو جاتے اور ہمیں ان کو آزاد نہ کرنا پڑتا۔ مجھے آپ سے گلہ ہے کہ آپ نے میرے مقابلے میں اس غلام کا ساتھ دیا ہے۔''

تالیہ کی رنگت ذرا دیر کو بدلی مگر وہ سنبھل کے مسکرا دی۔ ''کون سا غلام؟''

''وہی جو سن باؤ کا خدمتگار ہے..... اس کے گھر میں رہتا ہے.....''

(اور بندا ہارا کے محل سے دور..... سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سرخ حویلی کی بالکونی میں کھڑا اندھیرے میں ڈوبتے ملاکہ کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ غلام جس کو مراد راجہ نے قید کر رکھا تھا اور آپ کو چاہیے تھا کہ اس معاملے سے دور رہتیں مگر آپ اس غلام سے ہمدردی کرنے لگیں.....''

(سن باؤ سونے جا چکا تھا۔ سرخ حویلی خاموش پڑی تھی۔ ایسے میں فاتح کچھ سوچ کے حویلی سے باہر نکل آیا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ وانگ لی کا سفید گھوڑا اس کو پہچانتا تھا۔ فاتح نے نرمی سے گھوڑے کو پہلے تھپکا' پھر اس کی لگام کھولنے لگا۔)

''آپ کو لگا آپ کے والد نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے مگر آپ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اتنے دن سے وہ غلام جیا میں دوسرے غلاموں کو بہکا رہا تھا۔ وہ غدار تھا۔ باغی تھا۔ اس کا ٹھکانہ قید ہی ہونا چاہیے تھا۔''

(اس نے گھوڑا بازار کے دہانے پہ روکا اور نیچے اترا۔ بازار کی بتیاں ابھی تک گل نہیں ہوئی تھیں۔ فاتح گھوڑے کی لگام تھامے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ دکانیں ہنوز کھلی تھیں اور لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔)

''آپ نے خدا جانے کس شے کی بنا پہ اپنے بابا کو مجبور کیا کہ وہ ہم سب کو حکم دیں کہ ہم ناجائز غلاموں کو آزاد کر دیں اور ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ ہم نے اتنے سارے غلام کھو دیے۔''

(وہ آنکھوں میں تحیر لئے ان دکانوں کو دیکھ رہا تھا۔ چند لوگ وہاں سے سامان اٹھا اٹھا کے مال گاڑی میں لاد رہے تھے۔

سامنے ابوالخیر کی حویلی تھی۔ وہ اس طرف بڑھنے لگا۔)

''سن باؤ نے اس غلام کو بھی آزاد کر دیا اور وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ مگر مجھے آپ سے گلہ رہے گا' شہزادی کہ میں نے آپ کو مسجد تک بنوا کے دی' ہر شے میں آپ کا ساتھ دیا مگر آپ نے میرے سارے غلام مجھ سے دور کر دیے۔'' شکوہ کرتے ہوئے بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

(حویلی کی دیوار تک پہنچ کے وہ رک گیا۔ پھاٹک کھلا تھا اور اس پہر کسی دوسرے شہر سے آنے والا سامان اندر رکھوایا جا رہا تھا۔ ابوالخیر کی حویلی پہ قریباً ہر وقت ہی یہی منظر ہوتا تھا۔ پہلے اس کے پاس غلاموں کی فوج ہوتی تھی' اس لئے یہ کام فوراً ہو جاتا تھا۔ اور آج..... فاتح اندھیرے میں کھڑا دم سادھے دیکھنے لگا۔ آج غلاموں کی مدد کے بغیر ابوالخیر کے سارے کام کیسے ہو رہے تھے؟)

''سوال یہ ہے ابوالخیر.....'' شہزادی نے مسکرا کے قہوے کی پیالی اٹھائی' گھونٹ بھرا اور اسے نیچے رکھا۔ ''کہ آپ راضی کیوں ہوئے؟ میرے بابا کو انکار کرنا اتنا مشکل تو نہ تھا۔''

(فاتح یک ٹک کھڑا سامان ڈھوتے ان نفوس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ وہی تھے۔ سارے غلام وہی تھے۔ وہ فاقوں کے مارے' چیتھڑوں میں ملبوس لوگ..... وہ اسی طرح ابوالخیر کے کام کر رہے تھے جیسے کرتے آئے تھے.... مگر اب تو وہ آزاد تھے؟ پھر کیوں؟)

''کیونکہ آپ کے بابا کی بات ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سارے غالم اگلے روز ہی میرے پاس واپس آ جائیں گے۔''

وہ چونکی..... ''وہ کیسے؟'' (دل ایک دم ڈوب کے ابھرا تھا۔)

(وان فاتح پتلیاں سکوڑے ان کام کرتے غلاموں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ کچھ چہرے نئے تھے۔ تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ چونکا۔)

''صرف میرے غلام نہیں' شہزادی..... دوسرے رؤساء کے غلام بھی میری چاکری کے لئے آ چکے ہیں۔''

(ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے فاتح کو احساس ہوا کہ ابوالخیر کے غلاموں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ ابھی تین چار دن پہلے تو وہ انہیں آزاد کروا کے گیا تھا..... تو..... پھر.....؟)

''کیونکہ آپ نے اور سن باؤ کے اس غلام نے یہ نہیں سوچا کہ خالی خولی آزادی بے معنی ہوتی ہے۔ برسوں اور مہینوں سے میری غلامی کرنے والے کچھ اور کرنا بھول چکے تھے۔ ان کے پاس نہ پیسہ تھا نہ کھانے کو کچھ تھا۔ نہ ان کے گھر بار تھے۔ وہ

کنوارے' اکیلے' بھوکے لوگ تھے۔ میں نے اگلے دن ہی اعلان کروا دیا کہ جو بھی میرے کام میں ہاتھ بٹائے گا میں اس کو یومیہ اجرت دوں گا۔'' ابوالخیر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''شام تک آدھے واپس آ گئے اور جب ان کو اجرت ملی تو اگلی صبح دوسرے رؤسا کے غلام بھی میرے پاس تھے۔ اب وہ آزاد ہیں مگر ان کو آزادی نہیں چاہیے تھی۔ ان کو دو وقت کی روٹی چاہیے تھی اور روز کے چند سکے۔ میں ان کو صرف اتنے سکے دیتا ہوں جن سے ان کی جان حلق سے نہ نکلنے پائے۔ مگر وہ کچھ جمع بھی نہ کر پائیں۔ ان کو روز کی روٹی کے لئے میرے پاس واپس آنا پڑے۔ اتنا ہی خرچہ پہلے ان کی روٹی پہ آتا تھا' اب ان کو اتنے ہی سکے دے دیتا ہوں۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا۔ اور وہ بھی خوش ہیں۔ ہاں جس روز کوئی غلام کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا کے طور پہ اس کی یومیہ اجرت سے کٹوتی ہوتی ہے۔ یوں وہ میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔ وہ میرے ''غلام'' نہیں رہے' شہزادی' مگر وہ میرے ''ملازم'' بن چکے ہیں۔''

(وہ اندھیرے میں کھڑا افسوس سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سامان رکھا جا چکا تھا اور ایک داروغہ صورت آدمی کھڑا قطار میں لگے 'ملازموں' کو باری باری چند سکے دے رہا تھا۔ ایک کو اس نے البتہ سکوں کی جگہ جھانپڑ رسید کیا' اور اس کی غلطی یاد کروائی' تو وہ سر جھکائے خالی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔)

''آپ کے اس عمل کی وجہ سے وہ 'ملازم' زیادہ برے حال میں ہیں۔ ان کے پاس رہائش نہیں ہے۔ وہ شہر میں کہیں نہ کہیں سو پڑے رہتے ہیں۔ اور جو میرے احاطے میں سونا چاہیں' تو ان کی اجرت مزید کم ہو جاتی ہے۔ میرا کام پہلے سے زیادہ اچھا جا رہا ہے' شہزادی۔ اس لئے اب میں آپ سے مزید گلہ کرنا نہیں چاہتا۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بے اختیار باپ کا چہرہ دیکھا جس نے کھانا کھاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔ ''میں نے کہا تھا' یہ بے مقصد ہو گا۔''

وہ بدقت سنبھلی اور زبردستی مسکرا کے اتنا ہی بولی۔

''امید ہے اب ہمارے درمیان کوئی شکوہ شکایت نہیں ہو گی۔ کل سے ہم پہلے کی طرح کام شروع کر دیں گے۔'' اور کھانا نکالنے لگی۔ البتہ اس کی رنگت بجھ گئی تھی۔

وہ یہاں آزاد تھی۔ وہ ملکہ بننے والی تھی۔

مگر صرف آزادی کافی نہیں تھی۔ آزادی کے بعد بھی بہت سی لڑائیاں لڑنا تھیں۔

(وہ جھکے کندھوں کے ساتھ گھوڑے کی لگام تھامے حویلی کی طرف واپس جا رہا تھا۔ ملا کہ وہ جس حال میں چھوڑ کے گیا تھا' اس کا یہ قدیم شہر اس سے برے حال میں تھا۔ اس کے لوگ ''نوکریوں کے غلام'' بن چکے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔)

''ابوالخیر نے کھانے کے دوران مجھے کہا کہ.....'' ابوالخیر چلا گیا تو تالیہ نے خادموں سے کمرہ خالی کروایا اور سنجیدگی سے مراد کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''کہ آپ ملکہ بننے والی ہیں۔''

''تم واپس آئی ہو.... ملکہ بننے کے لئے!'' وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں سلطان مرسل کی ملکہ بننے نہیں آئی۔ میں آپ کے ساتھ اس ملک پہ حکومت کرنے آئی ہوں مگر مجھے سلطان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ جھنجھلا کے بولی۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔ پھر چاولوں کا لقمہ میں میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دنیا میں کتنا وقت گزرا تھا؟''

''چھے سات ماہ.....'' اس نے گہری سانس بھری۔

''اور ان چھے سات ماہ میں تم نے وہ تعلق ختم نہیں کیا جس کو بنانے کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا؟''

''اس تعلق کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ دونوں واپس چلے جائیں گے اور میں نہیں جاؤں گی۔ مگر میں مرسل شاہ سے شادی بھی نہیں کروں گی' بابا۔ مجھے اس مسئلے سے نجات دلائیں۔''

مراد نے گہری سانس لی۔ ''یہ تمہیں واپس آتے وقت معلوم تھا۔ پھر تم اس مسئلے سے نجات کیوں چاہتی ہو؟''

تالیہ نے ناک سے مکھی جھلائی۔ ''کیونکہ کتاب کے مطابق... یعنی بنگارایا ملایو کے مطابق... جو ہم نے اپنے زمانے میں پڑھی ہے... میری شادی سلطان سے نہیں ہوئی تھی۔''

مراد چونکا۔ پھر دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اسی لیے غلام فاتح کو ہمارا مستقبل معلوم تھا۔ اس نے ایسا کچھ دعویٰ کیا تھا۔ کیا اس کتاب میں ہماری ساری کہانی لکھی ہے؟''

''پہلے بارہ ابواب تک تو ساری کہانی درست لکھی گئی ہے جو ایڈم..... (وہ رکی) آدم بن محمد سے میں نے لکھوائی تھی۔ باقی کے تین ابواب غالباً میرے جانے کے بعد آپ نے لکھوائے تھے۔'' وہ ناک سکوڑے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ آخری تین ابواب میں نے لکھوائے تھے؟ میں نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔''

''کیونکہ ان تین ابواب میں لکھے کام میں نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟ ان میں کیا ہوا تھا؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''ان میں میں سلطان مرسل سے شادی کے لئے راضی ہو گئی تھی سات شرائط کے عوض۔ اور آخری شرط یہ تھی کہ سلطان اپنے آپ کو مار دے۔ باقی چھے شرائط مزید مضحکہ خیز تھیں۔ میں کسی کو اس کی اپنی جان لینے کا نہیں کہہ سکتی' بابا۔ اس لیے جیسے بھی ہو' مجھے اس سلطان سے نجات دلائیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ مراد نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تم واپس تو نہیں جاؤ گی' تالیہ؟'' اس نے کسی خدشے کے تحت پکارا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''اگر مجھے جانا ہوتا تو میں سلطان سے نجات نہ مانگتی۔ یہاں رہنا ہے تو اس سے نجات چاہیے۔ البتہ میرے دوست.... وہ واپس جائیں گے اور آپ ان کو جانے دیں گے۔ وہ یہاں ایک شے کی تلاش میں آئے ہیں' جب وہ مل جائے گی تو وہ واپس چلے جائیں گے۔''

مراد نے ابرو اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ ''وہ کیا؟''

''آپ آرام کریں بابا۔ میں صبح آپ کو آدم سے ملواؤں گی اور سارے معاملے سے آگاہ کروں گی۔'' جھک کے دوبارہ تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ مگر مراد راجہ تھوڑی کو ناخن سے کھجاتے دلچسپی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔

اسے وان فاتح کی باتیں یاد آئی تھیں۔

تو کیا کوئی کتاب ایسی بھی تھی.... دوسری دنیا میں.... جس میں ان سب کے انجام لکھے تھے؟ کیا اس کتاب کو حاصل کیا جا سکتا تھا؟ کیا اپنا مستقبل جان کے اس سے بچا جا سکتا تھا؟

اس کا ذہن ایک دوسرے نہج پہ سوچنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح قدیم ملاکہ پہ خوب روشن سی اتری۔ فجر کے قریب خوب بارش برسی اور سارے شہر کو بھگو گئی۔ پھر بادل چھٹ گئے اور سورج نے ملاکہ کو روشن کر دیا تو یوں لگا جیسے ساری کائنات کی خوبصورتی ملاکہ سلطنت میں آ بسی ہو۔ سرسبز درخت.... نیلے سمندر کا سفید جھاگ اڑاتا پانی.... گھاس کے درمیان بنے اونچے نیچے بھورے راستے....

سن تھا 1577ء اور شہر تھا ملاکہ کا.....

سن باؤ کی حویلی کے سامنے گھنے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے پار کھلا سبزہ زار تھا۔ وہاں گھاس پہ ایڈم بن محمد چلتا آ رہا تھا۔ سر پہ ٹوپی جمائے' کندھے پہ تھیلا لادے' اس نے سنہری تاروں سے بنا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے شاہی مورخ ہونے کا پتہ دیتا تھا۔

سامنے ایک درخت کے نیچے بڑے پتھر پہ وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے اس نے ہاتھ اٹھا کے دور سے سلام کیا۔ وہ اپنے لباس سے غلام نہیں لگتا تھا۔ بس ملاکہ کا عام سا آدمی لگتا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین کلائیوں پہ موڑ رکھے تھے۔ پتھر پہ بیٹھا وہ کچھ سوچتے ہوئے ایک سوکھی ٹہنی سے تنکے الگ کر رہا تھا۔ وہ کے ایل والے وان فاتح سے کتنا مختلف

نظر آتا تھا۔

''قدیم ملاکہ آ کے معلوم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو مس کر رہا تھا۔ حالانکہ جب میں یہاں آیا تھا تو یہاں سے بھاگ نکلنا میری اولین ترجیح تھی۔''

ایڈم اس کے ساتھ دوسرے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا تو فاتح نے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تم کب سے بیمار ہو؟''

وہ دونوں پتھروں پہ یوں بیٹھے تھے کہ درختوں کی گھنی بیلٹ کی طرف پشت تھی اور سبزہ زار کی طرف چہرہ تھا۔ سبزہ زار کافی وسیع تھی اور اس کا اختتام افق پہ چمکتے سورج پہ ہوتا تھا۔

''آپ کو ہم یاد نہیں تھے تو میں آپ کو کیسے بتایا؟ چے تالیہ کو بھی اسی لئے نہیں بتایا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔'' مورخ سادگی سے بتانے لگا۔ ''مگر اس روز جب میں ذوالکفلی کے گھر الٹے قدموں واپس آیا تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جڑی بوٹیاں انہوں نے میرے لئے منگوائی ہیں۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ داتن انہیں سب بتا چکی ہے۔ تب ہم نے مل کے یہ پلان بنایا جو کہ دراصل چے تالیہ کا ہی پلان تھا کہ ذوالکفلی سے کسی طرح چابی لے کر مراد راجہ کے پاس واپس جایا جائے۔ وقت نے پیچھے سے رک ہی جانا تھا اس لئے ہم جانتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کھوئیں گے اور کسی کو علم ہونے سے پہلے واپس آ جائیں گے۔''

''اور یہ بیماری.... یہ کتنی شدید ہے؟'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' ایڈم نے افق پہ نظر آتے سورج کو دیکھ کے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کندھے اچکائے۔ ''میں یہاں سے گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب سے وہ سائمن کے حملہ آوروں نے مجھے ہسپتال پہنچایا تھا' اس کے بعد سے مجھے مسئلے رہنے لگے تھے۔ میں نے ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہوا کہ کینسر نہیں ہے مگر کوئی ٹیومر ہے جو جگہیں بدل رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قدیم ملاکہ کا کوئی آسیب ہے۔ کوئی curse۔ اور پھر داتن کی کتابوں نے اس واہمے کی تصدیق کر دی۔''

''اور اب؟ اب تم کیسے ہو؟''

ایڈم دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔ یعنی ذرا سی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کبھی کبھی مگر ابھی بیماری اولین اسٹیج پہ ہے۔ عجیب بیماری ہے جو بڑھ نہیں رہی۔ رکی ہوئی ہے۔ سائمن کی وجہ سے جب میں ہسپتال پہنچا تھا اس کے فوراً بعد یہ جس طرح شروع ہوئی تھی' اب بھی ویسی ہی ہے۔''

''یعنی یہ بیماری وقت کے ساتھ پروگریس نہیں کر رہی۔''

''نہیں۔ حالانکہ بیماریاں پراگریس کرتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ بیماری رکی ہوئی ہے اس لئے تو کسی کو معلوم نہیں ہو

پاپا کہ میں بیمار ہوں۔" مسکرا کے کہتے ایڈم نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور پھر پوچھا۔

"کیا آپ نے واقعی استعفیٰ دے دیا ہے؟"

"ہاں۔ اور آج صبح کارمن اسے جمع بھی کروا دے گی۔"

"غلط سر۔ جدید دنیا میں وقت رکا ہوا ہے۔ ہمارے واپس جانے کے بعد وہ چلے گا۔ یعنی ابھی کارمن نے آپ کا استعفیٰ نہیں جمع کروایا۔ واپس جانے کے بعد بھی آپ کے پاس وقت ہوگا اس فیصلے کو واپس لینے کا۔"

"نہیں ایڈم۔ میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔" وہ سر جھکا کے تنکے سے پتے الگ کرنے لگا۔

"وہ آپ کا سب سے بڑا خواب تھا۔ آپ اس سے کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں۔"

"مگر میں نے اخلاقی معیار بہت اونچے بنا لئے تھے اور میں خود ان پہ پورا نہیں اتر سکا۔ میں اب اس معیار کو اپنے لیے بدل نہیں سکتا۔ میں اس کو پورا نہ کرنے کی سزا کاٹنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے بہترین فیصلہ یہی تھا اس لئے میری یادداشت واپس آ گئی۔"

"نہیں سر۔ وقت کے سوال حل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فیصلہ بہترین تھا۔ ان سوالوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے' اسے کل پہ ٹالنے کی بجائے آج کرنا بہتر ہے۔ اگر آپ کوئی اور فیصلہ کرتے اور درست وقت پہ کرتے' تب بھی آپ کی یادداشت واپس آ جاتی۔ مگر.... خیر.... واپس جا کے....."

"ایڈم تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ہم واپس جائیں گے؟"

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "کیونکہ ہم نے میری دوا لے کر واپس ہی جانا ہے۔"

"اچھا کیسے؟"

"چے تالیہ کے پاس پلان ہوگا۔ ان کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

فاتح چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ "وہ واپس نہیں جائے گی۔"

ایڈم حیران ہوا۔ "وہ واپس جانے کے لئے ہی آئی ہیں۔"

"وہ جس طرح کل اپنے سپاہیوں کو حکم دیتی باہر نکلی تھی' اس سے مجھے نہیں لگتا کہ وہ واپس جانے کے لئے آئی ہے۔"

"وہ کون گرل ہیں' سر۔ وہ ان سب کو کون کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے اپنے پاپا کو وہ یہی تاثر دیں گی کہ وہ یہاں رہنے آئی ہیں ورنہ وہ ہمیں چابی نہیں دیں گے اور....."

"ایڈم..... وہ کسی کو کون نہیں کر رہی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔"

''میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ.....''

''تم اس کو جانتے ہو مگر اس کو بھولا میں بھی نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے کہ اس نے زہر نہیں کھایا تھا مگر وہ ہماری دنیا سے مایوس ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی ''اُس'' زندگی کو ختم کر دیا ہے اور وہ ''اِس'' زندگی میں واپس آ گئی ہے۔ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتا۔''

ایک دم ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا آیا جس نے ایڈم کو چونکا دیا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

سامنے سبزہ زار پہ وہ چلی آ رہی تھی۔ اپنی بگھی اس نے دور رکوا دی تھی اور سپاہیوں اور کنیزوں کو وہیں کھڑا کیے' وہ خود تنہا ان کی طرف آ رہی تھی۔ کامدار لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' سر پہ تاج سجائے' وہ ماتھے پہ سلوٹیں ڈالے' سنجیدہ نظر آتی تھی۔

ایڈم نے جھک کے سلام کیا۔ ''شہزادی۔''

فاتح البتہ بے نیازی سے بیٹھا تنکے توڑتا رہا۔ پھر گردن اٹھا کے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کے اسے دیکھا اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ ''تالیہ! کیسی ہو؟''

انداز گستاخانہ تھا۔ شہزادی نے تندہی سے گستاخ غلام کو دیکھا مگر پھر ضبط کر گئی۔

اس کو تو وہ گستاخی کی سزا بھی نہیں دے سکتی تھی۔

''تم کہاں تھے؟ تمہیں بابا سے ملوانا ہے۔ چلو میرے ساتھ۔'' وہ اسے نظر انداز کر کے ایڈم سے کہنے لگی۔

''کیا تم صرف اپنے مورخ کو ڈھونڈنے یہاں تک آئی ہو؟'' پتھر پہ بیٹھے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھ کے پوچھا تو تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں۔ میں آپ کو یہ دینے آئی تھی۔'' لباس سے ایک پوٹلی نکالی اور پتھر پہ اس کے ساتھ رکھی۔ اندر سے سونے کے سکوں کے کھنکنے کی آواز آئی تھی۔ ''یہ رقم چند دن آپ کے لئے کافی ہو گی۔ آپ کسی قریبی شہر چلے جائیں۔ کسی سرائے میں رک جائیں اور چند دن ہم سے بالکل دور انتظار کریں۔''

''تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟'' وہ اسی سادگی سے گردن اٹھائے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''وان فاتح۔'' وہ ضبط سے دانت جما کے بولی۔ ''آپ ملاکہ میں بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔ ملکہ' سن باؤ' اور میرے بابا..... سب آپ کے دشمن ہیں۔ آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سے دور چلے جائیں۔ جب ایڈم کو دوا مل جائے گی تو آپ اس کے ساتھ واپس چلے جائیے گا۔''

ایڈم نے ٹھہر کے اسے دیکھا۔ ''میرے ساتھ؟ اور آپ؟''

تالیہ نے گہری سانس لی اور نظریں اٹھا کے اسے دیکھا جو یکدم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

''ایڈم.....میری بات سنو۔''

''نہیں چے تالیہ۔ ہماری یہی بات ہوئی تھی کہ ہم اکٹھے واپس جائیں گے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس پلان ہے۔''

''یہی پلان ہے ایڈم۔''

مگر ایڈم نے نفی میں سر ہلاتے دور بگھی کے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو دیکھا اور انگریزی میں بولا۔'' آپ اپنے باپ کو کون کر رہی ہیں۔ یقیناً سپاہی ان کو رپورٹ کریں گے اس لئے آپ یہ تاثر دے رہی ہیں کہ....'' بولتے بولتے اسے احساس ہوا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اسے خود بھی اس پہ یقین نہیں ہے۔ اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔ وہ اس سب کے لیے تیار نہ تھا۔

''چے تالیہ۔ آپ یہاں نہیں رہ سکتیں۔''

''یہ میرا گھر ہے ایڈم۔ یہاں میرے بابا رہتے ہیں اور وہ مجھے ویسے ہی عزیز ہیں جیسے تمہیں تمہارے ماں باپ۔ تم ان کے پاس جانا چاہتے ہو واپس اور میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''مگر.....آپ نے یہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں آپ کو کبھی یہاں نہ آنے دیتا۔''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو۔'' اور ایک سنجیدہ نظر وان فاتح پہ ڈالی جو بنا تاثر کے چہرہ لئے ان دونوں کو آمنے سامنے کھڑے دیکھ رہا تھا۔

''اور آپ.....آپ پلیز ہم سب سے دور رہیں۔ مراد راجہ کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ آپ کہاں ہیں۔''

''یہ حکم ہے یا مشورہ؟''

''حکم ہی سمجھیے۔'' وہ ضبط سے بولی تو وان فاتح نے پوٹلی اٹھالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''جیسے آپ کا حکم شہزادی۔'' مگر گردن نہیں جھکائی۔ اسے دیکھتا رہا۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے مڑ گئی تو الجھا الجھا کھڑا ایڈم اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں اب دور کھڑی بگھی تک جاتے دکھائی دے رہے تھے اور فاتح وہیں کھڑا ان کو سوچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پوٹلی کے اندر چھپے سکے انگلیوں میں چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے کتب خانے کے باہر اس صبح دو پہریدار کھڑے تھے۔ مراد راجہ اپنے مصاحبوں کی ہمراہی میں چلتا دروازے تک آیا تو پہریدار فوراً چوکس ہوئے۔ ایک نے سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ دوسرے نے بڑھ کے دروازہ کھولا۔

مراد ہاتھ پیچھے باندھے اکڑے کندھوں پہ شاہی قبا پہنے سپاٹ تاثرات کے ساتھ چلتا اندر آیا۔ مصاحب باہر ٹھہر گئے۔

کتب خانے کے اندر ایڈم کرسی پہ بیٹھا تھا اور تالیہ دائیں بائیں منتظر سی ٹہل رہی تھی۔ مراد اندر آیا اور دروازہ پیچھے سے بند ہوا تو دونوں نے اسے دیکھا۔ ایڈم ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔ اور وہ سیدھی مراد کی طرف آئی۔

''بابا..... یہ آدم بن محمد ہے۔'' وہ مراد کا بازو تھامے دھیمی آواز میں تعارف کروا رہی تھی۔ ''اتنے مہینے سے آپ اس کو شاہی مورخ کے طور پہ جانتے آئے ہیں مگر دراصل ایڈم میرا دوست ہے۔ میرے ساتھ میری دنیا.....'' رکی اور تصحیح کی۔ ''یہ میرے ساتھ مستقبل کے زمانے سے آیا ہے۔''

''ہوں۔'' مراد نے چمکتی ہوئی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ وہ چپ کھڑا لب کاٹتا رہا۔

''کیا اس کو وہ زمانہ یاد ہے جو اس نے یہاں گزارا تھا۔'' چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''جی بالکل۔'' ایڈم نے فوراً جواب دیا۔ راجہ نے اسے گھورا۔

''مگر لگتا تو نہیں کہ تمہیں شاہی آداب یاد ہیں۔''

ایڈم بن محمد نے ہڑبڑا کے سر جھکایا۔ ''راجہ!'' اور پھر گردن واپس اٹھائی۔ وہ تالیہ کی باتوں پہ ایسا الجھا تھا کہ اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ 2017 کے جنوری سے واپس آیا تھا اور یہاں وہ کوئی سلیبریٹی رپورٹر نہ تھا۔ اسے بات بات پہ ان دنیاوی خداؤں کے سامنے سر جھکانا تھا۔

''ہوں۔ مسئلہ کیا ہے؟'' مراد راجہ عام سے انداز میں کہتا میز تک آیا اور اس کے کونے پہ بیٹھا' پھر ایک گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پوری توجہ سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے وہ پانی نہیں پیا تھا۔'' تالیہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی اور بتانے لگی۔ ''جس کی وجہ سے یہ ایک عجیب و غریب بیماری کا شکار ہو چکا ہے۔ بظاہر سرطان جیسی یہ بیماری ہمارے زمانے میں ناقابلِ علاج ہے اور اس کا حل ذوالکفلی کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن.....'' وہ کھنکھاری۔ ''میں نے پڑھا تھا کہ وقت کے اس مرض کا علاج تاریخ میں صرف ایک شکار باز نے کیا تھا جو کہ آپ ہیں۔ اس لئے میں ایڈم کو آپ کے پاس لائی ہوں۔ آپ اسے اس کی دوا دیں تاکہ یہ رخصت ہو سکے۔''

ایڈم صرف اپنے رخصت ہونے کی بات پہ زخمی نظروں سے تالیہ کو دیکھا مگر مراد کی موجودگی کے باعث چپ کر کے رہ گیا۔ وہ بھی نگاہ چرا کے رہ گئی۔

''تم نے وقت کے ساتھ دھوکہ کیا ہے' مورخ۔'' مراد راجہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے کہنے لگا۔ ''پانی کسی اور نے پیا' چابی

کسی اور نے گھمائی اور ساتھ تم آ گئے۔ وقت اپنے آپ سے دھوکہ کرنے والوں کو سزا ضرور دیتا ہے۔''

''میں ''وقت'' سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ جل کے زیرِ لب بولا مگر تالیہ کے گھورنے پہ چپ ہو گیا۔ پھر کھنکھارا۔ ''میں نے یہ جان بوجھ کے.....''

''تمہیں اس کے اثرات کب محسوس ہوئے تھے؟'' راجہ نے بات کاٹی تو وہ سوچنے لگا۔

''جب میں ایک دفعہ زخمی ہو کے ہسپتال پہنچا تھا تو.....''

''تمہارا خون بہا تھا؟''

''کچھ خاص نہیں مگر.....بعد میں شہزادی صاحبہ نے چاقو سے مجھے یہاں (بازو پہ ہاتھ رکھا) زخم دیا تھا جس کے باعث.....''

''کتنا خون بہا تھا؟ ایک گھونٹ سے زیادہ؟'' راجہ دوبدو سوال کر رہا تھا۔

''معاف کیجئے گا۔ مجھے ماپنے کا ہوش نہ تھا مگر اتنا تو بہا ہو گا۔''

''وقت کے چکر کو دھوکہ دینے کے بعد تمہارے پاس تین مواقع تھے۔ پہلا تم نے ضائع کر دیا۔'' راجہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''کیا دوبارہ بھی تم کبھی زخمی ہوئے؟''

''جی۔ ایک دفعہ کچھ دن قبل مگر چند خراشیں آئیں صرف۔'' وہ سمجھا نہیں تھا۔

''چند خراشوں کی خیر ہے۔ یعنی ابھی تک تمہارا صرف ایک موقع ضائع ہوا ہے۔'' راجہ حساب لگا رہا تھا۔ ''وقت کے چکر سے نکل کے تمہیں صرف ایک بات کا خیال رکھنا تھا آدم بن محمد..... کہ کسی بھی صورت میں تمہارا خون نہیں بہنا چاہیے۔ پہلی دفعہ جب وہ بہا.....ایک گھونٹ سے زیادہ۔ تو تمہارا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ تم بیمار ہو گئے مگر تم نے محسوس کیا ہو گا کہ تمہاری بیماری بڑھی نہیں کیونکہ تمہارے پاس ابھی دو مواقع موجود ہیں۔''

''اوہ۔ اسی لئے ایڈم کی بیماری بڑھ نہیں رہی کیونکہ یہ دوبارہ زخمی نہیں ہوا۔'' وہ چونکی۔

''ہاں۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک سال کا وقت ہے۔ لیکن اس دوران اگر یہ دوسری دفعہ زخمی ہوا تو اس کی بیماری خطرناک حد تک بڑھ جائے گی۔ دوسری بار خون بہنے کے ایک ماہ کے اندر یہ مر جائے گا۔ اور اگر اس کا تیسری دفعہ خون بہہ گیا تو یہ ایک ماہ سے پہلے اسی وقت مر جائے گا جب اس کا خون بہے گا۔ اس لئے.....جب تک تمہارا علاج نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنا خون نہیں بہنے دینا۔''

ایڈم کی رنگت فق ہو چکی تھی۔ اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لئے گویا خود کو محفوظ کرنا چاہا۔ وہ کسی ویڈیو گیم کی طرح تین باریوں کا محتاج ہو چکا تھا۔ ایک باری ضائع ہو چکی تھی اور دو باقی تھیں۔

''تو اب.....اب ایڈم کی بیماری اسی طرح چلتی رہے گی؟''

''ہاں۔ یہ اسے آہستہ آہستہ کھوکھلا کر دے گی اور ایک سال تک علاج نہ ہوا تو یہ اسے مار دے گی۔'' اب کے قدرے نرمی سے تنبیہہ کی۔ ''لیکن اگر اس کا دوسری دفعہ خون نہ بہے۔ ورنہ.....''

''سمجھ گیا۔ دوسرا موقع ضائع ہونے سے میں ایک ماہ میں مر جاؤں گا۔'' وہ جل کے بولا۔

''ہوں۔'' مراد راجہ خاموش ہو گیا اور بس اسے گھورے گیا۔ تالیہ کھنکھاری۔

''مگر بابا.....ہمیں ایک برس انتظار نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دوا ہے' آپ اسے وہ دیں اور اس کو صحت مند کر دیں۔''

مراد نے گردن موڑ کے ساتھ کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ ''میرے پاس کوئی دوا نہیں ہے۔''

لمحے بھر کے لئے قدیم کتب خانے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

''مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مریض کا علاج کیا تھا۔ اور.....''

''میں نے کسی ایسے مریض کا علاج نہیں کیا۔ میں نے صرف اس مرض کے بارے میں پڑھا ہے۔''

''یعنی وہ مریض میں تھا۔'' ایڈم آہستہ سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ مریض میں ہوں گا۔ وہ کتاب بعد میں لکھی گئی ہو گی۔'' پھر اس نے اداسی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''وہ مریض زندہ رہا تھا یا مر گیا تھا؟''

''وہاں تو.....'' وہ ہکلائی۔ ''لکھا تھا کہ اسے شفا ملی تھی.....مگر.....'' اس نے مراد کو دیکھا۔ ''معلوم نہیں وہ کسی سے لکھوایا گیا تھا یا واقعی شفا ملی تھی۔''

تاریخ رقم کرنے والوں پہ اب ان دونوں کو اعتبار نہ رہا تھا۔

''مگر.....کوئی تو حل ہو گا' بابا؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وقت کے چکر میں ایک دفعہ پھر سے پھنسنے کے بعد سب کچھ بے معنی لگنے لگا تھا۔

''میرے پاس اس بیماری کے علاج کا نسخہ ہے۔''

تالیہ کا چہرہ دمک اٹھا مگر راجہ کے اگلے الفاظ نے اس پہ گھڑوں پانی ڈال دیا۔

''مگر اس نسخے میں موجود اشیائے ترکیبی ڈھونڈنا ناممکن ہیں۔ وہ کم از کم ملاکہ میں موجود نہیں ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں دنیا میں کہاں سے ملیں گی.....یہ میں نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں وہ نسخہ دے سکتا ہوں۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم اپنی دوا خود ڈھونڈو۔ تم وہ چیزیں لے آؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔ میرے ملازم اور سپاہی تمہاری مدد کریں

گے۔مگر میرے پاس ان کی تلاش میں نکلنے کا وقت نہیں ہے۔''

ایڈم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔''میں تلاش کرلوں گا۔آپ مجھے نسخہ دے دیں۔''

''جی بابا۔آدم تلاش کرلے گا اور ساتھ میں آپ کے سپاہی بھی ہماری مدد کریں گے۔اور پھر.....ہمارے پاس ایک سال ہے۔''اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔

مراد راجہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ گیا تو تالیہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا جو اپنے بازو کو دیکھ رہا تھا۔

''میری وجہ سے تمہارا خون بہا۔میں وہ نہ کرتی تو.....''وہ شدت درد سے چپ ہوگئی۔ایڈم نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''اگر آپ کو الزام دینا ہو تو آپ کے اوپر میرے بہت سے قصور نکلتے ہیں' چے تالیہ۔مگر نہیں.....آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

اس کے بات پہ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے دیکھا۔''تمہیں وقت کے چکر میں پھنسانے اور تمہارا خون ضائع کروانے کے علاوہ میرا کیا قصور؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔چہرہ موڑ کے راجہ کو دیکھنے لگا جو ایک کتاب کو کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔پھر ایک صفحے پہ آ کے وہ رکا اور ان کی طرف آیا۔

''یہ وہ تمام اشیائے ترکیبی ہیں جو اس دوا کے لئے استعمال ہونے ہیں۔''سنجیدگی سے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ایڈم نے تیزی سے اسے تھاما۔ایک صفحے پہ کوئی درجن بھر چیزیں لکھی تھیں۔

''یہ کہاں سے ملیں گی؟''وہ تحیر سے ان کو پڑھے گیا۔یہ بہت عجیب وغریب اشیاء تھیں۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔تمہارے پاس ایک برس ہے' آدم بن محمد۔تم ان کو ڈھونڈ لاؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔''

ایڈم نے صفحے پلٹائے۔''دوا بنانے کی ترکیب یہاں نہیں لکھی۔''پھر سر اٹھا کے راجہ کو دیکھا جو اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ترکیب یہاں ہے۔''راجہ نے انگلی سے اپنی کنپٹی پہ دستک دی۔''یہ دوا دراصل چند دوسرے امراض کے لئے ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اسے ایک خاص طریقے سے بنایا جائے تو تمہارے مرض کا حل مل سکتا ہے۔ویسے بھی ایک سال کا عرصہ کافی ہے۔''کمر پہ ہاتھ باندھے مراد راجہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔تو تالیہ نے جلدی سے کتاب لی' اور اسے میز پہ رکھا۔پھر ایک قلم دوات میں ڈبو ڈبو کے تمام اشیائے ترکیبی کو ایک خالی صفحے پہ اتارنے لگی۔

''ہم دونوں اپنے اپنے طور پہ ان کو ڈھونڈیں گے۔ تم ان کتابوں میں ان علاقوں کو تلاش کرو جہاں یہ دستیاب ہوں گی۔ اور میں پوری سلطنت میں ان کو ڈھونڈنے کے لئے سپاہی دوڑاتی ہوں۔'' اس نے اپنا نقل شدہ کاغذ اٹھایا جس کی سیاہی گیلی تھی اور اسے ہوا میں جھلایا۔ پھر ایڈم کو دیکھا اور یقین دہانی کروائی۔

''ہمارے پاس ایک سال ہے' ایڈم۔ ہمارے پیچھے وقت نہیں گزرے گا۔ تم واپس اسی لمحے میں جا سکو گے۔''

''اور آپ؟'' اس نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں خاموش کتب خانے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تاج پہنے کھڑی شہزادی نے سر جھکا دیا۔

''میں دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتی۔ میں یہاں خوش ہوں' آزاد ہوں۔ میرے بابا مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ خوش رہوں گی۔''

''آپ بند اہارا کے اونچے محل پہ لعنت بھیج کے یہاں سے گئی تھیں' بے تالیہ۔''

''تب میں اپنے بابا کو ایک ولن سمجھتی تھی مگر اب..... اب مجھے وہ تمام ماہ و سال یاد آ گئے ہیں جو میں نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایڈم کو کس طرح سمجھائے۔ ''وہ میرے بابا ہیں۔ ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے۔ وہ برے انسان نہیں ہیں۔ ہمارے درمیان صرف وقت حائل ہو گیا تھا۔ اور اب.....'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ ''وہ مجھے واپس مل گئے ہیں۔ دیکھو..... وہ بنا کسی شرط' بنا کسی بدلے کے تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور میرے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اور وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔''

ایڈم نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔ فی الحال اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ تھا۔

وہ چلی گئی تو وہ کتب خانے کی ایک کھڑکی کے ساتھ آ بیٹھا اور میز پہ کہنیاں رکھ کے وہ کتاب پڑھنے لگا۔ ایک سال..... ایک سال میں تو دنیا بدل سکتی تھی۔ یہ عجیب و غریب اشیاء ترکیبی بھی اس کو مل سکتے تھے۔ وہ خود کو امید دلانے لگا۔

ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

''شاہی مورخ..... شہزادی تاشہ نے آپ کو محل میں بلوایا ہے۔ شاہی طبیب آپ کے معائینے کے لئے آ چکا ہے۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔ کتاب رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ محل میں شاہی مہمان کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔

کتب خانے سے محل تک جاتے ہوئے وہ ایک ایک جھاڑی' ایک ایک کانٹے سے بچ کے گزر رہا تھا۔ اسے ایک سال تک اپنا خون نہیں بہنے دینا تھا۔ ایک قطرہ بھی نہیں۔

محل کے اندر جس کمرے میں شاہی طبیب اس کا منتظر تھا وہ ایک خالی دیوان خانہ تھا جس میں چند مسہریاں سجی تھیں اور وسط

میں فرشی نشست تھی۔ ایڈم اندر داخل ہوا تو دیکھا.... فرشی نشست پہ ایک طبیب دو زانو بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے طشت میں آلاتِ جراحی' دھاگے اور چند دوائیاں سجی تھیں۔

''آؤ' آدم!'' آواز پہ وہ چونکا۔ کھڑکی کے ساتھ مراد راجہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے اردگرد نظریں دوڑائیں۔

''شہزادی تاشہ؟''

''وہ اس دوا کی نقول تیار کر کے مختلف شہروں میں قاصد بھیجنے میں لگی ہے۔ تب تک طبیب تمہارا زخم بھر دے گا۔'' مراد راجہ چھوٹے قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔

''مگر میرا زخم تو عرصہ ہوا بھر چکا ہے۔''

راجہ اس کے عین مقابل آ کے رکا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو اگلے ایک سال تک اس محل میں کیا ہو گا؟ شہزادی تاشہ دن رات تمہاری دوا ڈھونڈنے میں لگی رہے گی۔ پورا ایک سال وہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں دے گی اور یہ میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

ایڈم کو یکدم احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ مڑتا' پیچھے کھڑے سپاہی نے ایک نوکدار خنجر اس کے پہلو میں گھسا دیا تھا۔ درد کی ناقابلِ برداشت لہر جسم میں اٹھی۔ وہ کراہ بھی نہ سکا اور زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔

سپاہی نے کھینچ کے خنجر نکال لیا۔ خون بھل بھل گرنے لگا۔ وہ گرتے گرتے اٹھنے لگا' اس سپاہی پہ جوابی حملہ کرنے کے لئے.... مگر فرش پہ گرتے خون کو دیکھ کے.... اس کے ہاتھ پیچھے کو بڑھے۔ اس نے اپنے زخم کو ڈھانکنا چاہا۔ خون بہنے سے روکنا چاہا.... مگر ہاتھ رنگین ہوتے گئے.... سرخ پانی سا فرش پہ ندی کی طرح بہتا گیا.... وہ ایک گھونٹ سے کہیں زیادہ تھا....

ایڈم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ خنجر پہ کوئی دوا بھی لگی تھی۔ جس سے وہ غنودگی میں جا رہا تھا۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ مراد راجہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''ایک سال تک میں تمہارے لئے اپنی بیٹی کو مصروف رکھوں؟ تم.... آدم.... تم اس کا دوسری دنیا سے واحد تعلق ہو۔ جب تک تم نہیں جاؤ گے.... وہ کبھی مجھے واپس نہیں ملے گی۔ اس لئے میں تمہیں ایک سال تک برداشت نہیں کر سکتا۔'' پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایڈم زمین پہ گرا تھا۔ اس کا چہرہ راجہ کے جوتوں کے قریب تھا۔ اس نے بند ہوتی آنکھیں بدقت کھول کے اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اب تمہارے پاس ایک ماہ ہے۔ اپنی دوا تلاش کرو اور میری دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر

طبیب کو اشارہ کیا۔

''اس کا زخم بھر دو.....اور جب یہ ہوش میں آ جائے تو اس کو اچھا کھانے پینے کے لئے دو۔اس کی دن رات حفاظت اور خدمت کرو کیونکہ آج کے بعد اسے اس کی ضرورت پڑے گی۔''

راجہ کے قدم اب دور جا رہے تھے۔ ایڈم بن محمد کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں ایک آنسو دائیں آنکھ سے نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

اندھیرے میں ڈوبنے سے پہلے اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اس نے اس قدیم دنیا میں واپس آ کے بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کا اونچا محل سورج کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ وسیع سبزہ زار کے آگے پھاٹک لگا تھا جو باہر والوں کو محل آنے سے روکنے کا سبب تھا۔ پھاٹک کے آگے بل کھاتی سڑک تھی جو پہاڑی سے نیچے لے جاتی تھی۔ مراد راجہ گھوڑے پہ سوار اس وقت پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔ سرخ پٹی ماتھے پہ باندھے' دھوپ کے باعث آنکھیں سکوڑے' وہ گھوڑے کو سڑک پہ ڈال رہا تھا۔ مصاحب اور مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پہ اس کے عقب میں محل سے باہر نکل رہے تھے۔

یہ مراد کا روزانہ کا پروٹوکول لشکر تھا جس کے ساتھ وہ سلطنت محل جایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ ہر روز کی طرح محل سے نکلا تھا اور ابھی سڑک کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ ایک دم اس نے لگام کھینچی۔ آنکھوں میں طیش ابھرا اور لب بھنچ گئے۔

ایک گھڑسوار جانے کہاں سے آیا اور سڑک کے بیچ میں گھوڑا روک لیا۔

اس کا گھوڑا سیاہ تھا۔ چمکدار سیاہ۔ اور اس پہ بیٹھے آدمی کی پوشاک نفیس اور قیمتی تھی۔ اس نے سفید کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور گیلے بال دائیں طرف جما رکھے تھے۔ جوتا سنہرا اور کامدار تھا۔ غرض اپنے لباس اور سواری سے وہ کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے سپاہیوں نے رک جانا مناسب سمجھا اور تذبذب سے اپنے راجہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ سرخی نمودار ہوئی تھی۔

(غلام فاتح!) بنا لب ہلائے مراد نے غصیلی نظروں سے نوارد کو دیکھا تھا۔ اس کے دستے نے غالباً ابھی تک اسے پہچانا نہیں تھا۔

گھڑسوار مسکرایا اور لگام کو حرکت دی۔ گھوڑا دھیرے دھیرے ٹاپ اٹھاتا راجہ کے دائیں ہاتھ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں گھوڑوں کے چہرے ایک دوسرے سے ٹکرانے والے تھے۔

''آداب' راجہ!'' فاتح نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ نہ گردن جھکائی نہ نظر۔

مراد کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ کھلی فضا میں وہ دونوں پہاڑی کی بل کھاتی سڑک پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

''میں اپنے ملاکہ کی خبر لینے واپس آیا ہوں' راجہ۔'' فاتح نے مسکرا کے کہتے ہوئے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔ دور پہاڑی سے نیچے سمندر کے بہتے پانیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

''تو کیسا پایا تم نے میرے ملاکہ کو؟'' راجہ طنز سے گویا ہوا۔ باغی ہوا اس کے لمبے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

''میرا ملاکہ اس سے برے حال میں ہے جس میں' میں اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ غلام آزاد ہو گئے مگر ایک دفعہ پھر قید کر لئے گئے۔ امراء اور رؤسا اسی طرح سونے کی ڈھیر جمع کر رہے ہیں اور سلطان اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہے۔''

مراد نے لگام کو حرکت دی۔ گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا یہاں تک کہ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کے پہلو میں ہو گئے۔ اب وہ فاتح کے زیادہ قریب تھا۔ دائیں طرف چہرہ موڑ کے تندہی سے اسے گھورا۔

''میں تمہاری ہمت پہ حیران ہوں' غلام فاتح۔ تم اس سب کے بعد میرے پاس یوں اس چہرے کے ساتھ آ گئے؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟'' وہ اب کے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ پیچھے کھڑے سپاہیوں کے دستے میں لہر سی دوڑی۔ محافظ چوکنے ہوئے۔ تلواروں پہ ہاتھ رکھ لئے' جیسے راجہ کے ایک حکم پہ نوار دپہ حملے کے لئے تیار ہوں۔

''ظاہر ہے میں آپ کو جانتا ہوں' راجہ۔ میں چند دن پہلے تک آپ کی قید میں تھا اور بہت مشکل سے شہزادی تاشہ نے مجھے چھڑوایا تھا۔ اس کے بعد مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ آپ سے دور بھاگنا چاہیے تھا لیکن.....''

اس نے گہری سانس لی۔ مسکراہٹ ایک پل بھی اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بغیر تلوار یا ڈھال کے نہتا' سر اٹھائے ان کے درمیان کھڑا تھا۔

''لیکن؟''

''لیکن میں وہ جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے۔'' اس نے سر آگے کیا اور آہستہ سے گویا ہوا۔ ''میرے زمانے میں ایک ایسی کتاب وجود رکھتی ہے جس میں آپ سب کا **مستقبل** درج ہے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورتا رہا۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا' راجہ۔ کہ میں آپ کے مستقبل کے بارے میں جانتا ہوں۔ کیونکہ میں نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کے آخری تین ابواب میں آپ کا مستقبل درج ہے۔''

''اور تم مجھے یہاں میرے مستقبل سے ڈرانے آئے ہو؟'' کہتے ہوئے مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔انہوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور ادب سے دور ہٹتے گئے یہاں تک کہ مراد اور فاتح اپنے گھوڑوں پہ تنہا رہ گئے۔

''تم نے مجھے کہا تھا' غلام فاتح' کہ میری بیٹی ایک بحری سفر پہ جائے گی اور واپس نہیں آئے گی۔ایک المناک انجام۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔''اور میرے بارے میں تم نے کہا تھا کہ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے.....'' وہ رکا۔

''لوگوں کے سامنے کیا؟''

''تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی لیکن شاید تم مجھے میری موت کے بارے میں بتا رہے تھے۔میں دراصل تمہاری کہانی کا وہ ظالم کردار ہوں جس کا انجام یقیناً المناک لکھا گیا ہوگا کیونکہ مجھے اپنے اعمال سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔''تو بتاؤ.....کیا لکھا تھا میرے انجام میں؟ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے کیا کیا جائے گا؟ پھانسی؟ زندہ درگور؟ یا سنگسار؟''

''جی راجہ۔آپ نے میری بات اس دن مکمل نہیں ہونے دی تھی' اس لئے میں آج اس کو مکمل کرتا ہوں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لے کر کہا۔''آپ کو بھرے چوک میں سب لوگوں کے سامنے.....تاج پہنایا جائے گا۔آپ ملاکہ کے سلطان بن جائیں گے' مراد راجہ۔''

سمندر کا شور تھم گیا۔ساری فضا رک گئی۔مراد راجہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''تم.....جھوٹ کہہ رہے ہو۔تم نے کہا تھا کہ منصور شاہ اگلا حکمران ہوگا کیونکہ گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کریں گے اور...''

''جی۔سلطان کے بیٹوں نے آپ کے ساتھ مل کے بغاوت کی تھی اور منصور شاہ کو حکمران بنایا تھا مگر وہ زیادہ عرصہ تخت نہیں سنبھال سکا تھا۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کہا تھا' اس کے بعد تین چار حکمران بدلے تھے لیکن بنداہارا ایک ہی رہا تھا۔پدوکا راجہ۔آپ نے میری اس بات سے فرض کر لیا کہ چونکہ آپ بنداہارا نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے آپ مر چکے ہوں گے۔لیکن سچ یہ ہے کہ...''

''کہ منصور شاہ کو تخت سے ہٹانے کے بعد میں اگلا سلطان بنوں گا؟ اور پدوکا راجہ دراصل میرا بنداہارا ہوگا؟'' مراد ششدر رہ گیا تھا۔

''جی راجہ۔ایسا ہی ہوگا۔وان فاتح جھوٹ نہیں بولتا۔اس کتاب کے آخری تین ابواب میں آپ کا مقدر بدل گیا تھا۔اس

کے مطابق شہزادی تاشہ سلطان مرسل سے شادی کے لئے تیار ہوگئی تھی مگر اس نے چند شرائط رکھی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مراد راجہ نے چند عظیم کام کیے تھے اور بالآخر وہ سلطان بن گیا تھا۔ مراد راجہ کو تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد رکھا جاتا ہے۔ چھ سو سال بعد بھی ہمارے مدارس میں بچوں کو مراد راجہ کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے کہ وہ بھلے ایک چالاک اور زیرک بنداہارا تھا' مگر اس نے خود کو بدلا تھا۔ اچھے کام کیے تھے اور عوام کو ایک نالائق حکمران سے نجات دی تھی۔''

مراد راجہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''یہ اس کتاب کے آخری ابواب میں درج ہے۔''

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا۔''اسی لئے تالیہ کو اس بات پہ یقین نہیں ہے کہ آخری ابواب سچے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ سچ نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ وہ اچھے کام نہیں کر سکتے جو وہاں لکھے ہیں....''

وہ چونکا۔''تو تمہیں کیسے معلوم کہ وہ سچے ہیں؟ کیا معلوم وہ سب واقعی میں نے لکھوایا ہو؟''

''کیونکہ ان میں لکھا ہے کہ مراد راجہ کی قسمت اس دن بدلی جس دن محل سے نکلتے ہوئے ایک سیاہ چمکدار گھوڑے پہ بیٹھے آدمی نے اس کا راستہ روکا اور اسے کہا کہ وہ اسے سلطان بنا سکتا ہے۔'' فاتح مسکرا کے بتا رہا تھا۔''آج میں جب اپنے لئے سواری خریدنے گیا اور یہ گھوڑا خریدا تو مجھے وہ سطور یاد نہیں تھیں مگر جب میں اس سڑک تک آیا تو میں نے آپ کو محل سے نکلتے دیکھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ آدمی میں تھا۔''

مراد ابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور تمہاری کتاب میں اس آدمی کا نام کیا درج ہے؟''

فاتح زخمی سا مسکرایا۔''اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔ اس کو محل والے صرف ایک لقب سے پکارتے تھے کیونکہ اس نے مراد راجہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے سلطان بنوا سکتا ہے۔''

''کیسا لقب؟''

''سلطان ساز۔''

سمندر کے پانیوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا۔ کسی درخت سے پرندے چھم سے اڑے اور ان کی چیخیں ساری فضا میں گونج اٹھیں۔

مراد راجہ ابھی تک عجیب نظروں سے سیاہ گھوڑے پہ بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم ہو کہ تم یہ سب سچ کہہ رہے ہو یا یہ تمہاری کوئی چال ہے؟''

''کیا آپ کو میری پیشانی کسی کاذب کی پیشانی لگتی ہے؟''

مراد چپ رہ گیا۔ پھر پتلیاں سکوڑ کے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟ اور تم.....تم مجھے سلطان بنا دو گے؟''

یہ وہ خیال.....وہ خواہش تھی جو مراد راجہ تنہائی میں خود سے کہنے سے بھی ڈرتا تھا۔

''ہاں۔ صرف مجھے معلوم ہے کہ آپ سلطان کیسے بنیں گے۔''

''وہ کتاب تو تالیہ نے بھی پڑھ رکھی ہوگی۔ اور اس مورخ نے بھی۔ پھر مجھے تمہاری کیا ضرورت؟''

''بجا فرمایا آپ نے لیکن اس کتاب میں صرف یہ لکھا ہے کہ آپ سلطان بنے تھے۔ یہ نہیں لکھا کہ کیسے بنے تھے۔ جب میں تالیہ اور مورخ کو لے کر یہاں سے چلا گیا تھا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ واپس آئے کیونکہ مجھے ڈر تھا کتاب سچی نہ ہو جائے۔ لیکن کتاب سچی تھی۔ اور کل رات یہاں آ کے.....سب کچھ دیکھنے کے بعد میں جان گیا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا ہوگا۔ میرے پاس آپ کو سلطان بنانے کا منصوبہ بھی ہے۔ اگر آپ میری مدد لینا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔ البتہ ایک بات میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''وہ کیا؟''

''اس کتاب میں درج تھا کہ سلطان ساز کے پاس مراد راجہ کو بادشاہ بنانے کے لیے وقت کی ایک محدود مدت تھی۔''

''محدود مدت؟''

''جی ہاں۔ کتاب کے مطابق سلطان ساز بار بار یہ بات دہراتا تھا کہ اس کے پاس مراد راجہ کو سلطان بنانے کے لئے صرف ایک ماہ ہے۔ اور شہزادی تاشہ نے مرسل شاہ سے شرائط پوری کرنے کے لئے بھی ایک ماہ کا وقت دیا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ایک ماہ بعد کچھ ہونا تھا جس کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔''

مراد کا سانس بالکل تھم گیا۔ اس نے دھیرے سے نظر جھکائی اور اپنے آستین کو دیکھا۔ اس پہ ایڈم کے خون کی چھینٹ سے لگا دھبہ لگا دکھائی دے رہا تھا۔ بس ایک لمحے میں مراد کو سمجھ آ گیا کہ وہ درست کہہ رہا تھا۔

''تم چاہتے ہو کہ.....کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟ اور کیا تم بھول گئے کہ تم نے.....'' اس نے دانت پیسے جیسے بہت کچھ یاد آیا ہو۔ ''تم نے میری بیٹی سے نکاح کر کے میری پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا؟ میں ابھی تک اس معاملے سے نہیں سنبھلا اور تم.....'' مراد کے کان پھر سے سرخ پڑنے لگے۔

''جب سلطان، سلطان نہیں رہے گا تو آپ کو کس کا ڈر ہوگا۔'' سلطان ساز نے کندھے اچکائے تو مراد لمحے بھر کو چپ رہ

گیا۔

''تم یہ سب کس لئے کر رہے ہو؟ میری بیٹی کے قریب رہنے کے لئے؟''

''نہ صرف اس لئے بلکہ اس کو واپس اس کی دنیا میں لے جانے کے لئے۔''

مراد نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ تم اپنے منہ سے اعتراف کر لو گے کہ تم یہ سب اس کو واپس لے جانے کے لئے کر رہے ہو۔''

''کیونکہ میں نے کہا نا' میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر میں آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا تو اس بات کا اعتراف نہ کرتا۔ بلکہ آپ کو یقین دلاتا کہ میں اسے واپس نہیں لے جانا چاہتا۔''

''میں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ تم میری بیٹی کو مجھ سے چھیننے آئے ہو' تمہیں اپنے دربار میں جگہ کیسے دے سکتا ہوں؟''

''کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگ ایک محاورہ بولتے ہیں' راجہ۔ دوست کو قریب رکھو اور دشمن کو قریب تر۔''

آمنے سامنے گھوڑوں پہ سوار وہ دونوں مرد چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔ پھر وان فاتح کہنے لگا۔

''شہزادی کسی بھی طرح سلطان سے شادی نہیں کر سکتی۔ بالفرض وہ راضی ہو جائے' تب بھی.... اگر سلطان کو علم ہوا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے تو وہ آپ سب کی گردن مروا دے گا۔ اس لئے ہم سب کی بقا اسی میں ہے کہ ہم اسے سلطان نہ رہنے دیں۔ آپ مجھے اپنے دربار میں جگہ دے کر کبھی نہیں پچھتائیں گے' راجہ۔''

مراد راجہ نے گہری سانس لی اور گھوڑے کا رخ موڑا۔ پھر بلند آواز میں اپنے سپاہیوں کو آواز دی۔

''یہ شخص آج سے میرا مشیر ہے۔ محل میں نہ صرف اس کی رہائش کا انتظام کیا جائے بلکہ اس کے لئے لباس اور دوسری اشیائے ضرورت کا بندوبست بھی کیا جائے۔ یہ ایک دوسرے ملک سے آیا ہے اور اس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔'' سپاہیوں نے گردنیں تسلیم خم کیں۔ دو سپاہی فوراً محل کی طرف دوڑے۔ مراد مسکرا کے واپس اس کی طرف گھوما۔

''ہم سلطان مرسل شاہ کے محل کی طرف جا رہے ہیں۔ دربار کا آغاز ہونے والا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا چاہیے۔''

اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ ''راجہ!'' اور اپنا گھوڑا موڑ لیا۔

اب وہ مراد کے گھوڑے کی معیت میں پہاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔

قدیم ملاکہ پہ نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

شاہی کتب خانہ اس صبح خاموش پڑا تھا جب شہزادی تاشہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے گلابی گھیر دار لباس پہن رکھا تھا اور

چھوٹے سیاہ بالوں پہ دمکتا ہوا تاج سجا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کاغذات کے پلندے اٹھا رکھے تھے اور چہرے پہ دبا دبا سا جوش تھا۔ پیچھے چلتی کنیزوں نے بار بار کاغذ اٹھانے کی پیشکش کی مگر وہ اتنی پر جوش تھی کہ انکار کیے گئی۔ کتب خانے کے دروازے پہ اس نے کنیزوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دربان نے دروازے کھولے تو اس نے فوراً پوچھا۔

''آدم کہاں ہے؟''

''وہ آرام کر رہا ہے۔''

''ابھی تک؟'' اسے حیرت ہوئی۔ دن چڑھ آیا تھا اور ایڈم تو صبح جلدی اٹھنے والوں میں سے تھا۔ خیر.... وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کتب خانہ خالی تھا۔

وہ ایک دروازے کی طرف بڑھی جو ایک آرام دہ کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں ایڈم رہتا تھا۔ اس نے دستک دی۔ جواب ندارد۔ پلندہ ایک ہاتھ سے سنبھالے تالیہ نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے بستر پہ ایڈم لیٹا تھا۔ لحاف سینے تک ڈالے اس کا سر اونچے تکیوں پہ پڑا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

''تم ابھی تک سو رہے ہو؟ اٹھو اور دیکھو مجھے کیا ملا۔''

وہ چہک کے کہتی اندر آئی اور دروازے کے قریب میز پہ کاغذات رکھے۔

''وہ تمام چیزیں جو اس دوا کے لئے چاہیے ہیں.... وہ ملاکہ اور وسطی ایشیاء سے مل سکتی ہیں۔ ان کو تلاش کرنے اور بنانے میں زیادہ سے زیادہ چھے ماہ کا عرصہ درکار ہے اور اگر ہم دونوں مل کے.... ان جگہوں کا سفر کریں تو ہم ایک ایک کر کے....''

وہ بولتے بولتے رکی۔ اور دھیرے سے گردن موڑی۔ ایڈم سو نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور وہ تکیے پہ نڈھال سا پڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ مراد سناٹے میں رہ گئی۔

یہ وہ ایڈم نہیں تھا جسے وہ کل چھوڑ کے پورا دن کتابوں اور طبیبوں کے ساتھ مغز ماری کرتی رہی تھی۔ یہ اس ایڈم کی پرچھائیں تھا۔

اس کا چہرہ کمزور اور رنگت سیاہ پڑ رہی تھا۔ آنکھوں کا سفید حصہ گلابی ہو چکا تھا۔ وہ چہرے سے برسوں کا بیمار لگتا تھا۔ کسی مفلوج کی طرح بستر پہ پڑا تھا گویا لحاف اتارنے کی ہمت بھی نہ ہو۔

''ایڈم!'' وہ بے یقینی سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔ ''تم.... تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے اچانک سے؟''

ایڈم گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''مگر..... کیسے؟'' تالیہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ ایڈم نے دھیرے سے لحاف پہلو سے اٹھایا۔ اس کی قمیض کے نیچے پٹی بندھی نظر آتی تھی جس پہ خون کے دھبے تھے۔

''یا اللہ!'' تالیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لئے۔

''یہ کیسے ہوا؟ کیا تمہارا خون بہہ گیا؟ اوہ نو ایڈم۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب لپکی۔ ''یہ تم نے کیسے ہونے دیا' ایڈم؟ تم نے خیال کیوں نہیں کیا؟ یہ چوٹ کیسے آئی؟ اف..... یا اللہ!''

وہ گھٹنوں کے بل بستر کے قریب زمین پہ بیٹھتی گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ پھر اس کی خاموشی پہ سر اٹھایا تو وہ بس پژمردہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ اور سفید پپڑی زدہ لب خاموش۔

''تم..... تم اتنی بے احتیاطی کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کی اپنی آنکھوں میں بھی پانی آنے لگا۔ ''تم نے اپنا خیال کیوں نہیں رکھا؟ بابا نے کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ تم خون نہیں بہنے دو گے مگر یہ سب کیسے ہوا؟ اوہ ایڈم..... اوہ ایڈم!'' وہ دکھ اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

ایڈم چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ پھر ایک دم اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تالیہ کی طرف اس کے سر کی پشت ہو گئی۔

''میں اتنی گلٹی تھی کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ تمہارا دایاں بازو..... میں نے اس پہ زخم لگوایا تھا..... میری وجہ سے پہلی دفعہ تمہارا خون بہا تھا۔ مگر اب..... یہ کیا ہو گیا؟''

موٹے موٹے گرم آنسو اس کے چہرے پہ گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''اور مجھے کسی نے نہیں بتایا؟ یہ کب ہوا؟ کیا طبیب نے تمہیں دیکھا؟ کیا.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

بستر کی تپائی پہ دواؤں کی طشت دھری تھی۔ وہ طشت سنہری تھا اور محل کے اندر استعمال ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ایک کاغذ پہ لکھا ہدایات نامہ آویزاں تھا۔ وہ ہدایت نامہ شاہی طبیب کی مہر کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ اس نے کل شام شاہی طبیب کو محل سے نکلتے بھی دیکھا تھا۔

تالیہ کی پتھرائی ہوئی نظروں نے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرے میں جگہ جگہ پھل رکھے تھے۔ تازہ پھول۔ خشک میوے تازہ۔ لباس کے صندوق۔ نئے جوتے۔ جیسے شاہی حکم نامے پہ سارے انتظامات کروائے گئے ہوں۔ جیسے حکم دینے والے کو معلوم ہو کہ مریض اب چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔

''مراد راجہ!'' وہ مٹھیاں بھینچ کے اٹھی اور آنسو رگڑے۔ ''یہ سب مراد راجہ نے کیا ہے' ہے نا؟ تا کہ تم.... تم جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ تا کہ اس دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹ جائے۔ بابا.... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

غصے میں بولتی اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ پھر چوکھٹ تک رکی اور پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک گردن دوسری طرف موڑے لیٹا تھا۔ اس میں جیسے اب توانائی نہ رہی تھی۔

نہ کسی کو مورد الزام ٹھہرانے کی۔ نہ حساب کتاب لینے کی۔ وہ اتنا دکھی تھا کہ بات تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یعنی اب ہمارے پاس ایک ماہ ہے' ایڈم۔'' اس کا ذہن حساب کتاب کر رہا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ تالیہ تمہیں اس جہنم سے ایک ماہ میں نجات دلا کے رہے گی۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کو کھینچی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

''بندا ہارا کہاں ہیں؟'' کتب خانے سے نکلتے ہی ملاکہ کی شہزادی نے غرا کے بلند آواز میں پوچھا۔ دربان نے لاعلمی کا اظہار کیا' مگر اندر آتے دو سپاہی فوراً اس کی طرف بھاگے آئے۔

''وہ ابھی ابھی سلطنت محل کی طرف گئے ہیں۔ اپنے نئے مشیر کے ساتھ۔''

''میری سواری تیار کرو۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ ابھی.....'' نئے مشیر والی بات اس نے نہیں سنی تھی۔ بس چلا کے بولی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی رنگت سرخ دہک رہی تھی اور سانس پھولا ہوا تھا۔ جیسے اس کا بس نہ چلتا ہو' وہ سارے ملاکہ کو آگ لگا دے۔

☆☆=========☆☆

بھوری لکڑی سے بنا سلطنت محل دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جگہ جگہ مسلح پہریدار حفاظت پہ مامور کھڑے تھے۔ دور دور تک سبزہ زار سے بھرے باغیچے نظر آ رہے تھے جن میں موسمی پھول اگے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ایسے ہی داخلی دروازے سے مختلف لوگ اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ وزرا' مشیران' اپنی اپنی ٹولیوں میں سر جوڑے' گفتگو کرتے گزرگاہ پہ آگے بڑھ رہے تھے۔

گھوڑے غلاموں کے حوالے کر کے..... مراد راجہ اب روش پہ پیدل چل رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور گہری سوچ چھائی تھی۔ اس سے فاصلہ رکھے چند مصاحبوں کے ساتھ فاتح چلا آ رہا تھا۔ دفعتاً ان مصاحبوں میں سے ایک آگے آیا اور راجہ کے کندھے برابر چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

''راجہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس آدمی کو مشیر کا عہدہ دے رہے ہیں؟ اس کی وجہ سے ہم مشکل میں پھنسے تھے۔ سارا سونا چلا گیا۔'' وہ عارف تھا اور شدید ناخوش لگتا تھا۔

''اگر میں اسے انکار کرتا تو یہ اپنی پیشکش لے کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔'' وہ دبا دبا سا بولا۔ ''اور اس کے پاس ایسے کاغذی ثبوت ہوں گے جو یہ سلطان کو دکھا کے مجھے اور تاشہ کو سلطان کا نافرمان ثابت کر سکتا ہے۔''

''ہم اس کو قید میں ڈال سکتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں کر سکے گا۔''

''پچھلی دفعہ بھی قید میں ڈالا تھا۔ اس کے پاس تب بھی منصوبہ تھا' اب بھی ہوگا۔ مجھے اس کی پیشکش پسند آئی ہے۔ اس کو ہمارے لئے کام کرنے دو۔'' راجہ اطمینان سے کہتا لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔

''لیکن اگر اس نے ہمیں نقصان پہنچایا تو؟''

''تو اچھا ہے۔ اگر اس نے ہمیں نقصان دینا ہے تو دور کی بجائے قریب سے پہنچائے۔ ہمیں بھی اس پہ نظر رکھنے میں آسانی رہے گی۔''

''آپ غلطی کر رہے ہیں' راجہ۔''

''نہیں' عارف۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کی بات سچی ثابت ہوگی۔'' مراد کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔ عارف نے تلملا کے گردن موڑی اور فاصلے پہ پیچھے آتے اس کشادہ پیشانی والے مرد کو دیکھا جو اسے دیکھ کے مسکرایا تھا۔ کبھی یہ بوسیدہ لباس میں وانگ لی کے پیچھے غلام کی طرح چلتا ہوا محل میں داخل ہوا کرتا تھا اور آج یہ اسی محل میں.... اسی دربار میں قیمتی پوشاک پہنے' بنداہارا کے ایک مشیر کے طور پہ داخل ہوگا؟ عارف کے اندر بھانبھڑ جلنے لگے۔ مگر وہ ضبط کرنے پہ مجبور تھا۔

دربار لگنے میں ابھی وقت تھا۔ مراد راجہ چوکھٹ تک پہنچ کے دوسرے امراء اور مشیران کے ساتھ محوِ گفتگو ہو گیا۔ فاتح فاصلے پہ کھڑا تھا اور چوکنی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب ایک سپاہی اس کے قریب آ کے کھنکھارا۔

''ملکہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا سلطنت محل میں دوبارہ قدم رکھتے ہی ملکہ کسی آدم بو کی طرح اس کی بو پا لے گی۔ مگر وہ اس لمحے کے لئے تیار تھا۔

سپاہی اسے پائیں باغ تک لے آیا اور واپس مڑ گیا۔ سامنے پھولوں کی باڑ تھی جہاں ملکہ یان سوفو اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کا لمبا زرق برق لباس پہن رکھا تھا اور بالوں کے جوڑے میں سونے کی ہیر پن اڑا رکھی تھی۔ سر پہ تاج بھی سجا تھا۔

فاتح گھاس پہ قدم رکھتا اس کے عین عقب میں آ کھڑا ہوا۔

''مجھے ایک کنیز نے بتایا کہ تم مراد راجہ کے ساتھ آئے ہو تو مجھے یقین نہیں آیا۔ وانگ لی نے بھی یہی بتایا تو مجھے گمان گزرا

کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ آخر تم میں اتنی ہمت کیسے ہو سکتی ہے کہ مجھ سے....." وہ چبا چبا کے کہتی مڑی اور غصے سے اسے دیکھا۔ "مجھ سے دھوکہ کر کے.....مراد راجہ کو تباہ کرنے کے وعدے سے مکر کے....تاشہ کو دور لے جانے کا معاہدہ کر کے....تم تین دن بعد واپس آ کھڑے ہو گے؟ واہ غلام فاتح۔ واہ۔" ملکہ نے طنز سے تالی بجائی۔ وہ سپاٹ چہرے سے اسے دیکھتا رہا۔ بولا کچھ نہیں۔

"میں نے تمہارا نکاح کروایا تھا شہزادی سے۔ اس لئے تا کہ تم اسے لے کر دور چلے جاؤ۔ مگر تم اسی دربار میں جا رہے ہو جہاں مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہے۔ جانتے ہو تمہارے نکاح نامے کی تیسری نقل میرے پاس ہے؟" وہ شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے غرائی۔ "اگر ابھی میں نے وہ نقل سلطان کے سامنے رکھ دی تو کیا تم اپنی گردن سلامت لئے آج کی تاریخ میں اس محل سے باہر جا سکو گے؟"

"جب میں اپنی دنیا سے یہاں آیا تھا ملکہ عالیہ تو تاشہ ایک بات جانتی تھی۔ کہ کسی نے اس کے گاؤں کو جلا دیا تھا۔ چن چن کے جادوگر مارے گئے تھے۔" وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا۔ "اور یہ سب کرنے والی چینی شہزادی تھی جس نے سلطان کا دل صرف اس ایک وجہ سے جیتا تھا۔ مرسل شاہ اور اس کے آباؤ اجداد نے جادوگروں کے خلاف سخت قوانین بنائے تھے۔ جادوگروں سے ایک لمبی جنگ لڑی تھی انہوں نے۔ اسی لئے مراد راجہ کو جادو کے شبے میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ مگر مراد راجہ کو واپس آنے کی یہی صورت ملی کہ وہ جادوگروں کے خلاف غداری کرے اور آپ کے پاس سلطان کا دل جیتنے کا ایک ہی حربہ تھا کہ آپ جادوگروں کے خلاف کارروائی کریں۔ مگر کیا سلطان یہ جانتا ہے کہ آپ خود جادوگرنی ہیں۔ اگر میں اسے یہ بتا دوں تو کیا آپ اپنی گردن کے ساتھ اس باغیچے میں گھوم سکیں گی؟"

یان سوفو کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ وہ پھنکاری۔

"میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتی۔"

"اس نکاح نامے کی دوسری نقل سے بھی نہیں ڈرتیں آپ جو میرے پاس ہے؟ اگر میں قاضی اور گواہوں کو سلطان کے محل میں لے جاؤں اور وہ یہ کہیں کہ انعام کا لالچ دے کر یہ سب آپ نے کروایا تھا تو وانگ لی یا آپ کی صفائیوں کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ آپ بھول جاتی ہیں کہ آپ چینی ہیں۔ ملے نہیں۔ آپ ہمیشہ 'غیر' رہیں گی۔"

"تم!" اس نے مٹھی بھینچی۔ "میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور تم....."

"میں کل جب آپ کی دنیا میں واپس آیا تھا تو مجھے ایک بات معلوم تھی۔ اور میرے ہر قدم کے پیچھے وہی ایک بات کارفرما رہے گی۔" وہ چند قدم قریب آیا۔ ملکہ کے اتنے قریب کہ یان سوفو کو اس کے پیچھے سورج نظر آنا بند ہو گیا۔

''وہ یہ کہ تم نے.... یان سوفو.... تم نے میری زندگی کو وہ نقصان پہنچائے ہیں جو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا تھا۔'' وہ اس کے قریب چہرہ کیے اتنے سرد لہجے میں پھنکارا کہ یان سوفو ساکت رہ گئی۔

''تمہارے جادو نے مجھے وہ بات بتائی جو مجھے معلوم نہ ہونا بہتر تھی۔ اس بات نے تمہاری دنیا سے میری دنیا تک میرا پیچھا کیا۔ اس ایک بات کو نہ بھلانے کے لئے میں نے تاشہ کی زندگی کو خود سے باندھ دیا۔ میرے بچوں کی ماں نے خودکشی کر لی۔ میرے ہاتھ سے میری کرسی چلی گئی۔ یہ سب تمہارے اس ایک راز کو کھولنے سے ہوا جس کو کھولنے کا حق تمہیں نہ تھا' یان سوفو۔ جو راز قدرت نے ڈھانک دیے ہوں' انسانوں کو انہیں فاش نہیں کرنا چاہیے ورنہ بہت سی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔ تم ملاکہ کی وہ جادوگرنی' وہ بلا ہو یان سوفو' جس کے راز فاش کرنا اب میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں یہ فیصلہ کر کے واپس آیا تھا کہ میرا ہر عمل تمہارے خلاف ہوگا۔ میرا ہر قدم تمہاری تباہی کے لئے اٹھے گا۔''

''تم!'' یان سوفو نے بپھر کے اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا مگر وان فاتح نے سختی سے اس کی کلائی دبوچی اور اسے نیچے جھٹکا دیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کے بولا۔

''تم شہزادی تاشہ سے دور رہو گی۔ تم اس کو نقصان پہنچانے کا سوچو گی بھی نہیں' یان سوفو۔ مگر مجھے معلوم ہے تم اپنی فطرت سے باز نہیں آؤ گی اس لئے یاد رکھنا.....'' جھٹکے سے اس کی کلائی نیچے جھٹکی۔ ''میں تمہیں تباہ کیے بغیر ملاکہ سے نہیں جاؤں گا۔ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں' یان سوفو۔ تمہارے ہر قدم پہ میری نظر ہے۔ تمہیں میرے سائے سے بھی دور بھاگنا چاہیے۔''

یان سوفو کے گال سرخ دہک رہے تھے مگر وہ ساکت ہو چکی تھی۔ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ پا رہی تھی۔ وہ ایک نگاہ غلط اس پہ ڈال کے مڑ گیا اور یان سوفو نے زور سے پیر پٹخا۔

اس نے مداخلت یا سن گوئیوں سے بچنے کے لئے غلاموں اور کنیزوں کو باغیچے سے دور رکھ کے غلطی کی تھی۔

☆☆=========☆☆

دربار معمول کے انداز میں سجا تھا۔ دونوں طرف کرسیوں کی قطاریں لگی تھی۔ درمیان میں قالین سے مزین گزرگاہ تھی جس کا اختتام تین زینوں پہ ہوتا تھا۔ زینوں کے اوپر سنہری چبوترہ تھا جس پہ تخت بچھا تھا۔ تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور اس کے پیچھے محافظ پنکھ لئے کھڑے تھے۔

سنہری تاروں والی قبا پہنے' سر پہ ہیروں سے مرصع پگڑی نما تاج سجائے' وہ نوجوان سلطان ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' کافی پھیل کے تخت پہ براجمان تھا۔ شاہی آداب کے مطابق انسان اپنی نشست پہ جتنی جگہ گھیرتا ہے' اتنا طاقتور اور رعب دار نظر آتا

ہے۔اس لیے وہ ایسے ہی بیٹھا کرتا تھا۔ ہرے پہ زمانے بھر کا غرور اور بے پرواہی تھی۔

بائیں ہاتھ کی قطار میں پہلی کرسی مراد راجہ کی تھی۔ مراد اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا ایک کاغذ سے کچھ پڑھ کے سنا رہا تھا۔اس کے عقب میں وان فاتح کھڑا تھا۔اس کے کندھوں پہ سیاہ قبا تھی اور وہ ہاتھ نیچے کر کے باندھے' خاموشی سے مراد کو کارروائی میں حصہ لیتے دیکھ رہا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا کہ سامنے والی قطار میں بیٹھا سن باؤ اپنی چھوٹی چھوٹی چینی آنکھوں سے اسے گھورے جا رہا ہے۔

''مراد راجہ۔ضابطے کی کارروائی چھوڑو۔میرے سوال کا جواب دو۔''نوجوان سلطان نے بےزاری سے اس کی بات کاٹی اور انگلی اٹھا کے سوال پوچھا۔''کیا یہ درست ہے کہ چند روز قبل تم نے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا تھا اور دوسرے رؤساء کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے غلام آزاد کر دیں۔''

مراد رک گیا۔پہلے اس نے آنکھیں پھیر کے وانگ لی کو دیکھا جو ہلکا سا مسکرایا۔پھر ابوالخیر پہ نظر پڑی۔اس کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ تھی۔یعنی اس کی چغلی کھانے میں وہ دونوں پیش پیش تھے۔مراد کو ایک دم اپنا آپ بہت تنہا محسوس ہوا۔وہ کھنکھارا۔

''میرے آقا.... یہ غلام شدید کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے اور....''

''اور ہمارے علم میں یہ بھی لایا گیا ہے کہ غلاموں کے جانے سے اہم عہدوں پہ مامور ہمارے امراء اور وزراء کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔''مرسل شاہ تندہی سے اسے گھور رہا تھا۔

''میرے آقا.....ان غلاموں کو اگر آزاد نہ کیا جاتا تو.....''

''کیا یہ درست ہے مراد راجہ کے آپ اپنے محل کے سامنے اکٹھے ہونے والے چند لوگوں کے دباؤ میں آ گئے اور ہار مان لی؟''

مرسل شاہ کی برہم آواز نے سارے میں سناٹا طاری کر دیا۔

''مراد راجہ.....آپ کے اس قدم کی وجہ سے.....جس کے لئے آپ نے ہم سے اجازت طلب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھی.....کتنے کاموں کو نقصان پہنچایا ہے' آپ کو اندازہ ہے؟ وزیرِ خزانہ اپنے کام مکمل نہیں کر سکے۔چینی سفیر جو چین سے قرضے کی رقم لانے والے جہاز کی نگرانی کر رہے تھے' ان کے پاس اس خزانے کی حفاظت کے لئے ضروری افراد نہیں ہیں۔غرض خدمتگاروں کو آزاد کر دینے سے ہر کام متاثر ہو رہا ہے۔''

اس بات کو چار روز گزر چکے تھے مگر مرسل شاہ کو صبح صبح ملکہ' سن باؤ اور ابوالخیر نے الگ الگ یہ خبر پہنچائی تھی۔تالیہ' ایڈم اور

فاتح ''چار'' روز پہلے جس طرح قدیم ملاکہ سے نکلے تھے' اس نے مراد راجہ کو شدید مشکلات میں پھنسا دیا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے جو اپنی جگہ پہ کھڑا اپنا جواب سوچ اور تول رہا تھا۔

''میرے آقا.... میں جانتا ہوں کہ.....''

''یہ آپ کی شادی کے لئے کیا گیا ہے' آقا۔''

مراد راجہ پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے غصے سے گردن موڑی اور اپنے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جس کے کندھوں پہ سیاہ شال تھا اور وہ اٹھی گردن کے ساتھ سلطان سے مخاطب تھا۔

''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں وضاحت کروں' آقا؟'' ساتھ ہی سر کو خم دیا۔ اس کے انداز میں بغاوت نہ تھی۔ نرمی تھی۔ آداب تھے۔ اخلاق تھا۔

''خاموش!'' مراد نے دبی آواز میں اسے جھڑکا۔ مرسل شاہ نے چونک کے اس نئے درباری کو دیکھا' اور ماتھے پہ بل ڈالے۔ ''تم کون؟ اور تم بغیر اجازت ہماری گفتگو میں کیسے مداخلت کر سکتے ہو؟''

درباری مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔ سن باؤ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ اس نے پہلو بدلا۔

''میرے آقا.... آپ کے والد نے اس دربار کے قوانین بنائے تھے جن کے مطابق وزراء کے مشیران بوقتِ ضرورت اپنی تجاویز دے سکتے ہیں۔ میں بنداہارا کا مشیر ہوں اور آپ کے والد کے قانون کی وجہ سے بولنے کا پابند ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو.....'' وہ کرسیوں کے پیچھے سے نکل کے سامنے آیا' روش پہ سلطان کے سامنے کھڑا ہوا' اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ پھر گردن اٹھا کے اسی نرم مسکراہٹ سے سلطان کو دیکھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں وضاحت کر سکتا ہوں کہ غلام آپ کی شادی کے لئے کیوں آزاد کیے گئے ہیں۔''

مراد نے لب بھینچ کے پریشانی سے اسے دیکھا۔ اب وہ اسے نہیں روک سکتا تھا۔ مرسل شاہ کی پیشانی شکن آلود تھی مگر اس نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا۔ ''بولو۔''

''آقا یہ حکم صرف مسلمان غلاموں کے لئے جاری کیا گیا تھا جو اغواء یا ظلم سے جبری غلام بنائے گئے تھے۔ سن باؤ وانگ لی کے پاس بندرگاہ پہ جو لوگ کام کر رہے ہیں' ان میں سے صرف سات غلام مسلمان تھے۔ وزیرِ خزانہ ابوالخیر کے غلاموں میں سے صرف نصف مسلمان تھے۔ اسی طرح باقی امراء و رؤساء کے غیر مسلم جائز غلام ان کے پاس کام کر رہے ہیں۔ اور جو مسلمان غلام آزاد کیے گئے تھے' ان کو ان سب نے دوبارہ سے یومیہ اجرت پہ ملازم رکھ لیا ہے۔ آپ کے شاہی دستے جا کے ان کی حویلیوں کا خود جائزہ لے سکتے ہیں۔ اگر ان حضرات سے امورِ سلطنت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی وجہ غلاموں کا

نہ ہونا نہیں ہے۔ان سب کے پاس مطلوبہ افرادی قوت آج بھی موجود ہے۔"

اس کی بات پہ کسی کا سر شرمندگی سے نہ جھکا نہ کوئی جز بز ہوا۔کیا سن باؤ اور کیا ابوالخیر' سب ڈھٹائی سے خاموشی سے سنے گئے۔مرسل شاہ نے بھی اپنی غلطی کی تصحیح پہ بجائے اپنے امراء سے پوچھنے کے' ماتھے پہ بل ڈالے اس سیاہ قبا والے دراز قد آدمی کو دیکھا۔

"ہمارا سوال اب بھی وہیں ہے' مشیر۔اس کا ہماری شادی سے کیا تعلق؟"

"آقا.... یہ شرط شہزادی تاشہ کی تھی۔" وہ اسی نرمی سے بتانے لگا۔"ان کا حکم تھا کہ ان کا عروسی لباس جو سفید رنگ کا ہے' اسے صرف مسلمان کاریگر ہی بنائیں گے۔اس لئے ہمیں ایک کثیر تعداد میں کاریگر چاہیے تھے۔"

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ماتھے کی شکنیں بھی غائب ہونے لگیں۔اس نے ابرو اٹھایا۔

"اچھا...تو کیا وہ غلام شہزادی کا لباس تیار کرنے میں لگے ہیں؟"

"نہیں آقا...کیونکہ....ان غلاموں کو ان کے سابق مالکوں نے واپس یومیہ اجرت پہ رکھ لیا ہے۔اور ان کے کاموں سے وہ اتنے تھک جاتے ہیں کہ ان میں کاریگری کی ہمت نہیں رہتی۔"

سن باؤ کے ساتھ بیٹھے مشیر نے دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔"یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔شہزادی کے لباس کی بات کہاں ہوئی تھی؟"

"یہ جیا کا غلام فاتح ہے۔کیا تم نے نہیں پہچانا؟ اگر یہ کہے گا کہ ایسا ہے تو غلام اندھا دھند اس کی بات کی تائید بھی کر دیں گے۔" سن باؤ نے دھیمی آواز میں اسے گھرکا۔

"ہوں۔" سلطان نے پہلو بدلا۔اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔"تو کیا ہمارے پاس کوئی شاہی کاریگر نہیں جو لباس بنا سکیں؟"

"ہیں' میرے آقا۔اور اب وہی لباس بنائیں گے مگر اس کی وجہ سے تاخیر ہو جائے گی۔جتنے کم کاریگر' اتنی تاخیر۔" اس کے ساتھ ہی اس نے سر جھکایا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتا واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

مراد راجہ اس دوران مختلف کیفیات کا شکار ہوا تھا۔ان میں جھنجھلاہٹ واضح تھی۔البتہ اب کے وہ ضبط سے کھنکھارا۔

"آقا....اگر آپ کو اس بات پہ اعتراض ہے تو ہم اس حکم نامے کو واپس لے سکتے ہیں۔یا کوئی اور حل جو آپ کی نظر میں ہو؟"

"ہوں۔ہم کوئی حل نکالتے ہیں۔" مرسل سب کی خود پہ مرکوز جواب طلب نظروں سے ایک دم جز بز ہوا اور قبا جھٹک کے

اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام افراد بھی تیزی سے کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اٹھی گردن کے ساتھ نیچے اترا اور روش پہ چلتا آگے بڑھتا گیا۔

مراد کے قریب وہ رکا۔ ایک نظر اس کے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جو گہری نظروں سے مرسل کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مرسل کے اندر تک اترتی تھیں۔ اس بار ان میں ادب نہ تھا۔ بلکہ چبھن تھیں۔

بظاہر کچھ قابلِ گرفت نہ تھا ورنہ وہ اس آدمی کو گرفتار کروا سکتا تھا۔ مگر کچھ غیر آرام دہ تھا اس شخص میں۔ لیکن فی الوقت.....وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

دربار برخاست ہوا تو مراد راجہ طیش سے اس کی طرف گھوما۔

"مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت نہیں تھی۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا اور راجہ کی طرف جھکا۔

"میں آپ کی حمایت نہیں کر رہا تھا۔ میں دربار میں سلطان اور وزراء سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ تاکہ آپ یہ جان لیں کہ مجھے توجہ گھیرنے کی عادت ہے۔ اگر آپ مجھے اپنا مشیر نہیں رکھیں گے تو ان میں سے کوئی بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لے لے گا۔ حتیٰ کہ سلطان بھی۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو وان فاتح اپنے خلاف چاہیے یا اپنے ساتھ۔" اور سر جھکا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ "راجہ!" اور پیچھے ہٹ گیا۔

مراد راجہ لاجواب ہو کے خاموش ہو گیا۔ پھر ماتھے پہ بل لیے آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنے نئے مشیر سے ناخوش نظر آتا تھا مگر وہ اسے خود سے جدا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ عجیب دوراہے پہ پھنس گیا تھا۔ ساری الجھنوں کے سرے پہ بس ایک خیال جگمگاتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

وہ ملاکہ کا آنے والا سلطان بنے گا۔ سلطان مراد راجہ۔ اور یہ ایک خیال بہت سے کڑوے گھونٹوں کو امرت میں بدل رہا تھا۔

مراد راجہ انہی سوچوں میں گم دربار سے نکل کے باغ کے درمیان بنی روش سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے آتی تالیہ کو دیکھ کے رفتار سست ہوئی۔ گہری سانس اندر کو کھینچی۔ (تو وہ مورخ کی حالت دیکھ آئی تھی۔)

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے لال بھبوکا چہرہ لیے چلی آ رہی تھی۔ مراد کے عین سامنے آ کے وہ رکی۔ اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ نے آدم کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہاں؟ کیا میں اس کو آپ کے پاس اس لئے لائی تھی کہ آپ اسے آدھا مار دیں؟"

مراد نے اتنی ہی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میرے اوپر چلانے سے پہلے یہ یاد رکھو کہ تمہاری وجہ سے میں اس وقت معتوب ٹھہرایا جا رہا ہوں۔ جو تمہارے ساتھیوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد بھی اگر میں دوا کا نسخہ دے رہا ہوں تو اسے غنیمت سمجھو۔ مگر مجھ سے یہ توقع مت رکھو کہ میں ایک سال اسے اپنی دنیا میں برداشت کروں گا۔ اس سے کہو اپنی دوا ڈھونڈے اور جائے یہاں سے۔''

''آپ نے اسے کچھ کرنے کے قابل چھوڑا ہے؟'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ ''آپ نے اسے گھائل کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے بعد میں کیا کروں گی؟''

''کیا کرو گی؟ یہ مت بھولو کہ اس کی دوا کا نسخہ اب بھی صرف میرے پاس ہے۔''

مراد نے ابرو اٹھا کے ٹھہر ٹھہر کے کہا اور تالیہ چپ ہو گئی۔ ایک دم اس کے ترکش کے سارے تیر جیسے راکھ ہو گئے تھے۔ مراد جانتا تھا وہ جان جائے گی کہ ایڈم کے ساتھ یہ سب اس نے کیا ہے اور پھر بھی اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ یہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تالیہ کے پاس چپ کر جانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ دوا کا نسخہ صرف مراد کے پاس تھا اور وہ اب اس سے نہیں لڑ سکتی تھی۔

''میں بغیر کچھ مانگے تمہارے دوست کی دوا بنا دوں گا۔ ایک ماہ کے اندر اندر مجھے اجزائے ترکیبی لا دو۔ اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے مت رکھو۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کے آگے بڑھ گیا اور وہ بے بسی سے مٹھی بھینچے وہیں کھڑی رہ گئی۔

وہ جتنے غصے میں یہاں آئی تھی' اتنی ہی جلدی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ مراد کو کیا دھمکی دے سکتی تھی؟ کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی؟ مگر جواب میں وہ کیا مانگتی؟ کہ دوا بنا دو؟ وہ تو مراد پہلے ہی بنا کے دے رہا تھا۔ اس کا دیا گیا نقصان تو اب ایڈم کو پہنچ چکا تھا۔ اب وہ اپنے باپ کو برا بلا کہے یا اس سے خفا ہو' وہ ایڈم کا کام مزید خراب کرے گی' بہتر نہیں۔ کیا وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنی بے بس ہوئی تھی؟ قدیم ملاکہ کی ان دیکھی زنجیریں اسے یہاں قدم جمانے سے پہلے ہی جکڑنے لگ گئی تھیں۔

تالیہ نے گہری گہری سانسیں اندر کو کھینچی اور خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ وہ روش پہ کھڑی تھی۔ دونوں طرف سبز گھاس کے قطعے تھے اور سامنے لکڑی سے بنے محل کی سیڑھیاں تھیں۔ دھوپ محل کی طرف سے آ رہی تھی۔ اور چند لوگ بھی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کو ماتھے پہ انگوٹھیوں والے ہاتھ سے چھجا بنایا۔

منظر واضح ہوا۔ سامنے سے آتے سپاہیوں کے ساتھ چلتا سیاہ قبا والا شخص.....اس کی مسکراہٹ۔

تالیہ مراد کی رنگت فق ہوئی۔ ہاتھ پہلو میں جا گرا۔ وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

مصاحبوں کی ٹولی قریب آ چکی تھی۔ شہزادی کو دیکھ کے سب ٹھہر گئے۔ سیاہ قبا والا شخص بھی۔ سر ذرا سا جھکا کے مسکرا کے

بولا۔

''شہزادی!''

اور شہزادی کے تو کاٹو تو بدن میں لہو نہ رہا تھا۔ منہ کھولے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پہ تیز دھوپ سیدھی پڑ رہی تھی مگر وہاں کسے پرواہ تھی؟

''یہ.....؟'' اپنے باپا کے ایک مصاحب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''یہ بنداہارا کے نئے مشیر ہیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے تیز دھوپ میں مقابل کھڑے شخص کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس کی سیاہ قبا کو۔

پھر اس کے نیچے پہنے سفید نفیس لباس کو۔

آنکھیں واپس اٹھیں۔ اور اس کے چہرے پہ رکیں۔ پھر تالیہ نے ابرو اٹھایا اور بنا لب آواز کے لب ہلائے۔

''سیریسلی؟''

فاتح مسکرا کے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بازو نیچے کر کے ہاتھ باہم ملا رکھے تھے اور نظریں اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لئے بھی نہ ہٹائی تھیں۔

نسوانی مجسمے میں حرکت ہوئی۔ یوں جیسے مجسمے کے سفید گالوں پہ کسی نے سرخی گھول دی ہو جو آہستہ آہستہ اس کے سارے چہرے کو سرخ کرنے لگی تھی۔

''آپ!'' وہ دانت پہ دانت جما کے بولی۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں جبکہ میں نے آپ کو سکوں کی پوٹلی دی تھی اور.....''

''اس کے لئے شکریہ شہزادی۔ میں نے اس سے ایک گھوڑا خریدا اور چند ضروری چیزیں تا کہ مراد راجہ سے ملاقات میں آسانی ہو۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ اب وہ اس کے اتنا قریب آ چکا تھا' کہ اس کے عقب میں سورج چھپ گیا تھا۔

''آپ.....آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مارے ضبط کے وہ بے بسی سے بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خاموشی سے کہیں دور انتظار کرنا چاہیے تھا تا کہ.....''

''سنو حالم۔'' اس نے آواز دھیمی کی اور سر اس کی طرف جھکایا' پھر آہستہ سے اپنی زبان میں بولا۔ ''تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار کے ایل میں دیا تھا میں نے مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ جب تم میرے کہنے پہ فرار ترک نہیں کر سکتی تھیں تو میں تمہارے کہنے پہ فرار کیوں اختیار کروں گا؟'' اور چہرہ واپس سیدھا کیا۔

''آپ.....آپ مجھے سزا دینے کے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔اس سب کا اثر ایڈم پہ پڑے گا۔'' وہ پریشانی سے بولی۔دونوں روش کے وسط میں کھڑے تھے اور دوسرے لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے۔

''ساری دنیا آپ کے گرد نہیں گھومتی' شہزادی تاشہ۔میں آپ کے احکامات کے تابع نہیں ہوں۔'' وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔

''آپ ملکہ' سن باؤ اور بابا سب کو دشمن بنا کے گئے تھے' تو انکو۔آپ دن کی روشنی میں یہاں کیسے واپس آسکتے ہیں؟''

''میں نے یہ دشمن صرف ہم تینوں کو اس دنیا سے نکالنے کے لئے بنائے تھے۔تمہیں واپس آتے وقت یہ سب سوچنا چاہیے تھا۔''

''مگر آپ.....آپ بابا کے مشیر کیسے بن سکتے ہیں؟'' اور پھر وہ ٹھٹکی۔کچھ یاد آیا۔''تو وہ بنگارایا ملایو میں جس شخص کا ذکر تھا.....بابا کا سلطان ساز.....وہ آپ تھے؟ یا اللہ۔'' اس نے کراہ کے پیشانی کو چھوا۔وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

''فاتح.....پلیز.....آپ بابا کو نہیں جانتے۔اگر آپ یہ سب مجھے واپس لے جانے کے لئے کر رہے ہیں تو یہ بے سود ہے۔اور اگر.....'' اسے خیال گزرا۔''اگر آپ ہمارے قریب اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ مجھے سلطان سے شادی سے روک سکیں تو آپ جانتے ہیں۔میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا۔میں کبھی بھی سلطان سے شادی نہیں کروں گی۔''

اس نے فکرمندی سے یقین دلانا چاہا۔فاتح نے ایک دفعہ پھر چہرہ اس کی طرف جھکایا۔

"As if I care?"

اور ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالتا اس کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ نے بے یقینی سے مڑ کے اسے واپس جاتے دیکھا' پھر ایک دم انگریزی میں پکار کے کہا۔

''آپ اس شخص کے سلطان ساز کیسے بن سکتے ہیں جو آپ کو نہ پسند کرتا ہے نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہے۔''

سیاہ قبا والا آدمی رکا اور مڑ کے اسے دیکھا۔اب سورج تالیہ کی پشت پہ تھا' اس لئے فاتح کی مسکراتی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''واقعی.....ایسے شخص کا سلطان ساز بننا آسان نہیں جو نہ آپ کو پسند کرتا ہو' اور نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہو۔یہ ایک آرٹ ہے جو میں نے کسی اور زمانے میں کسی اور کو کرتے دیکھا تھا۔''

جتا کے بولا' پھر سر کو خم دے کر دوبارہ تعظیم پیش کی اور پلٹ گیا۔مصاحب اور سپاہی اس کے عقب میں چل دیے۔تالیہ نے سپاہیوں کے گروہ میں سے ایک کو گھورتے ہوئے انگلی سے واپس آنے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً اس کے سامنے آیا اور سر جھکا دیا۔

''جی' شہزادی؟''

''مجھے ساری کتھا سناؤ۔ یہ جیا کا غلام فاتح میرے بابا کا مشیر کیسے بنا؟''

سپاہی نے صبح جو دیکھا تھا' کہہ سنایا۔ ''راجہ اور وہ گھوڑوں پہ کھڑے بات کرتے رہے۔ پھر راجہ نے حکم دیا کہ اس کا محل میں کمرہ تیار کیا جائے کیونکہ.....''

''کیا؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ''مطلب.....کیا وہ ہمارے محل میں رہے گا؟''

''جی.....جیسے عارف رہتا ہے۔ جیسے.....''

''مثالیں مت دو۔ یہ بتاؤ دربار میں کسی نے اس کے بارے میں کچھ کہا تو نہیں۔''

اور جواب میں سپاہی نے جو اسے بتایا' اسے سن کے تالیہ کا دماغ مزید گھوم گیا۔ شہزادی کا عروسی لباس...کاریگر...یا اللہ...یہ وان فاتح کیا کر رہا تھا؟

وہ چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر اپنی کنیزوں اور غلام کی طرف گھومی۔

''ملکہ کو خبر دو کہ شہزادی تاشہ آئی ہے۔'' وہ بظاہر سنجیدہ تھی مگر اندر سے پریشان۔ کوئی بھی اس کی منشاء کے مطابق کام نہیں کر رہا تھا۔ ایڈم الگ بیمار پڑا تھا اور وان فاتح کیا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب میں کیا لکھا تھا آگے کیا ہوگا؟ مگر ایک دفعہ کی پڑھی ہوئی کتاب کی اکثر تفصیلات ذہن سے اس وقت محو ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بس ایک چیز واضح یاد تھی۔ وہ احمقانہ سات سوال جو تاشہ نے مرسل شاہ کے سامنے رکھے تھے۔ نہیں۔ (اس نے سر جھٹکا۔) وہ من گھڑت ہوں گے۔ آخر میں ایسی شرائط کیوں رکھوں گی؟

دربار اب خالی ہو چکا تھا اور وہاں ملکہ یان سوفو براجمان تھی۔ اب کے اس نے اپنی کنیزوں اور سپاہیوں کو الگ نہیں کیا تھا۔ وہ بڑی شان سے تخت پہ اپنا لباس پھیلا کے بیٹھی' کھلے دروازے سے اندر آتی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

یان سوفو کو وہ پہلی نظر میں ہی مختلف لگی تھی۔ اس کے بال سیاہ اور چھوٹے تھے' اور اس نے ان کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی لگ رہی تھی اور چہرے پہ سختی سی آ گئی تھی۔

وہ چبوترے کے سامنے آ رکی اور تعظیم پیش کر کے گردن اٹھا کے ملکہ کو دیکھا۔

''میں جانتی تھی آپ مجھ سے ملنا چاہیں گی' ملکہ...اسی لئے میں خود ہی آ گئی۔ اس سے قبل کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھیں' میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب دے دیتی ہوں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

یان سوفو خاموشی سے اسے سنے گئی۔ ساتھ ہی وہ اپنی ایک کلائی کو دوسرے سے سہلا بھی رہی تھی۔

''میں اپنے بابا کے لئے واپس آئی ہوں۔ میں زیادہ دن وہاں نہیں رہ سکی جہاں گئی تھی۔ میرے لئے اب وہاں کچھ نہیں

بچا۔ اور یہاں..... یہاں بابا کے علاوہ مجھے کسی سے کوئی رشتہ نہیں بنانا۔ وہ بات جو میرے اور آپ کے درمیان طے پائی تھی....وہ برقرار ہے۔ اور سب ویسے ہی ہوگا جیسے آپ چاہتی ہیں۔"

یان سوفو اپنی آنکھیں اس پہ مرکوز رکھے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

"آپ کو میری طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس مسئلے سے بابا کی مدد سے چھٹکارا حاصل کرلوں گی۔ سلطان مرسل اور میری شادی کبھی نہیں ہوگی۔"

یان سوفو کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔ تالیہ رکی اور اسے بولنے کا موقع دیا۔ مگر جب وہ نہیں بولی تو وہ کھنکھاری۔

"رہے وہ لوگ جن کی واپسی آپ کو گراں گزر رہی ہے' وہ یہاں سے جلد چلے جائیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔"

ملکہ نے ہاتھ اٹھایا۔ پھر اسے ہلکا سا جھٹکا۔ یہ اسے واپس جانے کا اشارہ تھا۔ ملکہ کی خاموشی اسے کھٹکی تھی' مگر اس نے سر جھکایا' تعظیم پیش کی' اور الٹے قدموں واپس ہولی۔

یان سوفو نے کنیزوں اور سپاہیوں کو دربار سے بھیج دیا اور سن باؤ کو بلوایا۔ کچھ دیر بعد جہاں تالیہ کھڑی تھی' وہاں اب وانگ لی کھڑا ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔

"ہمیں اس کو ہلکا نہیں لینا چاہیے۔ غلام فاتح۔ وہ آج سلطان کی توجہ لینے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے ڈر ہے وہ کوئی نیا مسئلہ نہ کھڑا کرے۔"

دربار میں اب وہ دونوں اکیلے تھے۔ یان سوفو ابھی تک خاموش تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ وانگ لی ہاتھ باندھے کھڑا تلخی سے وان فاتح کی ان دونوں سے دھوکہ دہی کا مژدہ دہرا رہا تھا۔ مگر یان سوفو نہیں سن رہی تھی۔

وہ کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے تخت کے چبوترے کے زینے اترنے لگی یہاں تک کہ آخری سیڑھی پہ آرکی۔ اب وہ وانگ لی کے عین سامنے تھی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ملکہ کے چہرے پہ کوئی عجیب سا تاثر تھا۔

"وانگ لی۔" وہ بولی تو نظریں دور دربار کی دیوار پہ کندہ خطاطی پہ مرکوز تھیں۔ "انسان کے بال کس شے کی علامت ہوتے ہیں؟"

وانگ لی نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ "بال؟" اس نے سوچنے کے لئے وقفہ لیا۔ "انسان کے غرور کے۔ تبھی حج کے موقع پہ اللہ کے سامنے سر جھکانے کے لیے انہیں کٹوانا پڑتا ہے۔"

"اور؟ اور کس چیز کو ظاہر کرتے ہیں بال؟"

"انسان کی شخصیت کو...اس کی صحت کو۔ وہ کیسی خوراک کھاتا ہے۔ اس کے ملک کا موسم کیسا ہے....."

یان سوفو نے نظروں کا رخ وانگ لی کی طرف موڑا۔اور پر سوچ انداز میں بولی۔

''بال وقت گزرنے کی علامت ہوتے ہیں۔ان کی لمبائی بتاتی ہے کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ان کو چھوٹا کر دینا بتاتا ہے کہ انسان اپنا وقت بدلنا چاہتا ہے۔تاشہ کے بال چھوٹے ہو چکے ہیں اور غلام فاتح کے بال پہلے سے ذرا لمبے ہیں۔اس کے چہرے اور ہاتھوں پہ ان زخموں کے نشانات تک نہیں ہیں جو چار روز پہلے بازار میں آخری دفعہ اس سے ملتے وقت میں نے دیکھے تھے۔غلام فاتح اور تاشہ ان چہروں کے ساتھ نہیں واپس آئے جن کے ساتھ وہ گئے تھے۔''

''کیا مطلب' ملکہ؟'' وانگ لی الجھ کے اسے دیکھے گیا۔

ملکہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔وہ دور خلاء میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''غلام فاتح نے مجھ پہ غصہ نکالتے ہوئے ایک بات بے دھیانی میں کہہ دی.....اس نے کہا میں اپنی ''دنیا'' سے آپ کی ''دنیا'' میں واپس آیا ہوں۔سن باؤ...کیا یہ ممکن ہے کہ اس زمین پہ کوئی دوسری دنیا بھی وجود رکھتی ہو؟''

''دوسری دنیا؟'' وانگ لی ششدر رہ گیا۔دربار میں سناٹا چھا گیا۔

''ہاں.....جہاں وقت کے گزرنے کا حساب مختلف ہو۔جہاں سے یہ دونوں واپس آئے ہوں۔جہاں سے یہ پہلی دفعہ آئے تھے۔'' وہ چونک گئی۔''ہم نے تاشہ کے گاؤں کا پتہ چلایا تھا۔مگر وہ سب جھوٹ تھا۔وہ چین کے کسی گاؤں سے نہیں آئی تھی۔مراد راجہ کی کوئی چینی بیوی تھی ہی نہیں۔مگر.....'' وہ خود سے کہہ رہی تھی۔''میں نے جب بھی تاشہ کا ماضی جاننے کے لئے اپنے پانی میں دیکھنا چاہا' مجھے ایک ہی منظر نظر آیا۔ایک چھوٹی لڑکی جو جنگل میں جا رہی ہے.....جو جنگل میں کھو جاتی ہے۔ایک دروازے کے پیچھے.....اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔میں سمجھی تھی کہ مراد راجہ کا جادو میرے مناظر کا راستہ روک دیتا ہے۔مگر نہیں۔میرا منظر درست تھا۔مراد راجہ کی ایک ہی بچی تھی.....جو جنگل میں کھوئی تھی۔''

''تالیہ بنتِ مراد.....مگر وہ تو چھوٹی سی لڑکی تھی.....اور یہ.....''

''اور یہ اس کے کھونے کے چند دن بعد ملی تھی۔ایک نوجوان لڑکی۔مراد راجہ نے کہا کہ یہ اس کی کوئی دوسری بیٹی ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ وہی لڑکی ہو؟ یہ کسی ایسی دوسری دنیا میں چلی گئی ہو جہاں وقت کی رفتار مختلف ہو۔''

''ان کے کئی سال اور ہماری ایک گھڑی!'' وانگ لی بھی متعجب رہ گیا۔

''تالیہ بنت مراد ہی شہزادی تاشہ ہے' سن باؤ۔اور کل یہ دونوں جو ہمارے سامنے واپس آ کھڑے ہوئے ہیں...یہ دونوں چار روز بعد واپس نہیں آئے۔یہ ایک لمبا عرصہ اپنی دنیا میں گزار کے آئے ہیں۔'' وہ اب کے سامنے دیکھنے لگی جیسے چمکتی آنکھوں سے دور کسی دوسرے زمانے میں جھانک رہی ہو۔

''کوئی اور دنیا بھی وجود رکھتی ہے' سن باؤ۔ جو اتنی خوبصورت اور جادوئی ہے کہ یہ یہاں آنے کے باوجود واپس جانے کی تمنا رکھتے تھے۔ کچھ تو ہے اس دنیا میں جو تاشہ ملاکہ پہ حکمرانی کا خواب اس کے لئے قربان کرنے پہ راضی تھی۔ ہمیں اس دنیا کو ڈھونڈنا ہے.....اس دروازے کو جس کے پار وہ جادوئی سلطنت بسی ہے۔ مجھے اس میں جھانکنا ہے....'' وہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ''سنو وانگ لی.....تم ان دونوں پہ نظر رکھو گے اور کسی بھی طرح مجھے اس دنیا کا راز معلوم کر کے دو گے۔''

وانگ لی نے تذبذب سے ملکہ کی عجیب سی خواہش کو سنا' اور پھر سر جھکا دیا۔

''جو حکم' ملکہ!''

یان سوفو چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اب دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی ایک دم سے مزید دلچسپ ہو گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل پہ شام کا نیلگوں اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دور کسی مسجد سے موذن مغرب کی نماز کے لئے صدا لگا رہا تھا۔ محل کی راہداریوں اور کھڑکیوں میں ایک ایک کر کے مشعلیں روشن ہونے لگی تھیں۔

کتب خانے کے ریک خاموشی سے کونے میں جاء نماز ڈالے نماز پڑھتے ایڈم بن محمد کو دیکھ رہے تھے جو برسوں کا بیمار نظر آتا تھا۔ نماز بھی بیٹھ کے پڑھ رہا تھا۔ سلام پھیر کے اس نے جائے نماز تہہ کی اور خود دیوار تک آیا۔ وہاں اس کا لحاف رکھا تھا۔ اس نے لحاف اپنے گرد لپیٹ لیا اور گھٹنوں پہ گال ٹکا دیا۔ اس کا جسم کبھی گرم ہو جاتا کبھی ٹھنڈا۔ کبھی یوں لگتا وہ تنور میں بیٹھا ہے اور کبھی لگتا سرد خانے میں۔ سر کا درد اس کی جان لے رہا تھا اور تنفس بار بار اکھڑ جاتا تھا۔

پھر گہرے سانس لے کر وہ خود کو پرسکون کرتا۔ مراد راجہ نے بیسیوں دوائیں دے رکھی تھیں۔ وہ بار بار ان کو پھانکتا تو قدرے بہتر محسوس کرتا۔

ایک غلام کتب خانے میں جگہ جگہ رکھی مشعلیں جلا رہا تھا۔ ایک ایک کر کے ہر کونا روشن ہونے لگا۔ زرد روشنی نے سارے کو منور کر دیا تو ایڈم چونکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔

وہ کب آئی تھی؟۔ ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر نقاہت زدہ انداز میں سر کو خم دیا۔ ''شہزادی!''

''تمہیں ان آداب کی ضرورت نہیں ہے ایڈم!'' وہ خفگی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''آپ شہزادی ہیں اور میں ایک مورخ۔ مجھے ان آداب کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔''

اب وہ دونوں ساتھ ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھے نظر آئے تھے۔ کتب خانہ روشن مگر تنہا تھا۔ قدیم کتابیں اپنی جلدوں میں قید خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ ایڈم لحاف اوڑھے بیٹھا تھا اور تالیہ.....وہ شہزادی والا عروسی لباس اور زیور

اتارے' سادہ سیاہ باجو کرنگ میں بال باندھے بیٹھی تھی۔

سامنے والی دیوار پہ ان دونوں کے سائے نظر آ رہے تھے جو ان سے قد کاٹھ میں کہیں بڑے اور خوفناک تھے۔

''تو وان فاتح وہ سلطان ساز ہیں جس کا ذکر کتاب میں تھا۔'' تالیہ سے ساری کتھا سن کے ایڈم بولا۔

''پتہ نہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔'' وہ خفگی سے بڑبڑائی۔ پھر گردن موڑ کے ایڈم کے زرد' اداس چہرے کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری' ایڈم۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ایک شکار باز سے دوسرے شکار باز کے کتب خانے کے سفر نے ہمیں صرف نقصان ہی دیا۔''

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں' چے تالیہ۔'' وہ سادگی سے بولا۔ نظریں اپنے جناتی سائے پہ لگی تھیں۔ ''میں صرف بیمار ہوں۔ میرے اندر کسی سے ناراض ہونے کی ہمت نہیں رہی۔''

''میں تمہیں اس سے نکال لوں گی۔ تم ایک صحت مند اور لمبی زندگی گزارو گے' ایڈم!''

آپ کو معلوم ہے اس وقت میں کیا چاہتا ہوں؟''

''کیا؟''

''میں اپنی امی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس قدیم زمانے میں موت کا انتظار نہیں کرنا۔ اگر یہ ایڈم بن محمد کی زندگی کے آخری دن ہی ہیں' تو یہ مجھے ان دونوں کے ساتھ گزارنے ہیں۔''

''تم دوا لئے بغیر واپس نہیں جا سکتے۔ تمہارا علاج اسی زمانے میں موجود ہے۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے' ایڈم میں تمہارے لئے سب کروں گی۔ سب کچھ۔'' وہ دلگرفتی سے بولی تو ایڈم نے بوجھل پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ کو وان فاتح سے محبت ہے' چے تالیہ؟''

سوال غیر متوقع تھا۔ مگر ایڈم کا یہ سوال پوچھنا زیادہ غیر متوقع تھا۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ پھر گہری سانس لی۔

''سچ بتاؤں؟''

''مرتے وقت..... یا مرنے والے کے سامنے.... ان دو صورتوں میں جھوٹ نہیں بولا جاتا۔''

وہ افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''ہاں۔ مجھے ان سے محبت ہے۔''

''کب سے؟'' وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اب کے وہ سامنے دیکھنے لگی۔

''محبت کب شروع ہوئی' کس کو یاد رہتا ہے؟ یاد صرف وہ وقت رہتا ہے جب اس نے تکلیف دینی شروع کی ہو۔ محبت کی

اذیت بعض دفعہ خود محبت سے بڑی ہو جاتی ہے۔"

وہ اب سامنے پھڑ پھڑاتے شعلے کو دیکھ رہی تھی اور ایڈم کو اس کی سیاہ آنکھوں میں زرد آگ نظر آ رہی تھی۔

"آپ کو ان سے محبت ہے تو مجھے کیوں بچانا چاہتی ہیں؟"

"کیونکہ....." اس نے ایڈم کی طرف چہرہ موڑا تو سیاہ آنکھوں سے شعلوں کا عکس غائب ہو گیا۔ "مجھے تم سے بھی محبت ہے۔"

"دو لوگوں سے کسی کو کیسے محبت ہو سکتی ہے؟" وہ حیران نہیں ہوا۔ مزید اداس ہوا۔

وہ اب کے مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

"جانتے ہو مجھے ساری دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟"

"کھانا۔" وہ جانتا تھا۔ وہ اتنا تو تالیہ کو جانتا تھا۔

"ہاں۔ کھانا۔ میری سب سے بڑی ترغیب۔ میری کٹھن ترین آزمائش۔ کھانے کی لذیذ چیزیں۔ مگر کیا ہم انسان ایک ہی پلیٹ میں سب کھا سکتے ہیں؟"

"مطلب؟" وہ نقاہت سے اسی دیکھنے لگا۔

"ہم سارے کھانے ایک ہی پلیٹ میں کھا سکتے۔ چاولوں کی پلیٹ الگ۔ اور میٹھے کا پیالہ الگ ہوتا ہے۔ چائے کے مگ میں پانی نہیں پیا جا سکتا۔ ایسے ہی ہمیں اپنی ذات کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف دوست چاہیے ہوتے ہیں' ایڈم۔ ہم جب سارے جذبات صرف ایک شخص سے حاصل کرنا چاہیں تو ناخوش اور تشنہ ہی رہتے ہیں۔ اس کو بھی بوجھل کر دیتے ہیں۔ ایک ہی پلیٹ میں ہر کھانا کون کھا سکتا ہے؟ اسی طرح ہم ایک ہی شخص کے اوپر اپنا سارا وجود نہیں مسلط کر سکتے۔ ہر شخص کے لئے الگ خانہ ہوتا ہے۔ ہمارے رشتے ہماری زندگیوں میں برتنوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہماری روح کو غذا فراہم کرنے والے.... مگر الگ الگ طریقے سے..... ہم کسی ایک انسان سے obsess اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ....."

"کیونکہ ہم سارے کھانے ایک ہی برتن میں کھانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔" وہ اداسی سے بولا تو تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔

"ہم سب کے اندر اداسی ہے' ایڈم۔ تنہائی کا ایک خلاء جو....." اس نے کھڑکی کے پار پھیلتی نیلگوں اندھیرے کو دیکھا۔ "جو مغرب ڈھلتے ہی ہمیں نگلنے کو منہ کھولے بیٹھا ہوتا ہے۔ سارے دن کے کام کاج کے بعد..... اس وقت ہمیں 'انسانوں' کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اداسی کا وقت ہوتا ہے۔ خوف اور تنہائی کا۔ ایک شخص اس وقت کو گزارنے کے لیے ہمیں

کافی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنے اردگرد بہت سے دوست اور رشتے اکٹھے کرنے چاہئیں تاکہ وہ ہر شام ہماری مدد کیا کریں۔"

"ہاں۔ اسی لیے ہر شام کو ہم اپنی دنیا میں اپنے اپنے سیل فون لے کر سب سے کٹ کے بیٹھ جاتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں' ہم اپنے فونز کے عادی ہو گئے ہیں۔ مگر اب مجھے لگتا ہے چے تالیہ کہ ہم ان لوگوں کے عادی ہو جاتے ہیں جو فون کے ذریعے ہم سے جڑے ہوتے ہیں۔ یہاں تو وہ سہولت بھی نہیں ہے۔"

"آئی ایم سوری ایڈم۔ میں تمہیں تمہاری دنیا سے لے آئی۔"

"اگر میں اور وان فاتح واپس اپنی دنیا میں چلے گئے تو آپ کے لئے کیا صرف مراد راجہ کافی ہوں گے؟" ایڈم کے انداز میں تلخی گھل گئی۔ وہ چپ ہو گئی اور سر جھکا دیا۔

"ایڈم..... میں جانتی ہوں میں مزید اکیلی رہ جاؤں گی۔ مگر کم از کم میں آزاد ہوں گی۔ کے ایل میں' میں قید کر لی جاؤں گی۔ مجھے زخمی دل منظور ہے۔ کٹے ہوئے پر نہیں۔"

"آپ جانتی بھی ہیں کہ زخمی دل کیا ہوتا ہے؟" اس نے گلہ کیا۔

"نہیں۔ کیونکہ شاید ابھی تک میں' تم اور فاتح حقیقی معنوں میں الگ نہیں ہوئے تھے۔ ناراضگیاں تھیں۔ دوریاں تھیں۔ کھوئی ہوئی یادداشتیں تھیں۔ مگر جدائی نہیں تھی۔ میں نہیں جانتی میں اس جدائی کو کیسے سہوں گی مگر..... میں اس وقت صرف تمہارے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔"

"کیا ہم ایک ماہ میں وہ اجزائے ترکیبی ڈھونڈ لیں گے' چے تالیہ؟" اس نے کسی خوفزدہ بچے کے سے انداز میں پوچھا۔ اب تو دیوار پہ اپنے دیوہیکل سائے بھی ڈرا رہے تھے۔

"ہاں۔ کیونکہ جو ہمیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔ کیسے' کب' مجھے معلوم نہیں۔ مگر کوئی راستہ ہو گا۔ ہر مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوا کرتا ہے۔"

ایڈم گھٹنے پہ گال ٹکائے' لحاف لپیٹے خاموشی سے گہرے سانس لینے لگا۔ اس میں مزید بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

اس صبح قدیم ملاکہ کے بازار میں خوانچہ فروش صدائیں لگاتے دکھائی دے رہے تھے۔ دکانوں میں رش اور معمول کی گہما گہمی تھی۔ گھوڑے گاڑیوں پہ سامان لادا جا رہا تھا۔ ایسے میں مراد راجہ کا قافلہ بازار کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

مراد گھوڑے پہ سوار' سنہری قبا کندھوں پہ ڈالے' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' سپاٹ تاثرات کے ساتھ گھوڑے کو آگے بڑھا رہا تھا۔ رات بارش کے باعث درخت گرے تھے اور عمومی راستے کو بندش کی وجہ سے ترک کر کے انہیں بازار سے گزرنا پڑ رہا

تھا۔ایک گھڑ سوار پہلے نقارہ بجاتا ہٹو بچو کا اعلان کر رہا تھا۔ پیچھے راجہ اور مصاحب چلے آ رہے تھے۔لوگ تیزی سے راستہ چھوڑ رہے تھے۔عورتیں اور بچے دکانوں کے چھپروں تلے پناہ لینے لگے۔

وہ مراد سے چند قدم پیچھے تھا۔اس نے آج بھی کندھوں پہ سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور سنجیدہ نظریں مراد کی پشت پہ لگی تھیں۔ دفعتاً وہ اپنے گھوڑے کو مراد کے گھوڑے کے دائیں جانب لے گیا اور اسے مخاطب کیا۔

''آپ کتنے عرصے بعد بھرے بازار میں سے گزر رہے ہیں' راجہ؟''

''یاد نہیں۔'' مراد کا چہرہ سپاٹ رہا۔

''آپ غیر آرام دہ نظر آتے ہیں۔''

بنداہارا نے گردن موڑ کے ایک سنجیدہ نظر ساتھ والے گھڑ سوار پہ ڈالی۔

''بازار سے گزرنے کے باعث ہماری رفتار سست پڑ جاتی ہے۔محل میں بہت سے کام ہمارے منتظر ہیں۔''

''یا شاید آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے گزرنے سے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ان کی غربت' اور آنکھوں میں بسی محرومیاں آپ کو مضطرب کرتی ہیں۔''

''وان فاتح... میں نے تمہیں اپنا مشیر تعینات کیا ہے' ناصح نہیں۔ جتنا مراد راجہ ان لوگوں کے لئے کام کرتا ہے' کیا کوئی دوسرا بنداہارا کر کے گیا ہے؟'' وہ تلخی سے بولا اور لگام کو زور سے جھٹکا دیا۔نتیجتاً گھوڑے کے ٹاپ تیز ہوئے۔

دونوں طرف دکانوں کی قطاریں تھیں اور درمیان میں کچا راستہ جس سے وہ گزر رہے تھے۔سامنے ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں سامان کے تھیلے تھے۔یکدم نقارے کی آواز سنی تو چونکی۔سامنے سے آتے شاہی قافلے کو دیکھ کے وہ گھبرائی۔بچے کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو ہٹی۔افراتفری میں تھیلے پھسلے۔دوریان (پھل) راستے میں لڑھکتے گئے۔مگر وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ چھپر کی سمت بھاگ گئی۔پھل بھی نہ سمیٹے۔

راستے میں پھل کسی رکاوٹ کی طرح گرے تھے۔پیش قدم سپاہی نے گھوڑا روک لیا۔مراد راجہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔اسے رفتار سست کرنی پڑ گئی تھی۔

''اسی لئے میں بازار سے نہیں گزرتا۔'' اس نے زیرِ لب اسے کوسا تھا۔

''راجہ!'' وہ اس کے مزید قریب آیا اور آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔''میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ لوگ حقیر اور بے وقوف معلوم ہوتے ہیں' اور اپنے کام زیادہ اہم۔لیکن اگر آپ ان لوگوں کے سلطان بننا چاہتے ہیں تو رک جائیں۔ان پھلوں کو کچل کے آگے نہ بڑھیں۔''

مراد نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ ''سلطان بننے کے لئے مجھے ان لوگوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''معذرت لیکن آپ کو اگر معلوم ہوتا کہ سلطان بننے کے لئے آپ کو کیا چاہیے تو آپ مجھے اس کام کے لئے تعینات نہ کرتے۔ ایک دفعہ میری بات مان کے دیکھئے۔''

ان دونوں کے گھوڑے رک چکے تھے۔ پیش قدم سپاہی نے غصے سے عورت کو ڈانٹا اور پھر ان پھلوں کو دیکھا جو سارے راستے میں بکھرے تھے۔

دونوں اطراف دکانوں میں لوگ چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھنے لگے۔ کوئی مدد کے لئے آگے نہ آیا۔ عورت بچے کو مزید خود سے لپٹائے سہمی ہوئی کھڑی رہی۔ عارف پیچھے سے آگے آیا اور مراد کو مخاطب کیا۔

''راجہ.....اس گستاخ عورت نے یہ حرکت جان بوجھ کے کی ہے۔ اس کو گرفتار کر کے سرزنش کی جانی چاہیے تاکہ بازار والوں کو عبرت ملے۔ ورنہ کچھ دن تک ہیں یہاں سے روز گزرنا ہوگا۔ یہاں لوگ روز شرارتیں کریں گے۔''

مراد نے پہلے اسے دیکھا اور پھر فاتح کو جو گہری سانس لے کر کہنے لگا۔

''راجہ.....ایسا نہ کریں۔ وہ غریب عورت ہے۔''

مگر مراد نے ابرو سے عارف کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً مڑا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ دو سپاہی اس عورت کو اس کے بچے کے ساتھ پکڑ کے زبردستی کچے راستے پہ سامنے لے آئے۔ پھل ابھی تک راستے میں بکھرے تھے۔

''راجہ.....ایک دفعہ میری بات سن لیں۔'' وہ فکرمندی سے بولا مگر مراد نے ماتھے پہ بل لئے اسے دیکھا۔

''تم مجھے ایک کمزور حکمران بنانا چاہتے ہو جو موم کی طرح پگھل جاتا ہے؟ اگر ان گستاخیوں پہ لوگوں کو سزا نہ دی جائے تو وہ حکمرانوں کے تابع نہیں رہتے۔''

''شاید آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو ان لوگوں سے حقارت محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں راجہ کے قریب کہہ رہا تھا۔ ''الور سونگائی میں آپ نے ایسے ہی لوگوں کے ساتھ کئی برس گزارے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو ان کے درمیان گھومنے پھرنے سے خوف محسوس ہوتا ہے۔''

مراد راجہ کے ہاتھ لگام پہ ساکت ہو گئے۔ اس نے آہستہ سے گردن موڑ کے فاتح کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

''خوف؟''

''جی۔ کیونکہ آپ نے ایسے ہی لوگوں سے غداری کی تھی۔ سلطان کی معافی حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنے ساتھی شکاربازوں اور کئی غریب لوگوں کو گرفتار کروایا تھا۔ ان کے گھر جلوائے تھے۔ جب آپ ان کچے گھروں اور دکانوں کے

سامنے سے گزرتے ہیں تو آپ کو احساسِ جرم ہوتا ہے۔"

عارف ڈپٹ کے تماش بینوں کو پھل چننے کا کہہ رہا تھا۔ ایسے میں ان دونوں کی دھیمی آواز میں گفتگو عارف کو سنائی نہ دے رہی تھی البتہ جیا کے اس غلام کو اپنے راجہ کے اتنے قریب سرگوشی میں بات کرتے دیکھ کے وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی احساسِ جرم نہیں ہے۔" مراد تلخی سے بولا۔

"اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں تو آج میری بات مان کے دیکھیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج آپ اس بازار سے وہ شے لے کر نکلیں گے جو آپ کے پاس اس سے پہلے نہ تھی۔"

"کیا؟ ثواب؟ نیکی؟ میرے اوپر ایسے وعظ اثر نہیں کرتے' وان فاتح۔"

"راجہ..... اس عورت کے چہرے کا رنگ دیکھیں۔"

مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کے نرغے میں گھری عورت کے فق چہرے کو دیکھا۔

"اس نے غلطی کی ہے۔ اس کو خوفزدہ ہونا بھی چاہیے۔" مراد نے شانے اچکائے۔

"وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ خوف سے آپ کے راستے سے نہیں ہٹی تھی۔ خوف ایسا نہیں ہوتا' راجہ۔" اس نے آواز مزید دھیمی کی۔ "یہ نفرت ہے۔"

مراد کا جبڑہ بھنچ گیا۔ اس کے چہرے پہ ایک ساتھ کئی رنگ آئے۔

"نفرت؟ ان لوگوں کے مدرسوں اور ہسپتالوں کے لئے مراد راجہ دن رات کام کرتا ہے۔ دوسرے ملکوں سے سامان تجارت منگواتا ہے تاکہ سب کو روزگار ملے۔ مسجدیں بنواتا ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اور ان کو کون بتائے گا کہ آپ یہ سب کرتے ہیں؟" وہ اسی اطمینان سے بولا۔ "ملکہ یان سوفو یہ سب ان کے لئے نہیں کرتیں مگر ملکہ سے یہ نفرت نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے گھر ملکہ نے جلوائے تھے۔ میں ان کے درمیان ایک لمبا عرصہ رہا ہوں' راجہ۔ ملکہ کے بھیجے کارندے ہر بازار میں آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی الور سونگائی میں اپنے ساتھیوں سے غداری کی داستانیں سناتے ہیں۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ پھر راجہ کو خاموش دیکھ کے دھیرے سے اضافہ کیا۔

"آپ چاہیں تو ان پھلوں کو کچل کے یہاں سے چلے جائیں' مگر ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کو دوسرے لوگوں کی باتوں سے فرق نہ پڑے۔ فرق پڑتا ہے۔ سب کو پڑتا ہے۔ آپ کو ان لوگوں کو دکھانا پڑے گا کہ آپ اتنے برے نہیں ہیں جتنا وہ آپ کو سمجھتے ہیں۔ بھلے آپ حقیقت میں اس سے زیادہ برے کیوں نہ ہوں۔"

مراد راجہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ بالکل خاموش۔ پھر اس نے لگام کو جھٹکا دیا۔ اور گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا۔ اس

عورت کے عین سامنے گھوڑا روکا اور بلند آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم نے یہ جان بوجھ کے کیا ہے؟''

عورت نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ اور بچے کے کندھوں کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''اگر تم نے یہ جان کے کیا ہوتا تو میں تمہیں سزا دیتا۔ کیونکہ تمہارے اس عمل سے میرے محل پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ محل میں بہت سے کام میرے منتظر ہیں۔ میں مراد راجہ ہوں۔'' گردن گھما کے چاروں اطراف کھڑے تماش بینوں کو دیکھ کے بلند آواز میں کہا۔ ''میں ملاکہ سلطنت کا بندا ہارا ہوں۔ تمہارے لئے دوسرے ملکوں سے سامان منگوانے والا۔ تمہارے طب خانوں میں دوا کا انتظام کرنے والا۔ میں فجر سے مغرب تک تمہارے لئے کام کرتا ہوں۔''

سارے میں سناٹا تھا اور لوگ چپکے ہوئے گھوڑے پہ بیٹھے بندا ہارا کو بولتے سن رہے تھے۔

''لیکن تم نے یہ غلطی سے کیا ہے اس لئے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ تمہارے پھل میلے ہو چکے ہیں۔ عارف.....'' اس نے تحکم سے عارف کو مخاطب کیا۔ ''اسے کسی خوانچہ فروش سے مزید پھل دلوا دو اور راستہ صاف کرو۔ ہم رزق کو کچل کے نہیں گزر سکتے۔''

عارف نے ناخوشی سے اسے دیکھا۔ مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک نگاہ غلط مراد کے عقب میں کھڑے فاتح پہ ڈالی اور حکم بجالانے آگے بڑھ گیا۔

عورت بالکل گنگ رہ گئی تھی۔ پھر وہ بار بار سر جھکا کے شکریہ ادا کرنے لگی۔ سپاہیوں نے اسے چھوڑا تو وہ فوراً سے ایک طرف ہٹ گئی۔ خوانچہ فروش آگے بڑھے اور سپاہیوں کے ساتھ پھل چننے لگے۔ راستہ صاف ہوا تو مراد نے گھوڑا راستے پہ ڈال دیا اور ساتھ ہی اسے مخاطب کیا۔

''میں اس سے زیادہ ریاکاری نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے تھے کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے میں اس عورت کے گھر میں راشن بھی ڈلواؤں گا تو تم مجھے نہیں جانتے۔''

''درست۔ لیکن آپ کو یہ ریاکاری اس لئے کرنی چاہیے تاکہ آپ اس جذبے سے روشناس ہوں جس سے آپ کبھی متعارف نہیں ہوئے۔''

''کون سا جذبہ؟'' مراد نے گھوڑا آگے بڑھاتے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''ہمارے زمانے میں اس کے لئے مختلف نام ہیں جو آپ نہیں سمجھیں گے۔ مگر یہ ایسا جذبہ ہے جو کسی نشے کی طرح انسان کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور انسان سے وہ کام بھی کرواتا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں کیے ہوتے۔''

''کس شے کا نشہ؟''

''شہرت کا نشہ۔تعریف سننے کی خواہش۔حُبِ جاہ۔ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگ اس ابتلا میں پڑے ہیں۔ان کے کاموں کی وجہ سے ان کے گرد پرستاروں کا جھمگھٹا لگا رہتا ہے۔وہ دلوں پہ حکومت کرتے ہیں۔ذہنوں کو اپنی مرضی سے چلاتے ہیں۔ان کی شہرت کے باعث لوگ ان کی محبت میں اندھا دھند مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر نہ نیک ہوتے ہیں نہ اچھے۔''

وہ اب بازار سے نکل آئے تھے اور اب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہے تھے۔مراد نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر دی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں مان سکتا کہ کوئی انسان نہ سورما ہو نہ کوئی ولی اور لوگ اس کی محبت میں اندھا دھند گرفتار ہو جائیں۔''

''ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے' راجہ۔بڑے کام' خوبصورت شکل یا سحر انگیز تقریروں سے لوگ ذہنوں پہ حکمرانی کرنے لگتے ہیں۔مگر یہ بڑا ہی خطرناک فتنہ ہے۔پرستاروں کے لئے بھی اور جس کی پرستش کی جا رہی ہے' اس کے لئے بھی۔ایسے لوگوں کو مقبول کہا جاتا ہے۔اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنے لوگوں میں 'مقبول' ہونا پڑے گا۔کل جب آپ اس بازار سے گزریں گے تو ان لوگوں میں سے چند لوگ آپ کو توصیفی نظروں سے دیکھیں گے۔یہ نظریں آپ کو تسکین دیں گی۔آہستہ آہستہ ان نظروں کی تعداد بڑھ جائے گی۔پھر آپ ایک ایسی لذت سے روشناس ہوں گے جو پہلے آپ کے پاس نہیں تھی۔''

مراد نے گھوڑا روک دیا اور پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

''تم عجیب باتیں کرتے ہو' وان فاتح۔''

وہ مسکرا دیا۔''یہ باتیں آپ کو سلطان بنا سکتی ہیں۔مجھے بھی کسی نے ان باتوں کے ذریعے ایک اونچی کرسی تک پہنچایا تھا۔''

راجہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔''تو کیا تم اپنے ملک کے بنداہارا بن گئے؟''

''نہیں۔میں نے اس کرسی کو یہ سوچ کے چھوڑ دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔''

مراد طنزیہ مسکرایا۔''یعنی تم نے ہار مان لی؟''

''راجہ....آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے روز گزرنا ہو گا تا کہ آپ کا وہ احساسِ جرم ختم ہو جو آپ کیساتھ چپکا ہے۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے کہنے لگا۔

''تم واپس اپنی دنیا میں کس کے لیے جانا چاہتے ہو' وان فاتح؟ اپنے تخت کو تم چھوڑ آئے ہو۔''

''میرے دو بچے ہیں۔میرے دوست ہیں۔میرا ملک ہے وہاں۔''

''تخت کی خواہش رکھنے والے کو تخت پائے بغیر کبھی سکون نہیں ملتا۔ تمہیں بھی نہیں ملے گا۔''

''کیا تخت پا کے سکون مل جاتا ہے؟''

''نہیں۔ کیونکہ تب تک ہمیں خوب سے خوب تر کی تلاش کے سفر کی ایسی عادت پڑ چکی ہوتی ہے کہ کہیں پڑاؤ ڈالنا برداشت نہیں ہوتا۔ خیر... تم کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنی عوام میں مقبول ہونا پڑے گا؟''

ان کا قافلہ پیچھے رہ گیا تھا اور وہ دونوں باتیں کرتے کافی دور نکل آئے تھے۔

''جی اور آپ کی مقبولیت سے سب سے زیادہ ناخوش ملکہ ہوں گی۔''

مراد چونکا۔ ''ہاں۔ اور وہ یقیناً کوئی چال چلے گی۔''

''اس کے سدِ باب کا طریقہ ہے۔ ملکہ کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ اپنا زور چلاتی ہے۔ اسے سارے ملک کی خبر بھی رہتی ہے اور وہ امورِ سلطنت میں دخل اندازی بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر ہم اس ہتھیار کو ملکہ سے کھینچ لیں تو ملکہ مفلوج ہو جائے گی۔''

''اور وہ ہتھیار ہے سن باؤ وانگ لی!'' مراد نے سمجھ کے سر ہلایا۔

''جی راجہ۔ ملکہ کو کمزور کرنے کے لیے آپ کو وانگ لی کا پتا صاف کرنا پڑے گا۔''

''وانگ لی تمہارا سابق آقا تھا' وان فاتح۔ اور میں نے سنا تھا کہ تم نے ابوالخیر سے آزادی حاصل کر کے وانگ لی کے پاس جانے کے بعد بھی اپنے سابق آقا کی برائی تک نہیں کی تھی۔ اور آج تم مجھے اپنے سن باؤ کا پتا صاف کرنے کا مشورہ دے رہے ہو۔''

وان فاتح مبہم سا مسکرایا۔ ''اس بات کو زمانے بیت گئے' راجہ۔ وہ ایک غلام کا فیصلہ تھا۔ اور میں قدیم ملاکہ میں اب کی بار غلام کی طرح نہیں آیا۔ آپ نہیں جانتے کہ میں کیا کچھ کھو کے آیا ہوں۔''

مراد نے ہنکارا بھر کے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سلطان بنا کے تمہیں کیا ملے گا۔''

''جب آپ سلطان بن جائیں گے تو میں آپ سے ایک شے مانگوں گا اور آپ کو مجھے وہ دینی ہوگی۔'' مراد راجہ کے چہرے پہ اکتاہٹ در آئی۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں تاشہ کو ساتھ لے جانے دوں گا تو.....''

''میں آپ سے تالیہ کو ساتھ لے جانے کی بات نہیں کروں گا' بے فکر رہیں۔''

مراد راجہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''پھر؟ وقت کی چابی؟ آدم کی دوا؟''

''وہ تو آپ نے ویسے ہی دے دینی ہے۔ اس کا معاملہ آپ تالیہ سے طے کر چکے ہیں۔ مجھے آپ سے ایک اور چیز چاہیے ہے۔''

مراد نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''ایسا کیا ہو سکتا ہے؟''

''ایک دن ہم سلطنت محل میں کھڑے ہو کے اس بارے میں بات کریں گے' راجہ۔'' اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ مراد نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وہ نکاح نامہ کہاں ہے' وان فاتح؟''

''وہ محفوظ ہے' راجہ۔ آپ بے فکر رہیں۔'' اور گھوڑے کو پیچھے کیا۔ یہ راجہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

دوسری دنیا کا یہ آدمی اسے ایک دم بہت پراسرار لگنے لگا تھا۔ کیا راجہ نے اسے اپنے ساتھ رکھ کے غلطی تو نہیں کر دی تھی؟

☆☆=========☆☆

اس روز سلطنت محل میں سجا دربار برخاست ہوا تو تمام درباری اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اپنی قبا جھٹکتا اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چبوترے کے زینے اتر کے پیچھے آیا۔ پھر سیدھ میں چلتا گیا۔

دروازے کھول دیے گئے اور سورج کی تیز روشنی کا راستہ وا ہو گیا۔

سلطان مرسل دھوپ سے منور برآمدے میں آیا تو دیکھا' سامنے سیڑھیوں سے اوپر ستون کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' ستون سے ٹیک لگائے کھڑی وہ سوچ میں گم لگتی تھی۔ سنہری گلابی باجو کرنگ پہنے' سر پہ گلابی کپڑا اٹکائے' وہ ماتھے پہ تاج سجائے' ہمیشہ کی طرح خوبصورت نظر آتی تھی۔

وہ کافی دن سے دربار میں نہیں آئی تھی اور مرسل شاہ نے اسے عرصے بعد دیکھا تھا۔

وہ رک گیا۔ پھر کمر پہ ہاتھ باندھے' دھیرے دھیرے اس کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اس کے پیچھے موجود غلام بھی ساتھ ہو لئے۔ شہزادی نے آہٹ محسوس کی تو چونکی اور تیزی سے گھومی۔ اس نوجوان سلطان کو دیکھا اور سر جھکایا۔ ''آقا۔''

''آپ کو بہت دن بعد دیکھا ہے' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔ اس کی پگڑی پہ جڑے نگینے دمک رہے تھے۔ وہ صورت کا ایسا تھا جیسے شہزادے ہوتے ہیں۔ اچھے نہ ہوں تب بھی تراش خراش ان کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ مگر اس کے چہرے کا لاابالی پن تالیہ کو غصہ دلاتا تھا۔ وہ جبراً مسکرا کے بولی۔

"بس سفر کی تھکان اتار رہی تھی۔" وہ دونوں دھوپ سے نہائے برآمدے کے ستونوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ لکڑی کے محل کے زینے ان کے ساتھ سے شروع ہوتے اور نیچے سبزہ زار تک جاتے تھے۔

"آپ کے لباس پہ کام شروع ہو گیا؟ اگر ضرورت ہو تو ہم کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔" مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے مرسل نے پیشکش کی۔

(کاریگر مائی فٹ!) مگر ضبط سے گہری سانس لی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"آقا..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"کہیے۔" وہ متوجہ تھا۔ ارد گرد کافی لوگ تھے جو دربار سے نکل رہے تھے مگر ان دونوں کو کھڑا دیکھ کے دور سے کنی کترا کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ جاتے۔ جگہ اور وقت مناسب نہ تھا مگر وہ اب مزید اس ناٹک کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"آقا..... میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا' چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ابرو اٹھایا۔

"کیا آپ کو کسی نے کچھ کہا ہے؟ غالباً ملکہ نے؟"

"نہیں آقا۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔"

مرسل شاہ نے قدرے اچنبھے سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم آپ کو کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔ آپ کا لباس وقت پہ تیار ہو جائے گا۔"

"آقا..... لباس کی بات نہیں ہے۔ میں اور آپ کبھی بھی شادی کر کے خوش نہیں رہ سکتے۔"

"اگر آپ ملکہ کے ساتھ اس محل میں نہیں رہنا چاہتیں تو میں ملکہ کو دوسرے محل میں بھیج سکتا ہوں۔"

"آپ کی پیشکش کا شکریہ آقا' لیکن میں یہ بات کسی دوسرے شخص یا چیز کی وجہ سے نہیں کہہ رہی بلکہ اپنے دل کی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔"

"اگر آپ کی کوئی شرائط ہیں تو میں وہ پوری کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے تحریری طور پہ تمام شرائط بھجوا دیں۔"

تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ کیا وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا؟ کیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو انکار کر رہی تھی؟

"آقا..... میں..... یہ شادی..... نہیں کرنا چاہتی۔" ٹھہر ٹھہر کے بولی۔

"آپ کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی' شہزادی تاشہ۔" وہ فخریہ گردن کڑا کے بولا۔ "آپ کوئی عام عورت نہیں ہیں۔ اور

آپ کو اپنی ملکہ بنانے کے لئے میں آپ کی ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

کمر پہ ہاتھ باندھے وہ مسکرا کے دھوپ سے سنہری پڑتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ یہ پندرہویں صدی کا مرد تھا۔ اسے عورت کے انکار یا مرضی کی سمجھ تھی نہ پرواہ۔ اس زمانے میں سمجھا جاتا تھا کہ عورت کا اپنا دل نہیں ہوتا۔ وہ 2016 کا مرد نہیں تھا جس کو زبردستی اور بہت مشکل سے یہ بات تھوڑی تھوڑی سمجھ آنے لگی تھی کہ عورت کے اندر وفا' قربانی اور محبت کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ اس کا دل اور مرضی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے لیکن وہ نہیں کہہ سکی۔ مرسل شاہ کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کی تلواریں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ وہ دشمن کے محل میں کھڑی اس کو نہیں للکار سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ انکار کرے گی تو مرسل سمجھ جائے گا لیکن اگر اس نے سمجھنا ہوتا تو ملکہ اس کا نکاح کسی اور سے کیوں کرواتی؟

"اگر آپ کی کوئی شرائط یا سوالات ہیں تو آپ ان کو بلا خوف و خطر میرے سامنے رکھ سکتی ہیں۔ کڑے مراحل سے گزر کے آپ کو حاصل کرنا مجھے زیادہ پسند آئے گا۔"

(اف..... سائیکو پیتھ.....) مگر بولی تو محض اتنا۔ "میں آپ کو اطلاع کر دوں گی' آقا۔"

اور بس سر جھکا دیا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا بول بیٹھی ہے۔

بنگارایا ملایو کا تیرہواں باب ذہن کے پردے پہ کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ اس باب کا نام تھا۔ شہزادی کی آخری مانگ۔

اور اس باب میں شہزادی تاشہ کی سات مانگوں کا ذکر تھا جو کہ..... اونہوں تالیہ نے سر جھٹکا۔ اسے ان مانگوں کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جہاں پہلی چھے شرائط مضحکہ خیز اور دیومالائی کارنامے سرانجام دینے سے متعلق تھیں' وہاں آخری شرط ایک جان لینے سے متعلق تھی۔

مرسل شاہ سے اس کی اپنی جان لینے کا سوال۔

اس نے جھرجھری لی۔ وہ ایسے سوال نہیں کر سکتی تھی۔ اس کتاب کے آخری تین ابواب جھوٹے تھے۔ یقیناً۔

وہ اپنی کنیزوں کی معیت میں چلتی محل کے باغیچے تک پہنچی تھی کہ سامنے چند رؤساء کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کے ان کے درمیان کھڑے ابوالخیر نے باقیوں کو اشارہ کیا۔ وہ تتر بتر ہو گئے تو وہ تنہا وہاں روش پہ کھڑا شہزادی کو اپنے قریب آتے دیکھنے لگا۔

"آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھیں شہزادی۔"

دھوپ ایک دم رخصت ہو گئی۔ آسمان پہ بادل جمع ہونے لگ گئے اور ہر طرف چھایا اترنے لگی۔ دونوں گھاس کے

درمیان بنی روش پہ آمنے سامنے چھاؤں میں کھڑے تھے۔

''ابوالخیر.... مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس ''ماوراس'' ہے۔ طلائی گلاب کا پودا۔''

ابوالخیر چند لمحے کے لئے خاموش رہا' پھر مسکرا کے ابرو اٹھایا۔ ''طلائی گلاب؟''

''جی۔ ماوراس.... سنہرے رنگ کا گلاب جو سونے کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور ساری دنیا میں اس کے صرف چند گنے چنے پودے ہی ہیں۔ ملاکہ میں یہ صرف آپ کے پاس ہے اور آپ اس سے اپنے لئے دوا بناتے ہیں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ طلائی گلاب جس گھر میں ہوتا ہے اس کے مالک کو کبھی رزق کی کمی نہیں ہوتی اور وہ وبائی بیماریوں کا شکار نہیں ہوتا۔''

''شہزادی.... طلائی گلاب ایک دیومالائی داستان کا حصہ ہے۔ اس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔''

''بابا نے اسے آپ کے گھر کے ایک اندرونی کمرے میں خود دیکھا ہے جہاں ایک دفعہ آپ انہیں رازداری کی کوئی بات بتانے لے گئے تھے۔''

ابوالخیر کے چہرے کا رنگ بدلا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے' ابوالخیر۔ صرف چند پنکھڑیاں۔ اگر آپ دے سکیں تو میں آپ کی ممنون ہوں گی۔'' اس کے تاثرات دیکھ کے وہ آہستہ سے بولی۔ ''میں اس کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ طنز سے مسکرایا۔ ''کس چیز سے قیمت ادا کریں گی آپ؟ سونے سے؟ وہ ملاکہ میں سب سے زیادہ میرے پاس ہے۔ غلاموں سے؟ کیا کسی کے پاس مجھ سے زیادہ غلام ہیں؟ گھوڑوں اور مویشیوں سے؟ تو مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے' ابوالخیر۔ مجھے کسی کے لئے دوا بنانی ہے۔ کسی کی زندگی کا دارومدار آپ کی ذرا سی فیاضی پہ منحصر ہے۔'' اس نے بہت ضبط اور نرمی سے کہا۔ آسمان پہ تیزی سے سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ چھایا اب اندھیرے میں بدلنے لگی۔

''نہیں شہزادی۔ میرے گلاب صرف میرے ہیں۔ آپ مجھے دنیا کی ساری نعمتیں بھی لا دیں تو میں ان کی ایک پنکھڑی بھی آپ کو نہیں دوں گا۔''

''مجھے وہ گلاب دولت اور طاقت میں آپ سے مقابلے کے لئے نہیں چاہیے ہیں۔''

اس نے اب کے قدرے بے بسی سے زور دیا مگر ابوالخیر نے ہٹ دھرمی سے سر ہلایا۔

''ناممکن۔''

تالیہ نے ابرو اکٹھے کر کے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کبھی آپ نے ایسے چور دیکھے ہیں ابوالخیر جو بلی کی طرح بنا

چاپ کے اونچی حویلیوں میں داخل ہوتے ہیں اور من پسند شے چرا لاتے ہیں؟"

"کبھی آپ نے ایسی حویلیاں دیکھی ہیں شہزادی جن کے پہروں پہ سینکڑوں غلام لگے ہوتے ہیں؟ جن کے تالے سونے کے اور چابیاں چاندی کی ہوتی ہیں؟" اس نے شہزادی کی آنکھوں میں جھانک کے کہا۔ "جس کے پاس میرے جتنے غلام اور سونے چاندی کے ڈھیر ہوں' اس نے چوروں کا انتظام پہلے سے کر رکھا ہوتا ہے۔"

اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور تالیہ بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

دوا کا پہلا جز ترکیبی ابوالخیر کے پاس تھا۔ صرف ایک پھول مانگا تھا اس نے۔ کیا تھا جو وہ دے دیتا؟ اس پھول کو تلاشنے میں مہینوں لگ جاتے۔ ایڈم کے دن کم ہو رہے تھے۔ وقت الٹی گنتی چل رہا تھا۔

کیا اسے ایک دفعہ پھر چور بن جانا چاہیے؟

ایڈم کے لیے کچھ بھی!

☆☆=========☆☆

وہ محل واپس آئی تو ایڈم کتب خانے سے ملحقہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ دربان نے بتایا کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔ تالیہ کو ایک دم ڈھیروں پریشانی نے آن گھیرا۔ وہ کامدار لباس میں بدقت دوڑتی ہوئی محل کی پچھلی طرف آئی جہاں اصطبل بنا تھا۔ درجنوں گھوڑے سبز چراہ گاہ میں چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا اور چراگاہ میں چھایا تھی۔ سائیس اور دوسرے غلام گھوڑوں کے آس پاس پھر رہے تھے۔ اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"شہزادی!" آواز پہ پلکیں اوپر اٹھائیں۔

وہاں ایک طرف گھاس سے ڈھکے ٹیلے تھے جو اوپر کو جاتے تھے۔ ان کی چوٹی پہ چند درخت اگے تھے۔ ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا مسکرا کے اسے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ تالیہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اوپر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تم بہتر لگ رہے ہو۔"

"میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" ایڈم آج سفید کرتا پہنے' سر پہ ٹوپی جمائے' دھلے منہ کے ساتھ بہتر نظر آ رہا تھا۔ گھٹنوں پہ کاغذات کا پلندہ تھا۔ قلم دوات بھی ساتھ رکھے تھے۔ "راجہ نے کوئی دوا بھجوائی تھی طبیب کے ہاتھوں۔ اس کو لینے سے میرے اندر مصنوعی توانائی بھر جاتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے سمجھ نہیں آتا کہ راجہ مجھے مارنا چاہتا ہے یا زندہ رکھنا چاہتا ہے۔"

"راجہ صرف مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری Equation میں تم غیر اہم ہو۔" تالیہ نے گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکا دی اور نیچے چرتے گھوڑوں کو دیکھنے لگی۔ ایک سیاہ چمکدار گھوڑا سب سے الگ تھلگ گھاس چر رہا تھا۔ اس کے ساتھ نہ سائیس تھا

نہ کوئی دیکھ بھال کا ملازم۔

''آپ کو کوئی جز ترکیبی ملا؟''

''ہاں۔ طلائی گلاب مل گیا ہے۔'' وہ جبراً مسکرائی۔ ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا ابھی تک آپ کو نہیں معلوم ہوا کہ ایڈم بن محمد کو آپ کی کوراسٹوریز پکڑ لینے کی عادت ہے۔''

تالیہ نے گہری سانس لی اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔ ''میں نے کہا نا' میں کوئی راستہ نکال لوں گی۔ تالیہ نے کبھی ہار نہیں مانی۔''

وہ چند لمحے اداسی سے مسکراتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ تالیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں آپ کی زندگی کا کون سا برتن ہوں؟'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''توانائی دینے والی کافی کا مگ؟ یا مٹھاس دینے والے ڈیزرٹ کا پیالہ؟''

''شاید پانی کا وہ گلاس جس کے بغیر گزارا ممکن نہیں ہے۔'' پھر رکی۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے؟ تم میری زندگی کے کون سے برتن ہو؟''

''بس ایک ٹوٹا ہوا برتن۔''

اس کی بات نے دل کو عجیب انداز میں دکھایا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔ ''کیا لکھ رہے ہو؟''

''راجہ کا حکم آیا ہے کہ کتاب کا اگلا باب تحریر کروں۔ اس لئے وہ لکھ رہا ہوں۔''

وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔ ''ایڈم.... تم نے بنگارا یا ملایو پہلے نہیں پڑھ رکھی تھی۔ اب پڑھ رکھی ہے۔ تم کیا صرف وہی سب کچھ لکھ دو گے جو تم نے نئے زمانے میں پڑھا تھا؟''

''نہیں۔ کیونکہ بے شک میں نے کتاب پڑھی ہے مگر حرف بہ حرف یاد نہیں۔ میں صرف وہی لکھوں گا..... پوری ایمانداری سے..... جو میں ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔ یا سنوں گا۔''

''دکھاؤ۔'' اس نے کاغذات لئے اور ان کو سرسری سا الٹ پلٹ کے دیکھا۔

شہزادی تاشہ کی سفر سے واپسی..... مراد راجہ سے ایک سیاہ چادر والے آدمی کا ملنا..... صبح راستہ روکنا..... سیاہ گھوڑا.....

''اس نے راجہ کو سلطان بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لئے وہ سلطان ساز کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ مگر اس وعدے کا ذکر کتاب کے آخر میں ہو گا۔ اگر ابھی میں نے اسے لکھ دیا تو مرسل شاہ کو خبر ہو جائے گی' کیونکہ کتاب کے ابواب پڑھ کے سنائے ہوتے ہیں۔ یہ میں تب لکھوں گا جب مرسل شاہ کا تختہ الٹ چکا ہو گا۔''

''یعنی یہ ابواب تم نے ہی تحریر کیے تھے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔ ''اور واقعی۔ سلطان ساز کے وعدے کا ذکر آخر میں تھا۔ مگر ایڈم... میں مرسل شاہ سے شادی کے لئے کیسے تیار ہو سکتی ہوں؟ اور وہ عجیب شرائط۔ کیا تھیں وہ؟'' اسے وہ یاد بھی نہیں آ رہی تھیں۔

''ہاں کچھ عجیب شرائط تھیں جو آپ نے ان کے سامنے رکھی تھیں۔ مجھے صرف ایک یاد ہے۔ ان کی جان لینے والی۔''

''مانا کہ وہ سائیکو پیتھ اور بگڑا ہوا امیر زادہ ہے لیکن اس بے چارے سے اس کی جان لینے کا سوال میں کیوں کروں گی؟ ہرگز نہیں۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ایڈم نے کندھے اچکا دیے اور سر جھکائے' کاغذ گھٹنوں پہ رکھے قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اس باب کا نام کیا ہے؟''

''ابھی میں نے نہیں لکھا۔ باب کا نام میں تب لکھوں گا جب کوئی خاص واقعہ پیش آئے گا۔ ویسے جو کتاب ہم نے پڑھی تھی.... نئے زمانے میں.... اس میں اس باب کا نام شہزادی کی آخری مانگ تھا۔ لیکن جب آپ نے سلطان سے کچھ مانگا ہی نہیں تو میں وہ نام کیوں رکھوں؟''

''تم..... اس کا نام کچھ اور رکھ دو۔ اور ابھی رکھ دو۔'' وہ تیزی سے کہہ کے اٹھی۔ ایک دم اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا؟'' ایڈم نے پیچھے سے پکارا۔ ''The prodigal daughter returns?''

تالیہ جواب دیے بغیر سبز پہاڑی سے نیچے اترنے لگی۔ ہوا تیز چلنے لگی تھی اور اس کے ٹخنوں کے گرد سے اس کا لباس پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اوپر بیٹھے ایڈم نے زکام زدہ سانس ناک سے اندر کھینچی اور سر جھکا کے آہستہ آہستہ کچھ لکھنے لگا۔

سیاہ گھوڑا اکیلا کھڑا گھاس پہ منہ مار رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی اور نرمی سے اس کی گردن کو چھوا۔ گھوڑے نے ذرا سی گردن ہلائی پھر واپس کھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ پیار سے۔ اپنائیت سے۔ وہ اصطبل کے سامنے کھڑی تھی اور یہاں سے اسے کنکھیوں سے اصطبل کے باڑے میں کام کرتے ملازم دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ کس کا گھوڑا ہے؟'' اس نے قریب سے گزرتے سائیس کو پکار کے سرسری سا پوچھا۔ اور ساتھ ہی اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرے گئی۔

''کم از کم میرا نہیں ہے۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ فاتح جانے کہاں سے آیا تھا' اس کے ساتھ سے گزرتے ہوئے سنجیدگی سے تبصرہ کیا اور اصطبل کی جانب بڑھ گیا۔ تالیہ نے دیکھا' اصطبل کے ایک چوکھٹے میں ایک دوسرا سیاہ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس

نے جلدی سے ہاتھ اس گھوڑے سے پیچھے کھینچا۔(اوہ۔ یہ کسی اور کا گھوڑا تھا۔) ماتھے پہ بل پڑ گئے اور حلق تک کڑوا ہو گیا۔

وہ کندھے پہ ایک تھیلا لادے اپنے گھوڑے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے اس کا گھوڑا بے چین ہوا۔ وہ قریب آیا' تھیلا زمین پہ رکھا اور نرمی سے گھوڑے کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ گھوڑا پرسکون ہو گیا۔

وہ اپنے ہاتھ جھاڑتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے چوکھٹے کے دہانے پہ رکی۔

''آپ بابا کو کون سی امید دلا رہے ہیں؟'' انداز میں خفگی سے زیادہ غصہ تھا۔ پتہ نہیں کس بات کا۔

''یہ سوال آپ اپنے بابا سے پوچھیں' شہزادی۔ مجھ سے نہیں۔'' وہ بے نیازی سے کہتا اب تھیلے سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین موڑ رکھے تھے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ روپوش ہو جائیں مگر آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔''

''جی۔ نہیں مان سکتا۔ اور کچھ؟'' وہ گھوڑے کے سامنے آیا اور ایک کنگھے سے اس کے بال دھیرے دھیرے چھڑانے لگا۔

''آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟'' وہ زچ ہوئی۔

''یہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا' شہزادی۔'' وہ اوپر سے نیچے کنگھا لا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے گھوڑے کے سیاہ بالوں کی گرہیں سلجھنے لگی تھیں۔

''آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ میں ہر موقع پہ آپ کے ساتھ کھڑی رہی ہوں۔''

فاتح کے ہاتھ رکے۔ اس نے گردن موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔ ''تم مجھے بتائے بغیر ہماری دنیا سے روپوش ہونے جا رہی تھیں۔ میں تمہارے پیچھے نہ آتا تو مجھے معلوم ہی نہ ہوتا اور تم جا چکی ہوتیں۔''

''کیا آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے مجھے بھول جانے کا فیصلہ کر لیا تھا؟ پھر میں کیوں بتاتی؟ آپ کی دنیا نے مجھے دیا ہی کیا ہے؟ میں اتنے مہینے آپ کی اور عصرہ بیگم کی ملازمت کرتی رہی صرف آپ کے اس فیصلے کی وجہ سے کیونکہ آپ چاہتے تھے میں آپ کو آریانہ کے بارے میں یاد دلاؤں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میں کس کرب سے گزری ہوں؟''

بادلوں پہ اب بجلی کڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگ گیا تھا۔ وہ ایک دم گرجنے لگے تو فاتح نے اوپر دیکھا۔ وہ اصطبل کی چھت تلے کھڑا تھا البتہ تالیہ چوکھٹ پہ تھی۔ نہ وہ اندر تھی نہ باہر۔ وہ کہیں درمیان میں تھی۔

''اور تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس اذیت سے گزرا ہوں؟'' اس کے سوال کے ساتھ ہی بجلی زور سے چمکی۔ ''مگر میں تمہاری طرح نہیں سوچتا کہ کاش میں اس سفر پہ نہ نکلا ہوتا تو یہ نہ ہوتا۔ میں نے اس سب کو قبول کر لیا ہے۔ ابھی چند دن بھی نہیں گزرے کہ میں نے عصرہ کو کھویا ہے' تمہیں یاد بھی ہے؟''

''عصرہ کون؟ وہ عصرہ جنہوں نے مجھے قتل کے کیس میں پھنسایا اور وہ عصرہ جنہوں نے آریانہ کا خون کیا تھا؟'' وہ غصے سے بولی۔ بادل پھر سے گرجے اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ اس کے انداز پہ وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔

''ایسے مت کہو۔ اس نے آریانہ کو نہیں مارا تھا۔ میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ وہ صرف اس کو غائب کرنا چاہتی تھی۔ آریانہ کا مرنا ایک حادثہ تھا۔''

''جو آخری چیز میں اس وقت سننا چاہتی ہوں وان فاتح وہ عصرہ کی وکالت ہے۔'' وہ بے زار ہوئی تھی۔

''میں اس کی وکالت نہیں کر رہا۔ مگر اس کے ہاتھ پہ آریانہ کے اغوا کا جرم ہے۔ قتل کا نہیں۔''

''اور جو مجھے اپنی دنیا چھوڑنی پڑی عصرہ کی وجہ سے؟ میں کس کو قصوروار ٹھہراؤں؟ آپ نے ان کی موت کے ساتھ ان کو ہر الزام سے آزاد کر دیا' مگر میں نہیں کر سکتی۔'' بارش کی تیز بوچھاڑ چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو بھگونے لگی۔

''میں نے کہا تھا میں تمہیں اس سے باہر نکال لوں گا۔ تم ایک لمحے کے لئے بھی مجھے خود کو بچانے کا موقع کیوں نہیں دے سکتیں؟''

''کیونکہ مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔ آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اگر میں نے فیصلوں کے اختیار آپ کو دیا تو آپ ایک دفعہ پھر میرے دل کو روند کے اپنی مصلحتوں میں پڑ جائیں گے۔ اسی لئے اپنے فیصلے میں خود کروں گی۔ آپ کو بابا کے ساتھ جو کھیل بھی کھیلنا ہے' آپ کھیلیں لیکن مجھے واپس لے جانے کے لیے کوئی حکمت عملی نہ بنائیں۔''

وہ غصے اور درد سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ بارش کا پانی اس کو بھگو رہا تھا اور دور کھڑے غلام اور سپاہی بے بسی سے اسے اس نئے مشیر کے ساتھ اجنبی زبان میں باتیں کرتے دیکھ رہے تھے۔

پھر وہ مڑی تو ایک غلام چھاتا لئے فوراً اس کی طرف لپکا۔ مگر شہزادی نے ہاتھ جھلا کے اسے پرے ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود سبزہ زار کی طرف بڑھ گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' بھیگتی ہوئی وہ اب روش کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ پانی کہاں تھا اور آنسو کہاں تھے' کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سبز ٹیلے کے اوپر چھاتا تانے بیٹھے ایڈم نے ابھی تیرہویں باب کا نام تحریر ہی کیا تھا۔ (''نئے مشیر کی آمد۔'') کہ بارش برسنے لگی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کاغذ سمیٹے اور چھاتا تانے دوسری جانب سے پہاڑی سے اترنے لگا۔ اسے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

وہ گرتا پڑتا واپس کتب خانے تک آیا اور کاغذ زمین پہ دھرتے ساتھ ہی خود کو جلدی سے کمبل میں لپیٹا۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ وہ وہیں پیر سمیٹ کے بیٹھ گیا۔ اس کو کپکپی چڑھی ہوئی تھی اور ایک دم ٹھنڈ سے ہونٹ جامنی پڑنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر گزری اور جسم کو ذرا گرمائش ملی تو اس نے زمین پہ دھرے کاغذات کے پلندے کو دیکھا۔ تیرہویں باب کا پہلا صفحہ سامنے کھلا تھا۔ بارش کے چند قطرے اس پہ گرے تھے اور انہوں نے باب کے نام کو مٹا دیا تھا۔

ایڈم نے چونک کے اس صفحے کو دیکھا۔ باب کے نام کی جگہ سرمئی گیلا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ آتش دان قریب تھا' اس لیے تھوڑی ہی دیر میں وہ جگہ خشک ہو کے واپس کوری ہو گئی۔

باب کے نام کی جگہ ایک دفعہ پھر خالی ہو چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

بارش عشاء کے بعد تک برستی رہی تھی۔ بنداہارا کے محل کے تمام نفوس اپنے اپنے کواڑوں میں دبک کے بیٹھ گئے تھے۔ سارے دالان اور باغیچے جل تھل ہو چکے تھے۔ بیرونی قمقمے اور روشنیاں پانی نے گل کر دی تھیں۔ ایسے میں محل بالکل تاریک ہو چکا تھا۔

محل کی چھت پہ بنے وسیع صحن کی دیواریں کہیں سے بلند تھیں اور کہیں سے چھوٹی۔ ایک جگہ منڈیر کے ساتھ ستون بنے تھے۔ اور اوپر لکڑی کے چھپر تھے جن کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بارش تھم چکی تھی اور سیاہ آسمان اب صاف تھا۔

ایک ستون سے ٹیک لگائے وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایسے کہ اس کے ایک طرف محل چھت کا صحن تھا اور دوسری طرف کھائی۔ وہ بالکل خاموشی سے اکڑوں بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کوئی چیز پکڑے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔ شاید کوئی سوکھی ٹہنی تھی یا کیا۔ اندھیرے میں معلوم نہیں پڑتا تھا۔

آہستہ سے اس کے ستون کے پیچھے کوئی آ کے بیٹھا۔ آواز نہیں آئی تھی۔ آہٹ بھی نہیں۔ مگر وہ پہچان گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

وہ دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور دونوں کی پشت کے درمیان لکڑی کا ٹھنڈا ستون تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ ''ٹھیک ہوں۔ اور آپ؟''

بارش کی گرج برس ختم ہو چکی تھی۔ پانی بہت سا گدلا پن بہا لے گیا تھا اور مطلع اب صاف معلوم ہوتا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہی تھا۔ تم ناراض تھیں۔'' وہ اس ٹہنی کے پتے انگوٹھے اور انگلی سے دھیرے دھیرے نوچ رہا تھا۔

''سوری۔ میں زیادہ ہی بول گئی۔ مجھے عصرہ کے بارے میں وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ عصرہ نے ایک جرم کیا تھا' قتل نہیں۔ جرم تو میں نے بھی بہت کیے ہیں۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید میں آپ کی طرح عصرہ کو معاف نہیں کر سکی۔ جو میرے ساتھ کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ اور جو کسی بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈال کے کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ میں خود کو

عصرہ سے بہتر نہیں کہہ رہی مگر کسی بچے کی جان کو خطرے میں ڈالنا.... یہ میرے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم ہے جو کم از کم میں نہیں کر سکتی' اس لئے میں اتنا بول گئی....'' پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''مگر مجھے اب ان کو معاف کر ہی دینا چاہیے۔ میرے سارے حساب تو ان سے ختم ہو گئے۔ انہوں نے میری دنیا چھوڑ دی اور میں نے ان کی۔''

ٹھنڈی ہوا تیز چل رہی تھی اور تالیہ کے سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آنے لگے تھے۔ وہ سیاہ پاجامہ اور قمیض پہنے' رات کا حصہ لگ رہی تھی۔

''ہماری دنیا چھوڑنے سے تم محفوظ ہو جاؤ گی؟''

''کم از کم وہ ٹراما تو مجھے نہیں چھوئے گا جو وہاں میری تاک میں ہے۔ اگر میں دوبارہ جیل گئی تو کبھی اس ذہنی اذیت سے نہیں نکل سکوں گی جس سے مصر کے ان چند دنوں میں' میں نے خود کو زبردستی نکالا تھا۔''

بادل اب ہلکے ہو چکے تھے اور دھیرے دھیرے وہ آسمان سے چھٹ رہے تھے۔ دھندلا سیاہ آسمان اب صاف شفاف سی سیاہی میں بدلنے لگا تھا۔ وہ تنکے توڑتے ہوئے مسکرایا۔

''سب ہمیں کہتے ہیں' تالیہ' کہ غم جتنا بھی بڑا ہو' گزر جاتا ہے۔ یہ ایک فیز ہے اور ہم اس سے نکل آئیں گے۔''

''تو کیا غلط کہتے ہیں؟''

وہ دونوں ستون سے ٹیک لگائے مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے اور ان کے سروں پہ چھایا سیاہ آسمان تاروں سے جگمگانے لگا تھا۔ بادل دور جا رہے تھے۔

''ہاں' غلط کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غم کا فیز گزر جائے گا۔ کوئی ہمیں خوشی کے بارے میں یہ نہیں بتاتا کہ وہ بھی جلد گزر جاتی ہے۔ اصل میں خوشی ہوتی ہے جو گزر جاتی ہے۔ غم نہیں گزرتے۔''

''کیا غم کبھی نہیں گزرتے؟''

''ہاں۔ اور ہمیں کوئی اس کے لیے تیار نہیں کرتا۔'' وہ دو انگلیوں سے ٹہنی کے پتے نوچ نوچ کے الگ کر رہا تھا۔ ''ہم غم کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ گزرے گا تو ہم خوش ہوں گے۔ ہمیں سکون ملے گا۔ جبکہ غم کبھی نہیں گزرتے۔ ایک کم ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔''

''مگر دل نہیں ماننا چاہتا کہ غم کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ دل خواب دیکھنا چاہتا ہے۔'' وہ سر ستون سے ٹکائے اوپر تاروں کو دیکھنے لگی۔ ''دل ہیپی اینڈنگز پہ یقین رکھنا چاہتا ہے۔ دل کا کیا کریں' وان فاتح؟''

''پتہ نہیں' تالیہ... لیکن میں نے یہ جان لیا ہے کہ مجھے اپنے سارے غموں کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کے قبول کرنا ہو گا۔ خوش

ہونے کے لئے ان کے گزرنے کا انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی نئے خواب دیکھنے ہوں گے۔"

"آپ نے ایک عرصہ وزیرِ اعظم بننے کے لئے جدوجہد کی تھی۔" وہ اداس ہوگئی۔ تلخ کی دیوار پگھلی تو اس کے خواب ٹوٹنے کا غم یاد آیا۔

"اور میں نے اس وقت کا ایک عرصہ انتظار کیا تھا۔ ہم میں سے اکثر لوگ یہی کرتے ہیں۔ خواب کے پورا ہونے کے انتظار.... یا کسی غم سے نکلنے کے انتظار میں دوسرا کوئی کام نہیں کر پاتے۔ مگر منزل اہم نہیں ہوتی۔ سفر اہم ہوتا ہے۔ انسان کو خوشی اس پراسیس میں ڈھونڈنی چاہیے جس سے گزر کے وہ کچھ پاتا ہے۔"

ٹہنی کے سارے پتے ختم ہوگئے تو اس نے خشک لکڑی ایک طرف ڈال دی۔ وہ منڈیر سے پھسلی اور ہوا سے لڑھک کے چھت سے نیچے جا گری۔ وہ بھی اب آسمان کے تارے دیکھنے لگا۔ دونوں کے سر اب اوپر کو اٹھے تھے۔

"آپ میرے ساتھ واپس کیوں آئے ہیں فاتح؟"

"کیونکہ اب میں مستقبل کے بارے میں لمبے منصوبے نہیں بنانا چاہتا۔ حال کو بہتر کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اس.... اس عجیب زمانے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

"میں یہاں محفوظ ہوں۔ آزاد ہوں۔ آپ کو اس بات پہ یقین کیوں نہیں آتا؟" اس نے زچ ہو کے نہیں بلکہ اداسی سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی آسمان کو دیکھ رہے تھے لیکن دونوں کا رخ متضاد تھا۔ نظر کا زاویہ مخالف تھا۔

"کیونکہ یہ تمہاری دنیا نہیں ہے۔"

"میرے پاس یہاں وہ سب ہے جس کا میں نے کبھی خواب دیکھا تھا۔ ایک اونچا محل، ڈھیروں دولت، اور شہزادیوں کی طرح حکمرانی کرنے کی نعمت..... ہاں ایک غم تھا کہ میں بن ماں باپ کے ہوں۔ وہ بھی مٹ گیا۔ اپنا باپ، اور خاندان.... اپنی شناخت مجھے واپس مل گئی۔ میرے لئے یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہے۔ آپ میری کہانی کو یہیں روک کے خود واپس کیوں نہیں چلے جاتے فاتح؟"

"یہ چیزیں اس تالیہ کے لئے اہم نہیں ہیں جس کو میں جانتا ہوں۔ ایک زمانے میں تمہیں لگتا تھا کہ یہ چیزیں اہم ہیں لیکن تم جانتی ہو کہ یہ چیزیں تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکیں گی۔"

وہ چند ساعتیں کچھ نہ بولی۔ بس اوپر دیکھتی رہی۔

"آپ کو لگتا ہے آپ چلے جائیں گے تو میں رہ نہیں سکوں گی؟ اس غم اور heartache کے ساتھ؟"

"تم رہ لوگی۔ غم تو ہمارا حصہ ہے جو ہم سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ سوگواریت ہمیں اندر سے نرم بناتی ہے۔ ہمیں خود کو دن

کا کچھ حصہ اداس ہونے کی اجازت دے دینی چاہیے۔غم کے ساتھ سب رہ سکتے ہیں' تالیہ۔محلوں میں بھی' جھونپڑیوں میں بھی۔اور غم ہماری دنیا میں بھی ہوں گے۔یہ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔''

''تو مجھے یہاں کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے آپ؟''اس نے چونک کے گردن گھمائی۔یہاں سے اسے ستون ہی نظر آرہا تھا۔اس کے پیچھے وان فاتح چھپ گیا تھا۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں جہاں رہیں....ساتھ رہیں۔تم میرے ساتھ رہو اور میں تمہارے ساتھ۔''

وہ اب بھی صرف ستون دیکھ سکتی تھی۔یہاں سے بس اس کے لباس کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

''کیوں؟''

''اتنا سب کچھ ہونے کے بعد....دو زمانوں کا سفر ایک ساتھ کرنے کے بعد....ہم الگ کیسے رہ سکتے ہیں تالیہ؟''

اس کا جواب مبہم تھا۔یا شاید واضح تھا۔وہ گم صم سی ہو کے ستون کو دیکھے گئی۔پھر لباس کی جھلک اوپر کو اٹھی۔تالیہ نے مزید گردن نکال کے دیکھا۔فاتح کی پشت دکھائی دی تھی۔وہ اب کے وہاں سے جا رہا تھا۔

''آپ کیوں مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں؟ اپنی چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے؟ یعنی میں آپ کے کام کرتی رہوں؟ آپ کی ایڈوائزر بنی رہوں؟''اس نے پیچھے سے پکارا۔وہ کچھ سننا چاہتی تھی۔اس کے منہ سے ایک دفعہ کچھ سننا چاہتی تھی مگر اس نے آگے بڑھتے ہوئے محض اتنا کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو.....بس.....''

''اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے لیے میری دنیا میں رک جائیں.....تو؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندھیرے میں گم ہو گیا اور تالیہ گم صم سی اندھیر خلاء کو دیکھے گئی۔

آسمان پہ چمکتے تارے خاموشی سے منڈیر پہ بیٹھی اکیلی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

صبح فجر قضاء ہوئی' سورج نکلا اور اندھیرا چھٹ گیا تو ملاکہ کے بازار کی رونق بحال ہونے لگی۔دکانیں کھل گئیں۔خوانچہ فروشوں نے اپنے ٹھیلوں کی چادریں اتار دیں۔ڈھابوں سے کھانوں اور قہوے کی مہک آنے لگی۔گویا سارا شہر جاگ گیا اور کاروبار زندگی بیدار ہو گیا۔

ایسے میں سڑک کنارے ایک ڈھابے کے باہر رکھی میز کرسیوں پہ مراد راجہ بیٹھا تھا۔اس کے سپاہی فاصلے پہ خاموشی سے

براجمان تھے۔ راجہ کے قریب کوئی سپاہی نہ تھا۔ وہ ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' دوسرے سے قہوے کی پیالی ہونٹوں سے لگاتا' میز پہ بیٹھے افراد کی بات سن رہا تھا۔

پہلے دکان کا مالک اور دو لوگ آگے بیٹھتے تھے مگر اب راجہ کو روز کسی ڈھابے میں بیٹھ کے چائے پیتے دیکھ کے لوگوں کے حوصلے بلند ہوئے تھے۔ آج تو صبح ہوتے ہی رش لگ گیا تھا۔ میلے کچیلے' کسمپرسی کا شکار لوگ جوش و جذبے سے راجہ کو باری باری اپنے مسائل بتا رہے تھے۔

مراد چہرے کو بالکل پرسکون رکھے' پوری توجہ سے ایک ایک کا مسئلہ سنتا' پھر قہوے کا گھونٹ بھرتا' پھر عارف کو اشارہ کرتا جو اس آدمی کا نام پتہ لکھ لیتا۔ اور مسئلہ حل کرنے کی یقین دہانی کرواتا۔ عارف ناخوش تھا مگر مجبوری تھی۔ دور بیٹھے سپاہی جن کے ہاتھ میانوں کے قریب تھے اور حسیات چوکنی' وہ بھی بس زبردستی بیٹھے تھے۔ مراد راجہ البتہ بالکل آرام دہ لگ رہا تھا۔

کچھ لوگ اپنے مسئلے بتا رہے تھے۔ کچھ اپنے حل ہونے والے مسئلوں کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔ راجہ کی یہ کھلی کچہری ناشتہ ختم ہونے اور چائے کے دو دور مکمل ہونے تک جاری رہتی تھی۔

آخری گھونٹ بھر کے اس نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے بوڑھے لکڑہارے کو دیکھا۔

''میں سمجھ نہیں سکا۔ اگر تم چند ماہ پہلے بھی اتنا ہی کماتے تھے' تو اب پریشان کیوں ہو؟''

''کیونکہ راجہ اب خرچ بڑھ گیا ہے۔ محصول زیادہ دینا پڑتا ہے۔ مہنگائی بہت ہوگئی ہے۔''

''ہوں۔ یہ سب چینی قرضے کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس نے گھونٹ بھر کے پیالی رکھی اور قبا کو جھٹکا دیتے ہوئے شکنیں درست کرتا اٹھا۔ سب لوگ ساتھ ہی اٹھے۔

''مگر فکر نہ کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ آخر تمہارا راجہ ہی تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی غیر ملکی نہیں۔'' جتا کے بولا تو وہ لوگ سر جھکا جھکا کے اسے دعائیں دینے لگے۔

مراد مبہم سا مسکرایا۔ اردگرد لگا جھمگھٹا' سب لوگوں کا خوف اور امید کے درمیان مسئلے بیان کرنا..... پھر ان کے چہروں کی خوشی..... مگر نہیں خوشی نہیں..... ان کی نظروں کی ستائش..... ایک عجیب سا سرور تھا اس سب میں۔

''راجہ۔'' ایک نوجوان نے جاتے جاتے اسے پکارا تو وہ مڑا۔ اسے پیچھے سے پکارے جانا برا لگتا تھا مگر فی الوقت وہ ٹھہر گیا۔ نوجوان نے ڈرتے ڈرتے ایک رول شدہ کاغذ بڑھایا۔ ''میں شاعر ہوں راجہ۔ یہ قصیدہ آپ کی شان میں لکھا ہے۔''

مراد مسکرایا اور عارف کو اشارہ کیا۔ اس نے قصیدہ پکڑا اور کھول کے سنایا۔ وہ زبان و ادب کے حوالے سے چند غلطیوں اور بے ضابطگیوں سے پُر تھا اور کہیں کہیں بے وزن بھی تھا مگر اس میں دل کھول کے راجہ کی تعریف کی گئی تھی۔ مراد نے اس آدمی کو

اشرفیوں کی ایک تھیلی عطا کی اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

ایک حکمرانی محل کے اونچے چبوتروں پہ بیٹھ کے کی جاتی ہے۔ ایک لوگوں کی آراء میں اونچا مقام رکھ کے کی جاتی ہے۔ دوسری کے بغیر پہلی میں مزا نہیں آتا۔ اور دونوں ساتھ ہوں تو اس انسان سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں ہوتا۔

وان فاتح درست کہتا تھا۔ اپنے لوگوں میں مزید مقبول ہونے کے لئے مراد راجہ کو ان غیر ملکیوں کا پتا صاف کروانا تھا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے ایک طرف جہاں پہاڑی ختم ہوتی تھی وہاں نشیب میں سمندر بہتا دکھائی دے رہا تھا۔ اونچی پتھریلی چٹانوں تک پانی آتا' اور اپنی حدود توڑنے میں ناکام ہو کے واپس پلٹ جاتا۔

دوسری طرف جنگل تھا۔ تالیہ جنگل سے توڑے پھول گلدستے میں لپیٹی' پہاڑی سے نیچے اترتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سیاہ اوڑھنی سے سر ڈھک رکھا تھا اور نیچے سفید سادہ باجو کرنگ پہنے' صبح کی واک پہ نکلی معلوم ہوتی تھی۔ یہاں آزادی سے گھومنے کے لئے صرف وہی وقت میسر تھا۔

وہ نیچے ساحل پہ پہنچی اور جھک کے پھول ریت پہ رکھے' پھر جوتوں کے تسمے کھولنے لگی۔ ہوا تیز تھی۔ ایک جھونکے نے گلدستے کو اڑایا اور سامنے لڑھکا دیا۔ اس نے تیزی سے پیر جوتوں سے آزاد کیے اور پھولوں کی طرف لپکی۔ مگر چند قدم پہ ہی وہ رک گئی۔

سامنے سے فاتح چلا آ رہا تھا۔ اس رات کی ''ملاقات'' کے بعد اسے آج روبرو دیکھنے پہ سمجھ نہیں آیا کہ کیا ردِعمل دے۔ وہ وہیں ٹھہر گئی۔ اوڑھنی سے ڈھکے بال تیز ہوا سے باہر نکل نکل کے پھڑپھڑانے لگے اور پیر ریت میں دھنستے گئے۔

وہ سرمئی پاجامے کرتے کے اوپر بنا آستین کے سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا جو کہ مقامی لباس تھا۔ البتہ اب کے اس کا لباس نفیس اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ بال گیلے کر کے پیچھے کر رکھے تھے اور دھلے دھلائے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ تالیہ کو دیکھ کے وہ وہیں رکا' اور جھک کے نیچے گرے پھول اٹھائے جو دور دور تک بکھر گئے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی صبح میں یہاں آتے ہیں۔''

''میں تمہاری دو باتوں کا جواب دینے آیا تھا۔'' تین پھول اٹھا کے وہ سیدھا ہوا۔ چند قدم دائیں طرف گیا اور جھک کے دو پھول مزید اٹھائے۔

وہ دم سادھے کھڑی اسے دیکھے گئی۔ لہروں کا شور اور اوپر جنگل سے آتی آوازیں..... سب پسِ منظر میں چلا گیا تھا۔ بس ٹھنڈی ریت تھی..... اور اس پہ ننگے پیر کھڑی ملاکہ کی شہزادی.....

''تم نے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارے لئے یہاں رک سکتا ہوں؟ تو اس کا جواب ہے' نہیں۔ کیونکہ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے لئے نہیں رک سکتا تو تمہیں اس دنیا کو چھوڑنے کا بھی نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے آخری پھول ریت سے اٹھائے اور پانی کی طرف آیا۔ پھولوں پہ ریت لگ گئی تھی۔ وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور جھک کے ایک ہاتھ میں چلو بھر پانی لیا۔

''اس لئے آج کے بعد میں تمہیں یہاں سے جانے کو نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مرضی کا احترام کروں گا۔'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے پانی احتیاط سے پھولوں پہ ڈالا۔ ریت کے چند ذرے بہہ گئے۔ باقی اٹکے رہے۔

''دوسری بات۔ تم نے کہا کہ میں کیوں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ یہاں سے چلی آؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ.....'' وہ نرمی سے پھولوں کے اوپر پانی بہا رہا تھا۔ سفید جنگلی پھول دھلتے جا رہے تھے۔ ''کہ میں یہ' تمہارے' لئے چاہتا ہوں۔ تم نے ہم سب سے دور مصر جا کے..... اپنی ذات کی دریافت کے سفر میں جو کچھ سیکھا تھا' عصرہ کے کیس نے اس سب کو صفر کر دیا ہے۔ تم واپس اسی مقام پہ آ کھڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ تالیہ' اگر تم ان الزامات کا مقابلہ نہیں کرو گی تو تم زندگی میں کبھی بھی کسی اور کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ لیکن...'' اس نے گہری سانس بھری۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں تمہیں یہ دنیا چھوڑنے کو نہیں کہوں گا۔''

اس نے پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے پھولوں کو جھٹکا دیا۔ پانی کے قطرے ان سے گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا جو دم سادھے وہیں کھڑی تھی۔

''اور تم مجھے اپنے بابا کے ساتھ کام کرنے سے روکنے کو نہیں کہو گی۔ نہ مجھے فرار کا مشورہ دو گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی چوائسز کا احترام کریں گے۔ کیا تم یہ کر سکتی ہو' تالیہ؟''

وہ دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ پھر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ریت پہ بیٹھی۔ لب مدھم سے مسکرائے۔ سر اثبات میں ہلا۔

''میں کر سکتی ہوں۔''

''اور میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ کل رات کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔''

اس نے گیلا گلدستہ تالیہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے فاتح سے نظریں ہٹائے بغیر اسے پکڑا اور پھر لب ہلائے۔

''وان فاتح!'' وقفہ دیا تو لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ ''Make a Wish''

اور یوں لگتا تھا وہ اس کی بڑی سے بڑی خواہش بھی پوری کر ڈالے گی۔ اس کے دل پہ جمی ساری ریت فاتح نے جیسے دھو

ڈالی تھی.....

''ہاں....میری ایک خواہش ہے۔'' وہ مسکرا کے کہنے لگا۔ وہ دونوں ریت پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ لہریں ان کے قریب لپکتی ہوئی آتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ چھینٹے اڑا اڑ کے انہیں بھگو رہے تھے۔

''کہیے۔''

''کہ ہم دونوں برابری پہ آجائیں۔''

''برابری پہ؟'' اس نے ابرو اٹھائے۔

''ہاں۔ ہم کبھی بھی برابری کی سطح پہ اپنا رشتہ نہیں رکھ سکے۔ اس لئے ہمیں ''تو انکو'' اور ''شہزادی'' جیسے طرزِ تخاطب سے نکلنا چاہیے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ چونکی۔

''ہاں۔ میں باس تھا اور تم فین گرل تھیں۔'' اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''پھر میں شہزادی بنی اور آپ غلام۔'' وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔

''ایسا ہی تھا۔''

''پھر آپ دوبارہ باس بن گئے اور میں آپ کی نائب۔ ہم کبھی بھی برابر نہیں رہے۔''

''نہیں رہے۔'' وہ اس کے الفاظ دہرا رہا تھا۔

''مگر ہم برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم دوستوں کی طرح رہیں۔ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیے بغیر ایک دوسرے کو وہ جیسا ہے ویسے کی بنیاد پہ قبول کر کے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔ ان کے ایک طرف پانی تھا اور دوسری طرف ساحل۔

''میں اس دنیا میں سیلیبریٹی نہیں ہوں۔ تم اس دنیا میں فین گرل نہیں ہو۔ نہ میں اب غلام ہوں نہ تم میرے لئے نا قابلِ رسائی شہزادی ہو۔ میرے دوست بہت کم رہے ہیں اس لئے میں شاید دوستی کے آداب سے نا آشنا ہوں۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''مگر میں کوشش کروں گا کہ میں اچھا دوست بن سکوں۔ برابر کا دوست۔''

ہوا اس کے بال اڑا اڑا کے چہرے پہ لا رہی تھی۔ اوڑھنی پیچھے گردن پہ جا گری تھی۔

وہ حیران تھی۔ یہ عجب خوشگوار سی حیرت کا لمحہ تھا۔ اس نے دان فاتح کے ساتھ بہت سے رشتے نبھائے تھے۔ بہت سے

کام اکٹھے کیے تھے مگر خادم اور مخدوم کی حیثیت سے۔ تالیہ اور تو انکو کی حیثیت سے۔ وان فاتح کے ساتھ برابری کا کوئی تعلق ممکن تھا' اسے نہیں معلوم تھا۔ اور وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

''لیکن اگر ہم اس دنیا سے جانے یا میرے بابا کی سیاست کے بارے میں بات نہیں کریں گے.....تو ہم کس بارے میں بات کریں گے؟ کیونکہ ہم تو ہمیشہ یہی باتیں کرتے آئے ہیں۔ سیاست۔ وقت کا سفر۔''

وہ دونوں ابھی تک آمنے سامنے کھڑے تھے۔ یہاں سے پہاڑی پہ بنا محل نظر آتا تھا لیکن شہزادی کو اب محل کی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

''ہم وہ بات کر سکتے ہیں جو ہمارے دل پہ بوجھ کی طرح ہو۔ کیونکہ دوستوں کے پاس انسان دل کا بوجھ ہلکا کرنے ہی جاتا ہے نا۔'' پھر وہ دونوں ایک ہی سمت میں مڑ گئے اور پانی کی گیلی حدود کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

''آپ کے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ میرے بچے مجھ سے دور چلے گئے اور عصرہ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔''

''کیونکہ غم ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔'' اس نے یاد کر کے دہرایا۔

''تمہارے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے چلتے تالیہ کی طرف گردن موڑی۔ اس کے ساتھ برابر چلنا عجیب تھا مگر اچھا تھا۔ جو بھی تھا' اچھا تھا۔

''بابا نے ایڈم کو زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس صرف ایک ماہ ہے اور مجھے اس کی دوا ایک ماہ کے اندر ڈھونڈنی ہے۔'' وہ مختصراً سارا قصہ بتاتی گئی۔

''اوہ۔'' فاتح نے کراہ کے آنکھیں میچیں۔ ''تو یہ بات تھی۔''

''اور اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں سلطان مرسل کو انکار کیسے کروں۔'' وہ ریت پہ چلتے چلتے رکی اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم اس وجہ کو اگر سلطان کے سامنے رکھو تو.....''

''میں نے پوچھا' کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

وہ اپنے قدموں پہ رک گیا۔ پھر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان نظروں سے اندرونی کیفیات کا اندازہ قطعاً نہیں ہوتا تھا۔

''ہاں۔ میں سوچتا ہوں۔'' مبہم سا جواب دے کر وہ پانی کی سمت بڑھنے لگا۔ اس کے قدم ریت پہ نشان چھوڑتے تالیہ سے دور جا رہے تھے۔

''کیا آپ اپنی دنیا میں واپس جاتے ہوئے مجھے اس رشتے سے آزاد کر جائیں گے؟ ہم نے یہ صرف سلطان مرسل کی وجہ سے کیا تھا۔'' وہ پیچھے سے اسے پکار کے بولی۔ سوال پوچھتے ہوئے دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

فاتح کے پاؤں پانی میں ڈوب چکے تھے۔ اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔ وہ سمندر کے افق پہ نکلتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر تمہارے اوپر عصرہ کے قتل کا الزام نہ ہوتا اور تم میرے ساتھ ہماری دنیا میں واپس جاتیں تو کیا تم اس رشتے سے آزاد ہونا چاہتیں؟''

''جی۔'' اس نے بنا تامل کے کہا تو وہ چونکا۔ مڑ کے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اگر ہماری دنیا میں سب ٹھیک ہوتا تم تب بھی میرے ساتھ نہ رہتیں؟''

''نہیں۔ کیونکہ وہاں میں ہمیشہ ''دوسری عورت'' کے طور پہ جانی جاؤں گی۔ آپ کے بچے اشعر اور آپ کے فینز.... سب مجھے ایک ایسی عورت سمجھیں گے جس نے عصرہ کی جگہ لی۔ مجھے وہ عزت کبھی نہیں ملے گی جو میں چاہتی ہوں۔ اس لیے میں کبھی بھی آپ کی دنیا میں آپ کے ساتھ رہنے کا نہیں سوچ سکتی۔'' وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

وہ ابھی تک آدھا گھوم کے اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔

''اور اگر میں یہاں رہ جاؤں.... تمہارے ساتھ.... تو کیا تم اس رشتے کو قبول کر لو گی؟''

اس سوال نے چند لمحے کے لیے تالیہ کا دل مٹھی میں لے لیا۔

''میں آپ کو اپنے لیے کبھی نہیں روکوں گی۔ میں اور آپ ایک مجبوری کے تحت اس تعلق میں بندھے تھے۔ ہم نہ کبھی ایک کپل تھے نہ بن سکتے ہیں۔ ہم صرف اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم صرف یہی بن سکتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر واپس پانی کو دیکھنے لگا تو تالیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس کی بات کی نفی کرے گا۔ کچھ اختلافات ہم صرف رد کیے جانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ مگر وان فاتح نے اس کی تائید کر دی تھی۔ یعنی وہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ دو دنیاؤں کے دو مختلف باشندے تھے۔ ان کا آسمان ایک جیسا نہ تھا۔

''تم سلطان مرسل کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو؟'' وہ موضوع کو وہیں لے آیا جہاں سے اس کا رخ بدلا تھا۔

''سوچ رہی ہوں یہی کہہ دوں۔ مار تو نہیں دے گا وہ مجھے۔''

''یعنی تم واقعی ملاکہ کی ملکہ نہیں بننا چاہتیں؟''

اس کے انداز پہ تالیہ کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہوئی۔ آنکھیں اٹھا کے خفگی سے اسے گھورا۔

''مانا کہ وہ ملاکہ کا سلطان ہے.... اس کے پاس ہزاروں سپاہیوں کے لشکر ہیں جو اس کے ایک اشارے پہ چاند تارے توڑ کے لا سکتے ہیں' لیکن....''

ایک لہر اٹھ کے آئی اور اس کے پیر بھگو گئی۔ ٹھنڈا یخ پانی پیروں کو برف کر کے پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ سن سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

''وہ ملاکہ کا سلطان ہے۔ اور وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے دہرایا۔ فاتح بغور دیکھنے لگا۔

''تو؟''

''تو مجھے اس سے شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ چونک کے بولی۔

''کیا ہوا؟''

مگر تالیہ نے تیزی سے اپنے جوتے اٹھائے اور محل کی سمت قدم اٹھانے لگی۔ گلدستہ اس نے پانی کی طرف اچھال دیا اور خود آگے بڑھتی گئی۔

''کیا مطلب تمہیں اس سے شادی کر لینی چاہیے؟'' وہ ناگواری سے اسے پکار رہا تھا۔

''تالیہ کے پلان ہیں.... تالیہ کی مرضی!'' شہزادی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ کہتی اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

کتب خانے کے کونے میں بچھونا بچھا تھا اور اس پہ لحاف میں ڈبکا ایڈم سو رہا تھا جب کسی نے کھڑکی اس کے اوپر کھول دی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ بند آنکھوں سے بھی ایڈم کو محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نقاہت سے لحاف اتار کے سر باہر نکالا۔

''اٹھو' ایڈم۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

کمزور سا ایڈم حیرت سے اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہمیں دوا مل گئی؟'' مگر پھر اس کا چہرہ بجھ گیا۔ ''لیکن اتنی جلدی کیسے مل سکتی ہے۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔''

''ریاضی پڑھی تھی نا بچپن میں؟'' وہ اس کی میز سے قلم دوات الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ایک سادہ سا ریاضی کا سوال ہے۔ اگر ایک آدمی ایک گھنٹے میں ایک اینٹ بناتا ہے تو دس گھنٹے میں کتنی اینٹیں بنائے گا؟''

''دس۔لیکن۔کون سی اینٹ ہے جو ایک گھنٹے میں بن جاتی ہے۔''

''اونہوں۔مثال دے رہی ہوں۔اگر دس کی جگہ سو آدمی اینٹیں بنانے لگ جائیں تو ایک گھنٹے میں کتنی اینٹیں بن جائیں گی؟''

''سو۔''

''ہمارے پاس ایک ماہ ہے مگر ہم دو ہیں۔بلکہ۔''اس کے کمزور وجود کو دیکھا۔''بلکہ قریباً ڈیڑھ ہی ہیں۔''

پھر آنکھوں میں چمک اتری اور لبوں پہ مسکراہٹ۔''مگر وہ کون ہے جس کے پاس سارے ملاکہ کی حکومت ہے' دولت ہے' اور ہزاروں کی فوج ہے؟''

''سلطان مرسل شاہ؟''

''ہاں۔اور وہ میری تمام شرائط ماننے کو تیار ہے۔''

''کون سی شرائط؟''

''وہی جو میں ابھی اس کے سامنے رکھنے جا رہی ہوں۔''وہ مسکرا کے کہتے ہوئے اس کے سامنے آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور کاغذوں کا دستہ گھٹنے پہ رکھا۔پھر قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگی۔

''اگر آپ میری یہ سات مانگیں پوری کر سکیں جن کا سوال میں آپ سے کر رہی ہوں سلطان معظم' تو میں آپ سے شادی کر لوں گی۔دوسری صورت میں' میں ہمیشہ کے لئے ملاکہ چھوڑ کے چلی جاؤں گی۔اور آپ چاہیں بھی تو مجھے نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔''

ایڈم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔''آپ میری دوا کے اجزاء سلطان سے مانگیں گی؟''

''ڈائریکٹلی نہیں مانگ سکتی۔بالخصوص طلائی گلاب تو بالکل نہیں مانگ سکتی ورنہ اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کسی جادو والے کام میں ملوث ہیں۔اس لئے میں چار ایسی مانگیں رکھوں گی جو اجزائے ترکیبی سے متعلق ہیں۔پہلی شرط۔مچھروں کے سات بھرے ہوئے طشت۔ایک سو آدمی اگر اکٹھے مچھر پکڑنے لگ جائیں تو ہفتے بھر میں طشت بھر کے لا سکتے ہیں۔ہمیں دوا کے لئے سات طشت چاہیے ہیں۔''

''Yuck''ایڈم نے برا منہ بنایا تو تالیہ نے ابرو اچکائے۔

''کیا تمہیں بھول گیا کہ تم نے مجھے گراس ہوپرز کھلائے تھے؟''

وہ اسے گھور کے رہ گیا۔

"دوسری شرط۔ جامنی پھول کے رس کی سات بوتلیں۔ ایک پھول سے ایک قطرہ نکلتا ہے۔ سلطان کی فوج کے سینکڑوں آدمی اکٹھے لگ جائیں تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ تیسری شرط..... جرثوموں کے دل سے بھرے سات طشت..... چوتھی شرط... کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں۔" وہ رکی۔ اور گننے لگی۔

"باقی تمام اشیاء میرے سپاہی خود ڈھونڈ لیں گے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ صرف طلائی گلاب (ماورا مس) ہے جو ہمیں چاہیے۔" وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرائی۔

"طلائی گلاب ابوالخیر کے پاس ہے جس کے سونے' چاندی کے ڈھیر اور غلاموں کی کثرت اس کو طاقتور بناتے ہیں۔ اگر یہ اس سے لے لئے جائیں تو میں اس سے طلائی گلاب آسانی سے حاصل کر سکتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" اور پھر ایڈم کو یاد آیا۔ وہ جو اس نے بنگارایا ملایو میں پڑھا تھا۔

"پُل۔"

"ہاں۔ سونے کا پل۔" وہ مسکرائی۔ "مجھے اب سمجھ آیا کہ شہزادی تاشہ نے.... یعنی... میں نے وہ عجیب شرط کیوں رکھی تھی۔ پانچویں شرط یہ تھی کہ میرے محل سے سلطنت محل تک سونے کا ایک پل تعمیر کیا جائے۔ جس پہ چل کے میں سلطان سے ملنے جاؤں۔ اور چھٹی شرط۔ ایک چاندی کا پل جس پہ چل کے میں واپس آسکوں۔ ان پلوں کی تعمیر کے لیے سلطان کو سونا چاہیے' چاندی چاہیے اور اس بے گار کے لئے غلام چاہیے ہیں۔ تینوں چیزیں اسے ایک ساتھ ابوالخیر سے مل جائیں گی۔"

"ابوالخیر آسانی سے اسے یہ سب دے دے گا؟"

"ظاہر ہے وہ انکار کر دے گا۔ اس لیے سلطان ابوالخیر کو ڈالے گا جیل میں اور اس کا سب کچھ ضبط کر لے گا۔ طلائی گلاب غیر محفوظ ہو جائے گا اور میں اسے حاصل کر لوں گی۔" تالیہ کا پلان تیار تھا۔ ایڈم چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

"اور آخری مانگ؟"

"میں نے اس بارے میں بھی سوچا ہے۔ لیکن دیکھو ایڈم.... میری ساتویں اور آخری مانگ دراصل سفاک نہیں ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ میں نے سلطان سے خون کا ایک پیالہ مانگنا ہے۔ سلطان مرسل شاہ کے اپنے خون کا پیالہ جس میں ان کے والدین کے خون کی آمیزش ہو۔ اپنا خون نکالنے کے لئے سلطان کو خود کو مارنا پڑے گا اور وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

"بنگارایا ملایو کے مطابق اس نے آخری مانگ پوری نہیں کی تھی۔"

"ہاں۔ آخری مانگ پوری کرنے کے لئے جب وہ اپنی کلائی کاٹنے لگا تھا تو شہزادی تاشہ نے بروقت اس کے پاس جا کے اس کو بچا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ ایسے نہ کرے۔ وہ تو صرف اس کا امتحان لے رہی تھی۔ یوں سلطان بھی بچ گیا اور ان کی

شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ شرط رکھی ہی اس لیے گئی تھی کہ سلطان اسے پورا نہ کر سکے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ خود کو نہیں مارے گا؟"

"وہ کتاب جھوٹ نہیں بولتی۔ شہزادی تاشہ اسے بچا لے گی اور سلطان مرسل ایسے نہیں مرا تھا۔ وہ بعد میں کسی اور طریقے سے مرا تھا۔ اس لئے میرے یہ سوال بالکل محفوظ ہیں۔ کچھ غلط نہیں ہوگا۔"

"چے تالیہ..... کیا میری دوا کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک ہے؟ آپ کو میرے لئے سلطان سے اتنا بڑا ناٹک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہاری دوا کے لئے میں سب کچھ کروں گی ایڈم۔ دوسری دنیا میں وقت تھما ہوا ہے اور تمہارے والدین منتظر ہیں۔ میں تمہیں یہاں سے ٹھیک کر کے ہی بھیجوں گی۔ مجھے میرا وعدہ نبھانے دو....."

ایڈم نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ "اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تمہیں میری یہ شرائط لے کر سلطان کے پاس جانا ہے۔ میں بابا کے کسی قاصد کو نہیں بھیجنا چاہتی کہ وہ کہیں کچھ غلط نہ کر ڈالے۔ مجھے صرف تم پہ اعتبار ہے۔" وہ اب سر جھکائے تیز تیز قلم کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔ ایڈم راضی نہیں لگتا تھا مگر اس کے پاس اختلاف کرنے کے لیے کوئی نقطہ نہیں بچا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کے دربار میں لاٹھی کے سہارے قدم قدم چلتا ایڈم بن محمد آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی ایک بغل تلے بیساکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تہہ شدہ مراسلہ تھا۔ وہ یرقان کے مریض کی طرح زرد لگتا تھا۔

تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور مشروب کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہی مورخ بیمار لگتا تھا مگر سلطان کی دلچسپی اس مراسلے میں تھی جو وہ ساتھ لایا تھا۔

"شہزادی تاشہ کی سات مانگیں۔" ایڈم نے پڑھ کے سنانا شروع کیا۔ پھر بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ سلطان نے اجازت دے ڈالی۔

"میری پہلی مانگ یہ ہے کہ مجھے مچھروں کے دماغ سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

ایڈم اب مورخ کی کرسی پہ بیٹھا مراسلے کی شرائط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ مرسل پھیل کے تخت پہ براجمان' طشت سے انگور اٹھا اٹھا کے منہ میں رکھتا سن رہا تھا۔

"دوسری مانگ۔ مجھے سبا کے جنگلوں میں اگنے والے جامنی زہریلے پھول کے رس کی سات بوتلیں درکار ہیں۔"

سلطان نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تیسری مانگ۔ مجھے کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں دی جائیں۔"

(صبح ہوتے ہی شہزادی کے حکم پہ مزدور لگ گئے اور اس راستے کو توڑنے لگے تھے جو بنداہارا کے محل سے سلطنت محل کو جاتا تھا۔ تالیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے سارے عمل کا جائزہ لے رہی تھی۔)

"چوتھی مانگ۔ مجھے جرثوموں سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

(اپنے حرم کے باغیچے میں یان سوفو بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ وانگ لی اس کو رازداری سے ایک ایک شرط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ آخری شرط پہ ملکہ ٹھٹکی۔ پھر اس کا رنگ بدلا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھیں چمکی۔ وانگ لی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"شرائط رکھنے کا مطلب ہے شہزادی سلطان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا' ملکہ۔"

"شہزادی تاشہ کو ابھی معلوم نہیں کہ وہ کیا مانگ بیٹھی ہے۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا۔ بس خاموشی سے تماشا دیکھنا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی اور وانگ لی تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

"میری پانچویں مانگ یہ ہے کہ آپ کے محل سے میرے محل تک ایک سونے کا پل تیار کیا جائے جس پہ چل کے آپ میرا ہاتھ مانگنے مجھ تک آسکیں۔"

(ابوالخیر کی حویلی اس وقت مسلح فوجیوں سے بھری تھی۔ شاہی سپاہی اس کے غلاموں کو حراست میں لے رہے تھے اور صندوق کے صندوق لادے باہر جا رہے تھے۔ ابوالخیر کے چہرے پہ کالا کپڑا باندھے اسے گرفتار کر کے گھوڑا گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ غرا رہا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جا رہی تھی۔)

"میری چھٹی مانگ یہ ہے کہ میرے محل سے آپ کے محل تک ایک چاندی کا پل تعمیر کیا جائے جس پہ چل کے میں آپ کے محل آسکوں۔"

(ابوالخیر کی حویلی کے ایک اندرونی کمرے کے وسط میں سونے کا گملا رکھا تھا۔ گملے کے اندر بڑے بڑے تین سنہری گلاب کھلے تھے۔ دالان کے کنارے پہ سہمے ہوئے تین بے بس غلام کھڑے تھے۔ شہزادی کے سپاہیوں نے ان پہ تلواریں تان رکھی تھیں۔ ان کا مالک قید میں تھا اور وہ بے بسی سے شہزادی کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی اور جھک کے ایک پھول توڑا۔ پھر اسے احتیاط سے پوٹلی کے اندر ڈالا۔)

"میری ساتویں مانگ یہ ہے کہ مجھے خون سے بھرا ایک پیالہ چاہیے۔ وہ خون خالص ترین ہو اور اس سلطنت میں سب

سے خالص خون سلطان مرسل شاہ کا ہے جس میں ان کے نیک والدین کے خون کی آمیزش ہے۔ مجھے اس پاک خون کا ایک پیالہ اگر آقا فراہم کر دیں تو میں ان سے شادی کے لیے تیار ہوں۔"

(ایڈم سلطنت محل کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھا اپنے دستے پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دیکھتا۔ محل میں معمول سے کہیں زیادہ غلاموں اور سپاہیوں کی دوڑیں لگتی نظر آ رہی تھیں۔ روز نئے سپاہی بلائے جاتے اور انہیں سونا پگھلا کے پل بنانے سے لے کر جرثومے اور آنسو اکٹھا کرنے بھیج دیا جاتا۔ ایڈم سر جھکائے واپس اپنا کام کرنے لگ گیا۔ ملاکہ سلطنت میں ہر کسی کی زبان پہ شہزادی تاشہ کی مانگوں کا چرچا تھا۔ ان واقعات کو تاریخ میں رقم کرنا ضروری تھا۔)

"میرا مورخ ان مانگوں کی تکمیل تک سلطنت محل میں رہے گا اور ان تاریخی واقعات کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے کتاب میں محفوظ کرے گا۔ مورخ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے میری سلطان سے درخواست ہے کہ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔"

(شہزادی تاشہ اپنے محل کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے نیچے پہاڑی کے دامن کو دیکھ رہی تھی۔ راستہ منہدم تھا اور وہاں نیا راستہ تعمیر کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ طشت بھر بھر کے مطلوبہ اشیاء سپاہی لا رہے تھے۔ اور اسے انگلی ہلانے کی ضرورت بھی نہ پڑی تھی۔ سلطان کے سپاہی لاعلمی میں ایڈم کی دوا بنا رہے تھے۔ اور وہ بازو سینے پہ لپیٹے مسکرا کے وقت کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر شے ان کے حق میں جا رہی تھی۔)

"اپنی شہزادی سے کہو کہ مجھے ان کی مانگیں بہت دلچسپ لگی ہیں۔ اور میں ان کو پورا کروں گا۔ آخری نقطے تک۔"

اور ایڈم نے ان الفاظ پہ سلطان مرسل کو دیکھتے ہوئے افسوس سے سوچا تھا۔ (بنگارایا ملایو کے مطابق ان مانگوں کو پورا کرتے کرتے مرسل شاہ نے اپنی سلطنت کو تباہ کر ڈالا تھا اور لوگوں کو اپنے خلاف کر دیا تھا۔ سونے اور چاندی کے پل چند فٹ تک ہی تعمیر ہو سکے تھے۔ اور آخر میں سلطان کی تاشہ سے شادی بھی نہ ہو سکی تھی۔ یعنی اس آدمی کا تختہ ایک عام سے انسان ایڈم بن محمد کی دوا کے لیے الٹا جا رہا ہے اور اسے خبر بھی نہیں۔ آہ۔)

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا بازار اس دوپہر خوانچہ فروشوں کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ فاتح اپنے سیاہ گھوڑے پہ سوار بازار کی مرکزی گلی میں داخل ہوا تو لوگ ہٹ ہٹ کے راستہ دینے لگے۔ وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتے جو سیاہ قبا دونوں کندھوں پہ ڈالے سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا' اور پھر آپس میں کھسر پھسر کرتے۔ وہ یقیناً کہہ رہے تھے کہ کبھی یہ جیا کا غلام فاتح ان کی طرح کا ہوتا تھا اور اب یہ راجہ کا مشیر بن چکا ہے۔ اب یہ محل والوں میں سے ہو گیا ہے۔

وہ ان کی نظروں میں لکھے شکوے پہچانتا تھا مگر عرصہ ہوا آزاد فاتح نے خود کو لوگوں کی آراء سے آزاد کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ایک ڈھابے کے باہر بچھی میز تک وہ آیا اور انگلی سے دکاندار کو اشارہ کیا۔ (ایک چائے)۔

دکاندار فوراً باورچی کو اس کی مانگ بتانے لگا۔ ایسے میں فاتح کہنیاں میز پہ رکھے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی متلاشی نظریں ایک سے دوسری کرسی تک جا رہی تھیں' پھر وہ ٹھہرا۔ مسکرا کے ایک لڑکے کو ہاتھ ملایا۔ وہ لڑکا اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ پھر ایک دم اپنی میز چھوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''آپ یہاں؟'' وہ حیرت سے کہتا اس کے سامنے بیٹھا۔ وہ ابوالخیر کی حویلی میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا۔

دونوں رسمی باتیں کرنے لگے۔ پھر وہ لڑکا کہنے لگا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کو راجہ نے محل میں تعینات کر لیا ہے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ تو فاتح مسکرایا۔

''میں اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔ تمہیں آزاد کروانے کا وعدہ کیا تھا۔ پورا کیا نا؟''

''ہاں مگر آزاد ہو کے ہمیں کیا ملا؟ کوئی ڈھنگ کی نوکری تک نہیں دیتا جس میں چار پیسے جوڑ لیں۔''

''تم میرے لئے کام کیوں نہیں کرتے؟'' وہ میز پہ کہنیاں جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں ابوالخیر اکثر پیغام رسانی کے لئے سن باؤ اور دوسرے امراء کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ تم ان بڑے لوگوں سے بات چیت میں اچھے ہو۔ تم آسانی سے کسی کے بھی ہاں بظاہر نوکری حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن اندر سے تم میرے لیے کام کرو گے۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لئے کسی کی جاسوسی کروں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ہاں۔''

''کس کی؟''

''سن باؤ کی۔ میں اس کے معمولات جاننا چاہتا ہوں۔ بلکہ اس کے بارے میں ہر چیز جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سن باؤ کسی شے کو چھپا رہا ہے۔ شہر سے دور کسی جگہ پہ اس نے کچھ چھپا رکھا ہے۔ میں اس شے کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔'' دکاندار چائے لے آیا تو وہ خاموش ہوا۔ نوجوان قدرے متذبذب نظر آتا تھا۔ پھر اس نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں سوچوں گا۔''

''وقت کم ہے۔ تمہیں تنخواہ بھی ملے گی اور مراعات بھی۔ لیکن اگر تم نے آج رات تک فیصلہ نہ کیا تو میں یہ کام کسی اور کو دے دوں گا۔ سوچ لو۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں رات تک بتاتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

وان فاتح کے پاس سے وہ نوجوان غلام جب اٹھا تو تیزی سے بازار کی طرف چل دیا۔ احتیاط سے اس نے تین راستے بدلے اور کچھ دیر بعد وہ سن باؤ کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔

''وہ مجھ سے آپ کی جاسوسی کروانا چاہتا ہے' سن باؤ۔'' وانگ لی کو ساری کتھا سنا کے اس نے ہاتھ باندھ کے کہا تھا۔ ''اس کو معلوم نہیں ہے کہ ابھی دو دن پہلے آپ نے مجھے ملازمت پہ رکھا ہے۔''

''ہوں۔'' چینی سفیر نے حقے سے تمباکو کا کش بھرا اور دھواں باہر خارج کیا۔ پھر سوچتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کو کہو کہ تم نے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ اس سے رقم بھی لے لو۔ اس کے سامنے ظاہر کرو کہ تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔ اور اس کو تم نے وہی بتانا ہے جو میں کہوں۔ اور مجھے وہ بتانا ہے جو وہ تمہیں بتائے۔ ہر بات۔ ہر حرکت۔ سمجھے؟'' آخر میں اس نے اپنی چھوٹی آنکھوں سے نوجوان کو گھورا تو اس نے جلدی سے سر جھکا دیا۔

''جو حکم میرے آقا۔'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

''غلام فاتح۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' دھوئیں کے مرغولے اڑاتا وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کی اس بالکونی میں کھڑے ہونے والے کو محل کے عقبی حصے میں ہوتا تعمیراتی کام صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس محل کے عقب سے بنداہارا کے محل تک ایک راستے کا تعین کیا گیا تھا جس کو توڑ پھوڑ کے اس کی جگہ سونے کا پل تعمیر کیا جا رہا تھا۔ یہ گزرگاہ عام عوام کی پہنچ سے دور تھی اور اس وقت سینکڑوں سپاہی اس کام پہ مامور تھے۔

بالکونی میں مرسل شاہ کرسی ڈالے بیٹھا نیچے دکھائی دیتے کام کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک طرف زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم چوکی پہ رکھے کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ نظر اٹھا کے سلطان کو دیکھتا' پھر دوسری جانب بت بنے کھڑے محافظوں کو اور پھر خاموشی سے اپنا کام کیے جاتا۔ اس کا کام ان تاریخی شرائط کو عمل درآمد ہوتے دیکھنا اور ان کو تاریخ میں رقم کرنا تھا۔

مرسل شاہ بازوؤں کا تکیہ بنائے سر کے پیچھے رکھے مسکرا کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ منڈیر پہ جام دھرا تھا جس میں پھلوں کا تازہ رس اس کا منتظر تھا لیکن وہ اتنا پرجوش نظر آتا تھا کہ بھوک' پیاس سب اڑ چکی تھی۔ دفعتاً اس نے گردن موڑی اور دلچسپی سے سر

جھکا کے لکھتے ہوئے مورخ کو مخاطب کیا۔

''شاہی مورخ....شہزادی تاشہ نے وہ شرائط تمہارے ہاتھ بھجوائی تھیں۔''

ایڈم نے سر اٹھایا۔ وہ نحیف اور لاغر سا ہو چکا تھا۔ بال اڑے اڑے سے تھے اور رنگت مزید سانولی ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی تھی۔

''جی....آقا۔''

''کیوں؟ حالانکہ تم شہزادی کے خاص خادم بھی نہیں ہو۔''

محافظوں نے ایک خاموش نظر سلطان پہ ڈالی جو ایک مورخ سے براہ راست گفتگو کر رہا تھا مگر بولے کچھ نہیں کہ مقام نہ تھا۔

''شہزادی مجھ پہ بہت بھروسہ کرتی ہیں۔''

''اچھا وہ کیوں؟'' مرسل کرسی پہ آدھا گھوم گھوم گیا اور دلچسپی سے ایڈم کو دیکھا۔

''کیونکہ میں غم اور خوشی دونوں میں سچ بولنے کا قائل ہوں۔ اس لیے شہزادی کو لگتا ہے کہ میرا مشورہ ہمیشہ سچا ہوگا اور میری نصیحت کبھی بے معنی نہ ہوگی۔''

''بہت دلچسپ۔ تم کہاں سے مل گئے تھے شہزادی کو؟''

ایڈم نے قلم رکھ دیا اور سر جھکا دیا' ایسے کہ لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔

''شہزادی کے بابا نے ان کو تعلیم و تربیت کے لیے جس گاؤں میں بھیجا تھا....میں وہاں کا باشندہ ہوں۔ وہاں امراء کی ایک محفل میں میں ان سے پہلی دفعہ ملا تھا اور میں نے گستاخی یہ کی کہ میں انہیں ایک کنیز سمجھا۔ انہوں نے مجھے اس کے لیے معاف نہیں کیا۔ تب تک نہیں جب تک کہ میں ان کی غلامی میں نہ آ گیا۔''

''کیا پسند آیا تھا شہزادی کو تم میں؟'' مرسل شاہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''شاید یہ بات کہ میں سوال بہت پوچھتا تھا۔ آپ سے ایک سوال پوچھوں آقا؟''

اس مقام پہ جان جانے کا ڈر کافی کم ہو چکا تھا۔ جان ویسے ہی اب غیر یقینی ہو چکی تھی۔

''پوچھو۔ ہم بھی تو سنیں کہ تمہارے سوال کیسے ہیں۔''

ایڈم کھنکھارا۔ ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خوشی اور غم دونوں حالتوں میں سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے سامنے اپنا ہو یا دشمن۔ ایک سچ میں آپ سے بولنا چاہتا ہوں۔''

اس نے منڈیر سے نیچے دیکھا جہاں دور سپاہی کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ ایک عورت کے حصول کے لیے اپنی سلطنت کے سارے اثاثے گنوا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا' آقا؟''

مرسل شاہ نے نگینوں سے سجی پگڑی اتار کے منڈیر پہ رکھی اور سیاہ لمبے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ پھر مسکرایا۔

''شہزادی تاشہ کے حصول کے لیے جو شرائط بھی رکھی جائیں' ان کو پورا کرنا قانون کے مطابق بالکل درست ہے۔ اگلی کوئی حکومت میرے اوپر مقدمہ نہیں چلا سکتی۔ نہ ہی میرے جرنیل یا وزراء میرے خلاف قاضی کے پاس جا سکتے ہیں۔''

ایڈم نے سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ملاکہ کے قانون کے مطابق شادی کی شرائط پورا کرنا سلطان کا فرض تھا۔

''مگر آقا..... میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ..... ایک عورت کے لیے آپ اپنی سلطنت کا سارا مال و متاع گنوا تو نہیں بیٹھیں گے؟ دراصل میں آپ کو ایک مخلصانہ رائے دینا چاہتا ہوں۔ بے شک میں نے ہی وہ شرائط پڑھ کے سنائی ہیں.....'' (اور دل میں ایڈم نے سوچا کہ بے شک میری دوا کے لیے ہی وہ شرائط رکھی گئی ہیں) ''لیکن جس طرح آپ اپنی دولت لٹا رہے ہیں' مجھے خوف سا آنے لگا ہے۔''

وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق سلطان نے اپنا سب کچھ سونے کے اس پل کو بنانے کے پیچھے گنوا دیا تھا اور بالآخر اس کی حکومت تک اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

''آہ..... شاہی مورخ..... عورتوں کی طرح تمہیں بھی یہ خوش فہمی ہے کہ یہ دنیا عورتوں کی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔''

مرسل مسکرا کے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ زمین پہ بیٹھے ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''مگر آقا..... شہزادی کی آخری مانگ تو آپ کبھی پوری نہیں کر سکتے۔ پھر باقی مانگیں پوری کرنے کا فائدہ؟''

مرسل نے دھیرے سے گردن موڑی اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کس نے کہا کہ میں آخری مانگ پوری نہیں کر سکتا؟''

یہ کہہ کے وہ اٹھا' اپنی قبا سے نادیدہ گرد جھاڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم اٹھ نہیں سکا۔ اسے بیٹھے رہنے کی رخصت حاصل تھی۔ دروازے تک پہنچ کے مرسل رکا' اور مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔

''سنو اپاہج انسان..... میں نے شہزادی تاشہ سے ساتوں مانگیں پوری کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ساتوں پوری کروں گا۔ تمہاری حالت خراب لگتی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ تم ان مانگوں کے پورا ہونے تک زندہ رہو۔''

وہ ازلی بے نیازی سے کہہ کے چلا گیا اور ایڈم بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ اس آدمی کی سلطنت میں کیا ہو رہا تھا' غریب کو کیا

چاہیے انصاف کے لیے لڑتے لوگوں کا درد کیا ہے.... اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ وہ سونے کے کھلونے بنا رہا تھا۔ اسے صرف اپنے کھیل سے غرض تھی۔

''تم واپس کیوں آ گئے؟ تمہاری دیکھ بھال نہیں ہو رہی وہاں کیا؟'' ایڈم کو واپس اپنے محل میں دیکھ کے وہ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ کے راستے منہدم کروانے سے واپس آنے میں مشکل پیش آئی۔ شکر ہے مراد راجہ نے جنگل والا راستہ بچا لیا تھا ورنہ سلطان کے پاگل پن نے تو سب کو مفلوج کر دیا ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں کہتا لاٹھی نیچے رکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دیوان خانے میں موجود تھے اور ایڈم نے داخل ہوتے ہی بیٹھنے کے لیے ٹھنڈی زمین کا ایک قطعہ ڈھونڈا تھا۔ اس سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔

''کیسا ہے سلطان؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ایڈم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''وہ کریزی سائیکو پیتھ..... مجھے تو اس آدمی سے خوف آنے لگا ہے۔ اگر اس نے اپنی جان لے لی تو اس کا خون کس کے سر ہو گا چے تالیہ؟''

''ریلیکس۔ وہ بے وقوف ہے۔ مگر دیوانہ نہیں۔ وہ اپنی جان کبھی نہیں لے گا۔''

''وہ کریزی ہے۔ کریزی۔'' ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔ ''اس کو جب معلوم ہو گا کہ ہم نے اس کے ساتھ ایک کون کھیلا ہے تو مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر ڈالے۔ آپ پلیز ان مانگوں کو واپس لے لیں۔ میری دوا کسی اور طریقے سے بن جائے گی مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ اتنا بڑا خطرہ مول لیں۔''

وہ بے بسی سے سامنے کھڑی شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا' ایڈم۔ میں نے تمہیں اس سب میں پھنسایا تھا۔ میں ہی تمہیں نکالوں گی۔'' وہ شانے اچکا کے کہتی مڑ گئی تو زمین پہ بیٹھے ایڈم نے یاسیت سے اسے پکارا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' چے تالیہ۔''

وہ مڑی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''کہو۔''

چند ثانیے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر ایڈم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے گا کہ مرنے والا ہوں..... یا یہ کہ دوا سے بچ سکتا ہوں..... تب کہوں گا۔ پہلے مجھے اس بے یقینی سے نکلنا ہو گا۔''

وہ رخ موڑ گیا۔اسے ابھی شہزادی سے کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

ابھی اس کے پاس وقت تھا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل سے نیچے پہاڑی کی ڈھلان کو جاتا راستہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔وہاں بھی مزدور کام پہ لگے تھے اور متوقع طور پہ سونے کے پل کے لیے بنیادیں بنائی جا رہی تھیں۔

محل کے پائیں باغ میں دور دور تک پھلدار درخت قطاروں میں نظر آتے تھے۔ایک درخت سے دوسرے تک کافی فاصلہ تھا اور زمین تراشیدہ گھاس سے ڈھکی تھی۔

ایسے میں ایک جگہ گھاس پہ لکڑی کا اسٹینڈ کھڑا تھا جس پہ کینوس نما کاغذ لگا تھا۔ایک اونچی چوکی پہ مختلف رنگ کھلے پڑے تھے اور تالیہ برش اور انگلیوں کی مدد سے کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔

صبح کی ٹھنڈی چھایا سارے باغ پہ پھیلی تھی۔بادلوں نے آسمان کو ڈھک رکھا تھا اس لیے دھوپ ندارد تھی۔اس خوبصورت موسم میں سفید لباس پہنے کھڑی شہزادی خود بھی کسی پینٹنگ کا حصہ دکھائی دیتی تھی۔بال آدھے باندھے' زیورات سے مبرا وجود' سر پہ سفید ریشمی کپڑا ڈالے' وہ مسکراتی ہوئی برش چلا رہی تھی جب آہٹ پہ چونک کے سر اٹھایا۔

اس آہٹ کو وہ پہچانتی تھی۔گھاس پہ چلتے قدموں کی اس چاپ تک کو وہ پہچانتی تھی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔آج سیاہ قبا کندھوں پہ نہیں تھی۔سفید کرتے پاجامے پہ بنا آستین کے بھوری جیکٹ پہنے' کہنی پہ چرمی تھیلا اٹھائے' وہ کوئی سامان لے جا رہا تھا جب راستے میں درختوں کے درمیان سفید ریشم کی جھلک دیکھ کے رکا اور ادھر ہی آ گیا تھا۔اس کے ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ وہی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

اسے دیکھ کے تالیہ کے اندر تک عجیب سی خوشی اترنے لگی۔

''آپ کب آئے؟'' سر جھکا کے وہ بے مقصد برش چلانے لگی۔

''تم نے یہاں بھی اپنے ذوق کی چیزیں ڈھونڈ لیں۔'' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور کینوس پہ جھانکا۔وہ ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر بنا رہی تھی۔

باغ کا منظر۔دور تک پھیلے بلیک اینڈ وائٹ درخت۔اور اس سارے پھیکے منظر میں درمیان کا صرف ایک درخت تھا جس کے اوپر نارنجی رنگ کے مالٹے لگے تھے۔

''کتنا امیزنگ ہے یہ سب۔'' وہ پینٹنگ دیکھتے ہوئے ستائش سے بولا۔

''کیا؟ میرا آرٹ ورک؟''

''نہیں۔ ہم انسانوں کی ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی صلاحیت۔'' وہ جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ''میں اس قدیم دنیا میں رہنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا' نہ ہی گزشتہ دفعہ کی طرح لاعلمی میں یہاں پھنس گیا تھا۔ میں یہاں سے جلد از جلد جانے کے لیے آیا تھا لیکن اب دیکھو۔'' اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں یہاں رہ رہا ہوں اور ماحول کے ساتھ ایڈاپٹ بھی کر گیا ہوں۔''

یہ فقرے کہتے فاتح کے انداز میں کچھ بے بس سا تھا۔ تالیہ نے برش رکھ دیا۔

''کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں' فاتح؟'' وہ دونوں باغ کے وسط میں کینوس اسٹینڈ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''نہیں تالیہ۔ ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے پہ اپنی خواہش نہیں مسلط کریں گے۔''

وہ آزردگی سے مسکرا دی۔ ''پھر بھی میری خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد ایڈم کے ساتھ اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ کا استعفیٰ جو آپ اپنے دراز میں چھوڑ آئے ہیں' جو سوموار کی صبح جمع کروایا جانا تھا' وہ آپ تلف کر دیں۔ خواہش مسلط کرنے سے منع کیا تھا آپ نے۔ خواہش بتانے سے تو نہیں۔''

''نہیں تالیہ۔ میں نے ایک غلطی کی تھی۔ مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔''

''آپ وزیراعظم نہیں بنیں گے تو کوئی اور بن جائے گا جو آپ سے زیادہ گناہگار ہوگا۔ اس کرسی کو چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے' ڈان فاتح۔ اس بارے میں سوچیے گا ضرور۔ آپ کے پاس یہاں بہت وقت ہے۔ جب آپ واپس جائیں گے تو وہاں وقت ٹھہرا ہوا ہوگا اور آپ کے پاس اس استعفے کو تلف کرنے کی مہلت ہوگی۔''

''میں نے وہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا تھا۔ ''میں صرف اپنے آج پہ فوکس کر رہا ہوں۔ مجھے مراد راجہ کو سلطان بنوانا ہے اور اس سے وقت کی چابی لینی ہے جو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آسانی سے نہیں دے گا۔''

''آپ ان کو سلطان کیسے بنائیں گے؟''

''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے بنگارایا ملایو پڑھ رکھی ہے۔ اس کے مطابق سن باؤ وانگ لی کا پتا صاف کرنے سے مراد راجہ سلطان بنا تھا۔ تب مجھے سن باؤ ہیرو لگتا تھا۔ اب کچھ نہیں لگتا۔''

''اوہ ہاں۔'' تالیہ کو یاد آیا۔ ''مراد راجہ کے سلطان ساز نے وانگ لی کے کسی غلام کو کہا تھا کہ وہ اس شے کے بارے میں

جانتا ہے جو وانگ لی چھپا رہا ہے۔"

"ہاں اور اس غلام نے سیدھا جا کے وانگ لی کو مخبری کر دی تھی۔ وانگ لی سمجھا کہ وہ سلطان ساز سے دو قدم آگے ہے' اس لیے وہ موقع ملتے ہی ایک صبح منہ اندھیرے شہر سے باہر ایک قلعے تک گیا جہاں اس نے اس شے کو چھپا رکھا تھا۔ راجہ کے سپاہی اس کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی وہ وہاں گیا' انہوں نے اس کو گھیر لیا' اس شے کو برآمد اور وانگ لی کو گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے وانگ لی کو ایک آپشن دیا کہ وہ سفارت کاری سے استعفیٰ دے ڈالے اور ملاکہ سے رخصت ہو جائے۔ یوں وانگ لی نے استعفیٰ دیا' اور اپنے بحری سفر پہ روانہ ہو گیا، کہتے ہیں اس کی موت اس آخری سفر کے دوران ہی آ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی ملکہ کمزور ہو گئی اور مراد راجہ مضبوط۔" فاتح نے کتاب میں پڑھی باتیں مختصراً دہرا دیں۔

"واہ۔" وہ محظوظ ہوئی تھی۔ "یعنی بابا اور آپ لوگ کل صبح وانگ لی کے قلعے پہ چھاپہ مار کے اس کو گرفتا کرنے جا رہے ہیں۔ ویسے وہ چیز کیا تھی جو اس نے چھپا کے رکھی تھی؟"

"اس چیز کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ قدیم کتابوں کی طرح بنگارایا ملایو میں بھی کچھ باتیں راز کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ وہاں بس یہ درج ہے کہ خود سلطان ساز کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ شے کیا تھی۔ لیکن جب وہ اس قلعے میں پہنچا تو اسے وہاں داخل ہوتے ہی سب سمجھ آ گیا۔ امید ہے کل ہمیں بھی سمجھ آ جائے گا۔" پھر وہ توقف سے بولا۔ "اور تم.... تم نے سنا ہے سلطان کے لیے بہت سخت شرائط رکھی ہیں؟"

"ایڈم کی دوا کے لیے ایک فوج چاہیے تھی جو بے وقوف سلطان نے مہیا کر دی۔"

"ایڈم کہاں ہے؟"

"بابا کا کہنا ہے کہ اس کی حالت سمندر کے بالکل قریب رہنے سے بگڑے گی اس لیے کچھ دن کے لیے اسے سلطنت محل بھیجا ہے۔ وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے اب۔"

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر کسی خیال کے تحت فاتح نے پوچھا۔

"کیا تمہیں اب بھی خواب آتے ہیں مستقبل کے بارے میں؟"

"نہیں۔ جب سے ہم واپس آئے ہیں' میری وہ حس مر گئی ہے۔ لیکن ہمیں مستقبل بتانے کے لیے کتاب کا علم ہے نا۔ اس کتاب میں کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ ہم دونوں کتاب پہ بھروسہ کر کے ہی اپنی حکمت عملی بنائے ہوئے ہیں' فاتح۔ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا کتاب میں لکھا ہے۔" وہ اسے یقین دلا رہی تھی۔ اور ان دونوں کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق فتح انہی کا مقدر تھی۔

''اور جب میں سلطان کو خودکشی سے روک دوں گی اور اسے کہوں گی کہ یہ شرط میں نے اس لیے رکھی تھی تا کہ وہ میری مانگوں کو کبھی پورا نہ کر سکے اور جان لے کہ وہ زبردستی مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو سلطان سر جھکا دے گا۔ اور ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ ہم لامتناہی کھلاڑی ہیں۔ ہمارے پاس کتاب کی پیروی کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''درست۔ خیر۔ مجھے راجہ کے پاس جانا ہے۔ اور ان کو کل کے لائحہ عمل سے آگاہ کرنا ہے۔''

شہزادی نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ اب اپنے تھیلے کو دیکھتے ہوئے اس سے رخصت مانگ رہا تھا۔

کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن وہ دونوں ساتھ تو تھے۔

برابری کی سطح پہ ایک دوسرے سے مخاطب تو تھے۔

اس قدیم بلیک اینڈ وائٹ باغ کے وسط میں کھڑے دو رنگین نفوس.....

☆☆=========☆☆

بنداہارا کی خواب گاہ سے ملحقہ کمرہ نیم روشن تھا۔ دیوار پہ جانوروں کی کھالیں نمائش کے طور پہ آراستہ تھیں۔ ایک مشعل کا ٹمٹماتا شعلہ مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں میز رکھی تھی جس پہ ایک نقشہ پھیلا تھا۔ میز پہ جھکے کھڑے راجہ کے دائیں بائیں وہ دونوں موجود تھے۔ عارف نقشے پہ مختلف جگہوں پہ نشانات لگا رہا تھا اور فاتح سرگوشی میں مراد کو صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''میری اطلاع کے مطابق کل صبح سن باؤ منہ اندھیرے اس قلعے کی طرف جائے گا۔ ہمارے آدمی اور خود ہم بھی اس کی تاک میں ہوں گے۔ ہم اس کو وہیں جا لیں گے۔''

''اور اگر اس نے ہمیں چکما دے دیا اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکے؟'' عارف نے سر اٹھا کے ایک دم سوال کیا۔ مراد نے اس سوال پہ خاموشی سے فاتح کا چہرہ دیکھا۔ اس نے گہری سانس لی اور مسکرایا۔

''راجہ..... مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ شہر کے ایک طرف سمندر ہے۔ باقی تینوں اطراف کی ناکہ بندی کروا دی ہے میں نے۔ سن باؤ شمال کی سمت ہی جائے گا لیکن میں نے احتیاطاً دوسری دو اطراف میں بھی تعاقب کار بٹھا دیے ہیں۔ ہماری ٹولیاں جگہ جگہ سن باؤ کے لیے گھات لگا کے بیٹھی ہیں۔ ہم اسے نہیں کھوئیں گے۔ اس کا تعاقب کل صبح ہمیں لازمی اس قلعے تک لے جائے گا۔''

اس کے جواب پہ مراد نے مطمئن سے انداز میں ہنکارا بھرا تو عارف نے پہلو بدلا۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ شے کیا ہے جسے سن باؤ نے وہاں چھپا رکھا ہے؟''

مشعل کے پھڑ پھڑاتے شعلے کی روشنی فاتح کے چہرے کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اسی اطمینان سے گویا ہوا۔

''وہ شے وہیں جا کے آپ دیکھ لیں گے۔ ایسی حساس معلومات ابھی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' ایک کٹیلی نظر عارف پہ ڈالی تو وہ چپ رہ گیا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو وان فاتح۔ ہم چینی سفیر پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ہم بہت بڑی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔'' مراد راجہ تنبیہہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میرا علم دھوکہ نہیں دے گا۔'' وہ پر اعتماد تھا۔

مراد راجہ وہاں سے نکلا تو اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔ اسے سلطان سے چند حکم ناموں پہ مہر اجازت ثبت کروانی تھی۔

وہ اپنے سپاہیوں کی معیت میں محل پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلطان چند غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ملاقات کر رہا ہے۔ اسے فارغ ہونے میں چند گھڑیاں لگنی تھیں۔ مراد راجہ دربار کے باہر باغیچے کے گھاس پہ ٹہلنے لگا۔ بازو پیچھے باندھے' وہ دائیں بائیں چکر کاٹتے ہوئے کل کے معرکے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اسے احساس ہوا کہ باغیچے میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

وہ جو اتنی خاموشی سے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا تھا..... خود میں سمٹا سمٹا سا..... کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا...

''کیا حال ہے تمہارا؟ بڑے دن بعد دیکھا ہے تمہیں۔'' مراد بنچ کے قریب آیا اور ایڈم کو دیکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔ وہ جو چادر اوڑھے وہاں گھڑی صورت بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا' بس خاموش آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان آنکھوں میں بیک وقت اتنے گلے اور شکایتیں تھیں کہ لب ہلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''چچ چچ... تمہیں ابھی تک غلط فہمی ہے کہ تمہاری حالت کا ذمہ دار میں ہوں؟''

وہ اس کے ساتھ بنچ کے دوسرے کنارے پہ آ بیٹھا تو ایڈم ناگواری سے مزید سمٹا۔ مراد راجہ نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سامنے پھیلی سرما کی دھوپ کو دیکھنے لگا جو ایک دم بادل چھٹنے سے نکل آئی تھی۔

''حالانکہ اپنی حالت کے ذمہ دار تم خود ہی ہو۔ تم نے بندا ہارا مراد راجہ کو صحیح سے پرکھا ہی نہیں۔ چچ چچ۔'' وہ واقعی افسوس

سے ایڈم کو دیکھ کے کہنے لگا۔ ''تم نے مجھ سے اور کس چیز کی توقع کی تھی؟ کہ تم مجھ سے دوا مانگنے آؤ گے اور میں سونے کے طشت میں اسے رکھ کے تمہارے حوالے کر دوں گا؟''

''یعنی آپ سے انسانی ہمدردی کی توقع کرنا میرا قصور ہے؟''

''سب تمہارا قصور ہے' آدم۔ سب کچھ۔'' راجہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دوا مل جائے گی تو ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ کی دنیا میں رہنے کا شوق نہیں ہے ہمیں۔''

''تم اپنی بات کرو۔''

''دونوں سے مراد میں اور وان فاتح ہیں۔ شہزادی تاشہ کی بات نہیں کر رہا میں۔''

''کہا نا.... تم اپنی بات کرو صرف۔ کیونکہ وہ دونوں میری اس دنیا میں خوش ہیں۔'' راجہ اپنی ہلکی داڑھی کھجاتے ہوئے سامنے افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''اوہ۔ وان فاتح نے آپ کو سلطان بننے کی امید دلائی تو آپ ان کو بھی اسی دنیا میں رکھنے پہ راضی ہو گئے؟''

مراد نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی میں بولا۔ ''میری بیٹی نے اس سے شادی کی ہے' آدم۔ اگر اس کی بات درست ثابت ہو جائے اور مرسل شاہ کا تخت الٹ جائے.... تو مجھے اپنی بیٹی کے اس رشتے پہ کیوں اعتراض ہو گا؟ مجھے کسی سلطان کا خوف نہیں ہو گا اور وہ ہمارے ساتھ رہ سکتا ہے۔''

''آپ یہ اپنی بیٹی کے لیے نہیں کر رہے۔ آپ کو وان فاتح کی صلاحیتیں اپنی طاقت بڑھانے کے لیے چاہیے ہیں۔''

مراد نے آنکھوں میں چمک لیے ایڈم کو محظوظ انداز میں دیکھا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ اور میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ مجھے وہ آدمی پسند ہے۔ اور میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گا۔''

ایڈم کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو کیا کہے جو اپنی انگلیوں کے اشارے پہ سب کی زندگیاں چلانا چاہ رہا تھا۔

''مراد راجہ....'' قدرے ضبط سے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولنے لگا۔ ''آپ نے اگر وان فاتح کو اسی دنیا میں رکھنا تھا' تو مجھے یہاں سے جلد از جلد بھیجنے کے لیے گھائل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری جان اتنی فالتو تھی کیا؟''

''اوہ تم مختلف ہو۔'' راجہ نے فوراً سے کہا۔ ''کیا تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟ میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔ وان فاتح

کے ساتھ رہنے کے لیے بھی اسے شہزادی بن کے رہنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اپنے علاقے کا بند اہارا بننے والا تھا۔ وہ خاص تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی تو ہمیشہ خاص رہنا چاہے گی۔ ملکہ بننا چاہے گی۔ یہی میں چاہتا ہوں۔"

"اور میں؟" ایڈم نے الجھ کے اسے دیکھا۔

"تم۔" راجہ مبہم سا مسکرایا۔ "تم عام ہو' آدم بن محمد۔ ایک بالکل عام انسان۔ تمہاری وجہ سے اس کو ہمیشہ عام لوگوں سے نسبت رہے گی۔ تم ساتھ رہو گے تو اسے لگے گا کہ عام لوگوں کی کہانیوں کے بھی خوشگوار انجام ہو سکتے ہیں۔ تم اس کا عام لوگوں کے جیت جانے پہ یقین ہو۔ ایک زمانے میں میری بیٹی تمہاری دنیا میں ایک مجرم کی طرح زندگی گزارتی تھی۔ جب اس نے مجھے کہا کہ وہ بدل گئی تھی تو میں جان گیا تھا کہ وہ کیسے بدلی تھی۔"

"انہیں وان فاتح کی باتوں نے بدلا تھا۔"

"نہیں۔ وہ تمہاری وجہ سے بدلی تھی۔ کیونکہ تم نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ عام لوگوں کی اچھائی ان کے لیے اچھے انعام لے کر آتی ہے۔ اس لیے میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ رہے یا تمہاری کہانی کا اچھا انجام ہو....." کندھے اچکا کے مراد راجہ اٹھا تو ایڈم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اس کے عقب سے دھوپ آ رہی تھی اور ایڈم کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟ کیونکہ میری وجہ سے وہ کبھی نہ کبھی اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں گی؟ کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کوئی شہزادی نہیں ہیں۔ وہ آپ کی دنیا کی فرد ہیں ہی نہیں۔ وہ ہماری دنیا کی چے تالیہ ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تمہارا قصہ جلد ختم ہو۔ واپسی کا مجھے نہیں معلوم کیونکہ....." مراد اس کی طرف جھکا اور پھر سے سرگوشی کی..... "میرے پاس اب وقت کی چابی نہیں ہے۔"

اس کے الفاظ نے ایڈم کو پتھر کا بنا دیا۔

"جس چابی سے تم لوگ واپس آئے ہو..... وہ تمہارے شکار باز نے بنائی تھی اور اس کا جادو مختلف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم اس سے واپس جا بھی سکو گے یا نہیں۔ لیکن جس دن تم تندرست ہو گئے' میں تمہیں ملا کہ میں مزید ایک دن نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے تمہیں چین کے کسی جزیرے پہ ہی کیوں نہ بھجوانا پڑے۔"

اس کے سرد انداز میں دھمکی بھی تھی اور رعونت بھی۔ وہ اپنی کہہ کہ سیدھا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے اور آگے بڑھ گیا۔ مگر ایڈم کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا گیا۔ وہ بالکل گم صم سا وہاں بیٹھا رہ گیا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر سے دور اونچی نیچی پہاڑیوں کے سلسلے بنے تھے۔ وہاں ایک الگ تھلگ ویران سا قلعہ تھا جو اس صبح نیم اندھیرے میں خاموشی سے کھڑا اپنے آہنی گیٹ پہ گھوڑا روکتے سن باؤ کو دیکھ رہا تھا۔

سن باؤ اکیلا آیا تھا۔ کسی بھی محافظ یا غلام کے بغیر کیونکہ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

فربہ چینی سفیر اب ماتھے سے نادیدہ پسینہ پونچھتے ہوئے تھکا تھکا سا گھوڑے سے اترا اور سر اٹھا کے قلعے کو دیکھا۔ پھر گہری سانس لی۔

وہ کوئی عظیم الشان سا قلعہ نہ تھا۔ بلکہ کافی چھوٹا تھا۔ اور بالکل سنسان۔ اس کی پتھریلی دیواروں پہ نمی کے باعث جگہ جگہ سبز کائی جمی تھی۔

سن باؤ نے چند گہرے گہرے سانس اندر کو کھینچے۔ گویا تنفس ہموار کیا کہ لمبی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ پہریداروں اور دشمنوں' دونوں کو چکما دے کر نکلنا آسان بات نہ تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ قلعے کی طرف بڑھا' ایک دم ہر طرف سے اس کے اوپر افتاد ٹوٹ پڑی۔

اس کا گھوڑا مضطرب سا ہو کے ہنہنایا۔ گھوڑے کو شاید اندازہ ہو گیا تھا مگر وانگ لی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ لگام اس کے ہاتھ میں پتھر کی ہو گئی تھی اور وہ منہ کھولے اپنے چاروں طرف گھیرا تنگ کرتے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو جانے کہاں سے نکل آئے تھے۔

اس ششدر لمحے میں وانگ لی نے گردن دھیرے دھیرے چاروں اطراف میں گھمائی۔ یہ بنداہارا کے سپاہی تھے اور اس کے گرد دائرے کی صورت تلواریں تانے کھڑے تھے۔ مراد راجہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں.... تبھی وانگ لی نے اسے دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے کندھے مزید ڈھیلے ہو گئے... سیاہ قبا والا سنجیدہ صورت آدمی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتا عین وانگ لی کے سامنے لے آیا تھا۔

وانگ لی گم صم سا زمین پہ کھڑا تھا۔ لگام ہنوز ہاتھ میں تھی۔

''سن باؤ وانگ لی.....'' وان فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے انتظار کیا کہ وانگ لی کچھ کہے گا۔ اپنے دفاع میں کوئی دلیل دے گا۔ یہاں آنا جرم تو نہیں ہے۔ وہ تو پاس سے گزر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر وانگ لی اتنا ششدر تھا کہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس نے لگام چھوڑ دی اور ٹکر ٹکر فاتح کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اس سے کیا پوچھتے ہو؟'' مراد نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ''اندر جاؤ اور اس قلعے کی تلاشی لو۔''

وان فاتح نے نظریں اٹھا کے سپاہیوں کو دیکھا اور راجہ کی بات جاری رکھی۔ ''مجھے اندر موجود ہر شے کا حساب چاہیے۔ آخر سلطان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وانگ لی نے یہاں کیا چھپا کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اسی طرح چپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے سر نیہوا ڈر دیا اور لب کاٹنے لگا۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

سپاہی تھوڑی دیر میں ہی لوٹ آئے۔ ''اندر تو کچھ نہیں ہے۔''

فاتح نے چونک کے سپاہی کو دیکھا۔ اور پھر وانگ لی کو جس نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ وہ جیسے چونکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اس نے کہا کچھ نہیں۔ بس چپ چاپ فاتح اور سپاہی کو دیکھنے لگا۔

''اندر موجود تمام چیزوں کو باہر لے آؤ اور....''

''راجہ... اندر کچھ بھی نہیں ہے... سارا قلعہ خالی ہے...'' عارف نے سرگوشی کی۔

ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ راجہ نے گھور کے فاتح کو دیکھا اور وہ بار بار وانگ لی کے چہرے کو دیکھتا تھا جس کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔ جیسے اس کی جان میں جان آ رہی ہو۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور فاتح کو لگا وہ زیر لب مسکرایا بھی ہے۔

کچھ تھا جو غلط تھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیزی سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ بلند آواز میں سپاہیوں کو غصے سے حکم دیا کہ وہ ہر شے الٹا پلٹا دیں۔ مگر وہاں تھا کیا جس کی تلاشی لی جاتی؟ سب سامنے تھا۔

سورج نکل رہا تھا اور ہر پل وہ قلعہ مزید عیاں ہو رہا تھا۔ وہ خالی تھا۔ کسی بھی شے سے خالی۔ سوائے لکڑی جلانے کے انتظام کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ سپاہیوں نے زمین کے کونے تک چھان مارے کہ شاید تازہ تازہ کچھ دبایا گیا ہو مگر وہاں کچھ بھی مشکوک نہ تھا۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ وانگ لی کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

''بس کرو وان فاتح۔'' راجہ اس کے پیچھے اندر آیا اور ڈپٹ کے بولا۔

''مجھے صحن کی کھدائی کروانے دیں۔ کیا معلوم اس نے یہاں کچھ دبا رکھا ہو۔ یا دیواروں میں کچھ چن رکھا ہو۔''

''ہم اس سے زیادہ چینی سفیر کو نہیں روک کے رکھ سکتے۔''

''مگر راجہ.....''

''تم اس وقت صرف یہ سوچو کہ جب یہ چینی چمگادڑ اپنی ملکہ کو شکایت لگائے گا تو میں سلطان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر غصے سے سپاہیوں کو واپس بلانے لگا۔ مہم ناکام ہو چکی تھی۔

فاتح بالکل خاموش ہو گیا۔ وہ خود بھی جیسے شل ہو گیا تھا۔ اس نے چپ چاپ گھوڑا سپاہیوں کی معیت میں واپس موڑ لیا۔

وانگ لی کی آنکھیں' ان کی چمک..... وہ سب کچھ بتاتی تھی کہ قلعے میں کچھ ایسا تھا جو وہ مس کر گئے تھے۔

جس وقت انہوں نے وانگ لی کو موقعے پہ پکڑا تھا' تب خود وانگ لی کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ بار بار قلعے کو دیکھتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جو اس نے چھپا رکھا ہے وہ لوگ اسے برآمد کر لیں گے۔ مگر وہ نہیں کر سکے تھے۔ وہ شے ان کو نظر نہیں آئی تھی۔ اور نظر کے اس دھوکے نے سارا منظر بدل دیا تھا۔

اور شاید ساری تاریخ بھی۔

اور یہ سوچ کے فاتح کا دل دھک سے رہ گیا۔

وانگ لی کی سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔ وہ اب بارعب آواز میں مراد سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس بے عزتی کا حساب لے گا اور مراد ناگواری سے اس کو جواب دے رہا تھا۔ مگر وان فاتح ان کی گفتگو نہیں سن رہا تھا۔

اس کا دماغ ایک جگہ اٹک گیا تھا۔

کتاب میں لکھا تھا کہ انہیں وانگ لی کا راز مل گیا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ یعنی کہ کتاب.....؟؟

اس نے ایک دم لگام کو جھٹکا دیا۔ راجہ نے اسے آواز دی مگر وہ جانتا تھا کہ اسے جلد از جلد واپس ملاکہ پہنچنا تھا۔ اس وقت راجہ کی بات سننے سے زیادہ ضروری کچھ اور تھا۔

وہ آج بھی باغ میں کھڑی کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے پورے نیلے اور جامنی رنگ سے لتھڑے تھے اور وہ گردن ٹیڑھی کیے پینٹنگ بنانے میں محو تھی۔

"تالیہ..... تالیہ....." وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آیا تو تالیہ نے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

"آپ اتنی صبح؟"

"وہ کتاب....." وہ اتھل پتھل سانسوں کے درمیان کہتا اس کے سامنے آ رکا۔ "وہ کتاب سچ نہیں ہے۔"

"کیا؟" اس نے اچھنبے سے فاتح کو دیکھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ یوں لگتا تھا میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"بنگارایا ملایو..... اس کا تیر ہواں باب سچ نہیں تھا۔ وانگ لی کا راز ہمیں نہیں مل سکا۔"

"کیا مطلب؟ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کیا چھپایا تھا اس قلعے میں؟"

"نہیں تالیہ۔ جیسا کتاب میں لکھا تھا ویسا نہیں ہوا۔" وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے جھکا اور گہرے سانس لینے لگا۔

"چچ۔" تالیہ کو افسوس ہوا۔ "مگر خیر..... آپ فکر نہ کریں۔ آپ وانگ لی کے خلاف کچھ اور ڈھونڈ لیں گے اور....."

''تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی کیا؟'' اس نے سر اٹھا کے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''کتاب ہم سے جھوٹ بول رہی ہے۔'' زور سے دہرایا تو وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''تالیہ.... تالیہ.... تمہاری شرطیں.... تم نے سلطان کو مارنے کی شرط رکھی تھی۔'' اس نے یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

''مگر میری شرط سے سلطان کو کچھ نہیں ہوا تھا۔''

''یہ تو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا نا۔ تمہیں کیسے پتہ یہ سچ ہے؟ مجھے کتاب میں لکھی باتوں پہ بھروسہ نہیں رہا۔''

''وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ اپنی جان لے لے۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''ویسے بھی جب اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی تو میں اس کے پاس گئی تھی اور اس کو روک دیا تھا۔''

''کیسے؟''

''کیسے روکا تھا؟ ظاہر ہے زبان سے یہ کہہ کے کہ....''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم اس کے پاس کیسے گئی تھیں؟ تم نے تو راستے منہدم کروا دیے تھے۔''

''ہاں مگر ہم نے جنگل سے ایک راستہ رکھا ہوا ہے نا جس سے گزر کے روز بابا محل جاتے ہیں۔ مگر کتاب کے مطابق....'' اس نے رک کے یاد کیا۔ ''میں جادوئی طریقے سے سلطان کے کمرے میں نمودار ہوئی تھی اور میں نے اسے خودکشی سے روک دیا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں.... میری مانگیں سلطان کو....''

''تالیہ....'' وہ اس کے عین سامنے آ رکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تمہیں کوئی ایسا جادو آتا ہے جس سے تم غائب ہو کے اس کے کمرے میں پہنچ جاؤ؟''

اور تالیہ مراد کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔

اس کے لب کھل گئے۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ رنگ کی بوتل ہاتھ سے گری اور سبز گھاس کو داغدار کر گئی۔

جامنی رنگ کے چھینٹے اس کے دامن پہ بھی گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے تو کوئی جادو نہیں آتا تھا۔ پھر کیا کتاب واقعی سچ نہیں تھی؟ یا اللہ۔

وہ رنگ میں لتھڑے ہاتھوں سے پہلوؤں سے لباس اٹھائے تیزی سے سامنے کی طرف بھاگی تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

وہ سلطنت محل کے سامنے اپنی بگھی سے اتری اور سیاہ کانچ کی جوتیوں سے قریباً بھاگتی ہوئی محل کی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

دن کے بارہ بجنے کا وقت قریب تھا اور کتاب کا جادو ختم ہونے والا تھا۔ کانچ کے سیاہ جوتوں کا بوجھ اسے چلنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دونوں جوتے محل کی سیڑھیوں پہ گرا دیے.....اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اندر آئی.....پھر بدحواسی سے پہریداروں کو پکارا.....

"آقا کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔"

فاتح کو انہوں نے وہیں روک لیا البتہ اسے جانے دیا۔

"آقا آپ ہی کے منتظر تھے۔ ابھی آپ کو بلانے بھیجا تھا قاصد کو۔"

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے اندر کو بھاگی۔ سفید لباس جگہ جگہ سے داغدار ہو چکا تھا۔

سلطان کی خواب گاہ کے دروازے دو پہریداروں نے خاموشی سے کھول دیے۔ چوکھٹ پہ تالیہ کے قدم منجمد ہو گئے۔

اندر سے اگربتی کی خوشبو آ رہی تھی۔ شاید کافور کی مہک بھی اس میں شامل تھی۔ اور شاید خون کی بھی۔

اس کی انگلیوں نے لباس چھوڑ دیا۔ وہ پہلوؤں میں برابر ہوتا اس کے پیروں سے ٹکرانے لگا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی اور پھر.....برف ہو گئی۔

سامنے مرسل شاہ اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی پگڑی نہیں پہن رکھی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا دوسری طرف کسی پہ جھکا تھا۔

کوئی اس کے سامنے لیٹا تھا۔ آہٹ پہ اس نے گردن موڑی۔ تالیہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

"آپ کی آخری مانگ پوری ہوئی آج.....شہزادی تاشہ۔" اس نے اشارہ کیا۔ وہاں تعینات چار محافظوں میں سے ایک کسی کام میں مصروف نظر آتا تھا۔ سلطان کے اشارے پہ سیدھا ہوا اور ایک پیالہ لیے تالیہ کے عین سامنے آ رکا۔ پھر اسے قریبی میز پہ ادب سے رکھا۔

اس میں تازہ خون بھرا تھا۔ سرخ گاڑھا خون۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

"آپ کی مانگ مجھے بہت پسند آئی تھی شہزادی۔" مرسل نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے بات شروع کی۔ "مجھے آپ کو ایسا خون دینا تھا جس میں میرے اور میرے ماں باپ کے خون کی آمیزش ہو۔ اس مانگ نے مجھے وہ کرنے کا حوصلہ دیا جو میں ٹالے ہوئے تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے کبھی ایسا کیا تو میرے اوپر مقدمہ چلے گا لیکن.....اب نہیں.....کیونکہ قانوناً یہ جائز تھا۔ یہ رہا آپ کا خون....." یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا۔

اب مرسل شاہ کے عقب کا منظر واضح ہوا۔

وہاں رکھے ایک ٹھنڈے تختے پہ لیٹے وجود کا چہرہ نظر آیا.....

''یہ میرے بھائی کا خون ہے...جس میں ہم سب کے خون کی آمیزش ہے.....''

تختے پہ لیٹا وجود ایک بچے کا تھا۔ بمشکل نو دس سال کے بچے کا۔ اس کا چہرہ سفید تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ اس کی گردن پہ چھری پھیرنے کے نشانات تھے۔

وہ مر چکا تھا۔

مرسل نے خون میں ڈوبا خنجر پرے رکھا اور چلتا ہوا شہزادی کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ بس سن ہوئی اس بچے کی لاش دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا ایک بھائی بھی ہے؟ مگر نہیں۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ ملکہ نے بہت دفعہ کہا کہ میں اسے مروا دوں لیکن.....'' اس نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اسے مارنے کے لیے کوئی ٹھوس وجہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے اتنے عرصے سے اسے خفیہ قید میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن اب نہیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرے راستے آسان کر دیے۔ اب میں اپنے تخت کا تنہا وارث ہوں۔'' پھر اس پیالے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ کا خون شہزادی۔''

اشارہ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔

''شہزادی!'' وہ ایک دم الٹے قدموں واپس مڑی۔

کون اسے پکار رہا تھا۔ کس کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ بدحواس سی' سفید چہرہ لیے راہداریوں میں بھاگتی جا رہی تھی۔ دن کے بارہ بج گئے تھے۔ اس کی شاہی سواری ایک کدو سے زیادہ کچھ نہ تھی اور اس کے گھوڑے چوہے نکلے تھے۔ شہزادیوں والی ساری طاقت عنقا ہو چکی تھی۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس بچے کی شکل نظروں کے آگے ثبت ہو گئی تھی۔

وہ محل کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے بدحواسی سے بھاگ کے باہر آتے دیکھا تو رک گیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''فاتح.....فاتح.....'' وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پہ شدید خوف رقم تھا۔

''کیا ہوا؟'' اسے یوں دیکھ کے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''مرسل شاہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔''

وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''ہمیں کتاب نے دھوکہ دیا ہے.... یہ لوگ..... یہ پاگل لوگ ہیں۔ یہ پاگل دنیا ہے۔'' وہ بے بسی اور خوف سے روتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ میں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے' فاتح۔'' گرم گرم آنسو اس کے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔

''میری مانگوں کی وجہ سے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے نہیں چاہیے یہ محل۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں۔ میں تالیہ ہوں۔ میں کے ایل کی تالیہ ہوں۔''

وہ بالکل ششدر سا اس کو روتے ہوئے بولتے سن رہا تھا۔ تسلی کے سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

''میں..... میں میڈیا کا سامنا کر لوں گی۔ عدالت کا سامنا کر لوں گی۔ مجھے جیل جانا پڑا میں چلی جاؤں گی۔ مگر میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہ کریزی لوگ ہیں۔ یہ ہمیں بھی مار دیں گے۔ پلیز تالیہ کو تالیہ کی دنیا میں واپس لے جائیں۔''

اس نے بے بسی اور خوف کے عالم میں فاتح کے ہاتھ۔

پہلی دفعہ..... وہ اپنا غرور اور انا بھلائے اسے کہہ رہی تھی کہ وہ اسے بچا لے۔

اس دفعہ وان فاتح کو اسے بچانا ہوگا۔

وہ خود کو خود بچاتے بچاتے تھک چکی تھی۔

فاتح نے افسوس سے اس کے ہاتھوں کو تھپکا اور بگھی کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک سرد نظر مرسل شاہ کے اونچے محل پہ ڈالی۔

''ہم اپنی دنیا میں واپس ضرور جائیں گے' تالیہ۔ اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔''

☆☆=========☆☆

(باقی آئندہ)

حالم (نمرہ احمد)

اکیسواں باب:

''اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔''

اتوار کی شام تھی۔

بائیس جنوری کی تاریخ تھی۔

اکیسویں صدی کی جونکر اسٹریٹ سامنے تھی۔

اور یہ ملائیشیا کا شہر ملاکہ تھا۔

اس نے اپنے سامنے پھیلی جونکر اسٹریٹ پہ چلتے لوگوں کو دیکھا تو یاد آیا کہ جمعہ' ہفتہ اور اتوار وہ دن تھے جب اس اسٹریٹ کو پیدل چلنے والوں کی گزرگاہ بنایا جاتا تھا۔ سڑک کے کنارے اسٹالز اور بنچ لگ جاتے تھے۔ اور لوگ خریداری کرتے ہوئے' کھاتے پیتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔

قدیم ملاکہ میں ایک ماہ گزارنے کے باعث اسے اس شور ہنگامے اور رونق کی عادت نہیں رہی تھی۔ ہر شے مختلف تھی۔ صرف تاریخ اور دن وہی تھا۔ اتوار' بائیس جنوری کو وہ تینوں وقت میں پیچھے گئے تھے۔ پھر اسی تاریخ اور اسی دن میں اس کی ''واپسی'' ہوئی تھی۔ مگر یہ واپسی ویسی نہیں تھی جیسی اس نے چاہی تھی۔ یہ واپسی بہت سفاک تھی اور اس کا دل توڑ گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے پیش آنے والے حالات کا صدمہ ابھی تک اس کے حواسوں پہ طاری تھا۔ اتنے شور میں تنہا بنچ پہ بیٹھے اسے معلوم تھا کہ اب زندگی کبھی ویسی نہیں رہے گی۔ وقت نے اسے.... بلکہ ان تینوں کو بہت سخت سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟ ساری محنت یہاں واپس آنے کے لیے کی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

اس نے آنکھیں بند کیں تو پل بھر کے لیے ساری دنیا اندھیر ہو گئی۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا...

☆☆=========☆☆

مرسل شاہ کے بھائی کے قتل کے دو دن بعد:

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں اندھیرا پھیلا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سے سو رہی تھی۔ یا تکیہ منہ پہ رکھے ہوئے تھی جب پردہ کھینچنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی احساس ہوا کہ کمرے میں روشنی در آئی ہے۔

تالیہ نے تکیہ ہٹایا تو تیز دھوپ سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہیولہ سا نظر آیا جو کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں پھر سے بند کر لیں اور دوسری جانب کروٹ موڑ لی۔

''آپ کیوں آئے ہیں؟'' بے مروتی سے پوچھا۔

وہ بازو سینے پہ لپیٹے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے' بالوں کو ماتھے پہ بکھیرے' نرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یہ بتانے کہ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی' تالیہ۔ دو دن کمرے میں بند رہنے سے تو بالکل بھی نہیں۔''

وہ رخ موڑے بند آنکھوں سے بولی۔ ''میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ دو دن پہلے کیا ہوا تھا۔''

''میں یاد کروائے دیتا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولا۔ ''مرسل شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے۔''

تالیہ کی بند پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے کیوں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کاش میں وہ شرائط نہ رکھتی۔''

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے' تالیہ۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ اس کی چاپ سن کے تالیہ نے کروٹ واپس موڑی تو دیکھا' وہ جھک کے اس کی تپائی پہ دھری دوا کی شیشی اٹھا رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''میں نے آریانہ جتنے بچے کو مارنے کی شرط رکھ دی۔''

''تم نے ایڈم کو بچانے کے لئے شرط رکھی تھی۔''

''میں آخری شرط کچھ اور رکھ سکتی تھی مگر میں نے خون لینے کی بات کیوں کی؟ کے ایل کے لوگ درست سمجھتے ہیں۔ میں واقعی ایک قاتل ہوں۔''

وہ دوائیں اٹھا اٹھا کے ایک پوٹلی میں ڈال رہا تھا۔ تالیہ تکیے پہ گال رکھے' بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''مجھ میں اور عصرہ میں کوئی فرق نہیں رہا' فاتح۔ میرے ہاتھ پہ بھی ایک بچے کا خون ہے اب۔''

''اب تم بات بڑھا رہی ہو۔'' وہ دروازے تک گیا اور باہر کھڑے دربان کو پوٹلی تھمائی۔ پھر آہستہ آواز میں اسے اس کو پھینکنے اور تازہ چائے لانے کی ہدایت کی۔

''جب میں نے ذوالکفلی کو وہ چائے پلائی تھی... تو وہ سمجھا تھا میں نے اسے زہر دے دیا ہے۔ مگر آپ کو یقین تھا کہ میں کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ میں بھی سمجھتی تھی' میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر میں نے ایسا کیا۔'' اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گالوں پہ لڑھک کے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

''میرا باپ بنگارایا ملایو کا بہت بڑا فین تھا۔'' وہ ابھی تک چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اسے چائے کا انتظار تھا۔ ''اس نے بچپن میں مجھے اس کتاب سے ڈھیروں قصے سنائے تھے۔ ہم نے اس کتاب اور وانگ لی کے مجسمے کی وجہ سے وہ گھر لیا تھا۔ وہ سرخ گھر۔''

باہر سے کسی نے اسے طشت پکڑائی تو فاتح اسے اندر لے آیا۔ اور تالیہ کے پلنگ کے ساتھ میز پہ اسے رکھا۔ اس طشت میں چینک تھی اور شیشے کی دو پیالیاں۔

''وانگ لی کا وہ مجسمہ مجھے ایک پرانے دوست کی طرح لگا کرتا تھا۔ میری ماں مجسموں کے خلاف تھی۔ مگر وہ تاریخی ورثہ تھا اس لئے کسی نے اس کو نہیں گرایا۔ مجھے اس مجسمے کو دیکھ کے عجیب ناسٹلجیا ہوتا تھا۔ جیسے کبھی کسی زمانے میں ہم مل چکے ہوں۔ جیسے اس کا مجھ پہ کوئی احسان ہو۔''

وہ نرمی سے کہتا جھک کے پیالیاں نکال رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''پھر ایک دن کھیل میں' میں نے ایک بچے کو گرا دیا۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ سلطان کے بھائی جتنے بچے کو۔ اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے ماں باپ نے مجھے اتنا زدوکوب نہیں کیا جتنا میں نے خود کو کیا۔ میں مجسمے کے سامنے بیٹھ کے کافی دیر روتا رہا تھا۔ اور پھر..... میرا باپ میرے پاس آیا۔''

وہ پیالی میں چینک سے چائے کی دھار ڈال رہا تھا۔ اس کی خوشبو نے دو دن سے بند کمرے کی مایوس فضا کو معطر کر دیا۔

''میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے جان بوجھ کے اس لڑکے کو مارا تھا؟ کیا میری نیت اس کو نقصان پہنچانے کی تھی؟ میں نے کہا ظاہر ہے نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور تب مجھے میرے باپ نے وہ بات بتائی جو اس نے بنگارا یا ملایو میں وانگ لی کے حوالے سے پڑھی تھی۔ نہ جانے سچ تھی یا جھوٹ۔ مگر وہ اس طرح تھی۔''

اس نے ایک چوکی کھینچ کے پلنگ کے ساتھ رکھی۔ پھر اس پہ بیٹھا اور نرمی سے تالیہ کو دیکھتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا بات؟'' وہ اٹھ کے تکیوں کے سہارے بیٹھی۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور پیالی تھام لی۔ وہ گرم تھی۔ اور تالیہ کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ ٹھنڈے اور بے جان۔

''وانگ لی کہتا تھا' ہم انسان زندگی میں بہت سے ایسے فیصلے کرتے ہیں جن کا نتیجہ ہمیں شرمندہ کر دیتا ہے۔ اور دکھی بھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم نتیجے کے ذمے دار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری نیت اس غلط نتیجے کی نہیں تھی تو ہم قصوروار نہیں ہو سکتے۔''

ذرا توقف سے اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ ''کیا تم چاہتی تھی کہ مرسل اپنے بھائی کو مار دے؟''

''ہرگز نہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا کوئی بھائی بھی ہے۔''

''تو پھر تم اس چیز کے لئے کیسے ذمہ دار ہو جس کا نہ تم نے ارادہ کیا اور نہ کوشش؟'' وہ دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''آپ اچھے دوست ہیں۔ مجھے ٹراما سے نکالنے آئے ہیں۔ لیکن میں اس منظر کو کیسے بھلاؤں جو میں نے دیکھا تھا؟ وہ خون کا پیالہ.... وہ لاش؟''

''کس نے کہا کہ بری یادوں کو بھولنا ضروری ہوتا ہے؟ بھولتے تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو ظلم ہمارے ساتھ ہوئے۔ جو ظلم ہم نے کیے۔''

''بھولنے کے علاوہ کوئی حل ہے کیا؟ اس یاد کا اثر لینا کیسے چھوڑوں؟''

''یہ تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ تمہیں ایسا کون سا کام کرنا چاہیے جو پچھلے غم کے اثر کو زائل کر دے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''برے تجربے کو اچھے تجربے سے زائل کرنا سیکھو۔ چائے پیو اور یہ بستر چھوڑو۔ ہمیں اپنے لائحہ عمل پہ کام کرنا ہے۔''

''کس چیز کا لائحہ عمل؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے چونکی۔ جواباً فاتح نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''واپس جانے کا تالیہ۔ میرے خیال میں ہم یہ طے کر چکے تھے کہ تم اس کریزی دنیا میں نہیں رہنا چاہتیں۔'' وہ زور دے کر بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا دیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے ہم کس تاریخ کو یہاں آئے تھے؟''

''ہاں۔ 22 جنوری 2017۔ اتوار کا دن۔''

''ہم ذوالکفلی کے گھر کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔ اس گھر کے سامنے ہی جونکر اسٹریٹ تھی۔ اس روز اس پہ بہت رش تھا۔'' وہ چائے کی پیالی میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہمارا لائحہ عمل کامیاب ہو جائے گا اور ہم بہت جلد واپس اسی وقت اور اسی تاریخ میں پہنچ جائیں گے۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا۔

''مجھے وہ خواب پھر سے نظر آنے لگے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ جونکر اسٹریٹ سامنے ہے۔ اس پہ معمول کا رش ہے۔ اور

کوئی بنچ پہ بیٹھا ہے۔"

"کون؟" وہ چونکا۔

"میں نہیں جانتی۔ ایک سایہ سا نظر آتا ہے۔ اس وجود سے اداسی ٹپکتی ہے۔ دنیا اس کے گرد تیزی سے رواں دواں ہے لیکن وہ وجود..... وہ تنہا اور اداس بیٹھا ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کا کیا مطلب ہے لیکن میں یہ خواب بار بار دیکھتی ہوں۔"

"یہ سب مسلسل بستر سے لگے رہنے کا نتیجہ ہے۔ تم کب اس بستر کو چھوڑ رہی ہو؟"

"بستر نہ چھوڑنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اپنی بات رد کیے جانے پہ وہ برا مان کے بولی۔ "یہ بستر ہی تو ہمارا دوست ہوتا ہے۔"

"اچھا؟" اس نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

"ہاں۔ ہماری زندگی کے بڑے بڑے لمحات کا گواہ ہوتا ہے یہ۔ انسان اس پہ جنم لیتا ہے۔ انسان اس پہ مرتا ہے۔ اگر اس پہ نہ بھی مرے تو مرنے کے بعد اسی پہ لٹایا جاتا ہے۔ شادی کے وقت بھی اسی کو سجایا جاتا ہے۔ بیماری میں اسی سے لگا دیا جاتا ہے۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ "ہم اس پہ روتے ہیں۔ بڑے بڑے فیصلے اسی پہ کروٹیں بدلتے ہوئے لیتے ہیں۔ اس پہ لیٹے ہوئے خواب بنتے ہیں۔ اسی پہ خوابوں کے ٹوٹنے کے غم میں روتے ہیں۔ اسی پہ اگلے دن کے ادھورے کاموں کو پلان کرتے ہیں۔ شاید ہمارا سب سے بڑا غم گسار یہ بستر ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن اس سے لگ کے رہنا تمہارے غم کو بڑھا دے گا' تالیہ۔ غمگین انسان کے لئے سب سے مشکل کام بستر چھوڑنا اور تیار ہو کے کمرے سے باہر نکلنا ہوتا ہے۔ یہ عمل آدھا غم دور کر دیتا ہے۔ جب تم اس سے باہر نکلو گی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

وہ جس خاموشی سے آیا تھا' اسی طرح نکل گیا۔ تالیہ نے کھلے دروازے سے دیکھا' کہ باہر کھڑے دربانوں نے وان فاتح کو سر جھکا کے تعظیم پیش کی تھی۔ وہ سر کو خم دیتا' تنی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کو قدیم ملاکہ میں بھی اپنا مقام واپس مل گیا تھا۔ وہ یہاں ایک شاہی مہمان کی طرح رہتا تھا نہ کہ غلام کی طرح۔

وان فاتح بالآخر آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے چائے کی پیالی رکھ دی اور ٹیک لگا کے چھت کو دیکھنے لگی۔ لکڑی کی اونچی چھت سے موم بتیوں کا فانوس لٹک رہا تھا۔ ان کے کناروں پہ پگھلی ہوئی موم کی دھار جم کے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

وہ سوچتی تھی' کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔ مگر کسی کے لئے کوئی آ بھی جاتا ہے۔ جیسے فاتح اس کے لئے آیا تھا۔ لیکن کوئی آ

جائے' تب بھی وہ ہمیں ہمارے ڈپریشن سے نہیں نکال سکتا۔ اپنے بستر سے انسان کو خود ہی نکلنا ہوتا ہے۔

وہ سیدھی لیٹی' اور لحاف چہرے پہ تان کے ایک دفعہ پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

اس کے بنچ کے اردگرد لوگ ہنوز خوش باش چہل قدمی کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ کوئی کچھ کھا رہا تھا۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ ایک اس کی دنیا تھی جو ویران ہوئی تھی۔

اس نے سوچنا چاہا کہ وہ یہاں اس بنچ پہ کیوں ہے؟ اس سے اٹھا کیوں نہیں جا رہا؟ چلا کیوں نہیں جا رہا؟ پھر اس نے کوشش کی کہ اٹھے... لیکن دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔ ٹانگوں میں جان نہ تھی۔ وہ سُن تھیں۔ برف تھیں۔ پتھر تھیں۔

اس نے سوچا تھا کہ واپس اپنی دنیا میں آ کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اب لگ رہا تھا کہ ہر شے کھو دی تھی۔ سب رشتے۔ سب محبتیں۔ اس کے پاس واقعی کوئی نہ بچا تھا۔ کس سے بات کرے۔ کس کے پاس جائے؟ اس نے وقت کے باقی دونوں مسافروں کو بھی کھو دیا تھا۔ ایک ذرا سی غلطی نے ان تینوں کو جدا کر دیا تھا۔

یہ باتیں بار بار اپنے ذہن کو بتانے کے باوجود اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب ہوا کیسے؟ اس نے کیسے سب کچھ کھو دیا؟ بس ایک لمحے میں؟

☆☆=========☆☆

سلطنت محل میں دربار سجا تھا۔ تخت ابھی خالی تھا البتہ درباریوں اور وزراء کی کرسیاں بھری تھیں۔ سب اکٹھے ہو چکے تھے۔ سلطان نے تین روز بعد آج دربار بلایا تھا۔ ابھی تک اس کے بھائی کے قتل کی خبر عام نہیں ہوئی تھی اس لئے دربار میں موجود لوگوں کے تاثرات نارمل تھے اور وہ معمول کی کارروائی نمٹانے آئے تھے۔

اگر کوئی شدید پریشانی کا شکار تھا تو وہ بندا ہارا مراد راجہ تھا۔

"اس قلعے والے واقعے کے بعد آج سن باؤ سلطان سے ملنے آ رہا ہے۔" مراد اپنے ساتھ موجود فاتح سے دبی آواز میں مخاطب تھا۔ "پچھلے چار روز وہ چینی سفارت کاروں کے ساتھ مصروف رہا ہے۔ میرے آدمی اس کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ وہ نہ ملکہ سے ملا ہے نہ سلطان سے۔"

"یعنی ابھی تک اس نے سلطان یا ملکہ کو اس بارے میں نہیں بتایا۔" فاتح نے گہری سانس لی۔ مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

''ہاں کیونکہ محل میں بن بلائے آنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر آج اس کے پاس موقع ہے' وان فاتح۔ وہ سلطان سے ملے گا اور بھرے دربار میں بتائے گا کہ ہم نے کیسے اسے بنا قصور کے حراست میں لینا چاہا۔ وہ چینی سفیر ہے اور ہم اس کے ساتھ ایک سنگین زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

فاتح خاموش رہا۔ سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' بازو پیچھے باندھے وہ بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ جانتا تھا کہ سفارت کاروں سے زیادتی کرنا قدیم زمانے میں بھی اتنا ہی بڑا جرم تھا جتنا کہ 2017 میں۔

''اگر سلطان نے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟'' مراد کی پریشانی واضح تھی۔ مگر فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ مراد راجہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

ان کے مخالف سمت ایک کرسی پہ فربہ چینی سفیر اپنا جبہ سنبھالتا بیٹھ رہا تھا۔ بیٹھ کے اس نے چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔ استہزائیہ مسکراہٹ اور فاتحانہ نظریں مراد راجہ کے اندر تک گڑ گئیں۔ اس نے تنفر سے رخ پھیر لیا۔

''میں سلطان کو جواب دے دوں گا۔'' فاتح نے خاموش نظروں سے وانگ لی کو گھورتے ہوئے مراد سے کہا۔ ''غلط فہمی' غلط اطلاع' کچھ ایسا کہہ دوں گا۔''

''مگر سلطان.....''

''آپ بے فکر رہیں اور جواب میرے اوپر چھوڑ دیں۔ مجھ پہ بھروسہ کریں' راجہ۔'' اس کا انداز یقین دلانے والا تھا اور اس آدمی کا یہی انداز تھا جس پہ مراد راجہ دھیما پڑ جاتا تھا۔ اسے قدرے تسلی محسوس ہوئی۔

مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہوا تو اس کے انداز میں ایک واضح بدلاؤ محسوس ہوتا تھا۔ وہ تکان کا شکار لگتا تھا۔ آنکھوں کے سیاہ حلقے رتجگوں کے غماز تھے۔

ایک بے گناہ انسان کی جان لینا ایسا گناہ تھا جو دھیرے دھیرے قاتل کے دل کا ایک حصہ بالکل مار دیتا تھا۔ بے چینی' پریشانی' خوف' احساسِ گناہ.....اور پھر بے حسی سے اپنے عمل کو درست کرنا.....اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔

مرسل شاہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار عصرہ یاد آئی تھی۔ وہ بھی آریانہ کے بعد ایسے ہی بدلی تھی۔ دھیرے دھیرے۔ راتوں کو ڈر جاتی تھی.....نیند سے محروم.....بے چین.....خوفزدہ.....جھنجھلائی ہوئی.....

اس نے سر جھٹکا اور توجہ دربار کی کارروائی پہ مرکوز کی۔ سب سے پہلے وانگ لی کو بولنے کا موقع ملا تھا۔

دربار میں باادب سا سناٹا تھا اور وانگ لی تخت کے زینوں کے سامنے کھڑا' ہاتھ باندھے اپنے بادشاہ کا پیغام سلطان تک پہنچا رہا تھا۔ یہ معمول کی کارروائی تھی۔

فاتح دم سادھے سنے گیا۔ مراد راجہ بھی کرسی پہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''اور کچھ؟'' وانگ لی کو اپنا جواب اسے لکھوا کے مرسل شاہ نے رسماً پوچھا۔ وانگ لی نے ہلکا سا توقف کیا۔ اور پھر سر جھکا دیا۔

''نہیں' آقا۔ بہت شکریہ۔'' سر اٹھایا' ایک بے نیاز نظر مراد اور فاتح پہ ڈالی اور واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

مراد راجہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ اس کے تمام اعضاء پرسکون ہو کے ڈھیلے ہو گئے۔

''اس نے نہیں بتایا۔ بہت خوب۔ وہ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے معاملہ نہیں بگاڑ سکتا۔''

مراد زیرِ لب مسکرایا۔ لیکن وان فاتح تعجب سے وانگ لی کو دیکھ رہا تھا۔

(یہ کیسے ہوا؟ وانگ لی نے شکایت کیوں نہیں لگائی؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔ کیا وہ ڈر گیا یا اس نے رحم کھایا؟ یا کوئی تیسری بات تھی؟) وہ الجھ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

تالیہ کے کمرے کا ماحول اس شام بھی ویسا ہی تھا۔ ویران' مایوس' اندھیر۔ دربان نے دروازہ کھولا اور فاتح اندر داخل ہوا تو دیکھا' وہ پلنگ پہ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بال گول مول بندھے تھے اور چہرے پہ بے رونقی تھی۔

سامنے مسہری پہ ایڈم بیٹھا تھا۔ بیساکھی اپنے پہلو سے لگا رکھی تھی۔ کرتے پاجامے میں ملبوس' نحیف اور لاغر سا لگتا تھا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی نقاہت تھی۔

''تم نے بتا دیا تالیہ کو جو مجھے بتایا تھا؟'' فاتح نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ دونوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ دونوں اتنے بیمار اور نحیف لگتے تھے کہ چونکتے بھی نہیں تھے۔ بس آہستہ سے نظروں کا رخ موڑتے تھے۔

''جی۔'' تالیہ نے سر ہلایا۔ ''بابا کے پاس چابی نہیں ہے نہ ہی اسے بنانے کا طریقہ ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک اور دھوکہ دیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''مراد راجہ صرف مجھے مارنا چاہتے ہیں۔'' ایڈم نے مایوسی سے سر جھکا دیا۔ ''ان کا کہنا ہے کہ میں ''عام'' ہوں۔ مجھے خاص لوگوں میں نہیں رہنا چاہیے۔''

فاتح کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' اس نے ترحم سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''جب میں نے کہا ہے کہ تم دونوں کو واپس لے جاؤں گا تو اتنے مایوس کیوں ہو؟ دوا کے اجزائے ترکیبی مکمل ہیں۔ میں ابھی راجہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہمیں دوا بنا کے دے' تاکہ کم از کم تم میں سے ایک کی بیماری تو ختم ہو۔''

پھر تالیہ کو افسوس سے دیکھا۔ وہ ابھی تک بستر سے نہیں نکلی تھی۔ ''اور تم.... تم اب اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی۔ ہے نا؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ فاتح کے چہرے پہ ناراضی اتری۔

''اس روز تم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں واپس لے جاؤں۔ وہ جذبات کے زیر اثر کہا تھا کیا؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔ میں اپنے فیصلے پہ قائم ہوں۔ لیکن.....'' بھیگی نظریں اٹھائیں۔ ''میں کس منہ سے خود کو بے گناہ کہوں گی؟ میں کیسے کہوں گی میں نے عصرہ کو نہیں مارا جبکہ میں نے ایک بچے کو....'' اس نے لب کاٹے۔

''وہ ایک دوسری دنیا کا مسئلہ ہے' تالیہ۔ جب ہم وہاں جائیں گے تو اس کو حل کریں گے۔ ابھی کے لئے....'' وہ آگے آیا اور اس کے پلنگ کے کنارے رکا۔ پھر غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم نے اپنے بابا کو یہ یقین دلانا ہے کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یعنی ایک جادوگر کو کون کرنا ہے؟''

فاتح نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اپنی بہترین اداکاری جاری رکھو۔ سلطان سے شادی پہ اعتراض نہ کرو۔ ظاہر کرو کہ تم یہاں خوش ہو۔ مراد راجہ کو شک نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ یہ زبان ان کی گفتگو کو بھرے مجمع میں بھی خفیہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔

تالیہ نے دھیرے سے گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم نے بنگارایا ملایو میں جھوٹ کیوں لکھا؟''

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا کیونکہ مجھے سرکاری طور پہ سلطان کے بھائی کے مرنے کی اطلاع نہیں ملی۔ نہ ہی آخری شرط کے پورے ہونے کی۔ ایڈم کبھی جھوٹ نہیں لکھے گا۔''

''اور وانگ لی کے قلعے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟''

''مجھے کیا معلوم وانگ لی کے قلعے کا کیا قصہ ہے۔ سرکاری طور پہ مجھے کوئی اطلاع ملی ہی نہیں ہے۔''

''کیا وانگ لی نے آپ کی شکایت کی ہے؟'' تالیہ کو یاد آیا۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔'' فاتح بازو سینے پہ لپیٹے سامنے کھڑا کچھ سوچنے لگ گیا تھا۔

''کیا مطلب؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وانگ لی نے وہ قصہ کیوں چھپایا۔ حالانکہ اب تک وہ اس شے کو قلعے سے غائب کر چکا ہوگا۔''

''کیا وہاں کچھ ایسا نہ تھا جو مشکوک ہو؟'' ایڈم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ وہاں صرف آگ جلانے کا سامان تھا۔''

''ہو سکتا ہے اس سامان میں کچھ ہو۔''

''نہیں ایڈم۔ اس میں کچھ نہیں تھا۔'' وہ بے زار ہوا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ذہنی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیا معلوم زمین میں کچھ دبایا ہو۔ یا دیواروں میں چن دیا ہو؟'' وہ اب بالکل سیدھی ہو کے بیٹھ چکی تھی۔ ایڈم نے بھی کمر سیدھی کر لی تھی۔

کمرے کا ویران ماحول دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔ فضا میں کچھ ایسا در آیا جو اتنے دن سے وہاں نہ تھا۔

دلچسپی کا عنصر۔ معمہ حل کرنے کی خواہش۔

''اتنا وقت نہیں ملا مگر زمین پہ گھاس تھی۔'' وہ اب بے چینی سے دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔ کوئی سرا تھا جو ہاتھ نہ آتا تھا۔

''کیا معلوم.....'' ایڈم کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ ''آگ جلانے کے سامان میں کچھ ہو؟''

''نہیں ایڈم۔ پندرہویں صدی کے ملاکہ میں آگ جلانے کا سامان عام چیز ہوتی ہے۔''

''دیٹس اِٹ۔'' ایڈم نے بیساکھی آہستہ سے نیچے رکھی اور فاتح کو دیکھا۔ اس کی نقاہت زدہ آنکھوں میں بالآخر چمک در آئی تھی۔ جیسے ایک سرا اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ''آپ ہر چیز کو پندرہویں صدی کے ملاکہ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔''

''یعنی؟''

''فاتح صاحب.... وہ چیز پندرہویں صدی کے لوگوں کو اتنے عرصے سے کیوں نہیں ملی؟ شاید اس لیے کہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اکیسویں صدی کے آدمی کی طرح سوچنا ہوگا۔''

''ایڈم کا مطلب ہے کہ اگر ہمارے زمانے میں کسی وانگ لی کو کسی قلعے میں وزیراعظم کے گارڈز جا گھیرتے۔ اس کی ہزیمت ہوتی۔ لیکن وہ کچھ برآمد نہ کر سکتے اور ناکام لوٹ جاتے.... تو وانگ لی کو کیا کرنا چاہیے؟''

''عدالت میں جائے۔ ہراس منٹ کی شکایت کرے۔'' وہ اب دائیں سے بائیں کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

''لیکن اگر وانگ لی پولیس یا عدالت کے پاس نہ جائے.... تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟''

وہ ٹہلتے ٹہلتے پلنگ کی پائنتی کے پاس رکا۔ نظریں کھڑکی سے آتی روشنی پہ مرکوز کیں۔

''اگر وہ پولیس کو ملوث کرتا تو پولیس پہلا سوال پوچھتی کہ.....'' اور چار دن بعد اس ایک پل میں.... ڈوبتی شام کی نیلگوں روشنی دیکھتے ہوئے وان فاتح کے ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا۔ ''.... کہ یہ قلعہ کس کا ہے۔''

''اوہ۔ وہ قلعہ کس کا ہے؟''

فاتح نے تاسف سے ماتھے کو چھوا۔ ''اوہ تو.... سن باؤ نے قلعے کے اندر کچھ نہیں چھپایا تھا۔ اس نے اس ''قلعے'' کو چھپا رکھا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''سن باؤ کی رنگت مجھے دیکھتے ہی زرد ہو گئی تھی۔ مگر جب میں نے سپاہیوں کو اندر سے مشکوک شے لانے کو کہا اور وہ کچھ نہ لا سکے تو وہ مطمئن ہو گیا۔ پہلے وہ سمجھا تھا کہ میں اس قلعے کو پکڑ چکا ہوں۔ وہ قلعہ بذات خود خفیہ شے تھی۔ ہمیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ لوگوں نے یہ معلوم نہیں کروایا کہ وہ قلعہ کس کا تھا؟''

''نہیں۔ کیونکہ پندرہویں صدی میں لینڈ اونرشپ کے قوانین مختلف ہیں۔ ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ قلعہ سن باؤ کا تھا۔ لیکن اگر تم اکیسویں صدی کے تناظر سے دیکھو تو پہلا سوال بنتا ہے کہ جائے واردات کا مالک کون ہے؟'' وہ افسوس سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

ایڈم کے بے رونق چہرے پہ بالآخر چمک در آئی۔ ''ارے واہ۔ ہم نے اتنا بڑا معمہ حل کرنے میں آپ کو مدد دی ہے۔''

وان فاتح نے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی اور کندھے اچکائے۔ ''میں ویسے بھی معلوم کر لیتا۔ کتنا اچھا ہو کہ تم دونوں اس وقت اپنے معمے حل کرنے پہ توجہ دو۔''

باری باری دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈالی اور سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے دائیں ابرو اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔

''وہ سمجھتے ہیں ہم بے کار ہو چکے ہیں۔''

''کیا غلط سمجھتے ہیں؟''

تالیہ نے ایک گھورتی نظر اس پہ ڈالی اور لحاف مٹھیوں میں دبوچ کے پرے پھینکا۔

''میرے پاس صرف ایک چیز بچی ہے بچانے کو۔ وہ میری اصل دنیا ہے۔ کے ایل کی تالیہ مراد کی دنیا۔ مجھے اپنی دنیا واپس چاہیے۔ میں ہار نہیں مانوں گی۔''

وہ بستر سے اتری اور پیر جوتوں میں ڈالے۔ اسے اپنے غم سے خود کو خود ہی نکالنا تھا۔

☆☆==========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ بنچ سے اٹھی اور بے مقصد انداز میں سڑک کنارے چلنے لگی۔ دونوں اطراف کی دکانیں پُر رونق اور گاہکوں سے بھری تھیں۔ شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھتی وہ قدم اٹھانے لگی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اپنی اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ اس دنیا کے لیے اس نے ساری اداکاری کی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

وہ چلتے چلتے دو سڑکوں کے سنگم پہ آ رکی تھی۔ وسط چوک پہ بھورے رنگ کا گھنٹہ گھر کھڑا تھا جو اندھیرے میں زرد روشنیوں سے سجا بے حد خوبصورت نظر آتا تھا۔ وہ ویران نظروں سے اس پہ لگی گھڑی کو دیکھے گئی۔

وقت نے سب کچھ چھین لیا تھا اس سے۔ چند لمحوں کی غلطی نے صدیوں کی سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟

☆☆=========☆☆

مراد راجہ اپنے نیم روشن دیوان خانے میں کھڑا تھا۔ وان فاتح اس کے مقابل موجود تھا ایسے کہ دونوں کے درمیان ایک میز تھی اور دونوں سنجیدہ لگتے تھے۔

''میں نے معلوم کر لیا ہے کہ سن باؤ کس شے کو چھپانا چاہ رہا تھا۔ ہم ایک دفعہ پھر اس کو رنگے ہاتھوں پکڑنے جا رہے ہیں۔'' وہ رازداری سے کہہ رہا تھا۔

''وہ شے کیا ہے؟''

''آپ خود دیکھ لیں گے' راجہ۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔ ''بس مجھ پہ اعتماد کریں۔''

مراد کا چہرہ تاریکی میں تھا' مگر اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مطمئن ہے۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' ہاتھ کمر پہ باندھے وہ ہمیشہ کی طرح بارعب نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم سن باؤ کا پتہ صاف کر دو گے؟''

''یہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

راجہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پہلے بھی چھوڑا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سن باؤ نے آقا کو کچھ نہیں بتایا ورنہ.....''

''وہ نہیں بتائے گا۔ بے فکر رہیں۔ مگر....'' وان فاتح نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آدم کہہ رہا تھا کہ آپ کے پاس

وقت کی چابی بنانے کا کوئی کلیہ نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتایا دیا تھا کہ جس چابی کے ذریعے تم لوگ آئے ہو وہ تمہارے شکار باز کی تھی۔ مجھے تمہیں واپس بھیجنے کے لئے نئی چابی بنانی پڑے گی۔"

"اور آدم کا کہنا ہے کہ آپ وہ نہیں بنائیں گے۔" فاتح چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایک مرتا ہوا آدمی مایوسی کے علاوہ کیا کہے گا؟" مراد جھک کے میز پہ پھیلے نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یعنی آپ چابی بنا دیں گے؟"

"بالکل۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کروں گا۔ مگر میری ایک اور شرط بھی ہے۔"

مراد سیدھا ہوا اور فاتح کو دیکھ کے مسکرایا۔ نیم اندھیر کمرے کے کونے میں چلتی واحد مشعل نے ماحول کو عجیب پر اسرار بنا رکھا تھا۔

"نئی شرط؟ راجہ ہمارا اور آپ کا معاملہ پہلے سے طے پا چکا ہے۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔ "چابی کے بدلے تخت۔"

"کیا تم اس آدمی سے ایسے بات کرو گے جو تمہیں تمہاری دنیا میں بھیجنے کی واحد امید ہے؟"

فاتح نے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتار لیا۔ "آپ شرط بتائیں۔"

"تم نے میری بیٹی سے خفیہ طور پہ نکاح کیا تھا۔ اس کی ایک نقل یان سوفو کے پاس تھی۔ باقی دونوں نقول شہزادی تاشہ اور تمہارے پاس تھیں۔ مجھے تمہاری نقل چاہیے۔"

فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "وہ ایک خطرناک کاغذ ہے۔ اس کو شہزادی کے خلاف استعمال کر کے انہیں نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ آپ اسے کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں نے اپنی شرط بتا دی ہے۔" مراد واپس نقشے پہ جھکا اور چند مقامات پہ لکیریں کھینچنے لگا۔ "میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ ہمیں مرحوم سلطان کے بیٹوں کو پیغام بھیج دینا چاہیے۔ ہم بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ میں تخت پہ بیٹھوں گا تو تمہیں چابی ملے گی۔"

"مگر....." فاتح نے بدقت ضبط کر کے آواز دھیمی کی۔ "مگر راجہ۔ ہماری ساری سودا بازی آدم کی دوا کے لئے تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں ایک ماہ کی معیاد میں آپ کے لئے کام کروں گا اور آپ کو تخت کے قریب لے جاؤں گا۔ آپ فوراً سلطان نہیں بنیں گے۔ پہلے مرحوم سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہوں گے۔ پھر ان کو ہٹانے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے بعد آپ سلطان بنیں گے۔ جبکہ آدم اور مجھے واپس جانا ہے....." وہ رکا اور گہری سانس لی۔ "یا شاید آپ چاہتے ہیں کہ میں

واپس نہ جاؤں؟''

''تم عقلمند آدمی ہو فاتح۔ اس لئے اپنے دوست کی دوا کی بجائے میرے تخت کی فکر کرو۔ تمہیں واپس جانے سے پہلے مجھے تخت پہ بٹھانا ہوگا۔''

حتمی انداز میں کہہ کے مراد نے نقشہ لپیٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فاتح ضبط کے گھونٹ بھرتا' اسے جاتے دیکھتا رہا۔

یہ طے تھا کہ بنداہارا مراد راجہ کے وعدے اور اقوال صدق سے خالی تھے۔

☆☆=========☆☆

فاتح کو دیوان خانے میں چھوڑ کے مراد راجہ اپنے دربار کی طرف بڑھ گیا۔ یہ بنداہارا کے محل کا دربار تھا اور گو کہ یہ مرسل شاہ کے سلطنت محل جیسا عالی شان نہ تھا' مگر اس کے دفتری کاموں کے لیے کافی تھا۔ روز اس وقت یہاں درباریوں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی لازم ہوتی تھی۔ لیکن آج دربار خالی پڑا تھا۔

مراد بغلی دروازے سے اندر آیا تو ٹھٹکا۔ دربار میں کوئی ذی نفس نظر نہیں آتا تھا۔ پنکھ جھلنے والے غلام اور دربان تک موجود نہ تھے۔ کس کی ہمت تھی اس کے افسران کو ابھی تک باہر کھڑا رکھنے کی؟ وہ برہمی سے دربان کو آواز دینے لگا لیکن پھر.... اسے نظر آ گیا کہ یہ کس کی ہمت ہو سکتی تھی۔

وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ مراد کی طرف پشت اور دھوپ کی طرف چہرہ تھا۔ کامدار جامنی لباس پہنے' بالوں کو آدھا باندھ کے سر پہ تاج سجائے' وہ باہر دیکھتی گم صم نظر آ رہی تھی۔

آج پانچ روز بعد اسے مراد نے کمرے سے باہر دیکھا تھا۔ وہ مسکرایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

''تمہیں دیکھ کے خوشی ہوئی۔''

وہ آہستہ سے اس کی طرف مڑی۔ ایسے کہ چہرے پہ اب بھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

''آپ جانتے ہیں سلطان نے کیا کیا ہے؟'' اس کا انداز کسی بھی تاثر سے خالی تھا۔

مراد نے نرمی سے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے۔ ''میں جانتا ہوں تم اس بچے کی موت سے.....''

''ہماری دنیا میں ایک کہاوت بولی جاتی ہے بابا۔ کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی مسکرا کے گویا ہوئی۔ ''مرسل شاہ کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ وہ ایک کم عقل' عیاش اور بے حس سا آدمی ہے۔ پانچ دن پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شاطر اور سفاک بھی ہے۔ اسی غم نے مجھے گرا دیا۔ لیکن میں غلط تھی۔ میرا پہلا تاثر درست تھا۔ وہ سفاک ہو

سکتا ہے' شاطر نہیں۔"

مراد کے ہاتھ دھیرے سے اس کے کندھوں سے ہٹے۔ اسے معلوم تھا تالیہ کے اگلے الفاظ کیا ہوں گے۔

"یہ شاطر پن اس میں کسی اور نے ڈالا ہے۔"

"تاشہ....."

"اسے میری آخری شرط کو پورا کرنے کا راستہ "آپ" نے دکھایا تھا' ہے نا؟" نظریں مراد کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور لب سرگوشی میں حرکت کر رہے تھے۔ "آپ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس بچے کو مار دے۔ اتنی عقل مرسل شاہ میں خود سے نہ تھی۔ یوں آپ نے اس کا اعتماد بھی جیت لیا اور اپنے تخت کے راستے میں حائل ایک ننھے جانشین کو بھی ہٹا دیا۔ وہ بھی خوش ہو گیا کہ اس نے میری شرائط پوری کر دی ہیں۔"

"تاشہ.....میری جگہ اگر....."

"بابا۔" اس نے نرمی سے مراد کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سمجھ کے سر ہلایا۔ "آپ نے جو کیا مجھے اس کا دکھ ہے' مگر آپ نے صحیح کیا۔ تخت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔"

مراد نے گہری سانس لی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی پڑے گی۔ ہم بہت جلد اس کا تختہ الٹ دیں گے۔ پھر تم اور میں.....ہم دونوں ملاکہ کے حکمران ہوں گے۔"

وہ مسکرا دی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ یہ رہا وہ نکاح نامہ جو آپ نے مانگا تھا۔" اس نے کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا رول شدہ کاغذ مراد کی طرف بڑھایا۔ "میں ملاکہ پہ حکومت کرنے واپس آئی ہوں۔ میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

مراد نے کاغذ لیا اور کھلے دل سے مسکرایا۔ "تم پوچھو گی نہیں کہ میں اس کا کیا کروں گا؟"

"مجھے آپ پہ پورا بھروسہ ہے۔" تالیہ کی مسکراتی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری تھی جسے مراد راجہ نہیں پہچانتا تھا۔

"لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھانا ہے۔ ایڈم کی دوا اور فاتح کی چابی۔"

"مجھے یاد ہے۔ میں دوا کی ترکیب تمہارے پاس لانے ہی والا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے تمام اجزائے ترکیبی پہنچا دیے ہیں۔ تم اور آدم دوا بنانا شروع کر سکتے ہو۔" مراد نے پیٹی سے ایک کاغذ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ اسے خود نہیں بنائیں گے۔"

"یہ جادو نہیں ہے۔ دوا ہے۔ اس کو بنانے کے لیے سارا دن ساری رات مجھے اس کے سر پہ کھڑا ہونا پڑے گا اور وہ میں نہیں کر سکتا۔ مجھے بغاوت کی تیاری کرنی ہے۔ تم اسے اپنے دوست کے لیے خود بھی بنا سکتی ہو۔"

تالیہ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ اس نے مسکرا کے سر ہلایا' تعظیم پیش کی اور کاغذ لئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک مراد وہاں تنہا کھڑا رہا۔ اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں الجھا تھا۔ عارف آیا اور کھنکھارا تو وہ چونکا۔

''راجہ..... آپ نے وہ ترکیب شہزادی کو دے دی؟''

''ہوں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دھوپ سے چمکتے دالان کو دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ عارف نے آواز دھیمی کی۔

''جب شہزادی کو علم ہوگا کہ یہ اصل ترکیب نہیں ہے تو وہ بہت واویلا کریں گی۔''

''اسے کبھی علم نہیں ہوگا' عارف۔'' مراد نے چہرہ موڑ کے اطمینان سے اسے دیکھا۔ ''میرے علاوہ سارے ملاکہ میں ایسا کوئی جادوگر نہیں ہے جس کے پاس اصل ترکیب ہو۔''

''اگر آپ نے ان کو غلط ترکیب دینی تھی تو درست اجزائے ترکیبی کیوں بتائے؟''

''تب میرا خیال تھا میں اس کے لیے دوا بنا دوں گا لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ وہ ٹھیک ہو گیا تو مجھے چابی بنانی پڑے گی۔''

''بجا فرمایا' راجہ۔'' پھر عارف کو خیال گزرا۔ ''لیکن یہ غلط دوا اس کے ساتھ کیا کرے گی؟''

مراد نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''وہ اس نوجوان کا قصہ تمام کر دے گی۔'' پھر تخت کے زینے چڑھتے ہوئے اس نے ہدایت دی۔ ''تاشہ کو دوا بنانے کا سامان تہہ خانے میں اکٹھا کر کے دے دو۔ بظاہر اس کے کسی حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

عارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور واپس مڑ گیا۔ دربار کے لگنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات اپنے سیاہ پر پھیلائے قدیم ملاکہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی۔ آج آسمان پہ تاریک بادل چھائے تھے جو پانی کے بوجھ سے لدے تھے۔ جیسے ہی شہر کے مکین سونے چلے گئے' ان بادلوں سے مزید بوجھ سہارا نہ گیا۔

پہلے تیز ہوا چلی' پھر زور زور سے بجلی کڑکنے لگی۔ بادلوں کی گرج چمک' اوخوفناک آواز نے سارے شہر کو خوف کو مبتلا کر دیا تھا۔

سلطان مرسل شاہ کی آنکھ اسی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اوپر چھت پہ لگے فانوس کی مشعلیں بجھی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ وہ کھڑکیاں بند کر کے سونے کا عادی تھا۔ مگر کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ شاید ہوا سے فانوس بجھا تھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ محافظ کمرے کے باہر ہوتے تھے اس لئے ان کو آواز دے کر بلانا ہوتا تھا۔ مرسل نے لب کھولے تو اسے احساس ہوا اس کے منہ میں کچھ ہے۔ لوہے کا ٹکڑا جو اس کے دانتوں کے درمیان پھنسا ہے۔ جس کے باعث وہ آواز نہیں نکال سکتا۔

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگے۔ اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھانے چاہے مگر.... ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے۔ پیر ہلانے چاہے۔ وہ بھی جکڑے ہوئے تھے۔ منہ سے غوں غاں کے سوا آواز نہیں نکلتی تھی۔

مرسل نے گردن تکیے پہ ادھر ادھر ماری مگر بے سود۔ خوف اس کے سارے وجود پہ چھانے لگا۔ پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اندھیرے میں دیکھنا چاہا۔

اور تب اسے وہ چہرہ پہلی دفعہ نظر آیا۔

سر پہ سیاہ ٹوپی اور نیچے سیاہ پاجامہ کرتا پہنے' وہ بازو سینے پہ لپیٹے اس کے سرہانے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

مرسل کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''حیرانی ہوئی مجھے یہاں دیکھ کے؟ اوہ تمہیں لگا تھا میں تمہارے کمرے میں صرف دلہن بن کے آؤں گی۔ چچ چچ۔'' وہ اس کے قریب فرش پہ پنجوں کے بل بیٹھی اور چہرہ اس کے اوپر جھکایا۔

''مگر وہ کیا ہے کہ میں ان نازک شہزادیوں میں سے نہیں ہوں جو سلطان کی دلہن بننے کا خواب دیکھتی ہیں۔ میرے خواب کچھ دوسرے تھے۔''

مرسل نے پوری قوت سے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔ تالیہ نے ایک دم تیزی سے حرکت کی اور ایک چمکدار تیز چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا۔ مرسل کے جسم کی پھڑپھڑاہٹ تھم گئی۔ سانس بھی تھم گیا۔

''تاشہ کو اس وقت صرف ایک چیز واپس چاہیے۔ اس کی دنیا۔ اور اگر اس کے لیے اسے تمہاری گردن پہ چھری بھی چلانی پڑی تو وہ چلا سکتی ہے۔''

مرسل شاہ کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف اس کے سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھا۔

''ایسے ہی خنجر سے تم نے اس بچے کو مارا تھا نا؟ اور اس خون کو میرے سر ڈال دیا؟'' اس کے سرہانے پہ جھکے وہ غرائی۔ ''میں نے وہ شرائط اس لئے رکھی تھیں تاکہ تم.... تم جان لو کہ تم میرے قابل نہیں۔ مگر تم نے ایک بچے کو مار ڈالا۔ کیا اس کو بھی ایسے باندھا تھا؟ ایسے بے بس کیا تھا؟''

مرسل نے خوف سے نفی میں گردن ہلانا چاہی مگر جسم نے ہلنے سے انکار کر دیا۔

''اس کا خون کہاں سے نکالا تھا؟ گردن سے؟ تمہیں تمہیں ویسے ہی ذبح کروں؟ مجھے بتانا کیسا لگتا ہے۔ ہوں؟''

مرسل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ چاقو کا ٹھنڈا پھل اسے گردن پہ محسوس ہو رہا تھا۔

''مگر میں اسے تمہاری گردن پہ نہیں چلاؤں گی۔ بلکہ..... میں تمہیں ایک موقع دوں گی۔''

مرسل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھے بیٹھے کہہ رہی تھی۔ ''تم صبح ہوتے ہی مجھ سے شادی سے انکار کر دو گے۔ ورنہ ہر رات میں تمہیں ملنے آؤں گی۔ اسی طرح۔ بالکل اسی طرح۔ اور جانتے ہو میں کیا کروں گی؟''

اس نے خنجر گردن سے ہٹایا اور اس کے بالوں کی ایک لٹ پکڑی۔ پھر زور سے اسے کاٹ ڈالا۔

''میں ہر رات تمہارے بالوں کا کچھ حصہ کاٹ کے تمہارے سینے پہ رکھ جاؤں گی۔'' اس نے کٹے ہوئے بال اس کے سینے پہ رکھے اور پیچھے ہوئی۔

''مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔ ہے نا؟ مگر زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جب روز درجنوں محافظوں کے نرغے میں سوؤ گے۔ خوف سے نیند بھی نہیں آئے گی۔ محل کی حفاظت بڑھا دو گے..... پھر بھی ہر صبح اٹھو گے تو تمہاری ایک کٹی ہوئی لٹ تمہارے سینے پہ پڑی ہو گی۔'' وہ سرگوشی میں بولتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''اور ہر صبح تمہیں احساس ہو گا کہ میرا خنجر تمہاری گردن کے کتنا قریب تھا۔ ہر رات میں تمہاری جان بخشا کروں گی۔ لیکن اگر تم نے یہ شادی والا ناٹک ختم نہ کیا تو کسی روز یہ خنجر تمہاری شہ رگ پہ چل بھی سکتا ہے۔''

خنجر واپس میان میں اڑسا اور اپنی ہتھیلی اس کے قریب لائی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ہتھیلی میں سیاہ رومال ہے۔ اس نے دائیں بائیں گردن مارنا چاہی مگر وہ بھیگا رومال سختی سے اس کی ناک پہ جما چکی تھی۔ مرسل شاہ کا ذہن چند لمحوں میں تاریکی میں ڈوب گیا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تو سارے کمرے میں روشنی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہو کے اٹھ بیٹھا اور اپنی کلائیوں کو چھوا۔ وہ آزاد تھی۔ ان پہ رسیوں کا نشان تک نہ تھا۔ نہ ہی کمرے کی کوئی شے ہلی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اترا اور اپنی گردن جھاڑی۔ بالوں کی کوئی لٹ' کوئی کٹے ہوئے بال وہاں نہ تھے۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ مرسل بھاگ کے کھڑکیوں تک گیا اور ایک ایک کی کنڈی دیکھی۔ سب مقفل تھیں۔

وہ زور سے چلا کے سپاہیوں کو بلانے لگا۔ چند ثانیے میں سب دوڑے چلے آئے۔

''میرے کمرے میں رات کو کون آیا تھا؟ سوتے رہتے ہو تم لوگ؟'' وہ لال چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ''دیکھو۔ ڈھونڈو۔ وہ کہاں سے آیا تھا۔''

آئی تھی' کہنے کی جراءت اس میں نہ تھی۔ ایک عورت اس کے ہاتھ پیر باندھ کے چلی گئی؟ اونہہ۔ (اس نے اپنی کلائیوں کو سہلایا۔ سپاہی سارے میں پھیل گئے۔ خواب گاہ اور آس پاس کے کمرے چیک کیے ہر جگہ کی تلاشی لی۔ پھر واپس آئے اور اطلاع دی۔

"آقا۔ کوئی نہیں آیا رات کو۔ کسی کے آنے کا سراغ تک نہیں ہے۔"

پھر اس محافظ نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔ "شاید آقا نے کوئی برا خواب دیکھا ہو؟"

مرسل نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کو کہا۔ وہ سب چلے گئے تو وہ آئینے کے سامنے آیا۔ گہرے سانس لئے۔ اس کی رنگت بحال ہونے لگی تھی۔ شاید وہ صرف ایک برا خواب تھا۔ شہزادی تاشہ ایسی بھیانک حرکت کیسے کر سکتی ہے؟ اونہوں۔

وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اعصاب نارمل ہونے لگے تھے۔ اور تب اس نے آئینے میں دیکھا....

اس کی سامنے والی لٹ چھوٹی تھی۔ جیسے نیچے سرے سے خنجر کے وار سے کاٹ ڈالی گئی ہو۔

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور رنگت ایک دفعہ پھر سفید پڑنے لگی۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ اب گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ گردن اٹھائے خالی خالی نظروں سے گھڑیال کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سوئیاں رات گہری ہونے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ اس دنیا میں واپس آنے کے ارادے نے اسے کتنا نے خوف بنا دیا تھا۔ مرسل نے اس بچے کو مارا تھا' تالیہ نے نہیں۔ خود کو یہ یقین دلا کے وہ مرسل شاہ کو ڈرانے گئی تھی۔ اور یہ سب اس کی توقع سے زیادہ آسانی سے ہو گیا تھا۔ یا شاید وہ انتہائی حد تک بے خوف ہو چکی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

ایک مراد تھا جس کے لیے وہ واپس قدیم ملاکہ گئی تھی۔ ایڈم کو دوامل جائے گی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ لے گی۔ کے ایل کی کسی جیل میں سڑنے سے یہ بہتر تھا۔ لیکن جب اسے یہ احساس ہوا کہ مراد اور مرسل' دونوں نے مل کے اس بچے کو مارا تھا' تب سے اسے قدیم ملاکہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ واپس کے ایل جائے گی۔ فاتح اور ایڈم اس کے لیے بہت تھے۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ہوں گے تو اپنی دنیا کے الزامات کا سامنا کرنا آسان ہو گا۔

لیکن.... گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں.... آہستہ آہستہ اسے یقین آنے لگا.... وہ دونوں اس کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ ان دونوں کو وقت کے اس چکر میں کھو چکی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟ یہ دنیا بھی اپنی نہیں رہی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے کتب خانے میں دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی تو سارے میں چھائی مقدس خاموشی ٹوٹ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتا ایڈم باہر نکل رہا تھا۔ بیساکھی کے سہارے چلتا' سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' سر پہ ٹوپی جمائے' وہ قدم اٹھا رہا تھا۔ جیسے ایک نئے دن کے آغاز کے لئے تیار ہوا ہو۔ البتہ چہرے کی نقاہت برقرار تھی۔

وہ بیساکھی سے ٹک ٹک چلتا آگے آیا تو ٹھہرا۔

کتب خانے میں عین سامنے.... کتابوں کے ایک ریک کے ساتھ.... کرسی پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کی میز پہ موم بتی جل رہی تھی اور وہ ایک کاغذ پہ جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے سرمئی کرتے کے آستین چڑھا رکھے تھے اور شیو ہلکی بڑھی تھی۔ گویا وہ پوری رات سے ادھر تھا۔

ایڈم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔ وہ سر جھکائے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ ایڈم کھنکھارا۔ ''سر؟''

''تمہیں لگتا ہے میں نے تمہاری بیساکھی کی آواز نہیں سنی؟'' اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

''اوہ۔ شاید جن چیزوں کی عادت ہو جائے' ان کی موجودگی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔'' اس نے کرسی کھینچی' بیساکھی رکھی اور فاتح کے مقابل بیٹھا۔ ''آپ کو کون سا کام اتنا مصروف رکھے ہوئے ہے؟''

وان فاتح نے نظریں اٹھائیں۔ پھر مسکرایا۔ مسکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں نظر آتی تھیں۔ چہرے پہ تکان تھی مگر لگتا تھا اس کی ہمت نہیں ٹوٹی۔

''میں ہم تینوں کو بحفاظت یہاں سے نکالنے کا لائحہ عمل ترتیب دے رہا ہوں۔''

''آپ کو واقعی لگتا ہے ہم یہاں سے نکل سکیں گے؟'' ایڈم بے یقین سا لگتا تھا۔

نیم اندھیر کتب خانے کی ساری کتابیں چونک کے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''اس دنیا میں معجزے نہیں ہوتے' ایڈم۔ یہاں cause اور ایکشن کا قانون رائج ہے۔ کچھ پانا ہے تو اس کے لئے کچھ کرنا تو پڑے گا۔''

''مجھے بھی کرنا چاہیے تھا مگر میں جلدی ہمت ہار جانے والوں میں سے ہوں۔''

''تم نے کیا تو ہے۔ بہت کچھ۔ تم اسٹار رپورٹر بن چکے ہو۔'' (تصحیح کی)۔ ''بن چکے تھے۔ ہماری دنیا میں۔''

''میں کیریئر کی بات نہیں کر رہا۔'' ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی تو اس کے بال نظر آنے لگے۔ وہ کہیں کہیں سے جھڑ گئے تھے۔ اور کہیں سے سفید ہو رہے تھے۔

''پھر؟'' وہ چونکا۔ ایڈم اب قطار در قطار پڑے ریکس کو دیکھ رہا تھا۔

اس کو نہیں معلوم تھا کہ دائیں طرف کی کتابیں ...اور بائیں طرف کی کتابیں ...اور سامنے رکھی کتابیں ...اور پیچھے رکھی کتابیں..... سب اپنے اپنے سانس روکے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔

''مجھے کسی کو بتانا چاہیے تھا کہ میرا دل ملاکہ میں کیوں خالی ہو گیا تھا۔ مگر میں ہمت نہیں کر سکا۔''

فاتح کے لکھتے ہاتھ رک گئے۔ چند لمحے تک اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔

''ہاں۔ تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اس کے جواب پہ ایڈم چونکا۔

کتابوں نے بھی ٹھٹک کے نظروں کا رخ فاتح کی طرف موڑا جو سادگی سے کہہ رہا تھا۔

''ہم جس کے بارے میں جو محسوس کرتے ہیں' اس کا احساس سامنے والے کو دلانا چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ cause کے بغیر کوئی ایکشن وجود میں نہیں آتا۔''

میز پہ جلتی موم بتی کے شعلے سے موم کا آنسو ٹپکا اور کنارے پہ لڑھکتا گیا۔ پھر میز یوں ہوتے ہی وہیں جم گیا۔ ہمیشہ کے لئے امر۔

''آپ تو کہتے تھے یہ میری low سیلف اسٹیم ہے۔ محبت نہیں۔'' ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں غلط تھا۔ تمہارے جذبے نے وقت کا امتحان سہا اور یہ کم نہیں ہوا۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن....'' اس نے گہری سانس لی' قلم رکھا اور پیچھے ہوتے ہوئے ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ اب اس سب کا وقت گزر چکا ہے۔''

کتابوں نے اداسی سے پلکیں جھکا دیں۔ وہ اَن کہی باتوں کے مطلب سے آشنا تھیں۔ ان کو راز چھپانے کی عادت تھی۔

''آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کیا محسوس کرتا ہوں؟'' آج وہ ساری شکایتیں کرنا چاہتا تھا۔ جانے اسے پھر موقع ملے نہ ملے۔

ریک میں سجی کتابوں نے دم سادھ لیا۔ سب کی نظریں نیم اندھیر کتب خانے کی میز کے دونوں کناروں پہ بیٹھے دو اشخاص پہ جمی تھیں۔

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ جیسے ایڈم کے سوال کا جواب مہذب طریقے سے دینے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

''میں نے یہ سب اسے مرسل شاہ سے شادی سے بچانے کے لئے کیا تھا۔ اور ہمیں ملکہ کی مدد چاہیے تھی۔''

''لیکن اب تو سارے جواز ختم ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے اس تعلق کو ختم کیوں نہیں کیا؟''

''میں نہیں کر سکتا۔'' اس نے ایڈم کو دیکھتے ہوئے سادگی سے شانے اچکائے۔ ''شاید کبھی کرنا ہی نہیں تھا۔''

ایڈم نے نڈھال انداز میں سر جھکا دیا۔ اس نے اپنی ہار تسلیم کر لی تھی۔

''اگر ہم واپس چلے گئے.....تو کیا آپ اس تعلق کو قائم رکھیں گے؟''

کتب خانے میں اتنا گہرا سناٹا چھایا تھا کہ کتابوں کے سانس لینے کی آواز تک نہ آتی تھی۔

''ایڈم.....اگر مجھے یہ تعلق ختم کرنا ہوتا تو میں اس کے ساتھ واپس کیوں آتا؟ میں اسے اپنی دنیا میں واپس لے جانے پہ زور کیوں دیتا؟''

قدیم صفحات نے گہری سانس خارج کی۔

''کیا آپ نے یہ بات چے تالیہ کو بتائی ہے؟''

''نہیں۔ کیونکہ اس نے کہا ہے وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

''کیا کبھی کسی عورت نے اتنی آسانی سے وہ کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے؟''

''اسے لگتا ہے اگر وہ میرے ساتھ رہے گی تو وہ لوگوں کا سامنا نہیں کر سکے گی۔ لوگ اس کو گھر توڑنے والی اور عصرہ کی قاتل سمجھیں گے۔''

''کیا اس سے پہلے آپ دونوں نے مشکل فیصلے نہیں کیے؟'' ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی بات پہ فاتح چپ رہ گیا۔ کتب خانے کی کتابوں نے تمسخرانہ مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا۔

''میں اسے نہیں چھوڑنا چاہتا لیکن مجھ سے تعلق تالیہ کے لئے مزید مشکلات لائے گا۔''

''کیا انہوں نے اس سے بڑی مشکلات نہیں دیکھ رکھیں؟''

کتابوں کی نگاہوں میں اب دلچسپی در آئی تھی۔ وہ ریکس کے درمیان سے گردن نکال نکال کے اس کا مکالمہ سن رہی تھیں۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں چے تالیہ کی خوشی چاہتا ہوں۔'' وہ آگے ہوا اور زور دے کر کہنے لگا۔ ''میں ان کو اپنے بارے میں اس لیے نہیں بتاتا کہ اب دیر ہو چکی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ میرے اوپر ہمیشہ آپ کو منتخب کریں گی۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ ان کو بتائیں کہ آپ دونوں اب بھی ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ کے ایل میں۔ ان کو واپس لے جانے کے لیے کوئی خواب تو دکھائیں۔''

''تم یہ سب دل سے کہہ رہے ہو؟''

''ایڈم بن محمد عرصہ ہوا چے تالیہ سے دستبردار ہو چکا ہے۔ ایڈم شاید ان کی خوشی دیکھنے کے لیے زندہ بھی نہ رہے لیکن یہ خیال کہ وہ خوش ہیں' ایڈم کے لیے کافی ہوگا۔''

پھر وہ بیساکھی کے سہارے اٹھا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔ فاتح نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آئی ایم سوری۔'' جانے اس نے کس چیز کے لئے افسوس کیا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا وان فاتح کہ میں واپس جا سکوں گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ مراد راجہ کی دوا سے میں ٹھیک ہو سکوں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں واپس ضرور جائیں اور ایک اچھی زندگی گزاریں۔''

''ہم تینوں واپس جائیں گے' ایڈم۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''اور مراد راجہ کی دوا ضرور اثر کرے گی۔''

''مجھے کوئی دوا نہیں بچا سکتی۔'' ایڈم نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کیونکہ آپ نے مجھے سکھایا تھا کہ جو ہمیں خود کرنا آتا ہے صرف وہی ہماری جان بچاتا ہے۔''

''اور تمہیں کیا کرنا آتا ہے ؟''

وہ سوگواریت سے مسکرایا۔ ''مجھے کتابیں پڑھنی آتی ہیں۔'' پھر گردن موڑ کے خاموش رکھے ریکس کو دیکھا۔ ''اور وہ ابھی مجھے بلا رہی ہیں۔''

''کیا؟'' فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''کیوں؟ آپ کو لگا یہ کتابیں مردہ ہیں؟ اونہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''یہ جیتی جاگتی' سانس لیتی کتابیں ہیں۔ ورنہ مردہ چیز سے کوئی کیسے جینے کا راستہ سیکھ سکتا ہے۔ جب میں سوتا ہوں.... ساتھ والے کمرے میں.... تو مجھے لگتا ہے یہ مجھے آواز دے کر بلا رہی ہیں۔ مجھے لگتا ہے ان کو بھی مجھ سے اتنی ہی محبت ہے جتنی مجھے ان سے۔''

''ایڈم....'' فاتح نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''نہیں' سر۔ میں نے اتنے دن ضائع کیے ہیں۔ میں اتنے دن کتابیں نہیں پڑھ سکا۔ اگر یہ میری زندگی کے آخری دن ہیں تو میں انہیں کتابوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں نے شاہی مورخ کے عہدے سے آج صبح استعفیٰ دے دیا ہے۔'' وہ مڑا اور بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا شمالی کونے کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں پڑے ریک اندھیرے میں ڈوبے تھے۔ فاتح نے ترحم سے اسے جاتے دیکھا۔

وہ بیماری کے باعث چیزیں تصور کرنے لگا تھا۔ یقیناً ایسا ہی تھا ورنہ کتابیں کہاں کسی کو آواز دے سکتی ہیں۔

جواب میں کتابوں نے اسے اسی ترحم سے دیکھا اور پھر ان سب کی نظریں ایڈم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

وہ ان کی طرف آ رہا تھا۔ کتب خانے کی ساری کتابوں کے چہروں پہ مسرت آن ٹھہری۔ اتنے دن سے وہ اسے بلا رہی تھیں۔ بالآخر وہ ان کی سن چکا تھا۔

ویسے تو ان کے پاس اپنے ہر پڑھنے والے کے لئے کچھ خاص ہوتا تھا۔ اس کے دل کو ڈھارس دینے' یا اس کے علم میں اضافہ کرنے کے لئے..... لیکن ایڈم بن محمد کے لئے ان کے پاس کچھ اور بھی تھا۔

☆☆=========☆☆

یہ چوتھی صبح تھی جب مرسل شاہ نے محل کی حفاظت بڑھا دی تھی۔ سینکڑوں پہرے دار دروازوں پہ پہرہ دے رہے تھے۔ اس کی خواب گاہ کی کھڑکیوں کے آگے لوہے کی سلاخیں لگائی گئی تھیں۔ غرض کوئی چڑیا کا بچہ بھی وہاں پر نہیں ما سکتا تھا۔

آدھی رات تک مرسل کو خوف کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ وہ خنجر تکیے تلے رکھ کے سوتا تھا۔ کمرے میں مسلسل دو پہرے دار اس کے اوپر پہرہ دیتے تھے۔ کبھی وہ وحشت کے مارے ان کو نکال دیتا۔ کبھی واپس بلا لیتا۔

ساری رات وہ کروٹیں بدلتا۔ فجر کے قریب نیند آتی۔

اور پھر صبح میں جب وہ جاگتا تو محسوس ہوتا کہ اس کی گردن پہ کچھ رکھا ہے۔ وہ چونک کے اسے جھاڑتا تو بالوں کی ایک تازہ کٹی ہوئی لٹ سینے سے نیچے فرش پہ گرتی۔ وہ تیزی سے آئینے میں اپنے بالوں کا جائزہ لیتا۔ ہر روز ایک نئی جگہ سے بال کٹے ہوتے تھے۔

یعنی گزشتہ رات وہ پھر آئی تھی؟ اس کا خنجر ایک دفعہ پھر مرسل شاہ کی گردن کے اتنا قریب تھا؟ وہ ہر رات کیسے اس کے محل میں پہنچ جاتی تھی؟ یہ خیال اس کے سارے جسم پہ کپکپی طاری کر دیتا۔

آج صبح وہ محل کے سبزہ زار میں فوارے کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ شاہی قبا پہن رکھی تھی۔ سر کی پگڑی سے سونے کی تاروں سے بنی لڑیاں نیچے گرتی کندھے تک آتی تھیں۔

وہ خاموش نظروں سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ گھنے درختوں کے باعث فوارے کے حوض کا پانی سبز نظر آتا تھا۔

اس کے دو خاص مشیر عقب میں کھڑے تھے۔ وہ سب کسی کے منتظر تھے۔ پھر انتظار ختم ہوا اور دو سپاہیوں کی معیت میں ایک آدمی آگے آیا۔

"آقا.... مورخ آ چکا ہے۔"

مرسل شاہ دھیرے سے مڑا اور سامنے کھڑے نوجوان کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ سادہ پوشاک پہنے ہوئے تھا اور

کندھے پہ ایک تھیلا تھا۔

''یہ آدم بن محمد تو نہیں ہے۔'' مرسل نے سوالیہ نظروں سے مشیر کو دیکھا۔

''آقا.... آدم بن محمد نے کل استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ شاید ہی دو چار روز جی پائے۔ شہزادی تاشہ نے بھی اس کے لئے رحم کی درخواست کی ہے۔ اس مورخ کو بھی شہزادی نے ہی تلاشا ہے اور یہاں بھیجا ہے۔''

تاشہ کے ذکر پہ مرسل کے تاثرات بدلے۔ جبڑے بھنچ گئے۔ مگر اس نے بس ہوں پہ اکتفا کیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اس کو اپنا مورخ تعینات کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''شکریہ آقا۔'' نوجوان نے سر جھکا کے کہا۔ پھر سیدھا ہوا اور گلہ آمیز انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''آقا.... وہ آدم بن محمد دراصل ایک چور ہے۔ اس نے میرا تھیلا چرایا تھا ایک سرائے میں۔ اور یہ بنگارایا ملایو میری کتاب کا نام تھا جو اس نے نقل کر کے....''

مرسل نے اکتا کے ہاتھ اٹھایا۔

''تمہیں یہاں اپنے مسئلے سلجھانے نہیں بلایا میں نے۔ تم وہ لکھو جس کا حکم میں دے رہا ہوں۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو؟ لکھنا شروع کرو۔'' اسے اشارہ کیا۔ عبداللہ بن ابوبکر نے گڑبڑا کے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر جلدی سے سر ہلا دیا۔

''جو بتا رہا ہوں اسے خوب سن لو اور سمجھ لو۔ آج تم کتاب میں ان صفحات کا اضافہ کرو گے۔ اور ظہر سے پہلے اسے دربار میں پڑھ کے سناؤ گے۔ دربار میں پڑھی کتاب سارے ملاکہ میں پھیل جاتی ہے۔''

مرسل نے واپس رخ فوارے کی طرف موڑ لیا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ پانی کے اچھلتے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لکھو کہ شہزادی کی آخری شرط پوری کرنے کے لئے مرسل شاہ نے خود اپنی جان لینے کی کوشش کی۔''

مورخ نے چونک کے سلطان کی پشت کو دیکھا۔ البتہ مشیر اور سپاہی نہیں چونکے۔ وہ سر جھکائے سپاٹ کھڑے رہے۔ سچ وہی ہوتا تھا جو سلطان کے منہ سے نکلتا تھا۔

''مگر جب وہ خنجر سے اپنی کلائی کاٹنے لگا تو شہزادی تاشہ اس کے کمرے میں آئی اور....''

''گستاخی معاف آقا.... شہزادی تاشہ کیسے آئیں؟ بنا اجازت؟'' مورخ نے بات کاٹی تو مرسل کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''لکھ دو کہ جادو سے آئی۔'' وہ گرجا۔ ''اور اس نے کہا کہ اس نے یہ ناممکن شرط اس لئے رکھی تھی تاکہ سلطان انکار کر دے۔ یہ شادی ناممکن ہے۔ یوں اس نے سلطان کی جان بچالی اور اسے خودکشی سے روک دیا۔ سلطان نے تاشہ کو آزاد کر دیا۔ اور اب ان دونوں کے راستے الگ ہیں۔''

سلطان نے گہری سانس لی۔ مورخ تیزی سے کاغذ پہ اہم نقاط نوٹ کر رہا تھا۔ بار بار جھک کے درخت کے کنارے رکھی دوات میں قلم بھی ڈبوتا تھا۔

''مگر آقا....وہ آپ کے کمرے میں جادو کے ذریعے آئی؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ جادو سلطنت میں ممنوع تھا۔ اور سلطان مرسل جادوگروں کے کتنا خلاف تھا' سب جانتے تھے۔ پھر جادو کے لئے اس نے تاشہ کو کیسے معاف کر دیا؟

مرسل ضبط سے پلٹا اور چبا چبا کے بولا۔ ''وہ کالے علم والی جادوگرنی کی طرح نہیں.... بلکہ کسی.... کسی نورانی علم والی ساحرہ کی طرح آئی تھی۔''

مورخ کی آنکھیں چمکیں۔ ''پسونا.....ایسی ساحرہ جس کا جادو خدا کا بخشا ہوتا ہے۔''

''ہاں ہاں یہی لکھ دو۔ اور شکل گم کرو۔''

(تاشہ پسونا۔ واہ۔ ایسے لقب پہ شہزادی اس کو انعام واکرام سے ضرور نوازے گی۔) مورخ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس نے شکل گم کر لی تو مرسل نے ہاتھ جھلا کے سب کو وہاں سے بھیج دیا۔ خود ایک دفعہ پھر وہ پانی کو دیکھنے لگا۔ مشیر خاصا بھی تک وہاں کھڑا تھا۔ وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

''آقا.....آپ ناخوش لگ رہے ہیں۔''

''کیونکہ میں ناخوش ہوں۔'' وہ برہمی سے بولا۔

''تو آپ نے شہزادی کو سزا کیوں نہیں دی؟ ان سے ہنسی خوشی علیحدگی کیوں اختیار کر لی؟''

مرسل نے عجیب سی نظروں سے مشیر کو دیکھا۔ ''تاکہ شک خود پہ آنے دوں؟''

''کس شے کا شک؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے....ایک عورت مجھے یوں انکار کرے گی اور میں اسے جانے دوں گا؟ اونہوں۔''

مشیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ ''آپ چاہتے ہیں کہ شہزادی تاشہ کو....''

''اس کو بھی اسی بچے کے پاس بھیج دو جس کے مرنے کا اسے بہت غم ہے۔ مگر کسی کو ہم پہ شک نہیں ہونا چاہیے۔''

وہ سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔ مشیر نے تعظیماً سر جھکایا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

''جو حکم' آقا۔'' پھر وہ ہچکچایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آج کل شہزادی زیادہ وقت بنداہارا کے غیر ملکی مشیر کے ساتھ گزارتی ہیں۔''

مرسل بری طرح چونکا۔ ''کون ہے وہ؟''

''وہی سیاہ قباوالا جو اس دن دربار میں بولا تھا.... آپ کے سامنے۔ جو آج کل ہر جگہ بنداہارا کے ساتھ نظر آتا ہے۔''

''ہوں۔ اس پہ نظر رکھو۔ مجھے دونوں کے پل پل کی خبر چاہیے۔''

مرسل کی سرد آنکھوں میں انتقام کے شعلے جلنے لگے تھے۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں معمول کی رونق اور چہل پہل تھی۔ بازار میں ایک جگہ چائے کے ڈھابے پہ مراد راجہ عوام کے درمیان بیٹھا ان کے مسائل سن رہا تھا۔ وہ عام لوگوں کے ساتھ خوش نظر آتا تھا۔ اس کے مداحوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ لوگ اس سے گلہ کر رہے تھے کہ کیسے سلطان کے سپاہیوں نے سونے کے پُل کی تعمیر اور مچھر وغیرہ اکٹھے کرنے میں ساری دولت برباد کر دی تھی۔

وہاں سب کو سلطان سے شکوے تھے۔ کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ شرائط تاشہ نے رکھی تھیں۔ جب سے یہ خبر پھیلی کہ سلطان اور تاشہ کے راستے الگ ہیں کیونکہ تاشہ نے یہ شرائط اس لئے رکھی تھیں تا کہ سلطان خود عقل کرے اور انکار کر دے تو سلطان مزید بے وقوف نظر آنے لگا تھا۔ اور تاشہ معتبر۔ اس نے سلطان کے ہاتھوں ملاکہ کے عوام کی دولت مزید ضائع ہونے سے بچالی تھی۔ وہ تاشہ پسونا کہلوائی جانے لگی تھی۔

اس وقت جب مراد لوگوں کے مسئلے سن رہا تھا' بنداہارا کے محل کے تہہ خانے میں الاؤ جل رہا تھا۔ اس پہ ایک کڑاہی رکھی تھی جس میں کچھ پک رہا تھا۔ دھواں اوپر اٹھتا اور روشن دان سے باہر نکل جاتا۔ کمرے میں چند ایک موم بتیاں جلی تھیں۔ تالیہ بڑی سی ڈوئی کو کڑاہی میں چلا رہی تھی۔ اور اس اٹھتی بدبو سے منہ کے برے برے زاویے بناتی تھی۔

''آپ رہنے دیں' میں کرلوں گا۔ آخر یہ میری دوا ہے۔'' ایڈم بیساکھی کے سہارے چلتا قریب آیا تو وہ پلٹی۔

''اتنا تو میں کر سکتی ہوں تمہارے لئے۔'' پھر اس نے میز پہ رکھے نسخے سے کچھ پڑھا۔ اور ایک پیالے میں موجود شے کڑاہی میں انڈیل دی۔ مائع کا رنگ بدلنے لگا۔

''ہم باری باری کرلیں گے۔ ابھی بہت دن لگیں گے' چے تالیہ۔''

تالیہ نے گہری سانس لی' اور ایک کرسی کھینچ کے الاؤ کے قریب لائی۔ ایڈم اس پہ بیٹھ گیا تو اس نے ایڈم کو ڈوئی تھما دی۔

''تم اس دوا کو پینے سے بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' ایڈم۔'' اس نے تسلی دی تھی۔

ایڈم زخمی سا مسکرایا۔ ''ہاں۔ یہ میری واحد امید ہے۔''

''میں چلتی ہوں۔ مجھے کچھ اور کام کرنے ہیں۔'' وہ ہاتھ پونچھتی دروازے کی طرف بڑھی۔ تو ایڈم نے پکارا۔

''اگر میں واپس نہ جا سکا...تو میری ایک بات مانیں گی؟''

وہ دروازے کے قریب ٹھہر گئی۔ پھر دھیرے سے مڑی اور شکایتی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔ ''ایسے مت کہو۔''

''اگر میں واپس نہ جا سکا....'' اس نے دہرایا....''تو آپ وان فاتح کو مجبور کیجئے گا کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

''اب کیا فائدہ؟ وہ تو استعفیٰ دے چکے ہیں۔''

''ہم بائیس جنوری....اتوار کے روز یہاں آئے تھے۔ سوموار کی صبح ان کی سیکرٹری نے استعفیٰ جمع کروانا تھا۔ وقت وہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ واپس جاتے ہی اپنے استعفے کو خود پھاڑ سکتے ہیں۔''

تالیہ ایک دم چونکی۔ ''اوہ....یعنی ابھی تک کوئی نقصان نہیں ہوا۔ فاتح اب بھی پارٹی چیئرمین ہیں۔''

''Technically speaking, yes!'' ایڈم مسکرایا۔

''اگر میں ان کو راضی کر لوں تو وہ وزیر اعظم کا الیکشن ضرور لڑیں گے۔''

وہ اتنی پر جوش تھی کہ تیزی سے باہر بھاگ گئی۔ وقت ابھی ان کے ہاتھ سے نہیں نکلا تھا۔ وہ فاتح کو اس کے خوابوں سے دستبردار ہونے سے روک سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن سے ایک اداس سا خیال گزرا۔

تب اسے لگا تھا وقت اس کے ہاتھ میں ہے....لیکن وقت کب کس کے ہاتھ آیا ہے؟

اس نے شاکی نظروں سے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا....اور پھر آگے بڑھ گئی...وہ ایک دفعہ پھر سے بازار کی رونق کی طرف جا رہی تھی۔ کوئی بھی چیز اسے یقین نہیں دلا پا رہی تھی کہ جو اس کے ساتھ ہوا وہ حقیقت تھی۔ اسے اب بھی لگ رہا تھا کہ وہ ایک خواب ہے۔ شاید بازار کی آوازیں اس کو جگا دیں۔ اور سب پہلے جیسا ہو جائے۔ وہ دونوں اس کو واپس مل جائیں۔

کتنی خوش تھی وہ اس دن جب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ فاتح کو استعفیٰ دینے سے روک سکتی تھی۔ جب سے اس نے استعفے کے بارے میں سنا تھا' اس کا دل بوجھل تھا۔ فاتح اپنے خوابوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ لیکن اس روز تہہ خانے میں ایڈم نے اسے امید دلائی تھی۔ وہ اس امید کا تعاقب کرتی فاتح کے پیچھے بازار تک گئی تھی۔

اس کا ذہن پھر سے قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کا بازار معمول کی رونق سے معمور تھا۔

مراد راجہ اپنے 'عوام' میں گھرا باتوں میں مصروف تھا اور وان فاتح ایک دکان کے ساتھ کھڑا' چیزیں الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ قبا پہنے' سنجیدہ تاثرات چہرے پہ سجائے وہ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے ہجوم کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ جب سے اس نے نکاح نامہ مراد کے حوالے کیا تھا' مراد نے چابی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہی جو اس نے سوچ رکھا تھا یا کچھ اور؟

پھر جیسے ہلچل سی مچی۔ دبی دبی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔

اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

دوسری طرف سے تالیہ چلی آ رہی تھی۔

ہجوم دوسری جانب تھا۔ اس لئے مراد یہاں متوجہ نہ ہوا۔ البتہ لوگوں نے فوراً راستہ چھوڑ دیا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ سادہ لباس میں ملبوس' وہ سفید گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھی۔ کوئی مصاحب یا کنیزیں ساتھ نہ تھی۔ وہ اکیلی تھی پھر بھی لوگوں نے اسے پہچان لیا تھا۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرا دیا اور اس کی طرف بڑھا۔ دونوں ایک دکان کے چھپر تلے آمنے سامنے رک گئے۔

''شہزادی!''

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' ایک بچہ آگے آیا اور آہستہ سے مسکرا کے بولا۔ ''تاشہ پسونا۔'' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ شرما کے دکان میں واپس بھاگ گیا۔ وہ مسکرا دی اور بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''مرسل شاہ نے مجھے مزید پاپولر بنا دیا ہے۔'' انگریزی میں بولی تو وہ بھی مسکرایا۔

''حالانکہ یہاں نہ انٹرنیٹ ہے نہ ٹی وی مگر خبر کتنی جلدی پھیلتی ہے۔''

تالیہ نے گردن دائیں بائیں گھمائی اور اس قدیم طرز کے بازار کو دیکھا۔

''شاید اسی لئے یہاں سکون ہے۔''

''سکون تو کہیں بھی نہیں ہے' شہزادی۔ ہر دور کے اپنے مسئلے ہوتے ہیں۔ بس شور کم ہے۔'' ساتھ ہی فاتح نے ایک محتاط نظر دور موجود ہجوم پہ ڈالی۔ مراد راجہ چائے پیتا' باتیں کرتا مصروف نظر آ رہا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ مرسل شاہ نے شادی سے انکار کیسے کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ ''میں نے اس کے ایک پہریدار کو خرید لیا تھا۔ وہ ہر رات اس کے بال کاٹ دیتا تھا۔ مرسل سمجھا میں وہاں آتی ہوں۔ وہ ڈر گیا۔ یہ کام آسان تھا ویسے۔ مجھے آپ سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' آخر میں چوٹ کی جسے وہ نظر انداز کر گیا۔

''یعنی یہ طے ہے کہ وہ جھوٹے صفحات ایڈم نے نہیں لکھے تھے۔ بلکہ نئے مورخ سے لکھوائے گئے تھے۔''

اردگرد سے گزرتے چند لوگ تالیہ کو مسکرا کے دیکھتے گزر رہے تھے۔ ان کی رحم دل شہزاد جب بھی بازار سے گزرتی تھی' کسی کو کچھ دے کر ہی جاتی تھی۔

''اس قلعے کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

''نہیں۔'' فاتح نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''بہت کوشش کی مگر کوئی نہیں جانتا وہ کس کا ہے۔ کسی سرکاری دفتر میں اس زمین کی تفویض کا کاغذ تک نہیں ہے۔''

''آپ مجھے اس قلعے میں لے جائیں۔''

''تمہیں؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں۔ میں اس کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاید دو دماغ زیادہ بہتر کھوج لگا سکیں۔''

فاتح نے ایک نظر مجمعے کو دیکھا' اور پھر سر اثبات میں ہلایا۔ ''میں اپنا گھوڑا لاتا ہوں۔''

چند ثانیے بعد وہ دونوں آگے پیچھے وہاں سے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مراد راجہ بظاہر لوگوں سے محوِ گفتگو تھا مگر کنکھیوں سے اسے سارا منظر بخوبی دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے پہ پھیلتی ناپسندیدگی واضح تھی۔

☆☆=========☆☆

چند میل کا یہ فاصلہ آج جلد طے ہو گیا تھا۔ سارا راستہ وہ خاموش رہے تھے۔ سوائے کسی ضروری بات کے' ان کے درمیان الفاظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

سرسبز ٹیلوں کے درمیان دور سے وہ قلعہ دکھائی دینے لگا تو تالیہ نے اپنا گھوڑا روکا' اور نیچے اتری۔

''پیدل چلتے ہیں۔'' وہ اس سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھی۔ اور کم از کم اس ویران قلعے میں وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں کچھ کہنا ہے۔'' وہ چند ثانیے بعد خود ہی بول اٹھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھامے' ساتھ ساتھ روش پہ چل رہے تھے۔

''کیا آپ وہ سن سکتے ہیں جو مجھے کہنا ہے؟'' اس نے پونی ہاتھ سے کھینچ اتاری تو سیاہ بال آزاد ہو گئے اور ہوا سے پیچھے کو اڑنے لگے۔

''تم واپس نہیں جانا چاہتیں؟'' سرسبز اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان بنی خاکی روش پہ وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

''ظاہر ہے میں جانا چاہتی ہوں۔'' وہ برا مان گئی۔ ''لیکن آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں نے کہا نا' میں تمہیں اس الزام سے بچا لوں گا۔ میں ایک وکیل بھی ہوں۔ تمہارا کیس لڑوں گا۔''

''اور خود کو بچانے کے لئے کیا کریں گے؟''

وہ چونکا۔ پھر رک گیا۔ لگام چھوڑ دی اور اس کی طرف پورا مڑ گیا۔

''میرے اوپر صرف اثاثے چھپانے کا الزام تھا۔ میں نے اخلاقی جواز پہ استعفیٰ دیا تھا۔ ملائیشیاء میں سیاستدانوں کا اثاثے چھپانا قانوناً نہیں' اخلاقاً جرم ہے۔ مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے کیوں خود کو بچانا ہو گا؟''

''آپ کا استعفیٰ ابھی تک کارمن کے پاس ہے۔ اس نے جمع نہیں کروایا۔''

وان فاتح رامزل کے تاثرات ایک دم سخت ہو گئے۔ ''تم چاہتی ہو کہ میں استعفیٰ واپس لے لوں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

فاتح نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔

روش سامنے قلعے تک ختم ہوتی تھی۔ شام کی ٹھنڈی چھایا سارے پہ پھیلی تھی۔ دور دور تک سبزہ اور درمیان میں یہ پراسرار قلعہ.... بے حد حسین منظر تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

''آپ کا جرم اتنا بڑا نہیں تھا۔''

''میں نے دعویٰ کیا تھا.... کہ اثاثے نہیں چھپاؤں گا پھر بھی بے پرواہی میں' میں اس اخلاقی جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔''

''ہم سب زندگی میں بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں۔ مگر ہم سب ان کو پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خود کو سزا دیں۔''

''مگر میں باقی لوگوں جیسا نہیں تھا۔ میں لیڈر تھا۔ میں اب اس کرسی کا اہل نہیں رہا۔''

''آپ صرف معذرت بھی تو کر سکتے ہیں۔ قوم سے معافی مانگ لیں۔ اور بس۔''

''بغیر استعفیٰ کے معذرت کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوتی۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ کے بعد آنے والے آپ سے بہتر ہیں؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں فاتح کہ وہ آپ سے بہتر ہیں تو آپ کا استعفیٰ

عظمت کا ثبوت کہلائے گا۔ لیکن اگر حقیقت اس کے برعکس ہے تو آپ کا استعفیٰ بزدلی ہے۔ حقیقت سے فرار ہے۔"

وہ ٹھہر گیا اور گردن موڑ کے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"جس وقت لوگوں کو آپ کی ضرورت تھی' آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ملک کو ناخلف جانشینوں کے حوالے کر دیا۔ مرسل شاہ جیسے لوگ پردھان منتری بن جائیں گے۔ کیا آپ اس بوجھ کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے؟"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ پھر وہ قلعے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا سفید گھوڑا پیروی میں پیچھے چلنے لگا جبکہ فاتح کا گھوڑا گھاس میں ادھر ادھر منہ مارنے لگا تھا۔

قلعہ پراسرار اور ویران ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھا۔ اس کی دیواریں اونچی تھیں۔ سرمئی پتھروں اور لکڑیوں کی بنی دیواریں۔ صحن کے احاطے میں جنگلی گھاس پھوس اُگا تھا مگر وہ بہت بڑا نہ تھا۔ ایک طرف لکڑی جلانے کا سامان رکھا تھا اور وسط میں جلی بجھی لکڑیوں کی سیاہی بتاتی تھی کہ یہاں الاؤ جلایا گیا تھا۔

تالیہ نے اپنے گھوڑے کی لگام احاطے کے کونے میں باندھی اور خود اطراف کا جائزہ لیتی آگے بڑھنے لگی۔

"تو تم یہاں قلعہ دیکھنے نہیں آئی تھیں؟ تم مجھ سے یہ بات کرنے آئی تھیں؟" وہ چوکھٹ پہ کھڑا غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

شہزادی نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔

"بات کرنے کے لئے اتنی پرسکون جگہ اور کہاں ملے گی' فاتح صاحب؟" اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔

"شاید یہی وہ معمہ تھا۔" وہ چونک کے بولا۔ "یہ بات کرنے کے لئے بہترین جگہ ہے۔ خفیہ باتوں کے لئے....." اس کی نظریں گھاس پہ ایک جگہ جلی ہوئی لکڑیوں پہ پڑیں۔ "ایک آدمی خود اپنے لئے اتنا بڑا الاؤ نہیں جلاتا۔ یہاں ایک سے زیادہ لوگ بیٹھتے ہوں گے۔"

"یعنی..... سن باؤ یہاں کسی سے ملتا تھا۔ اس کا کوئی خفیہ گروہ تھا۔"

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا گھاس کو غور سے دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ "کوئی ایسا خفیہ گروہ جو سلطان سے چھپا ہوا ہو اور اس کے آشکار ہونے سے سن باؤ ڈرتا ہو۔ مگر یہ قلعہ..... یہ کس کا ہے؟" وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا اور جلی ہوئی لکڑیوں کو آگے پیچھے کیا۔

"یہ سن باؤ کا گھر ہے۔" وہ جس انداز میں بولی' وہ چونکا۔ گردن اٹھا کے دیکھا تو وہ ایک دیوار کے کونے میں کھڑی تھی۔ فاتح کی طرف پشت تھی اور دیوار پہ ہاتھ سے کچھ ٹٹول رہی تھی۔ اس کی آواز میں حیرت تھی۔

"یہ وہی دیوار ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔ اس پہ تاشہ کے بارے میں ایک نظم لکھی تھی۔ مگر....." وہ تعجب سے پلٹی

اور خالی احاطے کو دیکھا۔ ''یہ دیوار سن باؤ کی حویلی کا حصہ تھی۔ میں نے مجسمہ دیکھا تھا اور کنواں بھی۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں تھیں مگر میں نے ان کو خواب میں اکٹھے دیکھا تھا جس کا مطلب ہے کہ.....''

''کہ یہ دونوں سن باؤ کی ملکیت ہیں۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے سیدھا ہوا۔ ''کیا وہاں کچھ لکھا ہے؟''

تالیہ نے گردن جھکا کے غور سے دیکھا۔ شام ڈوب رہی تھی' اور نیلا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا دیوار پہ کچھ لکھا ہے' مگر پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

دیا سلائی رگڑنے کی آواز آئی اور پھر وہ قریب آیا۔ اس کے ساتھ کھڑے فاتح نے سلگتی ہوئی تیلی دیوار کے قریب کی۔

ایک لمحے کے لئے تالیہ نے نہیں دیکھا کہ دیوار پہ کیا تھا۔

زندگی ایک لمحے کے لئے کتنی خوبصورت تھی نا۔ وہ ہر مسئلے سے آزاد تھے۔ ساتھ تھے۔ دنیا کے شور ہنگامے سے دور.... اپنے گھوڑوں کے ساتھ اس خوبصورت قلعے میں....

شعلہ پوری تیلی کو کھا گیا تو فاتح نے اسے گرا دیا۔ روشنی بجھی تو وہ چونکی۔

''نہیں۔ یہ نظم نہیں ہے۔ یہ لکیریں ہیں۔'' وہ دوسری تیلی رگڑ رہا تھا۔ تالیہ نے سر جھکا اور توجہ دیوار کی طرف مرکوز کی۔ ابھی مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے۔ ابھی وہ خوش نہیں ہو سکتی تھی۔

''ہر سات لکیروں کو کاٹا گیا ہے۔ یہ دنوں کا حساب ہے۔ ہفتوں کا۔''

''ہاں۔ قدیم زمانے میں لوگ اسی طرح دن گنتے تھے۔ یہ دیکھو۔ آخری.... (اس نے گنا) آخری ساٹھ دنوں کے اوپر کاٹا نہیں گیا۔''

''یعنی سن باؤ اور اس کے ساتھی جو بھی پلان کر رہے ہیں' اس کے وقوع پذیر ہونے میں ساٹھ دن رہتے ہیں۔''

''شاید اس سے کم۔ کیونکہ ہمارے چھاپے کے بعد سن باؤ ادھر نہیں آیا اور جتنے دن گزرے وہ اس نے نہیں کاٹے۔ اب سوال یہ ہے کہ سن باؤ کے ساتھی کون ہیں اور وہ کیا پلان کر رہے ہیں؟''

وہ مڑ گیا اور لکڑیوں کی طرف آیا۔ پھر جھک کے انہیں اٹھانے لگا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''آگ جلا رہا ہوں۔ کیا تمہیں اندھیرے میں بیٹھنا ہے؟'' اس کی غائب دماغی پہ اسے ٹوکا تو اس نے خفت سے سر جھکا۔

''اب آپ سن باؤ کے خلاف کیا کریں گے؟''

قلعے کے احاطے میں الاؤ جل رہا تھا اور وہ دونوں پتھروں پہ اس کے گرد بیٹھے تھے۔ رات پوری طرح پھیل چکی تھی۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے مشعلیں لئے اندر گئے تھے اور کھنڈر کمروں کا جائزہ لیا تھا۔ وہ اَن چھوئے لگتے تھے۔ گویا سن باؤ کے ساتھی صرف احاطہ استعمال کرتے تھے۔

''مجھے معلوم ہے مجھے سن باؤ کا کیا کرنا ہے۔'' وہ اب مطمئن تھا جیسے اسے معلوم ہو وہ سن باؤ کو کیسے استعمال کر سکتا تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں میرا کوئی خاص کام نہیں تھا آج۔ راجہ بھی مصروف تھے سو میں آ گیا۔''

''میں وقت کے اس سفر کی بات کر رہی ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے تم کیا بات کر رہی ہو۔''

اور پھر سے دونوں کے درمیان ایک شکوہ کناں خاموشی حائل ہو گئی۔ آگ سے لال انگارے چٹخ چٹخ کے اڑتے فضا میں گم ہونے لگے۔

''آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں واپس جا کے حالات کا مقابلہ کروں۔ اور خود آپ اپنے لوگوں سے فرار حاصل کر رہے ہیں۔''

''میں فرار نہیں حاصل کر رہا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ایسا لگتا تھا اس نقطے پہ وہ ڈسٹرب ہوتا ہے۔

تالیہ نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔ اسے وان فاتح کی دکھتی رگ مل گئی تھی۔

''یہ فرار ہی ہے۔ آپ اپنے لوگوں کو نا اہل اور نا خلف جانشینوں کے سپرد کر کے فرار ہو چکے ہیں' وان فاتح۔'' وہ اس رگ کو مزید دبا رہی تھی۔ ''آپ نہیں ہوں گے تو اشعر وزیر اعظم بن جائے گا۔ وہ ملک کو تباہ کر دے گا۔ اس کا ذمے دار لوگ آپ کو سمجھیں گے۔''

''میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔''

''تو خود کو اہل بنائیں۔ مقابلے سے بھاگیں تو نہیں۔''

''میں نے بھرے مجمعے میں دعویٰ کیا تھا کہ میں نے کبھی کوئی اثاثہ نہیں چھپایا۔ میری سزا ہے کہ.....''

''ہم سب نے بہت سزا کاٹی ہے' فاتح۔ بہت بڑی سزا۔ اب ان سزاؤں کو بند ہو جانا چاہیے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''میں اپنے جرائم سے بھاگتے بھاگتے تھک چکی ہوں۔ میں واپس جاؤں گی' اس الزام کو فیس کروں گی اور آزادی حاصل کروں گی۔ آپ واپس جائیں' اس اخلاقی جرم کے بوجھ سے چھٹکارا پائیں اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ جائیں۔ آج

کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے خوابوں پہ سمجھوتہ نہیں کرے گا۔"

کوئی سلگتی لکڑی زور سے چٹخی۔ لال انگارے اڑ اڑ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

وہ خاموش ہو گیا اور سر نیچے گرا دیا۔ پھر کافی دیر بعد اس نے چہرہ اٹھایا اور پوچھا۔

"کیا میرے عوام بھی تمہاری طرح سوچیں گے؟ کہ میں فرار ہو رہا ہوں؟"

اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ہرٹ ہوا ہے۔ اس کا سوال سادہ تھا۔ کسی حد تک معصوم بھی۔

اور اس لمحے تالیہ کو احساس ہوا کہ سب سے اونچی کرسی والا بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔ اسے بھی بہت سی باتیں دوسروں سے پوچھنی پڑتی ہیں۔ یا شاید کوئی بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔

"جی۔ وہ یہی سوچیں گے۔" اس نے سر ہلایا۔ پھر ٹھہر کے بولی۔ "کیا میرے الفاظ آپ کو تکلیف دے رہے ہیں؟"

الاؤ کے پار بیٹھا فاتح مسکرایا۔

"ایک آدمی تھا..... تمہاری طرح کا..... وہ ایک تتلی کے بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔" وہ کہنے لگا اور وہ دلچسپی سے وان فاتح کی ایک نئی کہانی سننے لگی۔

"تتلی کا ننھا بچہ اپنے cocoon (حفاظتی ریشمی خول) میں بند تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ باہر نہیں آ پا رہا۔ اسے بہت کوشش کرنی پڑ رہی ہے... تو اس آدمی نے احتیاط سے اس 'کوکون' کو کاٹ کے کھول دیا اور تتلی کا بچہ باہر آ گیا۔ اسے لگا اس نے اسے تکلیف سے بچایا ہے مگر....." اس نے افسوس بھری سانس کھینچی۔

"اس بچے کے پنکھ چھوٹے تھے اور مکمل طور پہ بن نہیں سکے تھے سو وہ جلدی مر گیا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اگر وہ کوکون سے نکلنے کے لئے خود اسٹرگل کرتا تو اس کے پروں تک خوراک پہنچتی۔ وہ انہیں زور لگا کے پھیلاتا تو وہ مضبوط بنتے۔ وہ اپنے زور پہ باہر آتا تو صحت مند ہوتا۔" وہ اداس مسکراہٹ سے کہہ رہا تھا۔

"ہماری پریشانیاں بھی ہمارا کوکون ہوتی ہیں۔ ان سے نکلنے کے لئے تکلیف ہمیں ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ میں تمہاری باتوں کی تکلیف سے نہیں ڈرتا۔ تم نے اچھا کیا مجھ سے سچ بولا۔ جھوٹ بول کے 'کسی کو تکلیف سے بچا کے خود ہی اس کا کوکون کھول دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنے دوستوں کو ان کے حصے کی تکلیف کاٹنے دینی چاہیے۔"

وہ پھیکا سا مسکرائی۔ وان فاتح کے سارے فلسفے ایک طرف' وہ جانتی تھی وہ اپنی باتوں سے اسے دکھ دے گئی ہے۔ وہ اپنی طرف سے اخلاقی بنیاد پہ قربانی دے رہا تھا لیکن دنیا والے ایسی قربانیوں کی قدر نہیں کرتے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میرا وہ فیصلہ غلط تھا؟ اس کی وجہ سے میری یادداشت واپس آئی تھی۔" وہ آگ کو دیکھتے ہوئے یاد کر

کے بولا۔

''سارے کھیل وقت کے ہیں' فاتح۔ اس وقت وہ درست فیصلہ تھا۔ آپ نے اس کو لینے کی جراءت کی' یہ بہت بڑی بات تھی۔ لیکن وقت نے آپ کو سوچنے کا موقع دیا ۔ ہماری دنیا میں وقت آپ کے اگلے اور بہتر فیصلے کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔ نجانے راضی ہوا تھا یا نہیں۔ فی الحال کے لئے اتنا بہت تھا۔

''اگر ہمارا پلان کامیاب ہو جائے تو ہم بہت جلد واپس جا سکیں گے۔'' فاتح نے بات بدل دی۔

''کیا بابا ہمیں اتنی آسانی سے جانے دیں گے؟''

''میں ہر چیز ٹھیک کر لوں گا۔'' وہ رکا۔ ''بنگارایا ملایو کے مطابق شہزادی تاشہ کے کردار کا انجام کیا ہوا تھا؟ یاد ہے؟''

''ہوں۔'' اس نے مڑ کے اس دیوار کو دیکھا جس پہ کوئی نظم نہ لکھی تھی۔ ''سلطان نے جب شہزادی سے راستہ الگ کیا تو شہزادی کی ملاقات برونائی کے ایک جلاوطن شہزادے سے ہوئی تھی۔''

''برونائی کا ولی عہد۔ رائٹ۔'' فاتح نے یاد کر کے سر ہلایا۔

''جی۔ برونائی کے مرحوم بادشاہ کا بیٹا جو پناہ کی غرض سے ملاکہ آیا تھا۔ مراد راجہ کا مہمان بنا اور شہزادی کو دیکھتے ہی (پلکیں سادگی سے جھپکائیں اور مسکراہٹ دبائی۔) اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ شہزادی کو بھی وہ پسند آ گیا سو دونوں نے شادی کر لی۔''

''واٹ اے ٹریجڈی۔'' وان فاتح نے ناگواری سے کندھے اچکائے اور گردن موڑ لی۔

''مگر تم نے کہا تھا اس دیوار کی نظم میں شہزادی کی غلام سے شادی کا تذکرہ تھا۔''

''وہ نظم بنگارایا ملایو میں نہیں ہے۔ وہ میں نے صرف خواب میں دیکھی تھی۔ بنگارایا ملایو کے مطابق شہزادی کی شادی برونائی کے ولی عہد سے ہوئی تھی۔''

فاتح نے سنجیدہ مگر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔

''برونائی کے ولی عہد اور شہزادی تاشہ شادی کے بعد برونائی کے لیے بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک روز شہزادی ایک جادوئی سوئی سے کڑھائی کر رہی تھی جب ولی عہد اس کے پاس آیا۔ شہزادی نے منع کیا کہ اس کے ہاتھ میں جادوئی سوئی ہے' اس لئے وہ قریب نہ آئے مگر ولی عہد نے اسے مذاق سمجھا۔ یوں ہنسی مذاق میں ولی عہد کی پسلی میں سوئی چبھ گئی۔ اور وہ فوراً سے نیلا پڑ گیا۔ چند لمحوں میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ شہزادی اس واقعے سے اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ اس نے اپنی زندگی ختم کر لی۔ یوں اس بحری سفر سے وہ کبھی واپس نہیں آئی۔''

''شہزادی کو کیا ضرورت تھی جادوئی سوئی سے کڑھائی کرنے کی؟ اور غلطی سے کسی کی پسلی میں سوئی کیسے چبھ سکتی ہے؟ سو اسٹوپڈ۔'' اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''ویسے اگر کسی دن آپ کو بابا نے کسی نئے مہمان سے متعارف کروایا اور کہا کہ یہ برونائی کا ولی عہد ہے تو آپ کیا کریں گے؟.....''

''میں کہوں گا کہ یہ بہت جلد مرنے والا ہے۔ اب چلو' ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

وہ اکتا کے کہتا اٹھا' اور لباس جھاڑا۔ تالیہ کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''بھلے وہ آخر میں مر گیا ہو.... لیکن بنگارایا ملایو کہتی ہے کہ شہزادی اس کی محبت میں واقعی گرفتار ہوئی تھی۔''

وہ اسے مزید برہم کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ مگر اندر سے وہ جانتی تھی کہ یہ ساری کہانی فرضی تھی اور یقیناً سلطان کے نئے مورخ نے لکھی تھی۔

واٹ اے ٹریجڈی۔

☆☆=========☆☆

جس وقت وہ دونوں بندا ہارا کے محل میں واپس آئے' اس نے حرم کے دروازے پہ تالیہ کو الوداع کہا اور خود محل کے اس حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کا کمرہ تھا۔ گھوڑا راستے میں سائیس کے حوالے کر کے وہ ابھی راہداری میں داخل ہی ہوا تھا کہ دیکھا' مراد راجہ کا ایک سپاہی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

''وان فاتح۔'' اسے دیکھ کے وہ اطلاع دینے والے انداز میں بولا۔ ''صبح محل میں مقررہ وقت سے پہلے پہنچنا ہے۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں۔ راجہ نے کہا ہے کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔ ان کا تعارف کروانا ہے آقا سے۔'' پھر چہرہ قریب کیا اور سرگوشی میں بتایا۔ ''سنا ہے برونائی کا ولی عہد بھی آ رہا ہے۔''

وان فاتح کے تاثرات سپاٹ ہو گئے۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''برونائی کا جلاوطن شہزادہ؟''

''ہاں۔ راجہ نے کہا ہے کہ سارے شہر میں خبر پھیلا دی جائے کہ برونائی کا جلاوطن شہزادہ ہمارے محل میں قیام کرے گا اور دربار کا حصہ ہو گا۔''

''دیکھیں گے۔'' وہ ناگواری سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

ایک عجیب سی بے چینی نے اسے آن گھیرا تھا۔

اس نے اپنا نکاح نامہ مراد راجہ کو دے دیا تھا۔ اس کے پاس اپنے اور تالیہ کے تعلق کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ راجہ اس خوش فہمی میں تھا کہ تالیہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گی۔ کیا اسی لئے وہ اب غیر ملکی امیر زادوں کو ملاکہ مدعو کر رہا تھا؟

☆☆=========☆☆

کال کوٹھڑی میں جڑی بوٹیوں کی عجیب سی مہک پھیلی تھی۔ نہ خوشبو تھی۔ نہ بدبو۔ بس ایسی بُو جسے پہلے چند لمحوں کے لئے برداشت کرنا مشکل لگتا۔ پھر اس کی عادت ہو جاتی۔

ایڈم بن محمد کڑاہی کے قریب بیٹھا اس میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔ ہر چند ثانیے بعد ڈوئی ہلا کے رکھ دیتا اور گود میں رکھی کتاب کھول لیتا۔ وہ نڈھال سا لگتا تھا اور جسم پسینے میں بھیگا تھا۔

اندھیر کمرے کی ڈیوڑھی کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی۔ اس کی روشنی مطالعے کے لئے کافی تھی۔

''کیا پڑھ رہے ہو؟'' آواز پہ وہ ڈر کے پلٹا۔ پھر گہری سانس لی۔

''قدیم ملے شاعری کی کتاب ہے۔ اور کیا آپ دستک دے کر نہیں آسکتیں؟''

مگر وہ مزے سے وہ چوکی کھینچ کے اس کے قریب بیٹھی اور دبے دبے جوش سے بتانے لگی۔

''میں نے فاتح سے بات کی ہے۔ ان کے استعفے کے بارے میں۔''

''کیا وہ اسے واپس لے لیں گے؟''

تالیہ نے انگلی تھوڑی پہ رکھ کے سوچا۔ ''شاید ہاں۔ وہ چپ ہو گئے تھے۔ یعنی وہ اس بارے میں سوچنے لگے ہیں۔ یہ پراگریس ہے۔''

''یہی ان کے لیے بہتر ہے۔ وہ اس کرسی کے اہل ہیں۔''

''اگر وہ وزیر اعظم بن گئے تو کیا میں اور وہ کبھی ایک ہو سکیں گے ایڈم؟'' کڑاہی میں ابلتے مائع کو دیکھتے ہوئے وہ گم صم سے انداز میں بولی۔ ایڈم چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔

''آپ نے تو ان سے کہا تھا کہ آپ ہماری دنیا میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔''

''میں تالیہ ہوں۔ کیا میں نے کبھی اتنی آسانی سے سچ بولا ہے؟'' وہ تنک کے بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''آپ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں؟ باوجود اس کے کہ دنیا والے آپ کی اس شادی کو کبھی قبول نہیں کریں گے؟''

''ہاں۔ مجھے اپنی دنیا میں واپس اس لیے جانا ہے کہ وہاں فاتح ہوں گے۔''

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''آپ صرف ان کے لیے واپس جانا چاہتی ہیں؟''

''میرا ان کے علاوہ وہاں اور کون ہوگا؟ مگر میں ابھی تک ان سے ہمارے تعلق کے بارے میں بات نہیں کر سکی۔ کیا کروں؟''

''آپ یہ مشورہ کسی اور سے نہیں مانگ سکتیں کیا؟'' وہ برہمی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔

''میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی اور ہے کیا؟'' وہ برا مان کے بولی تو ایڈم چپ ہو گیا۔

وہ بھی کیا کرتا؟ اس موضوع پہ وان فاتح سے بات کرنا جتنا تکلیف دہ تھا' تالیہ سے بات کرنا زیادہ کٹھن تھا۔ جس کو آپ پسند کریں' وہ آپ کے سامنے کسی اور کی بات کرے' کیسا اذیت ناک احساس تھا مگر اسے اپنا وقار بھی نہیں کھونا تھا۔ اس لئے ....گہری سانس لی اور تحمل سے کہا۔

''تو آپ ان سے خود کیوں نہیں پوچھ لیتیں کہ آپ ان کی زندگی میں کہاں کھڑی ہیں؟''

''میں needy اور desperate نہیں لگنا چاہتی۔ یاد کرو' میرے بابا کے ساتھ اس قدیم دنیا میں رہنے کے فیصلے کا مطلب تھا میں فاتح کو چھوڑ رہی ہوں۔''

''اور ایڈم کو بھی۔'' اس نے یاد دلایا۔ اسے ہمیشہ اپنا آپ یاد دلانا پڑتا تھا۔ مگر وہ اپنی کہہ رہی تھی۔

''اتنے دعوے کر کے اب میں ان کو کیسے کہوں کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''آپ میں سے کسی کو انا کی دیوار گرانی پڑے گی۔'' اس نے جھک کے ڈوئی اٹھائی اور اسے کھولتے ہوئے کاڑھے میں چلانے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟ وہ دنیا کے سامنے مجھے اپنی بیوی کہہ سکیں گے؟''

ایڈم نے ڈوئی چلاتے ہوئے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔''

''کیا واقعی؟ تو پھر وہ کبھی کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں؟''

''پہلے تو ان کی یادداشت واپس نہیں آئی تھی۔ مگر جب انہیں یہ تعلق یاد آیا تو آپ انہیں وقت کے سفر پہ لے آئیں۔ اور اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ انہیں چھوڑ رہی ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ آپ کے ساتھ آئے ہیں تو اس کا اور کیا مطلب ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ رہیں' بے تالیہ۔ آپ کو ان سے کھل کے بات کرنی چاہیے۔ کھل کے بات کر لینا ہمارے اکثر مسائل سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔''

''تھینک یو ایڈم۔ میرا دل تم سے بات کر کے ہمیشہ ایسے ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔'' وہ مسکرا دی۔

''دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے کہتا' اپنی کتاب لیے اٹھ گیا۔ اس کا دل پہلے سے زیادہ بوجھل ہو گیا تھا۔

تالیہ ڈوئی سنبھال چکی تھی۔ ان دونوں نے اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں اور سختی سے اس پہ کاربند تھے۔

☆☆=========☆☆

اس صبح سلطنت محل کے دربار کے دروازے کھلے تھے اور تمام شرکاء اندر کی طرف جا رہے تھے۔ برآمدے میں چند افراد سلطان مرسل کے منتظر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک مراد راجہ بھی تھا جو اپنے غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مصروف نظر آتا تھا۔

یہ برونائی کے چند تاجر تھے۔ شاہانہ قباؤں میں ملبوس' نگینوں والی انگوٹھیاں پہنے' وہ مسکرا کے مراد کی کسی بات پہ سر ہلا رہے تھے۔ وان فاتح ایک ستون کے ساتھ کھڑا چبھتی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

ان میں سے ولی عہد کون تھا؟ یہ سب ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ لگتے تھے۔ اس نے سنا تھا کہ برونائی کے بادشاہ نے اپنے ایک بیٹے کو جلاوطن کر دیا ہے۔ وہ اصل ولی عہد تھا اور گزشتہ چند ماہ سے گمنامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ کیا مراد نے اسے ملاکہ بلوا لیا تھا؟ کہیں مراد اس سے شہزادی کی شادی کا ارادہ تو نہیں رکھتا؟

یہ خیال سیاہ قبا میں ملبوس تنہا کھڑے وان فاتح کا مزاج مزید خراب کر رہا تھا۔

دفعتاً مراد نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔ فاتح سنجیدہ چہرے کے ساتھ ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ مراد نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ بس مہمانوں سے بات کرتا رہا۔

دفعتاً نقارہ بجا۔ ہٹو بچو کی صدا بلند ہوئی اور جھٹ سب قطار بنا کے کھڑے ہو گئے۔ مرسل شاہ تشریف لا رہا تھا۔

ان کے قریب وہ رکا۔ یہ قطار غیر معمولی تھی۔ مراد نے بات کرنے کی اجازت طلب کی۔

''آقا!'' تعظیم پیش کرنے کے بعد مراد نے سر اٹھایا۔ ''یہ میرے مہمان ہیں۔ برونائی سے آئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں' اس لئے سوچا ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔''

مرسل کے تاثرات بدلے۔ وہ مسکرایا۔ ''کیا برونائی کا جلاوطن ولی عہد ہمارے ملک میں ہے؟'' سرسری نگاہ اس وفد پہ ڈالی۔

''جی آقا۔ یہ شمس الدین ہے' برونائی کا جلاوطن ولی عہد۔'' مراد راجہ نے کہتے ہوئے ہاتھ سے وان فاتح کی طرف اشارہ کیا۔

سب کی نگاہیں اس اشارے کی سمت اٹھیں۔

فاتح رامزل اپنی جگہ سن ہو گیا۔

مرسل نے اسے دیکھا تو چہرے کے زاویے بدلے۔ ''اچھا۔ تو تمہارا مشیر برونائی سے تعلق رکھتا ہے۔ تم نے پہلے ذکر نہیں کیا۔'' اس کی سرد آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔ وہ جو چونک کے مراد کو دیکھنے لگا تھا' سنبھل کے سیدھا ہوا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

''آپ نے سوال نہیں کیا تھا' آقا۔ ملکہ نے ویسے بھی غیر ملکی مشیروں سے کام لینے کا جو رواج ڈالا ہے' مجھے لگا اس پہ عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور شمس الدین اپنی شناخت خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔''

''ہوں۔ اچھا لگا تم سے مل کے۔''

مرسل شاہ آگے بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ وہ دونوں تنہا رہ گئے تو فاتح کا ضبط جواب دے گیا۔

''آپ نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟'' اس کے انداز میں برہمی تھی۔

''کیونکہ اگر تم بھرے بازار میں شہزادی کے ساتھ گھومتے نظر آؤ گے تو تمہارے بارے میں سوال اٹھیں گے۔ مجھے ان کا جواب دینا تھا۔ سلطان کے کارندے بھی ٹوہ لینے لگے ہیں۔ اور کیا کہتا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کسی دوسری دنیا سے؟ یہ تاجر میرے جاننے والے ہیں۔ یہ راز کو راز رکھیں گے۔''

''اور اگر اصلی ولی عہد آ گیا؟''

''کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ سلطان مرسل چند دن کا مہمان ہے؟ چند دن کے لئے اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔''

فاتح نے ضبط کا تلخ گھونٹ اندر اتار لیا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن پھر وہ دربار میں نہیں گیا۔ وہ اس وقت تازہ ہوا میں رہنا چاہتا تھا۔

وہ گھوم کے محل کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ یہاں درختوں کے درمیان مصنوعی فوارہ ابل رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آیا' اور جھک کے چلو بھر پانی بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ یہ عمل کئی دفعہ دہرایا یہاں تک کہ گریبان بھیگ گیا۔

ملاکہ آنے کے بعد اور اس سے پہلے وہ مختلف قسم کے احساسات سے گزرا تھا۔ مگر یہ احساس سب سے عجیب تھا۔

(برونائی کے ولی عہد کی موت شہزادی تاشہ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔)

اس نے سر جھٹک کے اس خیال کو بھی جھٹکنا چاہا مگر اب یہ آسان نہ تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے گردن کی پشت پہ کوئی بچھو دھیرے دھیرے چل رہا ہو۔

جیسے رات کو کمرے کے باہر قدموں کی چاپ مدھم آواز سنائی دیتی ہو۔

جیسے کوئی بلا تعاقب میں ہو.....

وہ آستین سے چہرہ پونچھتے ہوئے مڑا تو ٹھٹک گیا۔

سامنے سن باؤ کھڑا تھا۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''برونائی کا ولی عہد؟ مراد راجہ نے اچھی کہانی گھڑی ہے لیکن میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں۔'' وہ طنز سے کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے مراد راجہ کی چند چیزوں کی تلاشی بھی لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس لوگوں کو مستقبل کے زمانے میں بھیجنے کا جادو ہے۔ تم.... تم مستقبل سے آئے ہو اور تم ہم سب کا مستقبل بھی جانتے ہو۔''

''بس؟ یہی معلوم ہوا ہے تمہیں؟ اگر تم مجھ سے مہذب انداز میں پوچھتے تو میں خود ہی بتا دیتا۔ تم نے ایسے ہی وقت ضائع کیا' سن باؤ۔'' وہ ہنس دیا تھا۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ ''میں چھ سو برس بعد کے زمانے سے آیا ہوں۔''

سن باؤ کی چھوٹی آنکھیں برہمی سے مزید چھوٹی ہوئیں۔

''تم نے ملکہ کو دھمکی دی۔ پھر میرے پیچھے آئے۔ اس وقت سے ڈرو وان فاتح' جب ہم تمہارے پیچھے آئیں گے۔''

فاتح آرام سے فوارے کی منڈیر پہ بیٹھا اور سر اٹھا کے سن باؤ کو دیکھا۔ پیچھے فوارے سے آتے چھینٹے اس کی پشت پہ ٹھنڈی پھوار کی طرح برسنے لگے۔

''ہمارے زمانے میں ایک محاورہ بولا جاتا ہے' وانگ لی۔ کہ پھندا صرف تب تک پھندا ہوتا ہے جب تک آپ کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ جب معلوم ہو جائے تو وہ پھندا نہیں رہتا۔ وہ مقابلہ بن جاتا ہے۔ مجھے مقابلے کب برے لگے ہیں؟'' مسکرا کے شانے اچکائے۔

وانگ لی نے بس طنزیہ مسکرا کے ہنکارا بھرا اور مڑ گیا۔

اس کے جاتے ہی فاتح کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ برونائی کے ولی عہد کا انجام پھر سے یاد آنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

محل کی پشت پہ حرم کا برآمدہ بنا تھا جس میں شاہانہ طرز کی کرسیاں لگی تھیں۔ ملکہ یان سوفو وہاں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ کنیزیں اور غلام ارد گرد مستعد کھڑے تھے۔ ملکہ کا لباس گلابی تھا اور پیالی پہ بھی گلابی رنگ کے نقش و نگار بنے تھے۔ اس کا پیالی تھامنے کا انداز بھی محبت لئے ہوئے تھا۔ یہ اس کے چین سے لائے خاص برتن تھے۔ اور ان کے ساتھ ملکہ کے جذبات جڑے

تھے۔

وہ مسکرا کے نقش و نگار کو دیکھ رہی تھی جب کنیز نے کھنکھار کے اطلاع دی۔

''وان فاتح آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

یان سوفو چونک کے سیدھی ہوئی۔ پیالی سامنے رکھ دی۔ چہرے کا رنگ بدلا مگر گردن کڑا دی۔ ''ہاں اسے بھیجو۔ اور اس کے ہوتے ہوئے ہمہ وقت سپاہی یہاں تعینات رہیں گے۔''

''درست' ملکہ۔ مگر وہ نہتا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ تک نہیں ہوتا۔''

''جو کہا ہے وہ کرو۔''

وہ جب برآمدے کے زینے چڑھ کے سامنے آیا تو یان سوفو نے دیکھا' وہ مزید مختلف نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کرتے پاجامے پہ نفیس سی سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور ایک آزاد رئیس نظر آتا تھا۔ یہ وہ غلام نہیں تھا جسے وہ چند ماہ پہلے ملی تھی۔

دور دور تک سپاہی تعینات کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ فاتح نے ایک نظر ملکہ کو دیکھا' سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور مسکرایا۔

''ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور میں تم سے تنہائی میں بات کیوں کروں گی؟ اس روز کی دھمکی یاد ہے مجھے' ولی عہد برونائی۔'' وہ طنز سے بولی۔

فاتح نے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے کنیز کی طرف بڑھایا۔ کنیز نے جھٹ اسے ملکہ کے سامنے کیا۔

یان سوفو نے اسے گھورتے ہوئے کاغذ کی تہیں کھولیں۔ پھر اسے پڑھا۔

پھر چونک کے سامنے کھڑے مرد کو دیکھا۔

''ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔'' سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ وان فاتح کا مدعا سننے کے لئے تیار تھی۔

☆☆=========☆☆

وانگ لی کی سرخ حویلی دوپہر کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ وانگ لی کی سواری ابھی ابھی وہاں آن کے رکی تھی اور وہ گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ چونکہ کافی فربہ تھا' اس لئے اترنے کے بعد پہلے اپنا سانس بحال کیا' پھر چغہ درست کیا' پھر دروازے کی طرف بڑھا۔ دفعتاً ٹھٹک کے رکا۔

سامنے ملکہ کا قاصد منتظر کھڑا تھا۔

''سن باؤ۔ میں محل میں آپ کو ڈھونڈ نہیں پایا۔ ملکہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔'' ساتھ ہی اس نے ایک مہر بند خط اس کی طرف بڑھایا۔ وانگ لی نے تیزی سے اسے تھاما۔ ملکہ کی خاص مہر توڑی اور خط نکالا۔

''وانگ لی.....غلام فاتح میرے پاس آیا تھا اور جو اس نے مجھے تمہارے خفیہ قلعہ کے بارے میں بتایا ہے' اس کے بعد سے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ اپنا سامان سمیٹو اور ملاکہ سے کوچ کر جاؤ۔''

وانگ لی کی رنگت پھیکی پڑی۔ اس نے کاغذ جیب میں ڈالا اور جلدی سے گھوڑے کی طرف لپکا۔ ''ملکہ محل میں ہیں؟''

''نہیں۔ وہ اپنے دو چینی سپاہیوں کے ہمراہ کہیں روانہ ہوئی ہیں۔ معلوم نہیں کہاں۔''

''یعنی فاتح نے ان کو اس قلعے کا پتہ دے دیا ہے۔'' اس نے تیزی سے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے ایڑھ لگا دی۔ گھوڑا اب سرپٹ دوڑتا' دھول اڑاتا دور جا رہا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنی ملکہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔

ابھی شام نہیں اتری تھی جب وانگ لی اونچے نیچے سبز ٹیلوں کے درمیان بنے قلعے کی سڑک تک آ پہنچا۔ قلعے کے باہر ملکہ کے دو سپاہی کھڑے تھے۔ اسے آتے دیکھ کے انہوں نے راستہ دیا۔ وہ تیزی سے نیچے اترا اور دروازے کی طرف بھاگا۔

صحن کی چوکھٹ پہ وہ ٹھٹک کے رکا۔ ملکہ کہیں نہیں تھی۔

مگر سامنے وان فاتح کھڑا تھا۔

اور اس کے پیچھے بنداہارا کے مسلح سپاہی گھوڑوں پہ موجود تھے۔

وانگ لی چونک کے پلٹا مگر اب چند سپاہی جانے کہاں سے نکل کے اس کے عقب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''ملکہ کہاں ہیں؟'' اس نے بظاہر رعب دار آواز میں پوچھا۔

فاتح نے مسکرا کے اسے مخاطب کیا۔

''تمہیں ملکہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' سن باؤ۔ وہ اس قلعے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتیں۔''

''وہ خط.....وہ سپاہی؟'' وانگ لی کا سان اٹک گیا۔

''میرے لئے ملکہ کے تین چینی سپاہی خریدنا یا شہزادی تاشہ کے لئے جعلی خط تیار کرنا قطعاً مشکل کام نہیں ہے۔ تم ہمیں نہیں جانتے' وانگ لی۔''

کھیل سمجھتے ہی وانگ لی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

''یہاں ہر طرف بنداہارا کے سپاہی ہیں۔ تمہارا گھوڑا بھی وہ تحویل میں لے چکے ہیں۔ یہاں سے بھاگنے کا بھی فائدہ نہیں۔ اس لئے بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔ کرسی میز پہ۔ میرے ملک کے لوگوں کی طرح۔''

نرمی سے کہہ کے فاتح نے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

وانگ لی نے آستین سے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔ چند لمحے وہ متامل رہا۔ پھر قلعے کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ

گیا۔ فاتح اس کے پیچھے آیا۔

اندر ایک ویران کمرہ بنا تھا۔ وہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے میں کوئی مشعل نہ تھی البتہ کھڑکی سے آتی دن کی روشنی کافی تھی۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' وانگ لی بیٹھتے ساتھ ہی بے چینی سے بولا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں کس طرح کے لوگوں سے ملتے ہو۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تم چینی باغیوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کر رہے ہو جو شاہِ چین کا تخت چھیننا چاہتے ہیں۔ تم یان سوفو کے باپ سے غداری کر رہے ہو۔''

وانگ لی میز پہ مٹھیاں رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم حبِ وطنی کے بارے میں کیا جانتے ہو غلام فاتح؟''

''اوہ.. تم خود کو محبِ وطن کہہ رہے ہو؟''

''میں غدار نہیں ہوں۔ جو کر رہا ہوں اپنے ملک کے لئے کر رہا ہوں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔ اس نے نہ تردید کی نہ کوئی صفائی دی۔ ''تم ملکہ کو بتا کے مجھے چوک میں پھانسی دلوانا چاہتے ہو.. تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔''

''تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس اس الزام کا کیا ثبوت ہے؟''

''تمہیں ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟ تم بنداہارا کے مشیر ہو اور میں ٹھہرا ایک غیر ملکی۔ میرے قول پہ تمہارے الزام کو ہمیشہ فوقیت دی جائے گی۔'' وانگ لی نے شانے اچکا دیے۔ فاتح چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا ذکر تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے میں نے۔ چھ سو سال بعد کے زمانے میں بھی تمہارا مجسمہ اور تمہارا گھر لوگوں نے محفوظ کر کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اپنی جگہ بالکل ساکت ہو گیا۔ ''تم کہہ رہے ہو کہ میرا ذکر صدیوں بعد بھی محفوظ رہے گا؟''

''ہاں۔ اور میں نے اپنے باپ سے کہہ کے تمہاری سرخ حویلی خریدی تھی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اس میں ایک مجسمہ تھا۔ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ۔ میں وانگ لی کا بچپن سے پرستار تھا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر اچھے الفاظ میں پڑھا تھا۔'' وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا اور وانگ لی سکتے میں چلا گیا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟''

فاتح نے شانے اچکا دیے۔ ''کیا میں نے آج تک تم سے کوئی جھوٹ بولا ہے؟ کیا میں نے تمہاری جان نہیں بچائی

تھی؟ ہم ایک دوسرے کے مخالف ہو چکے ہیں' لیکن میں اب بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ تمہیں تاریخ شاہِ چین کے وفادار غلام کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

کافی دیر تک اس ویران قلعے میں سناٹا چھایا رہا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو' غلام فاتح؟"

"میرے پاس دو راستے ہیں۔ میں یا تو ملکہ کو تمہاری اصلیت بتا دوں کیونکہ جس بغاوت کو تم اٹھا رہے ہو' یہ بہت جلد شاہ چین کا تختہ الٹ دے گی۔ یہ معلوم ہونے پہ ملکہ تمہیں مروا دے گی۔ اور دوسرا راستہ....." فاتح نے گہری سانس لی اور لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔

(وہ کم عمر لڑکا سرخ اینٹوں والے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا اور گردن اٹھائے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

اس کا باپ اس کے قریب جھکا کہہ رہا تھا۔

"یہ وانگ لی ہے۔ ایک جری مرد۔ حالانکہ وہ ایک تائی ژان (مخنث غلام) تھا مگر بہت سے مردوں سے بہتر تھا۔ وہ شاہ چین کا سب سے وفادار غلام تھا۔ جب چین میں بغاوت اٹھی' تو وانگ لی وہاں نہیں تھا۔ ہوتا تو اپنے بادشاہ کو بچا لیتا۔"

"وہ کہاں تھا' بابا؟"

"اس کو ملاکہ کے بنداہارا نے کسی قلعے میں دیکھا اور اس کا کوئی راز پا لیا۔ وانگ لی عزت دار آدمی تھا۔ اس نے توہین کروانے کی بجائے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا اور چپ چاپ ایک سمندری سفر پہ روانہ ہو گیا جس سے وہ واپس نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت اسی ساتویں بحری سفر کے دوران واقع ہو گئی تھی۔")

"دوسرا راستہ یہ ہے کہ....." فاتح نے پلکیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں تمہیں رسوا نہ کروں اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کروں۔ تم استعفیٰ لکھ دو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم اپنے بادشاہ سے غداری کر رہے تھے۔ تمہارا نام تاریخ میں اچھے الفاظ سے لکھا جائے گا۔"

"میرے ساتھ بھلائی کر کے تمہیں کیا ملے گا؟" سن باؤ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے جانے سے میرے چند کام آسان ہو جائیں گے۔"

"تم اور مراد راجہ مرسل شاہ کے خلاف بغاوت تیار کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں یہاں رہوں گا تو اس بغاوت کو روک دوں گا۔ لیکن تم مجھے پھانسی چڑھوا کے بھی راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ پھر محفوظ راستے کا مقصد؟"

فاتح نے آزردہ مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکائے۔ "ایک پرانے دوست کے لئے میں اتنا کر سکتا ہوں۔"

''میں اور تم کبھی دوست نہیں رہے۔''

''ایک دوسری دنیا میں تم میرے لئے ایک پرانے دوست کی طرح ہی تھے۔''

چند لمحے دونوں کے درمیان بوجھل خاموشی چھائی رہی۔

''کیا واقعی شاہِ چین کے خلاف بغاوت کامیاب ہو جائے گی؟'' وہ غور سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔''

''اور اگر میں نے محفوظ راستہ نہ لیا تو تم مجھے گرفتار کر کے پھانسی چڑھوا دو گے؟''

''بالکل۔''

وانگ لی نے گہری سانس لی۔ ''میرے پاس محفوظ راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے' غلام فاتح۔ میں عزت سے اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہوں۔''

فاتح نے کرسی دھکیلی اور اٹھا۔ ''میرے سپاہی تمہارا سامان سمیٹنے سے بندرگاہ تک تمہارے ساتھ رہیں گے تاکہ اگر تم کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرو تو وہ تمہیں روک سکیں۔ تم ملکہ سے ملے بغیر یہاں سے چپ چاپ روانہ ہو جاؤ گے۔''

وہ سپاٹ انداز میں کہہ کے دروازے کی طرف بڑھا جب سن باؤ نے پکارا۔

''اگر تم واقعی مستقبل کے زمانے سے آئے ہو تو مجھے بتاؤ..... چین واپس جا کے میرے ساتھ کیا ہوگا؟''

فاتح کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ پھر اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''تم کبھی ملاکہ واپس نہیں آؤ گے۔ میں بس اتنا بتا سکتا ہوں۔''

وانگ لی نے شانے اچکائے۔ ''مجھے نہیں معلوم تم سچ بول رہے ہو یا جھوٹ۔ لیکن میں واپس چین جانا چاہتا ہوں۔''

وانگ لی کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ مرنے سے یہی بہتر تھا۔

مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کبھی بھی چین نہیں پہنچ پائے گا۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ انسانوں کے ہجوم کی درمیان میں سر جھکائے چل رہی تھی۔ پیر اٹھاتی کہیں تھی۔ وہ پڑتا کہیں تھا۔ کبھی ذہن یہ سوچنے لگتا کہ وہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ گزرے واقعات کو یاد کرنے لگ جاتی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب فاتح نے اسے تنبیہہ کی تھی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کی ایک لمحے کی خطا اتنا بڑا نقصان کر سکتی

تھی۔ کیسے....اس سے کیسے ہوئی یہ غلطی؟ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی...پھر....وہ کیسے ایک لمحے کے لیے ہر شے سے غافل ہو گئی؟

چلتے چلتے وہ ایک دفعہ پھر اسی کافی شاپ کے دروازے تک آ رکی۔ باریستا نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا کے استقبالیہ انداز میں اندر آنے کو کہا۔ وہ گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔ پھر اندر داخل ہو گئی۔

''کیا اب آپ کچھ لیں گی؟'' وہ اس کے قریب آ کے بولا۔ کچھ دیر پہلے وہی تھا جس کے سامنے وہ روئی تھی۔ اور پھر شاپ سے باہر نکل گئی تھی۔ باریستا کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ تنہا' اداس سی لڑکی اتنی عام سی بات پہ کیوں رونے لگ گئی تھی۔ البتہ اب وہ بہتر لگ رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ اور انداز گم صم سا تھا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں....میں دور سے سفر کر کے آئی ہوں۔ اکیلی ہوں۔'' وہ اٹک اٹک کے کہہ رہی تھی۔

''فکر نہ کریں۔ ایک کپ ہمارے اوپر ہے۔ آیئے۔''

وہ اسے ایک میز تک لے آیا۔ اس سے من پسند کافی پوچھی اور خود واپس کاؤنٹر کی طرف چلا گیا جہاں دو تین گاہک آن کھڑے ہوئے تھے۔

وہ شیشے والے دروازے کے ساتھ بیٹھی' گم صم سی باہر دیکھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

باغ کے سرسبز درختوں کے درمیان وہ ایزل اور کینوس سیٹ کیے' پینٹ کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ کے دھبے انگلیوں اور بازوؤں پہ بھی لگے تھے۔ وہ گردن جھکائے مسکراتے ہوئے رنگ بھر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ سر اٹھایا تو دیکھا' وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

آج اس نے بھورا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ سیاہ قبا ندارد تھی۔ اسے دیکھ کے تکان سے مسکرایا۔

''آپ تھکے تھکے لگتے ہیں' ولی عہد برونائی۔''

''سن باؤ کو روانہ کر کے آیا ہوں۔ ساتھ میں شاہی مورخ کو وہ سب بھی لکھوایا ہے جو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا۔ سن باؤ عزت سے ہماری کہانی سے الگ ہو چکا ہے۔ اور ثابت ہوا کہ اس قصے کو ایڈم نے نہیں' میں نے کتاب کا حصہ بنایا تھا۔''

تالیہ برش رکھنے لگی تو وہ بے دھیانی سے ہاتھ سے پھسل گیا۔

''ان اوزاروں کے ساتھ احتیاط کیا کریں' شہزادی۔ آپ کی ذرا سی غلطی کسی کی جان لے سکتی ہے۔'' اس کے انداز میں جانے کیا تھا' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''اوہ پلیز' فاتح۔ مجھے اب اس کتاب کے ایک لفظ پہ بھروسہ نہیں ہے۔'' وہ برا مان گئی۔ ''میں آپ کی جان نہیں لوں گی۔ بے فکر رہیں۔''

''معلوم نہیں کیا حقیقت ہے' کیا فسانہ ہے۔'' فاتح نے شانے اچکائے۔ وہ اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

''آپ نے اپنے استعفے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟'' کچھ دیر بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ باغ کے درمیان روش پہ چل رہے تھے جب تالیہ نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اور ہمارا رشتہ؟ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم؟''

اس نے کہہ ڈالا۔ بنا کسی تاثر کے۔ سپاٹ سے انداز میں۔ مگر فاتح کے قدم رک گئے۔ وہ اس کی طرف مڑا اور چونک کے اسے دیکھا۔

''میں سوچتا تھا یہ آسان ہوگا۔''

''تعلق توڑنا؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اونہوں۔ استعفیٰ دے کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہوگا۔ میرے اوپر سے ذمہ داریوں اور خوابوں کا بوجھ ختم ہو جائے گا۔ میڈیا مجھ سے جواب طلبی نہیں کرے گا۔ میں جس کے ساتھ چاہوں رہ سکوں گا۔ ایک ہر سکون پرائیوٹ لائف۔''

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ واقعی ان دونوں کے بارے میں سوچتا تھا؟

''لیکن؟'' تالیہ نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''لیکن اگر میں اپنے عہدے پہ قائم رہا' تو میں کیسے دنیا کو سمجھاؤں گا کہ میری ایک دوسری بیوی بھی ہے جو.....''

''جو میری پہلی بیوی کی قاتل ہے۔'' وہ برہمی سے بولی۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''نہیں۔ جو مجھ سے عمر میں بیس سال چھوٹی ہے اور جو مجھ سے بہت مختلف ہے۔''

''آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں۔ اپنے لئے نہیں۔ نہ ہی اس بات سے کہ عصرہ کی موت تازہ ہے' یا میرے دو بچے ہیں۔ میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''تم اس دن درست کہہ رہی تھیں۔ اگر تم مجھ سے تعلق کے حوالے سے تم لائم لائٹ میں آئیں تو میڈیا تمہیں Home wrecker ثابت کرے گا۔ عصرہ کے قتل کا الزام سب کو سچ لگے گا۔ وہ تمہاری کردار کشی کریں گے۔ وہ تم پہ اتنا کیچڑ اچھالیں گے کہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

تالیہ چند لمحے اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''تم نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہو گی کیونکہ اس طرح سب تمہیں قصوروار کہیں گے۔''

''مجھے معلوم ہے میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''کچھ اختلافات انسان رد کیے جانے کے لئے پیش کرتا ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ ''آپ'' کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں؟''

تالیہ کو محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ اسی لئے وہ انہیں جھپک نہیں رہی تھی۔

''کوئی تالیہ مراد کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟''

وہ مسکرا کے بولا اور ایک لمحے کے لئے اس کی ساری مسافتیں انجام کو پہنچیں۔

ساری ریاضتوں کا پھل مل گیا۔

اس کی آنکھ کے کنارے سے پانی کا قطرہ نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

''مگر.....''

(ایک تو یہ مگر!)

''مگر اس روز جو کچھ تم نے کہا.....ان باتوں نے میرے لئے یہ فیصلہ مشکل بنا دیا ہے۔''

''اور میں نے ہی کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ رہنا چاہیں گے؟''

وہ درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اگر مجھے تمہارے ساتھ نہ رہنا ہوتا تو میں اپنی ''دنیا'' چھوڑ کے تمہارے لئے یہاں نہ آتا۔''

اور تالیہ کو اپنے سارے جواب مل گئے تھے۔ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو کے مسکرا دی۔

''لیکن آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے۔'' یہ سب کہنا آسان ہو گیا تھا۔

وہ چپ ہو گیا۔ ''اگر میں دوبارہ اپنے کیریئر کی طرف گیا تو تمہارے لئے زندگی مشکل ہو جائے گی۔''

''ہو جائے۔'' وہ ابھی تک مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''اور تم میرے سب مسئلوں میں آخر تک میرے ساتھ رہو گی؟''

''میں نے آپ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر سارے ملائیشیاء میں کوئی آپ پہ یقین کرنے کو تیار نہ ہو تب بھی میں وہ واحد انسان ہوں گی جو آپ کے ساتھ کھڑی ہوں گی۔ کیا آپ کو اب بھی تالیہ کی ہمت پہ شک ہے؟''

''ہم اسی لئے یہاں کھڑے ہیں کیونکہ تمہارے اعصاب عصرہ کے قتل کا الزام نہیں سہہ سکے تھے۔''

''مگر میں نے سبق سیکھ لیا ہے۔ وہ میری غلطی تھی۔ اب میں اس کو نہیں دہراؤں گی۔''

وہ کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا تو وہ اس کے پیچھے آئی۔

''اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے تھے تو اتنا عرصہ مجھے بتایا کیوں نہیں اور....''

وہ گھوم کے اس کے سامنے آنے لگی جب ایک عجیب سی آواز آئی۔

زن سے ایک تیر قریبی درخت میں پیوست ہوا۔

تالیہ تیزی سے نیچے ہوئی۔ یکے بعد دیگر تیر چل رہے تھے اور درختوں میں پیوست ہو رہے تھے۔

چند لمحے کے لئے اس کا ذہن بالکل سُن ہو گیا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ فاتح اس کے ساتھ زمین پہ جھکا ہوا ہے۔ وہ اس کو نیچے رہنے کا کہہ رہا ہے اور پھر چلا چلا کے سپاہیوں کو بلا رہا ہے.... عجیب خوف زدہ کر دینے والی گھڑی تھی وہ.... وہ چہرے کے سامنے بازوؤں کی قینچی بنائے سر نیہواڑے بیٹھی رہی۔

''دو حملہ آور تھے آقا۔ سپاہیوں کے آتے ہی بھاگ گئے۔ اور محل میں کہیں گم ہو گئے۔ یا کیا معلوم باہر نکل چکے ہوں۔''

اس نے سر اٹھایا تو اردگرد دھمگھٹا لگ چکا تھا۔ مراد راجہ کی پریشان اور غصیلی شکل سب سے پہلے نظر آئی۔

مراد نے ہاتھ سے اسے سہارا دیا تو وہ اس کے سہارے سے اٹھی پھر اس کے کندھے سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔

''یہ زہر میں بجھے تیر تھے۔'' فاتح نے ایک تیر درخت کے تنے سے کھینچ نکالا اور پہلے اس کے پھل کو دیکھا۔ پھر نظر اٹھا کے مراد کو۔

''درختوں کے باعث وہ نشانہ نہیں لے سکے۔ عجلت میں لگتے تھے۔ مگر وہ ڈرانے نہیں مارنے آئے تھے۔''

''مجھے کوئی کیوں مارنا چاہے گا؟'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ''اب تو ہر چیز ٹھیک ہو چکی ہے۔''

''کیا واقعی؟'' فاتح ابھی تک تیر کے پھل کا معائنہ کر رہا تھا۔

مراد کے ماتھے پہ شکنوں کا جال بچھا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ فاتح نے اسے کہنی سے تھاما اور اسے لیے محل کی طرف چل دیا۔ وہ پریشان لگتا تھا۔

وہ بھی قدرے شل سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ انتہائی صدمے سے وہ سنبھل چکی تھی لیکن تعجب ابھی تک برقرار تھا۔

''مجھے کون مارنا چاہے گا؟'' اور ذہن مزید بیدار ہوا تو صبح کے سویرے کی طرح دماغ کے خانوں میں روشنی بھرنے لگی۔

''ظاہر ہے وہ شخص جس کی گردن پہ تم نے چاقو رکھا تھا۔'' وہ غصے سے بولا۔ اس کی کہنی اس نے اس کے کمرے کے

دروازے تک پہنچ کے چھوڑی تھی۔

''اب تم یہیں رہو گی۔ اندر۔ سپاہیوں کے حصار میں۔'' وہ فکرمندی اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ''ہر چیز ہمارے منصوبے کے مطابق جا رہی ہے۔ ہم ذرا سی غلطی بھی نہیں افورڈ کر سکتے تالیہ۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب محبت کو پا لینے کی امید بندھ جائے تو جان جانے کا خوف کتنا بڑھ جاتا ہے۔

وہ بہت بہادر تھی۔ آج وہ ڈر گئی تھی۔

''وہ مجھے نہیں مار سکتا۔ آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے فاتح سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ پلٹنے لگا جب وہ ایک دم بولی....

''اگر اس نے مجھے مار دیا....اور میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی....تو؟''

وہ آہستہ سے پلٹا اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتیں؟''

''اگر میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی تو آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ نہیں مجھے ایسے نہ دیکھیں۔ میری بات سنیں۔ آپ کو میری بات ماننی ہو گی۔''

''کہو۔''

''مجھے کچھ بھی ہو جائے....لیکن آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے اور اس عہدے تک پہنچیں گے جو برسوں سے آپ کا خواب تھا۔ آپ ایسا کریں گے نا' فاتح؟''

وہ مشعلوں سے روشن قدیم راہداری میں کھڑے تھے۔ ان کے سایے دیوار پہ پڑ رہے تھے اور ماحول میں ان جانا سا خوف در آیا تھا۔

''میں استعفیٰ واپس لے لوں گا۔ اور ہم تینوں ایک ساتھ واپس جائیں گے۔ میں ''یہ'' وعدہ کرتا ہوں۔''

تسلی دلانے والے انداز میں کہہ کے فاتح نے اسے اندر جانے کو کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔

☆☆=========☆☆

آدھی رات کو شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی آہٹ پہ چونک چونک جاتی۔ تکیے تلے رکھے خنجر تک ہاتھ جاتا۔ پھر سر جھٹک دیتی۔

دفعتاً وہ بستر سے نکلی۔ بال باندھے۔ چمڑے کے اونچے جوتے پہنے' اور سر پہ شال لپیٹے کھڑکی کی طرف آئی۔ بنا آواز کے وہ باہر کود گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اصطبل سے اپنا گھوڑا نکال رہی تھی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکالا اور دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ سانس روک لی۔ خنجر تان

لیا۔ اگر حملہ آور اس کا تعاقب کر رہا تھا تو وہ.....

''تالیہ.....؟'' وہ اکتا سے اسے آواز دے رہا تھا۔

فاتح کی آواز نے ایک دم خنجر پہ اس کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ اوٹ سے باہر نکلی۔

''آپ یہاں کیسے؟''

وہ چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ کچھ فکر مند' کچھ خفا لگتا تھا۔ آستینیں موڑ رکھی تھیں اور ابرو بھنچے ہوئے تھے۔

''کیونکہ میں نے تمہاری حفاظت کے لئے بہت سے سپاہیوں کو مامور کر رکھا ہے۔ تم کمرے سے نکلو گی تو مجھے خبر ہو جائے گی۔'' پھر تاریک اصطبل پہ نظر ڈالی۔ ''تم اس وقت کہاں جا رہی تھیں؟''

وہ مسکرا دی۔ ''چلیں گے میرے ساتھ؟''

''آپ کی کافی۔'' وہی باریستا نے ایک دفعہ پھر کاؤنٹر چھوڑ کے اس کے پاس آیا اور میز پہ کافی سے بھرا کپ رکھتے ہوئے بولا تو تالیہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ پھر کپ کو۔

''آپ کو کچھ اور چاہیے' مادام؟''

''اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' اس نے گم صم سے انداز میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ باریستا واپس اپنی جگہ پہ آیا تو ایک دوسرے ویٹر نے اس کو خفگی سے کہا۔

''ہم فری کافی صرف اس کسٹمر کو دیتے ہیں جس کی سالگرہ ہوتی ہے۔ تم نے خوامخواہ اس لڑکی کو دے دی۔''

''اس نے کہا تھا اس کی سالگرہ ہے۔'' وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔ لڑکی کی میز قریب ہی تھی۔ اس نے بھی سن لیا تھا۔ ان دونوں کو دیکھا اور پھیکا سا مسکرائی۔

''یہ درست کہہ رہا ہے۔ آج میری سالگرہ ہے۔ میرا اس دنیا میں آنے والا دن۔''

اور پھر سے گردن موڑ لی۔ دوسرا ویٹر عجیب سی نظروں سے اس لڑکی کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں پہ واضح طور پہ خون لگا ہوا نظر آتا تھا۔ تازہ خون جو اب خشک ہو چکا تھا۔ وہ خون ہی تھا۔ رنگ نہیں۔

وہ بھی اب اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا ذہن دوبارہ سے پیچھے اس رات تک جانے لگا جب وہ دونوں ایک دفعہ پھر اسی قلعے کی طرف چلے آئے تھے۔ فاتح اتنا لمبا سفر خوامخواہ کرنے پہ ناخوش تھا لیکن شہزادی کی بات ماننے کے سوا چارہ نہ تھا۔

قلعے کے صحن میں جلی بجھی لکڑیوں کا ڈھیر ویسے ہی پڑا تھا۔ وہ دونوں ان سرد لکڑیوں کے پاس آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''تم آج کے واقعے سے ڈر گئی ہو؟'' وہ اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

تالیہ نے پلکیں اٹھائیں۔ ''تالیہ مرنے سے نہیں ڈرتی۔''

''پھر کس چیز کا خوف تالیہ کو سونے نہیں دے رہا تھا؟''

''اگر وہ تیر میرے بجائے آپ کو لگ جاتا؟ تو میں کیا کرتی؟''

فاتح نے چہرہ تعجب سے پیچھے کیا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''تو تم میرے لئے فکر مند تھیں؟ میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں' تالیہ۔''

''میں نے آپ کو جادوئی سوئی سے مار دیا تھا۔ کیا میں واقعی اتنی بڑی غلطی کر سکتی ہوں۔'' وہ ایک دم روہانسی ہو گئی۔

''اوہو.... وہ کتاب سچ نہیں بول رہی۔''

''مجھے اس دنیا سے بہت خوف آنے لگا ہے۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ کسی بھی بڑے نقصان سے پہلے۔ پلیز فاتح۔''

''میں نے وعدہ کیا ہے نا' ہم واپس ضرور جائیں گے۔'' وہ اسے نرمی سے یقین دلا رہا تھا۔

اندھیر صحن میں وہ دونوں آج بھی اسی طرح بیٹھے تھے۔ لیکن آج درمیان میں آگ کا الاؤ نہ تھا۔ نہ حدت تھی نہ روشنی۔ صرف سرد سا اندھیرا تھا۔

''اب مجھے امید ملی ہے۔ کہ میں اور آپ کبھی ایک ہو سکیں گے۔ میں اب اس کو کھونا نہیں چاہتی۔''

''ہمارے ایک ہونے سے تمہاری زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔''

''اس کریزی دنیا سے زیادہ مشکل تو نہیں ہو گی۔'' پھر قدرے شک سے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ واقعی میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں؟''

وہ پورے دل سے مسکرا دیا۔ ''ہاں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ رہو۔ کیونکہ.....''

''کیونکہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری ضرورت ہے۔'' اسے کچھ یاد آیا تھا۔

''ہاں اور.... میں اب تالیہ مراد کے بغیر اپنے مستقبل کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' اندھیر صحن میں بیٹھا فاتح بتانے لگا۔ اوپر آسمان پہ تارے اور چاند' سب اکٹھے ہو کے دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگے تھے۔

''مجھے تمہاری عادت ہو چکی ہے۔ جب میں سب بھول چکا تھا اور تم صرف میری چیف آف اسٹاف تھیں' تب بھی تمہارے بغیر زندگی مشکل لگتی تھی۔ اور اب تو سب یاد آ چکا ہے۔''

''مثلاً کیا؟'' اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھیں بنا کسی دقت کے فاتح کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

''مثلاً یہ کہ میرا اور تمہارا رشتہ زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے۔ زمانہ جو بھی ہو' زمین جیسی بھی ہو' فاتح رامزل تالیہ مراد کے بغیر نامکمل ہے۔ جو تم میرے لئے ہو تالیہ' وہ میرے لئے کبھی کوئی نہیں بن سکا۔ جو جگہ تمہاری ہے میرے دل میں' وہ کبھی کسی کی نہیں ہو سکی۔ میں تمہارے لئے جو fondness محسوس کرتا ہوں' وہ.....''

''fondness?'' شہزادی نے ناگواری سے ابرو اٹھایا۔ ''صرف فونڈنیس؟ آپ کو اپنے احساسات بس یہی لگتے ہیں؟''

''شاید۔''

''آپ کو کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی شاید ورنہ آپ کو اپنے احساسات کے درست نام معلوم ہوتے۔''

اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''یعنی آپ کو محبت ہوئی ہے شہزادی؟''

''جی۔ مجھے ہوئی ہے۔ اور میں اتنی بہادر ہوں کہ سرِ عام اعتراف کر سکتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو فاتح نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

''جانتا ہوں۔''

وہ چونکی۔ رنگ بدلا۔ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا بات۔ کیسی بات۔ لیکن لبوں سے بس یہی پھسلا۔ ''کب سے؟''

''قریباً پانچ سو ستاون برس سے۔''

چند لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکی۔

وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ وہ اس کے لئے کیا محسوس کرتی ہے۔ ایسے شخص کو وہ کیا کہے؟ ظالم یا.....؟

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ میرے لئے صرف fondness محسوس کرتے ہیں تو آپ خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے وان فاتح۔'' تنک کے پیچھے سے بولی تو اس نے شانے اچکا دیے۔ اب وہ جھک کے لکڑیوں کو اکٹھا کر رہا تھا۔ غالباً اسے آگ جلانی تھی۔

''آپ واپس جا کے بدل تو نہیں جائیں گے؟''

''تم اس بات سے ڈرتی ہو کہ میں سب کچھ پھر سے بھول جاؤں گا؟''

''کیا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھول گیا تو ہم واپس اسکوائر ون پہ کھڑے ہوں گے۔''

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش ایڈم یہ سب بھول جائے۔ اس نے سب سے زیادہ تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب پنجوں

کے بل بیٹھا آگ جلا رہا تھا۔ پہلے چنگاریاں جلیں۔ پھر یکا یک شعلہ بھڑک اٹھا۔ فاتح نے مسکرا کے پیچھے دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے چونک کے گردن ادھر ادھر گھمائی۔

وہ ایک دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس سے وہ دیوار پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ تعجب سے اٹھا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''اپنی تقدیر پوری کر رہی ہوں۔''

فاتح نے ایک جلتی لکڑی الاؤ سے نکالی اور اسے بلند کیے تالیہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ دیوار کو شعلے نے مزید روشن کر دیا۔

تالیہ کے ہاتھ میں ایک موٹی 'نوکیلی سوئی تھی جس سے وہ دیوار پہ کھرچ کھرچ کے لکھتی جا رہی تھی۔

''تاشہ....

جو شہزادیوں جیسی تھی...

اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی

اور اسے آزاد کر دیا تھا۔

اس نے ملاکہ کے لوگوں کی

خدمت کی تھی پورے دل سے.....

اس نے دشمنی مول لی سلطان سے

اور دوست بنائے عام لوگوں میں.....

اور بالآخر اس نے خود کو بھی آزاد کر دیا.....

ناکردہ گناہوں کے بوجھ سے.....

ماضی کے غم سے.....

وہ اس حال میں گئی اس دنیا سے

کہ وہ تیار تھی ہر الزام کا مقابلہ کرنے کے لیے....

بہادری سے.....''

نظم مکمل کر کے اس نے سوئی نیچے کی اور پلٹی۔

''کیا یہ عمارت ہمارے زمانے تک محفوظ رہے گی؟ اور یہ نظم بھی؟'' فاتح کی محتاط نظریں اس سوئی پہ جمی تھیں۔

''نہیں۔ میں نے صرف اسے خواب میں دیکھا تھا۔ ایسی کوئی عمارت ہمارے زمانے میں نہیں ہے۔ غالباً پرتگالیوں نے اسے بھی جلا دیا تھا۔ اور آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو اس سوئی سے نہیں ماروں گی۔'' آخر میں جل کے بولی۔

''میں نے بطور باس تم سے کافی سخت کام لیے ہیں۔ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔'' وہ چوکنا سا کہہ رہا تھا۔

''اُف فاتح۔ یہ محض موٹی کڑھائی کی سوئی ہے۔ میں اسے ابھی آگ میں پھینکتی ہوں۔'' وہ واقعی آگے آئی اور اس سوئی کو جلتے الاؤ میں پھینک دیا۔ وان فاتح نے گہری سانس خارج کی۔

''آر یو شیور تمہارے پاس ایسی کوئی دوسری سوئی نہیں ہے؟''

تالیہ بے اختیار ہنس دی۔ ''آپ کو چاہیے کہ آپ میرے ساتھ اچھا برتاؤ رکھیں۔ ورنہ کیا معلوم میرے پاس ایسی کئی سوئیاں پڑی ہوں۔''

''ہمیں واپس جانا چاہیے۔ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ سر جھٹک کے کہتا آگے بڑھ گیا تو وہ ایک دفعہ پھر ہنس دی۔

☆☆=========☆☆

اگلا سارا دن خاموشی سے کٹا۔ لگتا تھا محل پہ موت کا سناٹا چھایا تھا۔ سب چپ چاپ اپنے کاموں میں لگے تھے۔ اگلے روز مراد راجہ اور مرحوم سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کرنی تھی۔ یہ وہ بغاوت تھی جو مراد راجہ بہت عرصے سے تیار کر رہا تھا۔ اور اب بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی تھی۔ تالیہ کو حکم تھا کہ وہ تہہ خانے کی کال کوٹھڑی میں ایڈم کے ساتھ رہے گی۔ اسی لئے وہ سرِ شام ہی وہاں چلی گئی تھی۔

وسط کمرے میں انگارے دہک رہے تھے اور کڑاہی میں موجود مائع ابل رہا تھا۔ وہ ڈوئی ہلاتی' خلاء میں دیکھتی کسی سوچ میں گم تھی۔ کھلے بال شانوں پہ گر رہے تھے اور کان پہ ایک سوکھا پھول اٹکا تھا۔

ایڈم کمرے کے دوسرے کونے میں دیوار کے ساتھ فرش پہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پہ کتاب رکھی تھی جس کو وہ دیے کی مدھم روشنی میں پڑھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے اسے بھی دیکھتا جو کسی خیال میں غرق نظر آتی تھی۔

''آپ اداس کیوں ہیں؟ اب تو وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کرنا چاہتے ہیں۔''

تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا۔ پھر ڈوئی رکھی اور دونوں ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرا دی۔

''اور اگر پھر سے وہ سب کچھ بھول گئے؟''

''اس دفعہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ تسلی دینے لگا۔

''کیا میں غلطی سے ان کو سوئی چبھو کے مار سکتی ہوں؟''

''چے تالیہ.... چے تالیہ....'' ایڈم نے افسوس سے کہتے ہوئے کتاب رکھی' اور لاٹھی کے سہارے اٹھا۔ پھر لنگڑا کے چلتا ہوا اس کے سامنے آیا اور بیٹھا۔ ''کسی کو کچھ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی مر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔''

اس نے دہل کے ایڈم کو دیکھا۔ ''اللہ نہ کرے۔ تمہاری دوا بالکل تیار.....''

''Let's face it۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''ضروری نہیں ہے کہ دوا اثر کرے۔ اگر یہ ٹھیک نہ بنی.... یا اگر اس نے الٹا اثر کر دیا... تو میں مر بھی سکتا ہوں۔ میں ہماری کہانی کا بے کار کردار ہوں جس کی story arc ختم ہو چکی ہے۔ میرے کردار کے کرنے کے لئے اب کچھ نہیں بچا اس لئے اگر کوئی خطرے میں ہے تو وہ میں ہوں۔ وان فاتح یا آپ نہیں۔''

''ایڈم ہماری زندگی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور تمہارے پاس اب بھی کرنے کے لئے بہت کچھ پڑا ہے۔''

وہ تکلیف سے مسکرایا۔ ''بس یہی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ وہ میرے بغیر اکیلے ہوں گے۔ میں ان کی ساری زندگی کی کمائی ہوں۔''

''تم ان کے پاس ضرور جاؤ گے۔''

''اگر ایسا نہ ہو سکا تو کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گی؟'' وہ آگے کو جھکا اور سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ میرے ماں باپ کا خیال رکھیں گی؟''

''ان کو کبھی کسی معاملے میں مشکل نہیں پیش آئے گی' آئی پرامس۔''

''میں مالی معاملات کی بات نہیں کر رہا۔'' وہ آزردگی سے بولا۔ ''جب بچے پاس ہوتے ہیں تو وہ ماں باپ سے باتیں کرتے ہیں۔ اگر میں نہ رہا تو میں چاہتا ہوں کہ ان سے کوئی بات کرنے والا ہمیشہ موجود رہے۔ آپ بس مجھ سے اتنا وعدہ کریں کہ آپ ان کے لئے ''وقت'' نکالتی رہیں گی۔ وقت وہ سب سے بڑا تحفہ ہے جو ہم کسی کو دے سکتے ہیں۔''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔ سارے چکر اس 'وقت' کے ہی تھے۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں چونک کے مڑے۔ فاتح اندر داخل ہو رہا تھا۔ تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''آج تو بغاوت کی رات ہے۔ ایسے میں بند اہارا کا مشیر یہاں کیا کر رہا ہے۔''

''یہ میری لڑائی نہیں ہے۔'' وہ شانے اچکا کے کہتا ان کے قریب آیا اور تیسری چوکی کھینچی اور باری باری ان کو دیکھا۔

''دوا تیار ہو گئی؟''

''صبح سے پہلے ہو جائے گی۔ یہ کافی تھکا دینے والا عمل تھا۔'' تالیہ نے ڈوئی پھر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ فاتح نے ایک نظر ایڈم کو دیکھا' پھر تسلی دی۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا نا' میں تمہیں واپس ضرور لے کر جاؤں گا۔''

''اگر آپ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے' مجھے تب بھی آپ سے گلہ نہیں ہو گا۔''

فاتح نے سوالیہ نظروں سے تالیہ کو دیکھا اور ابرو اچکائے۔ (اسے کیا ہوا ہے؟)

''ایڈم کو یقین نہیں ہے کہ دوا اثر کرے گی۔''

''دوا ضرور اثر کرے گی' ایڈم۔''

''اور اگر کچھ غلط ہو گیا؟ یا ہمارا پلان فیل ہو گیا؟ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں مجھے یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ متذبذب سا دھواں اڑاتی کڑاہی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم نے حرف بہ حرف ترکیب پہ عمل کیا ہے؟''

''جی.... لیکن.....''

''پھر کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اپنا یہ مایوس چہرہ درست کرو اور دوا تیار کرو۔''

''مگر.... فاتح.... کیا معلوم دوا کی ترکیب غلط ہو.... یا کچھ اور..... شاید ایڈم کو یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ بھی متذبذب ہو گئی مگر وان فاتح نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔

''یہ ایڈم کا آخری آپشن ہے۔ اس کو شکوک میں مت ڈالو۔'' ایڈم نے سر ہلا دیا اور تہہ خانے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ کڑاہی سے نکلتے دھوئیں کے مرغولے اوپر اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

''اب ہم ساری رات کیا کریں گے؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''صبح کا انتظار۔ ایک روشن صبح کا انتظار۔'' فاتح اوپر چھت پہ بنے روشن دان کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ فی الوقت سب کچھ پلان کے مطابق جا رہا تھا۔

جس وقت مراد راجہ کے سپاہی مرسل شاہ کے محل کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے' اور مرسل کو نیند سے اٹھا کے زنجیروں میں جکڑے قید خانے میں بند کر رہے تھے.... اس کوٹھڑی میں جلتا الاؤ بجھ چکا تھا۔

کڑاہی اب ٹھنڈی تھی۔ سارا مائع سوکھ کے ایک سفید سفوف میں بدل چکا تھا۔ مٹھی بھر سفوف۔

ایڈم بن محمد اب اس سفوف کو پانی کے گھونٹوں کے ساتھ نگل رہا تھا۔ سفوف ختم ہوا تو اس نے جام رکھا اور گہری سانس لے

کران دونوں کو دیکھا جو سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ترکیب کے مطابق دوا کھا کے مجھے سو جانا چاہیے۔ جب میں اٹھوں گا تو بالکل تندرست ہو چکا ہوں گا۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔ مجھے ابھی سے نیند آ رہی ہے۔'' اس نے لاٹھی اٹھائی اور کھڑا ہو گیا۔ تالیہ امید اور فکرمندی کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا وہ دوبارہ ایڈم کو دیکھ پائے گی؟ وہ بھی تندرست حالت میں؟ اس کا جواب صرف وقت کے پاس تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت ملاکہ پہ آج صبح کا سورج بہت سی تبدیلیاں لئے طلوع ہوا تھا۔ مرسل شاہ قیدی بن چکا تھا۔ ملکہ یان سوفو ایک روز پہلے ہی محل سے فرار ہو چکی تھی۔ گزشتہ سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہو چکے تھے اور مراد راجہ ان کا بنداہارا تھا۔

بنگارایا ملایو کے مطابق یہ باغی شہزادے چند ہفتے ہی حکومت کر سکے تھے۔ مراد نے ان کی فوج کو استعمال کیا' ان کے ذریعے مرسل کو ہٹایا' اور چند ہفتے بعد ان شہزادوں کا پتہ بھی صاف کیا اور خود سلطان بن بیٹھا۔

مگر ابھی یہ سب ہونے میں کافی وقت تھا۔ اس لئے فی الحال وہ صرف بنداہارا تھا اور درست موقعے کا انتظار کر رہا تھا۔

مرسل کو اس نے اپنے محل کے قید خانے میں ڈالا تھا اور سپاہیوں کی بھاری نفری اس پہ پہرے کے لئے تعینات کر رکھی تھی۔

اس تنگ و تاریک کال کوٹھڑی میں قید مرسل شاہ کی حالت عجیب تھی۔ رات اس کو نیند سے اٹھایا گیا تھا' اس لئے وہ ابھی تک شب خوابی کے پاجامے قمیص میں ملبوس تھا۔ بال بکھرے تھے اور دیوار کے قریب سکڑا بیٹھا تھا۔ یہ وہی قید خانہ تھا جہاں ایک زمانے میں ایڈم بن محمد کو قید کیا گیا تھا۔

خیر.... وقت وقت کی بات تھی۔

مرسل ناخن چباتے ہوئے فرش کو دیکھ رہا تھا۔ جب اسے احساس ہوا سامنے کوئی کھڑا ہے۔ چونک کے سر اٹھایا تو دیکھا.... سلاخوں کے پار مراد راجہ کھڑا تھا۔ اٹھی گردن' لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ' اور آنکھوں میں تپش۔ مراد کی شاہی پوشاک اور ماتھے کی پٹی سے لٹکتی سنہری زنجیریں بتاتی تھیں کہ وہ نئے سلطان کا بھی منظورِ نظر ہے۔

''مراد راجہ۔'' وہ غصے سے اٹھا اور سلاخوں کی طرف آیا۔ پھر انہیں پکڑ کے جھٹکا دیا اور مراد کو گھورا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا۔''

''اب بھی بہت لوگ مجھے دوست سمجھتے ہیں۔ خدا معلوم ان کا انجام کیا ہو گا۔'' مراد نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہاں سے نکالو مراد۔'' وہ سلاخوں کو پکڑے غصے اور بے چینی سے بولا تو مراد نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''جانتے ہو تم ابھی تک زندہ کیوں ہو؟'' پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ ''کیونکہ تم نے ہمیں بتانا ہے کہ یان سوفو کہاں ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم وہ عورت کہاں ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا۔ بکھرے بال' بے ترتیب حلیے والا مرسل سلاخیں پکڑے کھڑا عجیب بے بس سا لگتا تھا۔

''یان سوفو کو بغاوت سے پہلے تم نے کہاں بھیجا ہے۔ وہ ابھی تک ہمارے ہاتھ کیوں نہیں لگی۔''

''میں نے اسے کہیں نہیں بھیجا.... مجھے نہیں معلوم۔'' مرسل غصے سے کف اڑاتا اب زور زور سے مراد کو لعن طعن کرنے لگا تھا۔ مراد سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

''یان سوفو کی تلاش میں پوری سلطنت میں سپاہیوں کو دوڑایا گیا ہے لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ شاید مرسل نے اسے چین بھیج دیا ہے۔''

عارف کہتے ہوئے اس کے ساتھ قید خانے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

''ہوں۔ مرسل نے اسے بھیجا ہے' یعنی مرسل کو بغاوت کا علم تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ خود کیوں نہیں بھاگا؟'' مراد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یان سوفو کو کسی اور نے بھیجا ہے۔ اسے بغاوت کی مخبری ہو گئی تھی۔ وہ مرسل کو چھوڑ کے پہلے ہی نکل گئی تاکہ اس کی جان بچ جائے....''

''یان سوفو ملکہ تھی۔ اس نے بغاوت کو بروقت کچلنے کی بجائے بھاگ جانے کو ترجیح کیوں دی؟'' عارف نے پوچھا تو آواز میں حیرت تھی۔

''اسے مرسل کی طاقت پہ بھروسہ نہ رہا تھا۔ یا شاید اس نے ہماری بغاوت کو اس کے اصل قد سے بڑا سمجھا تھا۔ وہ ڈر گئی اور بھاگ گئی۔''

وہ دونوں اب محل کی راہداری میں آ گئے تھے۔ اونچی کھڑکیوں سے روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی۔ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے چل رہا تھا اور عارف پیچھے۔ دفعتاً عارف اس کے برابر آیا اور سرگوشی میں بولا۔

''آدم نے آج صبح دوائی کھالی ہے' راجہ۔''

مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''اس کی حالت کیسی ہے؟''

''میں صبح اس کے کمرے میں گیا تو وہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اور.....'' عارف خاموش ہوا تو مراد نے تیزی سے کہا۔ ''کیا' عارف؟''

''اس کے ہاتھ خراب ہونے لگے ہیں۔''

مراد نے سینے میں قید سانس آزاد کی اور سختی سے آنکھیں میچیں۔

''یعنی وہ کوڑھ سے مرے گا۔ اس ترکیب کے مضر اثرات میں کوڑھ کا مرض شامل تھا۔ تیزی سے پھیلتا کوڑھ جو اس کی جان لے لے گا۔''

راہداری میں ایک دم ویرانی سمٹ آئی۔ کھڑکی سے اندر آتی چیونٹیوں کی قطار گیا سہم کے دونوں کی گفتگو سننے لگی۔ مشعلوں نے اپنے شعلے افسوس سے نیچے کر لیے اور ہوا اپنا سانس روکے ساکت ہو گئی۔

''کتنی دیر لگے گی اس کو مرنے میں' راجہ؟''

''آج رات تک کوڑھ اس کے سارے جسم پہ پھیل جائے گا۔ وہ کل کا سورج نکلنے سے پہلے مر جائے گا۔'' مراد کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔

''شہزادی تاشہ کو آپ کیا کہیں گے؟ وہ بہت واویلا کریں گی۔'' عارف نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میرے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے' عارف۔ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔'' مراد نے ابرو اٹھائے اور مسکرایا۔

اس کے چہرے کی جھریاں اور آنکھوں کی چمک عارف کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

''ریڈی.... سیٹ.... گو۔''

اپنی خوابگاہ میں سنگھار میز کے آئینے کے سامنے تالیہ بیٹھی تھی۔ کنیز اس کے بال بنا رہی تھی جب اس نے آنکھیں بند کر کے خود سے کہا۔ پھر کھنکھاری اور پیچھے کھڑی کنیزوں کو حکم جاری کیا۔

''آدم اب تک بیدار ہو چکا ہو گا۔ باغ سے تازہ پھول توڑ کے لاؤ۔ ہر رنگ کے پھول۔ ہر خوشبو کے پھول۔ میں اس کے لئے گلدستہ خود بناؤں گی۔'' اس کے انداز میں محبت ہی محبت تھی۔

جب تک کنیز نے اس کے بالوں پہ سنہری کلپ لگایا' اور ہار کا کنڈا اس کی گردن کے پیچھے بند کیا' غلام اور کنیزیں پیچھے رکھی میز پہ پھولوں کا ڈھیر لگا چکے تھے۔

''بہت خوب۔ ہمیں آدم کا بھرپور طریقے سے استقبال کرنا ہے۔''

ہلکے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس' کان میں ایک پھول اٹکائے کھڑی شہزادی اب مسکرا کے ٹہنیاں اکٹھی کر رہی تھی۔ اس نے خود گلدستہ بنایا' اسے باندھا' اور پھر کنیزوں کی معیت میں کمرے سے نکلی۔

باغیچہ پار کیا تو دور دور تک پھیلے غلاموں اور خادموں نے دیکھا کہ شہزادی کتب خانے کی طرف جا رہی ہے جہاں شاہی مورخ بیمار پڑا ہے۔ اتنا تو سب جان چکے تھے کہ اس کا علاج شہزادی خود کروا رہی تھی اور شہزادی کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج وہ تندرست ہونے والا ہے۔

''ایڈم.....ایڈم!'' کھنکھار کے تالیہ نے ایک ہاتھ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دوسرے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر بستر نفاست سے بنا دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور.....

اور کمرہ خالی تھا۔

بستر سے یوں لگتا تھا یہاں رات کوئی سویا ہی نہیں ہے۔ ایڈم کی بیساکھی البتہ پلنگ کے ساتھ زمین پہ گری تھی۔

تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''آدم کہاں ہے؟'' وہ تیزی سے اندر آئی۔ کمرے کے ہر کونے میں دیکھا۔ بستر کے نیچے۔ الماری کے اندر۔ کھڑکی سے باہر۔ ایڈم کہیں نہیں تھا۔

''مجھے آدم بن محمد ہر حال میں چاہیے۔ اس کو ڈھونڈ کے لا کر دو مجھے ابھی۔''

اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ غصے سے۔ پریشانی سے۔ اور وہ پہریداروں کو چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ گلدستہ اس کے ہاتھوں سے نیچے گر چکا تھا۔

مگر کسی کو نہیں معلوم تھا وہ کہاں تھا۔ اسے رات کمرے میں آتے سب نے دیکھا تھا۔ نکلتے نہیں۔ سپاہیوں کی دوڑیں لگ گئیں۔ سارے میں افراتفری مچ گئی۔

مگر ایڈم بن محمد کا سراغ کہیں نہیں ملا۔

بنداہارا کے محل سے دور.....ایک عمارت تھی جسے خطرناک قیدیوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں ایک تنہا' تنگ تاریک کوٹھڑی تھی۔ تین طرف دیواریں اور ایک طرف سلاخوں والا دروازہ۔

مراد اس کوٹھڑی کے باہر کھڑا تھا۔ عارف بھی ہمراہ تھا اور دونوں کی نظریں کوٹھڑی کے فرش پہ لیٹے ایڈم پہ جمی تھیں۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور بازو پہلو میں گرے تھے۔ بایاں ہاتھ سیاہی مائل ہو رہا تھا جیسے جلد گل سڑ گئی ہو۔

کوٹھڑی کے باہر ایک ہی مشعل روشن تھی۔ مدھم روشنی میں بس یہی دکھائی دیتا تھا کہ گلنے سڑنے کا عمل اس کے بائیں ہاتھ سے ہوتا ہوا گردن تک پہنچ گیا تھا۔ کرتے کے گلے سے جھانکتے کوڑھ سے اس کا چہرہ ابھی محفوظ تھا۔

''اس کو ابھی تک ہوش نہیں آیا؟''

''یہ غنودگی میں ہے۔ ابھی جاگا تھا۔ پھر غش کھا گیا۔''

عارف مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ مراد آگے آیا اور سلاخوں کے پار پیچھے چت لیٹے ایڈم کو غور سے دیکھا۔

''آدم۔''

اس کی آنکھیں کھلیں۔ چند لمحے وہ چھت کو دیکھتا رہا۔ پھر چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے خواب میں کھویا انسان لمبی نیند سے اٹھتا ہے۔

وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر گردن جھکا کے خود کو دیکھا۔ بائیں بازو پہ نظر پڑی تو آنکھیں خوف سے پھیلیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس نے جھٹکے سے گردن اٹھائی اور مراد راجہ پہ نظر ٹھہری۔

مراد نے محسوس کیا کہ وہ مسلسل بایاں بازو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کا بایاں بازو بے جان سا لگتا تھا۔ وہ پہلو میں زمین پہ گرا تھا۔

ایڈم بن محمد نے بے بسی سے مراد کو دیکھا۔ ''میرا بازو.... اس میں درد بھی نہیں ہو رہا۔ مجھے یہ محسوس کیوں نہیں ہو رہا' مراد راجہ؟'' اس کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''مجھے افسوس ہے' آدم۔'' مراد نے بنا تاثر کے محض اتنا کہا۔ ایڈم نے دوسرے ہاتھ کے زور پہ اٹھنے کی کوشش کی مگر یوں معلوم ہوتا تھا گویا اس میں اب اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی

''میں نے دوا بالکل ٹھیک بنائی تھی۔ مگر..... کیا ترکیب غلط تھی؟'' ساتھ ہی بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں راجہ۔ آپ مجھے غلط ترکیب نہیں دے سکتے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے افسوس ہے۔''

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی مراد پہ ٹھہری بے یقین آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''تم اس بات پہ قناعت کیوں نہیں اختیار کر لیتے کہ تمہارے مقدر میں بس اتنا ہی تھا؟ تم عام سے نوجوان تھے۔ تمہارے مقدر نے تمہیں مہینوں تک محل میں رہنے دیا۔ امراء' وزراء اور سلطان کے ساتھ وقت گزارنے دیا۔ تمہاری لکھی کتاب صدیوں تک یاد رکھی جائے گی۔ اس سے زیادہ تم اپنے مقدر سے کیا چاہتے ہو؟''

''راجہ۔'' وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ ''میرے ماں باپ.... وہ بوڑھے ہیں.... وہ اکیلے ہیں۔''

''تم اتنے برس ان کے ساتھ رہے۔ ان کی خدمت کی۔ وہ اپنے مقدر سے اس سے بڑھ کے کیا چاہتے ہیں؟'' مراد راجہ نے ساتھ ہی حیرت سے شانے بھی اچکائے تھے۔

''راجہ.... خدا کے لیے۔ مجھے ٹھیک کر دیں۔ کوئی دوا' کوئی جادو' کچھ تو ہوگا۔''

مگر مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے بڑھ گیا۔ ایڈم بے قراری سے پیچھے سے چلایا۔

''مجھے چے تالیہ سے ملنا ہے۔ ان کو میری خبر کر دیں۔ ان سے کہیں ایک دفعہ مجھ سے ملنے آجائیں۔''

وہ خود کو گھسیٹ کے سلاخوں کے قریب لانے لگا۔ مراد اَن سنی کیے آگے بڑھ رہا تھا جب ایڈم نے وہاں کھڑے عارف سے التجا کی۔

''تم... تم مجھے قلم کاغذ لا دو۔ میرا پیغام ان تک پہنچا دو۔'' پھر آواز دھیمی کی۔ ''وہ تمہیں اس کے بدلے میں انعام دیں گی۔ مال' سونا' جو تم کہو۔''

عارف نے استہزائیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ ''تم مجھے اپنے اس راجہ سے بددیانتی کرنے کا لالچ دے رہے ہو جو سلطان بننے والا ہے؟''

مراد نے پلٹ کے ایڈم کو دیکھا جو سلاخیں پکڑے بے بسی سے عارف کی منت کر رہا تھا۔

''یہ چند دن کا مہمان ہے' عارف۔ اسے خط لکھنے دو۔'' اور اسے اشارہ کیا۔ عارف نے استعجاب سے ابرو اکٹھے کیے مگر راجہ کا حکم حتمی تھا۔ اس نے بس ایک برہم نظر ایڈم پہ ڈالی اور راجہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ایڈم سلاخوں سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''اس کو قلم کاغذ دینا دانشمندی ہوگی' راجہ؟'' عارف ناخوش لگتا تھا۔

''وہ جو لکھے' اس کو میرے پاس لانا۔ ہم اس کی لکھائی کی نقل تیار کر کے اپنی مرضی کا خط شہزادی کو دے سکتے ہیں۔''

''اس کی لکھائی تو بنگارایا ملایو سے بھی مل جائے گی۔''

''مگر اس کتاب میں ذاتی نوعیت کی باتیں نہیں ہوں گی۔ کوئی لقب' کوئی فقرہ' جو صرف شہزادی جانتی ہو۔ ورنہ وہ کیسے یقین کرے گی کہ یہ خط آدم کا لکھا ہے؟''

وہ زینے چڑھتے آہستہ سے کہہ رہا تھا۔ ''اور ہاں۔ اس کی خوراک بند کر دو۔ صرف پانی دو۔ پانی اس کا مرض بگاڑے گا۔ میں اس سے جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔''

عارف اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دونوں اب قید خانے سے دور نکل آئے تھے۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے باغیچے میں تالیہ مراد اس وقت اضطرابی حالت میں ٹہلتی نظر آ رہی تھی۔ انگلیاں مروڑتی' دائیں سے بائیں چکر کاٹتی وہ دانتوں سے نچلا لب زخمی کیے جا رہی تھی۔ پس منظر میں قطار میں ہاتھ باندھے کھڑی کنیزیں اور غلام دکھائی

دے رہے تھے جو سہمے کھڑے تھے۔ صبح سے شہزادی چیخ چلا رہی تھی اور وہ نشانے پہ تھے۔

دفعتاً روش پہ دور سے آتا عارف دکھائی دیا تو ایک کنیز نے کھنکھار کے اسے اطلاع دی۔ وہ چونکی اور اس طرف پلٹی۔ پھر ماتھے پہ بل ڈالے عارف کو آواز دی۔ وہ فوراً اس کی طرف آیا۔

''تم صبح سے کہاں تھے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' اس کا ضبط کا دامن گویا چھوٹ گیا تھا۔ غصے میں زور سے بولی تو عارف نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا شہزادی؟''

''آدم کہاں ہے؟'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

''آج صبح تک تو یہیں تھا۔ اب کہاں گیا؟ کتب خانے میں نہیں ہے کیا؟''

وہ چونکی۔ ''صبح؟ تم نے اسے صبح دیکھا تھا؟''

''جی شہزادی۔ وہ مراد راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔'' عارف نے بظاہر یاد کر کے بتایا۔ ''اس کے کندھے پہ ایک تھیلا بھی تھا۔''

''وہ.... وہ ٹھیک تھا؟'' تالیہ نے بے قراری سے پوچھا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''جی۔ وہ بالکل ٹھیک تھا کیونکہ اس نے گزشتہ رات دوا پی لی تھی۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔ ظاہر ہے اس نے ٹھیک ہونا ہی تھا۔''

عارف کے الفاظ پہ پیچھے کھڑے غلاموں اور خادموں میں پرجوش سرگوشیوں کے تبادلے ہوئے۔ خود تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے گہری سانس لی۔

''تو وہ تندرست نظر آ رہا تھا۔'' اس کا ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔ چہرے کے تاثرات ذرا بہتر ہوئے مگر پھر وہ دوبارہ سے فکرمند ہوئی۔ ''وہ صبح بابا سے ملا۔ پھر کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم شہزادی' میں تو سیدھا سلطنت محل چلا گیا تھا۔ آپ راجہ سے معلوم کر لیں۔'' وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

''اوہ۔ اچھا۔'' وہ اب اطمینان سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ چہرے کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔

''میں جاؤں شہزادی؟''

''ہاں۔ نہیں۔ ٹھہرو۔ بابا کہاں ہیں؟''

''وہ سلطنت محل میں ہیں۔ عشاء کے بعد آئیں گے۔ آپ کہتی ہیں تو میں آپ کو وہیں لے چلتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں ان کا انتظار کرلوں گی۔'' پھر وہ بڑبڑائی۔ ''وہ ٹھیک تھا' اتنا ہی کافی ہے۔''

اس کا ہاتھ ہنوز دل کے مقام پہ تھا۔ اب وہ خود سے بڑبڑاتی پلٹ رہی تھی۔ عارف نے اسے جاتے دیکھا اور سوچا.... سب منصوبے کے مطابق جا رہا تھا۔ ساری اداکاری' سارے کرتب' سب درست تھے۔

بہت جلد اس کی ان دوسری دنیا کے لوگوں سے جان چھوٹنے والی تھی۔ اس کے بعد صرف وہ ہوگا۔ مراد راجہ کا دایاں ہاتھ۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

پھر چونکا۔ اسے فوراً واپس جا کے مراد کو اس سارے واقعے کی اطلاع کرنی تھی۔

☆☆=========☆☆

جب عارف واپس قید خانے میں آیا' ایڈم دیوار سے ٹیک لگائے یوں بیٹھا تھا کہ قلم ساتھ پڑا تھا اور گھٹنوں پہ رکھا کاغذ ہنوز کورا تھا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا۔ سیاہی اب اس کے آدھے چہرے تک پھیل چکی تھی۔ عارف کی نظریں اس کے دوسرے بازو تک گئیں۔

سیاہی نے اس کو بھی ڈھانک رکھا تھا۔ قید خانے سے جلد کے گلنے سڑنے کی بدبو الگ اٹھ رہی تھی۔ عارف نے ناک پہ رومال رکھا اور اس کے قریب آیا۔ پیچھے ایک سپاہی پہرے پہ کھڑا تھا۔ اس نے بھی ناک کو کپڑے سے ڈھانک رکھا تھا۔

''آدم.....'' ناگواری سے اس کو آواز دی۔

ایڈم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں نہیں لکھ سکا کچھ۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''دیکھو..... چند الفاظ لکھ لو۔ خدا کے لئے۔''

''میرا ہاتھ نہیں چل رہا۔ راجہ۔ راجہ کو بلاؤ۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آواز میں درد تھا۔ بے بسی تھی۔ عارف پریشانی سے مڑا اور سپاہی کو مخاطب کیا۔

''اسے کچھ کھانے کے لئے دو۔ تاکہ اس کی توانائی بحال ہو۔''

''راجہ نے منع کیا ہے۔ اسے پانی کے سوا کچھ نہیں دینا۔''

''یہ صبح تک ویسے ہی مر جائے گا۔ مجھے اس سے یہ خط لکھوانا ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا مگر سپاہی نے گردن ہلا دی۔

''راجہ نے جو فرض مجھے سونپا ہے' میں اسے پورا کروں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے..... راجہ کو بلاؤ۔ ان سے کہو جلدی آئیں۔ اس نوجوان کا آخری وقت ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔ پھر ایڈم کو پکارا۔ ''کیا تم چند سطور بھی نہیں لکھ سکتے؟''

''راجہ کو بلاؤ۔'' وہ خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ سپاہی ناک پہ ہاتھ رکھے فوراً سے باہر نکل گیا۔

جس وقت مراد راجہ عجلت میں قید خانے میں پہنچا' عارف سر جھکائے سامنے ایک چوکی بیٹھا تھا۔ اس کے مقابل.... سلاخوں کے پار.... ایڈم اسی حالت میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی ساری جلد اب گلی سڑی نظر آتی تھی۔ سوائے چند دھبوں کے سارا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ بس آنکھیں پہچانی جاتی تھیں۔

مراد نے اونہوں کہتے ہوئے ہاتھ ناک پہ رکھا اور برہم نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے خط نہیں لکھا؟''

''راجہ.... اس کو کچھ کھانے کے لئے دے دیتے ہیں' تاکہ اس میں لکھنے کی توانائی آئے....''

''مراد راجہ....'' کوڑھ زدہ قیدی بولا تو عارف خاموش ہو گیا۔ ''مجھے درد نہیں ہو رہا.... آپ نے مجھ سے میرے سارے درد چھین لئے ہیں.....''

مراد خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ماتھے پہ بل تھے۔

''مجھے یہ فیصلہ مشکل لگتا تھا..... چے تالیہ کو چھوڑنا.... مگر آپ نے اسے میرے لئے آسان بنا دیا۔'' وہ توڑ توڑ کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ نظریں در و دیوار پہ جمی تھیں۔ ''حالانکہ..... حالانکہ میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں بچا.... پھر بھی.... آپ چے تالیہ سے کہنا کہ میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں۔ ایڈم بن محمد اب کبھی تالیہ اور فاتح کے درمیان آنے کا نہیں سوچے گا۔ مجھے اب چے تالیہ کے لئے جینے کی خواہش بھی نہیں رہی۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' مراد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری جتنی زندگی باقی ہے .... میں وہ اپنے لئے جیوں گا.... جہاں بھی.... جیسے بھی.... اب میں پرسکون ہوں۔ مگر....'' اس نے نظریں مراد کی طرف پھیریں۔

''میں ایک عام انسان تھا..... مجھے عام موت نہیں چاہیے تھی۔ میں اپنی موت کو آپ کے لئے یادگار بنانا چاہتا ہوں۔''

وہ ہلکا سا کھانسا۔ مراد اتنی دور سے' اس نیم اندھیر ماحول میں بھی دیکھ سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کے سیاہ گلی سڑی جلد کی تہہ میں جذب ہو رہے تھے۔

''میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اچھے والد نہیں ہیں۔ آپ نے اپنی بیٹی سے ویسی محبت نہیں کی جیسی کرنی چاہیے۔ ماں باپ کا کام ہوتا ہے.... اپنے بچوں کی حفاظت کرنا۔ ان کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی ڈھال بن جانا۔ آپ کو بس اتنا کرنا تھا۔ اتنی سازشوں کی ضرورت نہ تھی۔''

عارف ناک پہ رومال رکھے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ مراد کے چہرے پہ البتہ کوئی تاثر نہ تھا۔

''آپ کے پاس اب بھی موقع ہے۔ چے تالیہ سے ویسے پیار کر کے دیکھیں جیسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں' جہاں رہنا چاہتی ہیں' ان کو ان کی مرضی کرنے دیں۔ آپ چے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔ ان کو آزاد کر دیں۔ میری جان لے لیں' راجہ۔ مگر ان کو آزاد کر دیں۔''

پھر وہ خاموش ہو گیا۔ اور گردن راجہ کی طرف سے موڑ لی۔ اب مراد اس کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔ وہ کافی دیر خاموش رہا تو مراد اکتا کے بولا۔ ''کہہ چکے؟''

ایڈم بن محمد نے جواب نہیں دیا تو مراد نے سر جھٹکا۔

''اس کو کھانا لا دو۔ شاید یہ چند سطور لکھ دے۔''

وہ مڑا اور باہر کی طرف بڑھا۔ دوسرے سپاہی نے قدرے سراسیمگی سے پکارا۔

''راجہ.... یہ زندہ ہے؟''

مراد نے اکتا کے کہا۔ ''ہاں وہ زندہ ہے۔ اسے کچھ کھانے کے لئے لا دو۔'' وہ باہر نکلا تو عارف بھی پیچھے ہو لیا۔

سیڑھیاں چڑھ کے وہ دونوں اوپر آئے تو مراد راجہ فکر مند دکھائی دیتا تھا۔

''مجھے اس کی کتاب لا کے دو۔ میں اس کی لکھائی میں خط لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''شہزادی تاشہ بہت زیرک واقع ہوئی ہیں۔ وہ پہچان جائیں گی۔''

''ہوں۔ شاید ہمیں خط کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک گواہی کافی ہو گی۔'' مراد سوچ رہا تھا جب وہی سپاہی بھاگا بھاگا اوپر آیا۔

''راجہ۔ راجہ۔'' وہ ہانپ رہا تھا۔ ''وہ.... وہ جواب نہیں دے رہا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ وہ شاید.... وہ مر گیا ہے۔''

انسانی موت ایسا المیہ ہے جو سخت سے سخت دل کو بھی ایک دفعہ ہلا دیتی ہے۔ چاہے وہ سخت دل اس کے منتظر ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ تینوں واپس نیچے دوڑے۔

قید خانہ ویسا ہی تعفن زدہ تھا مگر اب.... کوڑھ زدہ ''قیدی'' دائیں پہلو فرش پہ گرا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا ہو۔ بدبو پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''دیکھو.... وہ سانس لے رہا ہے؟''

سپاہی ہچکچایا۔ اس زمانے میں عام فہم رویہ یہ تھا کہ کوڑھ چھونے سے پھیلتا ہے۔ عارف تیزی سے تعفن زدہ کوٹھڑی کے اندر

آیا' اور جھک کے اس کی گلی سڑی کلائی چھوئی۔

وہاں نبض کب کی ختم ہو چکی تھی۔ دل کی دھڑکن اور سانسیں بھی رک چکی تھیں۔

کوڑھ زدہ آدمی مر چکا تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ عارف نے مراد کو دیکھا اور افسوس سے سر ہلا دیا۔

''اس کی لاش کو سمندر میں بہا دو۔ اور اس راز کو یہیں دفن کر دو۔ اگر یہ بات کسی تیسرے فرد کو معلوم ہوئی تو میں تم دونوں کو مثالِ عبرت بنا دوں گا۔'' سرد آواز میں تنبیہہ کی اور آگے بڑھ گیا۔ عارف نے جھٹ سر ہلایا اور لاش کی طرف بڑھ گیا۔ اسے ہی اس کوڑھ زدہ لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ جانتا تھا دوسرا سپاہی مدد نہیں کرے گا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کا محل رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ چند قمقمے جل رہے تھے اور دیوار پہ لگی مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث گرد و نواح میں راستہ تھوڑا بہت سجھائی دیتا تھا۔

مراد قید خانے سے سلطنت محل گیا تھا۔ اور عشاء کے بعد وہاں سے فاتح کے ہمراہ اپنے محل واپس آ رہا تھا۔ محل کے قریب اس نے سپاہیوں کو آگے بھیج دیا تھا اور خود گھوڑے سے اتر آیا۔ لگام تھامے' گھوڑے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کنکھیوں سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں گھوڑے کی لگام تھامے پیدل چل رہا تھا۔ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' اپنی مخصوص سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' وہ سوچ میں گم لگتا تھا۔

''وفاداری تمہارے نزدیک کیا ہے' وان فاتح؟'' اندھیر سڑک پہ چلتے مراد نے اچانک سے سوال پوچھا تو فاتح نے محض آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ کے نزدیک کیا ہے' راجہ؟''

''اپنے مفاد پہ کسی دوسرے کو ترجیح دینا' اس کے رازوں کی حفاظت کو مقدم رکھنا' اور اس کا غیر مشروط ساتھ دینا۔''

''اگر وفا صرف یہی ہوتی تو یہ آپ مرسل کے ساتھ نبھا چکے ہیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مراد نے چونک کے قدرے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اتنی وفاداری تو سب آپ کے اچھے وقت میں نبھاتے ہیں' راجہ۔ وفاداری صرف یہ نہیں ہوتی۔''

''پھر کیا ہوتی ہے؟''

فاتح نے نگاہوں کا زاویہ اس کی طرف موڑا اور سادگی سے کہا۔

''جب راستہ تاریک ہو جائے تو الوداع نہ کہنا بلکہ ساتھ چلتے رہنا۔ وفاداری اندھیروں کے ساتھ کا نام ہے۔''

مراد رک گیا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے اندھیر سڑک پہ کھڑے تھے۔

''میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو فاتح؟'' مراد گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں اب تک خود کو وفادار ثابت نہیں کر سکا؟''

''بظاہر تو تم نے سب کیا ہے لیکن ایک امتحان ابھی باقی ہے۔'' وہ ٹھہرا۔ بادل آسمان سے ذرا سے سمٹے تو چاند کا چمکتا ہوا کنارہ دکھائی دیا۔ ذرا دیر کو اندھیر سڑک پہ روشنی بکھر گئی۔

''میں نے تمہیں برونائی کے ولی عہد کے طور پہ اس لئے متعارف کروایا تھا کیونکہ میں دیکھ چکا تھا' تاشہ تمہارے بغیر میری دنیا میں کبھی خوش نہیں رہے گی۔ کیا تم اس سے میری دنیا کے رواج کے مطابق شادی کرنا چاہتے ہو؟ ایسی شادی جس کا علم ساری سلطنت کو ہو۔''

ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ فاتح کے چہرے پہ چھائے سکون میں واضح دراڑ پڑی تھی۔

''میں اور تالیہ ایک زمانہ پہلے اس رشتے میں خود کو باندھ چکے ہیں' راجہ۔''

''میں ایک علی الاعلان شادی کی بات کر رہا ہوں۔'' مراد کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''اور بدلے میں مجھے آپ سے چابی کا سوال نہیں کرنا ہوگا۔ ہے نا؟''

''ایسا ہی ہے۔ ویسے بھی تمہاری دنیا میں تمہارے لئے اب کیا رہ گیا ہے؟ تم وہاں کبھی حکومت نہیں کر سکو گے۔''

فاتح چپ ہو گیا۔

''میں نے سوچا تھا کہ اگر مجھے دوبارہ موقع ملے تو میں اپنا استعفیٰ واپس لے لوں گا اور دوبارہ سے....''

''تمہارے لوگ اب کبھی تمہارا اعتبار نہیں کریں گے' وان فاتح۔'' مراد زور دے کر بولا۔ ''تمہارے لئے وہاں اب کوئی محبت' کوئی التفات نہیں بچا۔ تاشہ نے بتایا تھا کہ تمہاری بیوی مر چکی ہے' تمہارے خواب ختم ہو چکے ہیں۔ بہت جلد تمہارے بچے تمہارا نام اپنے ساتھ لگانے سے احتراز کرنے لگیں گے۔ تمہاری دنیا راکھ ہو چکی ہے۔''

اندھیرے میں بھی وہ فاتح کی گردن میں ڈوب کے ابھرتی گلٹی دیکھ سکتا تھا۔

''مگر میری دنیا میں.... میں تمہیں ایک غیر ملکی شہزادے کے طور پہ خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم سلطان کی بیٹی سے شادی کرو گے۔ تم میرے بنداہارا بن سکتے ہو۔ تم میرے ساتھ اس ملک پہ حکومت کر سکتے ہو۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟''

''میں نے ایک دفعہ اپنے دوستوں کو بتائے بغیر آپ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ اگر میں نے دوبارہ ایسا کیا تو وہ میرا

اعتبار کبھی نہیں کریں گے۔"

"میں آدم کو واپس اس کی دنیا میں بھیج سکتا ہوں۔ اور تم.... تم ادھر ہی رہ سکتے ہو۔" مراد بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟" وہ مشتبہ نظروں سے راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اپنی بیٹی کے لئے۔ وہ تمہارے بغیر کبھی خوش نہیں رہے گی۔"

"یعنی تالیہ کو پانے اور ایڈم کو واپس اس کے ماں باپ سے ملانے کے لئے مجھے ایک دفعہ پھر مراد راجہ کے ساتھ پسِ پردہ سودا کرنا پڑے گا؟" وہ ناخوشی سے بولا۔

"ہاں۔ مگر پہلے تمہیں اپنی وفاداری ثابت کرنی ہوگی۔" مراد معنی خیز انداز میں کہہ کے آگے بڑھ گیا تو فاتح نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا مگر فی الحال مراد کا رکنے کا ارادہ نہ تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئے تو اندھیر پڑے باغیچے کے سامنے برآمدے کے زینوں پہ وہ منتظر دکھائی دی۔ مراد کو آتے دیکھ کے وہ تیزی سے نیچے آئی۔

"بابا.... ایڈم کہاں ہے؟ کیا وہ آپ کے ساتھ ہے؟"

وہ ان کے سامنے آرکی اور بے قراری سے بولی۔

مراد نے گہری سانس لی اور فاتح کو دیکھا۔ "تم نے اسے نہیں بتایا؟"

فاتح چونکا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ جیسے سمجھ نہ آیا ہو اس بات پہ کیا کہے۔

"آدم نے تندرست ہونے کے بعد مجھ سے پہلا سوال وقت کی چابی کے بارے میں کیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔ وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ مگر....." تالیہ ٹھہر گئی۔ بے یقینی سے مراد کو دیکھا۔ "کیا مطلب؟ بابا.... آپ نے....."

"ہاں۔ میں نے اسے وقت کی چابی دے دی۔ وہ اپنی دنیا میں واپس جا چکا ہے۔"

چند لمحے کے لئے اندھیر سیڑھیوں پہ ششدر سا سناٹا چھایا رہا۔ تالیہ اور خود فاتح بھی بے یقینی سے مراد کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے..... ایڈم کو.... جانے دیا؟ مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"یہ فاتح اور اس کی خواہش تھی کہ ایسا ہی ہو۔"

وان فاتح نے چونک کے مراد کو دیکھا اور پھر تالیہ کو جس کی بے یقین نظروں کا رخ اس کی طرف مڑ چکا تھا۔

مراد راجہ اسی سادگی سے بتا رہا تھا۔

''وہ چابی محض آدم اور فاتح کے لئے تھی۔ آدم چاہتا تھا کہ وہ تم سے ملے بغیر واپس جائے۔ اور وان فاتح....'' مراد نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''وان فاتح واپس نہیں جانا چاہتا۔ وہ یہیں رہنا چاہتا ہے۔ مجھے بتاؤ میں نے کیا غلط کیا؟''

وہ ابھی تک صدمے کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ بس ٹکر ٹکر باپ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''وہ چابی...ظاہر ہے...فاتح اور ایڈم کے لیے تھی...مگر....'' ذرا سنبھل کے بولی' پھر شکایتی نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ ''مگر آپ نے مجھے بتانا مناسب تک نہ سمجھا؟ ایڈم مجھ سے ملے بغیر یوں کیسے جا سکتا ہے؟ کیا اس نے....اس نے میرے لئے ایک فقرہ بھی نہیں کہا۔''

''کیا اس نے کچھ کہا تھا؟'' مراد نے سنجیدگی سے فاتح کو دیکھا جیسے اس وقت فاتح وہاں موجود ہو۔ ''کیونکہ اگر کچھ کہا ہو تو وان فاتح ضرور تمہیں بتائے ا۔ مجھے اس کی وفاداری پہ شک نہیں۔'' مراد اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا کہہ رہا ہو...بندا ہارا کا عہدہ...یا سچ؟ فیصلہ تمہارا ہے۔

''نہیں۔ وہ....وہ بس اپنے ماں باپ کے پاس واپس جانا چاہتا تھا۔'' وہ رک رک کے بولا۔ وہ اس جھوٹ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے یہ کہنا مشکل لگا تھا۔

''کیا تم یہی نہیں چاہتی تھیں؟ کہ وہ تندرست ہو جائے اور واپس چلا جائے؟'' مراد اپنی بیٹی کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ دونوں نے اسے واپس بھیج دیا؟ اور وہ بھی چلا گیا؟ مجھ سے ملے بغیر؟'' وہ ہنوز شاک کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

پھر وہ پلٹ گئی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ تعلیم' آداب' سب آج بھلا دیے۔

''تالیہ۔'' فاتح نے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ وہ دور چلی گئی۔

''کیا یہ تھا وفاداری کا امتحان؟'' وہ مراد کی طرف گھوما اور بہت ضبط سے بولا۔

''ہاں اور تم اس میں پورے اترے۔ تم ملاکہ سلطنت کے بہترین بندا ہارا بنو گے' وان فاتح۔''

''میں نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''میں تمہاری آنکھیں پڑھ سکتا ہوں۔'' مراد نے مسکرا کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''تم نے جھوٹ اس لئے بولا کیونکہ تم تخت کھونا نہیں چاہتے تھے۔''

''آپ نے مجھے اس کی نظروں میں ناقابلِ اعتبار بنا دیا ہے۔'' وہ بولا تو آواز میں دکھ اور بے بسی تھی۔ مراد صرف مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

''کیا آپ کو واقعی اپنی بیٹی سے محبت ہے' راجہ؟''

مراد کے قدم ٹھہر گئے۔ وہ مڑا اور ناگواری سے فاتح کو دیکھا۔ ''کیا تمہیں اب بھی شک ہے؟''

میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب میں آپ کو تخت دلاؤں گا تو میں آپ سے کچھ مانگوں گا۔''

''ابھی میں سلطان نہیں بنا۔''

''لیکن تخت آپ کا ہی ہے۔ یہ شہزادے تو کٹھ پتلی ہیں۔'' فاتح سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔''

''کہو۔'' مراد نے لب بھینچ لئے۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ 'مراد راجہ' بنے بغیر صرف.... صرف ایک باپ کی طرح اپنی بیٹی سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔''

مراد کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''یہ کس قسم کی شرط ہے؟''

''میں اس کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ نے ایڈم کو مجھ سے پوچھے بغیر واپس بھیجا ہے اور میرے لئے چابی بنائی ہی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ کام کر لیں تو میں یہاں رہنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا آپ ایک دن کے لئے تالیہ کے باپ بن کے دکھا سکتے ہیں؟''

''تمہیں لگتا ہے میں ایک اچھا باپ نہیں ہوں؟''

''یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ کیا آپ اپنی بیٹی کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اس سے اس کی مرضی پوچھ سکتے ہیں؟''

''اور اس سے کیا ہوگا؟''

''اگر آپ واقعی اس کے باپ بن کے اس سے بات کریں گے تو آپ کو اسے ایڈم کے بارے میں سچ بتانا ہوگا۔ سچ بتائے بغیر آپ دونوں کا رشتہ کھوٹا رہے گا۔ میں نہیں مان سکتا کہ بغیر کسی بڑی وجہ کے آپ نے ایڈم کو خاموشی سے واپس بھیج دیا۔ کچھ ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔''

مراد چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس اندر کھینچی۔

''اس نے جاتے وقت کہا تھا کہ وہ ''تالیہ'' اور ''فاتح'' کے درمیان نہیں آنا چاہتا۔ وہ ''چے تالیہ'' سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔ وہ اب 'چے تالیہ' کے لئے نہیں جیئے گا۔''

مراد نے اس کے الفاظ دہرا دیے اور فاتح چند ثانیے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔ یہ ایڈم کے ہی الفاظ تھے۔ اور یہ اس کے

لئے نئے تھے۔ یہ الفاظ کسی سازش' کسی منصوبے کا حصہ نہ تھے۔

''اس نے ایسا کہا؟'' جو بات دونوں کے درمیان تکلف میں ہمیشہ ادھوری رہ گئی تھی' اسے ایڈم جاتے جاتے پورا کر گیا تھا۔

مراد اسے وہیں چھوڑ کے اندر آیا تو نیم اندھیر روشن راہداریاں ویران پڑی تھیں۔ اپنی خواب گاہ کی طرف جانے کے بجائے وہ تالیہ کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ پہریدار بت بنے کھڑے تھے اور وہ پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ ننگے پیر فرش پہ تھے۔ اور خود گم صم خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ پھر نقاہت سے مسکرائی۔ کمرے میں دو مشعلیں روشن تھیں اس لئے اس کا چہرہ زرد روشنی میں واضح دکھائی دیتا تھا۔

''تم مجھ سے خفا ہو کہ میں نے اسے جانے دیا؟'' وہ اس کے پلنگ پہ بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں خود سے خفا ہوں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں نے آپ پہ شک کیا تھا' بابا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مراد نے اپنے چہرے سے اندرونی جذبات کی خبر نہ ہونے دی اور بظاہر عام انداز میں حیران ہوا۔

''کیسا شک؟''

''یہی کہ دوا کام نہیں کرے گی۔ یا شاید ترکیب درست نہ ہو۔ لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھایا۔ مجھے آپ پہ کبھی شک نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پھر اس نے گہری سانس لی۔ ''جب مرسل نے اپنے بھائی کو مارا تو مجھے لگا میں اس پاگل دنیا میں نہیں رہ پاؤں گی۔ میں بھی ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جانے کا سوچنے لگی تھی لیکن آپ نے جو کچھ میرے دوست کے لیے کیا.... اس کے بعد میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ ''ایڈم صحت یاب ہو گیا' اور واپس چلا گیا' مجھے یہی چاہیے تھا۔ لیکن وہ مجھ سے مل کے کیوں نہیں گیا۔''

مراد چند لمحے اس کا اداس چہرہ دیکھتا رہا۔

''وہ تمہارا دوست تھا۔'' توقف کیا۔ ''تمہارے نزدیک دوستی کیا ہے' تاشہ؟''

اس نے آنکھیں رگڑیں اور سادگی سے کہنے لگی۔

''کسی کی خوشی میں خوش' اس کے غم میں غمگین۔ اس کو اعتبار اور مان دینا۔ وفا نبھانا۔''

''اور محبت کیا ہوتی ہے؟''

تالیہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''پتہ نہیں۔''

''میں بتاؤں؟'' مراد آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''محبت وہ دوستی ہوتی ہے جس سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔''

تالیہ مراد اپنی جگہ پتھر ہو گئی۔

''اس نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ چے تالیہ اور فاتح کے درمیان سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ چے تالیہ سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔ اور اب وہ چے تالیہ کے بجائے اپنے لئے جینا چاہتا ہے۔''

اس کا انداز گہرا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا یہی کہنا کافی تھا۔

وہ یہ کہہ کے اٹھ گیا اور شہزادی پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی۔

یہ بات نئی تھی۔ یہ کسی سازش' کسی جھوٹ کا حصہ نہ تھی۔ یہ ایڈم کیا کہہ گیا تھا؟

ایڈم اس کا دوست تھا۔ صرف دوست۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا مگر وہ ایڈم کی نظر میں کیا تھی؟ وہ خالی نظروں سے مشعل کے شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کو عصرہ کی گیلری میں ملا تھا۔ وہ اس کو چور سمجھتا تھا۔ وہ اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے کنویں تک آیا تھا اور پھر وہ ہمیشہ اس کے پیچھے آنے لگا۔

ایڈم بن محمد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ مشکل میں اس کے پاس تسلی دینے کے لئے۔ اس کو سمجھانے اور کبھی کبھار صرف اس کو سننے کے لیے۔ ایڈم وہ سایہ تھا جو خاموشی سے اس کی چھاؤں بنا رہتا تھا۔ اور اسے کبھی خبر ہی نہ ہوئی؟

ایک ایک کر کے یادیں ذہن سے ٹکرا رہی تھیں۔

''ایڈم کا دل قدیم ملاکہ میں ٹوٹا تھا۔'' (فاتح جانتا تھا؟ وہ کیوں نہ جان پائی؟)

''تم نے کبھی ایڈم کو غور سے دیکھا ہے؟'' (داتن بھی محسوس کر گئی تھی۔ ایک وہ نہ کر سکی جس کی عقل سمجھ ان سب سے زیادہ تھی۔)

وہ اس کے انٹرویوز دیکھنا بھول جاتی تھی۔ وہ اس کی ای میلز کے جواب نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کے پاس صرف اپنی کہنے آتی تھی۔ اس نے کبھی بیٹھ کے سنا ہی نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ اس کی زندگی کا کون سا برتن تھا؟ اور وہ اس کی زندگی میں کیا تھی؟

''کیا میں کبھی اس سے پوچھ پاؤں گی کہ اس نے یہ سب مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' وہ ابھی تک سُن سی بیٹھی تھی۔

(آپ کتابیں نہیں پڑھتیں' چے تالیہ؟)

مسکراتا ہوا لہجہ یاد آیا تو احساس ہوا کہ وہ خود بھی تو ایک کتاب ہی تھا۔ کیا وہ ہمیشہ یہ پوچھا کرتا تھا کہ وہ اسے کیوں نہیں پڑھتی؟ اور وہ آگے سے کیا کہتی تھی؟ اپنے جواب یاد ہی نہیں تھے۔

''اوہ ایڈم!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ایڈم بن محمد اظہار کے اس عجیب طریقے سے اسے اداس کر گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

صبح کی دودھیا روشنی ملاکہ کے اونچے محلوں پہ پھیلی تھی۔ رات کی ساری سیاہی کو اس نے دھو ڈالا تھا۔ پرندوں کا ایک غول چہچہاتا ہوا بند اہارا کے محل کے اوپر سے گزر رہا تھا اور وہ بالکونی میں کھڑی سر اٹھائے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا رکھا تھا اور آنکھیں تیز روشنی کے باعث چندھیا رکھی تھیں۔

''تالیہ!'' آواز پہ اس کا ہاتھ نیچے آن گرا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پھر بے یقینی سے پلٹی۔

مراد کمرے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو بالکونی میں کھلتا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس نے تالیہ کو تالیہ کہہ کے پکارا تھا۔

''بابا؟'' وہ خوشگوار حیرت سے بولی' پھر اسے دیکھا تو مزید چونکی۔

مراد کا حلیہ پہلے سے مختلف تھا۔ وہ خاکی رنگ کی بنا آستین کی جیکٹ میں ملبوس تھا اور اس نے گہرا سبز پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پہ پٹی میں باندھنے کی بجائے بالوں کو پونی میں جکڑ رکھا تھا۔ نہ میان میں تلوار تھی نہ ہاتھ میں قیمتی انگوٹھیاں۔ بس کندھے پہ ترکش تھا اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''کیا تم شکار پہ جانا چاہتی ہو؟''

وہ کھلے دل سے مسکرا دی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

ملاکہ کا جنگل الور سونگائی کے جنگل سے مختلف تھا جس میں بچپن میں وہ جایا کرتی تھی مگر شاید سارے جنگل اندر سے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان میں سارے راستے گم ہو جاتے ہیں اور وہ زندہ ہوتے ہیں۔

وہ دونوں شکار کے لباس میں ملبوس' کندھوں پہ ترکش اٹھائے جنگل میں چلتے جا رہے تھے۔ یہ ایک رین فاریسٹ تھا اور اونچے درختوں نے اوپر سبز چھت بنا رکھی تھی۔ بمشکل سورج کی روشنی جنگل کے فرش پہ پہنچ پاتی تھی۔

''کیا تم آدم کے لئے فکر مند ہو؟'' ایک سبز پانی کے جوہڑ کے کنارے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے مراد نے سرسری انداز میں پوچھا۔ پھر ترکش اتار کے نیچے رکھا۔

''نہیں' بابا۔ وہ اپنی دنیا میں پہنچ جائے' اس سے زیادہ مجھے کیا چاہیے۔'' وہ ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی البتہ اس کے انداز میں اداسی تھی۔ مراد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جوہڑ کی سطح پہ چمکتے درختوں کا عکس دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں یہاں کسی وجہ سے لایا ہوں۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ چھوٹے سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے' وہ بھی شکاریوں والے سادہ خاکی کرتے پاجامے میں ملبوس تھی۔

''کیا؟''

''میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کو کسی کنارے سے لگا لو۔ آدم جا چکا ہے اور فاتح یہاں رہنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو اپنے خاندان کا حصہ بنا لیں۔''

تالیہ نے تعجب سے پلکیں جھپکائیں۔ ''آپ چاہتے ہیں میں وان فاتح سے شادی کر لوں؟'' قدرے توقف سے تصحیح کی۔ ''مطلب.... ہم اپنی شادی کو ظاہر کر دیں؟''

''برونائی کے ولی عہد سے شادی برا سودا نہیں ہے۔'' مراد مسکرا کے بولا تو وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''بابا.... ان کو اپنی دنیا میں واپس جانا ہے۔ وہ یہاں نہیں رکنا چاہتے۔''

''وہ رکنے پہ تیار ہے۔''

تالیہ کی آنکھیں مشتبہ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ ''آپ نے ایک دفعہ پھر ان سے پس پردہ کوئی سودا تو نہیں کر لیا؟''

''میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ یہاں رکنا چاہتا ہے تو اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ وہ آدم کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس میں سودا کیسا؟''

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ پھر لب کاٹے۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں؟''

''میں.... بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ فاتح کو چابی بنا دیں تا کہ وہ چلے جائیں۔ وہاں ان کی زندگی ان کی منتظر ہے۔ ہم ان سے وہ نہیں چھین سکتے۔''

''کہیں تم اس کے ساتھ خاموشی سے چلے جانے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں؟'' مراد کا لہجہ خشک ہو گیا۔ زیرک نگاہیں تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ چند لمحے لب کاٹتی رہی۔ پھر گردن کڑا کے بولی۔ ''نہیں۔ اگر ان کے لئے چابی بنانے کے عوض آپ مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

''مگر وہ خود یہاں رہنا چاہتا ہے۔ میں اسے ملاکہ سلطنت کا بند اہارا بنا سکتا ہوں۔'' مراد نے شانے اچکائے اور وہ بالکل

ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''یعنی آپ دونوں نے واقعی پسِ پردہ سودا کرلیا ہے؟ آپ نے انہیں تخت کی پیشکش کی اور وہ لالچ میں آ گئے؟''

''تخت کا لالچ کسے نہیں ہوتا' تاشہ؟''

تالیہ نے ایک نظر اس کے شکاریوں والے حلیے پہ ڈالی۔ اسے تالیہ کہنا' یہ لباس' یہ ترکش' یہ جنگل کا سفر.... سب مراد راجہ اپنے نئے سودے کی تکمیل کے لئے کر رہا تھا۔

''آپ مجھے یہاں لائے تھے تو مجھے لگا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مگر آپ صرف اپنے سیاسی مقاصد کے لئے ایک دفعہ پھر مجھے اور فاتح کو استعمال کرنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''کیا تم حکومت نہیں کرنا چاہتیں؟''

''میں کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

''تاشہ....'' وہ ساتھ ہی اٹھا۔

''آپ نے مجھ سے میرے دو دوست دور کر دیے' بابا۔ ایک کو وقت کے پار بھیج دیا۔ اور دوسرے کو بے اعتبار کر دیا۔ میں فی الحال تنہا رہنا چاہتی ہوں۔'' وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہتی ایک طرف کو چلنے لگی۔ ترکش وہیں چھوڑ دیا۔ سینے پہ بازو لپیٹے اور دور چلتی گئی۔

''میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

مراد نے دیکھا وہ تھوڑی دور جا کے زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے مٹی کھود رہی تھی۔ وہ بچپن میں اکثر ایسے کرتی تھی۔ ناراض ہوتی تو جا کے درختوں کے بیچ زمین پہ بیٹھ جاتی۔ جوتے اتارتی۔ مٹی کھودتی۔ اور ایک اونچا محل بناتی۔

وہ آج بھی یہی کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ غصے میں تیز تیز کام کر رہے تھے۔ وہ پھر سے محل بنا رہی تھی۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔ دن چڑھنے لگا تھا اور مراد کو محل جا کے بہت سے کام کرنے تھے۔ اسے اس لباس سے بھی چھٹکارا چاہیے تھا جو اس نے اپنا عہد پورا کرنے کے لئے پہنا تھا۔ اس نے وان فاتح سے کیا وعدہ اپنے تئیں پورا کر دیا تھا۔ اب وہ دونوں اس کی مرضی کے منصوبے کے تحت چل رہے تھے اور چلتے رہیں گے۔ مراد کو مزید کسی محنت یا جہد کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔

وہ جنگل سے نکل کے محل کی طرف جانے والے راستے پہ چل رہا تھا جب ایک فقرہ ذہن سے ٹکرایا۔

"تاشہ ایک سمندری سفر پہ جائے گی جس سے وہ واپس نہیں آئے گی۔"

مراد ٹھہر گیا۔ گردن موڑی۔ جنگل کے اس پار ساحل سمندر تھا جو ویران پڑا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک دوسرا منظر لہرایا۔

وہ منظر جو وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھ کے آیا تھا.....

مٹی پہ غصے میں بیٹھی تالیہ..... محل بناتے اس کے کیچڑ میں لتھڑے ہاتھ.....اور اس کے جوتے۔

تالیہ نے جوتے نہیں اتارے تھے۔

(آپ سچے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔)

مراد ایک دم پیچھے کو بھاگا۔

(میں اپنی دنیا میں فریب کار تھی بابا۔ میرا ہنر فریب دینا تھا۔)

وہ تیزی سے جنگل کی طرف واپس جا رہا تھا۔

(فریب کار وہ ہوتا ہے بابا..... جو دوسرے کو وہ دکھائے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے۔)

ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔ وہ پسینے میں شرابور ان کے درمیان بھاگتا جا رہا تھا۔

(مجھے صرف فریب کاری آتی ہے۔ اور جو مجھے کرنا آتا ہے وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔)

وہ اس مقام تک آیا تو دیکھا..... مٹی کا محل آدھا بنا ہوا کھڑا ہے۔ اور تالیہ وہاں نہیں ہے۔

مراد نے آنکھیں بند کیں زیر لب کچھ پڑھا اور پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ وہ تیزی سے اس سمت بھاگا۔

چند درختوں کے درمیان ایک خالی قطعہ تھا۔ وہاں زمین پہ ایک ڈھکن کھلا ہوا پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھیلے میں کچھ ڈال رہا تھا۔ اس کی مراد کی طرف پشت تھی۔ قدموں کی آواز پہ وہ ٹھٹھک گیا اور پھر آہستہ سے پلٹا۔ مراد کو دیکھا تو ساکت رہ گیا۔

"آدم بن محمد!"

مراد راجہ سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کے ہاتھ تھیلے پہ رک گئے تھے۔ اس کا منہ ذرا سا کھل گیا پھر اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور اونچی آواز میں بولا۔

"سوری سچے تالیہ..... لیکن آپ کے ولن باپ کو con کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔"

مراد کی نظریں ایڈم کے عقب میں اٹھیں۔ وہاں زمین میں ایک ڈھکن سا کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یقیناً نیچے سیڑھیاں تھیں کیونکہ اگلے ہی لمحے زینے چڑھنے کی آواز آئی اور پھر..... وہ باہر نکلی۔ مراد کو دیکھ کے اس کی رنگت بدلی۔

وہ آہستہ سے باہر نکلی۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہم پکڑے گئے ہیں۔'' ایڈم سرگوشی میں بولا۔

''فکر نہ کرو۔ میرا ولن باپ اکیلا ہے۔'' وہ اپنی زبان میں کہتی ایڈم کے سامنے آئی اور سرد مہری سے مراد کو دیکھا جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

''تم مجھے دھوکہ دے رہی تھیں؟''

''آپ اپنے مقدر سے اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں بابا کہ لوگ آپ کو پسند کرتے ہیں اور آپ سلطان بن جائیں گے۔'' وہ طنز سے بولی۔

مراد نے بے بسی بھرے غصے سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم..... زندہ تھے؟''

وہ بالکل صحت مند نظر آ رہا تھا اور اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی بند ہونٹوں سے منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''جی' راجہ۔ یہ زندہ تھا۔ اپنے تئیں تو آپ اسے مار چکے تھے۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ یہ وہ تالیہ نہیں تھی جسے مراد راجہ جانتا تھا۔

''وہ کیا ہے' مراد راجہ کہ.....'' ایڈم تھوڑی کھجاتے ہوئے بولا..... ''مجھے کتابوں نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ اور آپ نے کبھی ہم سے سچ نہیں بولا۔ ہم تینوں کو معلوم تھا کہ آپ کبھی بھی اصل ترکیب نہیں دیں گے۔ مجھے اصل ترکیب کتابوں سے معلوم ہو گئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی دوا مجھے کوڑھ میں مبتلا کر دے گی۔ اس لیے میں نے دوا اپنی ترکیب کے مطابق بنائی تھی' آپ کی نہیں۔ گو کہ خود مجھے اور چے تالیہ کو ڈر تھا کہ ہم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں لیکن..... میں سورج نکلنے سے پہلے تندرست ہو گیا تھا۔''

''میں نے تمہاری لاش دیکھی تھی۔'' وہ مارے طیش کے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

ایڈم نے ابرو اچکائے۔ ''ہماری دنیا میں اپنی جعلی موت ظاہر کرنا بہت عام سی بات ہے۔ کوڑھ کا یہی فائدہ ہے۔ اس کی بدبو دوسرے سپاہیوں کو قریب نہیں لگنے دیتی۔ صرف ہمارا بندہ قریب آتا ہے۔''

''تمہارا بندہ؟'' مراد کا سانس تھم گیا۔

''عارف۔ ہم نے عارف کو خرید لیا تھا۔'' وہ اسی رکھائی سے مراد کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔ ''عارف کی سب سے بڑی

خواہش یہ تھی کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔ وہ ہم نے پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ ڈھیر سارا سونا دیا۔ اور اس نے ہمارا ساتھ دیا۔ عارف بہانے بہانے سے آپ کے سپاہی کو قید خانے سے نکال دیتا اور ایڈم اپنی جلد پہ جعلی کوڑھ کا خول چڑھا لیتا۔"

"وہ سب.....وہ سب اداکاری تھی؟" مراد کی آنکھوں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ "میرے سامنے اس کے لیے پریشان ہونا.....وہ سب....."

"جی۔ سب فریب تھا۔ لیکن میں نے آپ کو ایک موقع دیا تھا۔" وہ تنفر سے اسے دیکھ کے بولی۔ "مجھے تالیہ سمجھ کے ملیں اور مجھ سے پوچھیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں آخر تک آپ سے سچ سننے کی منتظر رہی تا کہ آپ کو الوداع بول سکوں لیکن آپ نے وہ موقع بھی گنوا دیا۔"

مراد نے غصے سے ہنکارا بھرا۔ "تو وہ تمہاری خواہش تھی۔ نہ کہ فاتح کی۔"

"میں نے کہا تھا نا' آپ چے تالیہ کو نہیں جانتے۔" ایڈم مسکرا کے بولا۔

"پتہ ہے راجہ....." وہ دکھ سے کہہ رہی تھی..... "پھر بھی مجھے لگا تھا کہ آپ کہیں گے' ایڈم مر گیا ہے۔ وہ صحت یاب نہیں ہو سکا۔ مگر مجھے یا خود فاتح کو بھی اندازہ نہ تھا کہ آپ اسے واپس بھیجنے والا جھوٹ بولیں گے۔ آپ نے خود مجھے اپنے ہاتھوں سے کھویا ہے۔ اب میں بغیر کسی بوجھ کے یہاں سے جاؤں گی۔"

مراد چونکا۔ نظریں عقب میں نظر آتے کھلے دہانے تک گئیں۔

"مگر تمہارے پاس وقت کی چابی نہیں ہے....."

"سرپرائز.....سرپرائز....." ایڈم نے گردن میں انجیر کے ساتھ پہنی چابی لہرائی۔

مراد کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ "یہ کیسے....."

"کیونکہ آپ ملاکہ کے واحد جادوگر نہیں ہیں۔"

آواز پہ ان تینوں نے گردن اس سمت موڑی جہاں سے وہ چلا آ رہا تھا۔ کندھے پہ تھیلا ڈالے' چہرے پہ سنجیدہ سپاٹ تاثرات سجائے' وہ تالیہ اور ایڈم کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"سوری۔ مجھے دیر ہو گئی۔" پھر مراد راجہ کی آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔ "آپ کو سب معلوم ہو ہی گیا ہے تو بتاتا چلوں...میں جانتا تھا' آپ چابی کبھی نہیں بنائیں گے۔ اس لئے میں نے یان سوفو سے سودا کر لیا تھا۔"

مراد نے گہری سانس لی۔ "اور بدلے میں تم نے اسے بغاوت کی اطلاع اور بھاگنے میں مدد فراہم کی۔"

"بالکل۔ میں نے اس سے دشمنی ترک کر دی اور اس نے مجھے چابی بنا دی۔ مجھے یہی چاہیے تھا۔ اور ہاں' یہ سب میں نے

اپنے دوستوں کے علم میں لا کے کیا تھا۔" وہ مراد کو دیکھتے ہوئے درشتی سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے ایک دفعہ ان سے چھپ کے آپ سے سودا کیا تھا۔ لیکن میں اب وہ انسان نہیں رہا جو مصلحتوں پہ فیصلے کروں۔ میں ان چیزوں سے آزاد ہو چکا ہوں۔ میں اپنی غلطیوں سے سیکھ چکا ہوں۔"

وہ تینوں شانہ بشانہ ایک ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کی نظروں میں مراد راجہ کے لئے سرد مہری تھی۔

اس نے غصے بھری بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"تم نے میرے ساتھ غداری کی۔ مجھے دھوکہ دیا۔" اس کا مخاطب فاتح تھا۔ "وہ میری بیٹی ہے' اسے میں معاف کر سکتا ہوں۔ لیکن تم.... تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں تخت میں حصے دار بنا رہا تھا۔ میں نے تم پہ اتنے احسانات کیے اور تم!"

"میں اپنے دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا' راجہ!"

"اور تم تاشہ!" اس نے دکھ سے تالیہ کو دیکھا۔ "تم میرے پاس آئی تھیں اور کہا تھا کہ تم یہاں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہو۔"

"کیونکہ آپ نے فاتح سے ان کی یادیں چھین لی تھیں۔ آپ کے اس سودے کی وجہ سے کتنے مہینے میری زندگی جہنم بنی رہی' آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں' راجہ۔ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ نہ میرے اور آپ کے درمیان سچائی کا تعلق ہے۔ میں کے ایل کی عام سی تالیہ ہوں۔ مجھے اب محلوں میں رہنے کی خواہش نہیں رہی۔"

پھر اس نے گہری سانس لی اور جنگل میں اپنے سامنے کھڑے اکیلے مراد کو دیکھا۔

"میں پچھلی دفعہ گئی تھی تو آپ سے ناراض تھی۔ اکتائی ہوئی تھی۔ اس دفعہ ناراض نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے جو محبت تھی وہ ہمیشہ رہے گی' لیکن مجھے وہ اب تکلیف نہیں دے گی۔ آپ کو چھوڑنا تکلیف دہ نہیں ہے۔"

مراد نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور بے بسی تھی۔

"آپ اپنے ساتھ لاؤ لشکر نہیں لائے' اچھا ہے۔ لاتے بھی تو آپ ہمیں نہیں روک سکتے تھے' مراد راجہ۔ ہم اپنی دنیا میں واپس جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ دروازہ بند ہو گیا تو آپ اسے نہیں کھول سکیں گے۔"

فاتح نے اب ان دونوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں سپاٹ نظروں سے مراد کو دیکھتے کھلے دہانے کی طرف بڑھ گئے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے اتر گئے۔ ڈھکن ابھی تک کھلا تھا۔

"مجھے آپ کے لیے افسوس ہے' راجہ۔ میں جانتا ہوں بیٹی کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے آپ کو موقع دیا تھا اپنی بیٹی کی نظروں میں سرخرو ہونے کا.... لیکن خیر.... الوداع' مراد راجہ۔"

اس نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا جو درختوں کے پتوں کے جھروکوں سے بدقت نظر آتا تھا۔

''الوداع ملاکہ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور کھلے دہانے کی طرف بڑھا۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ مراد اس کی طرف لپکا ہے' لیکن اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' مراد راجہ نے کوئی نوکیلی شے اس کی کمر میں گھونپ دی تھی۔

وقت تھم گیا۔

درختوں سے پرندے جھپاک سے اڑ گئے۔

فاتح کے منہ سے کراہ بھی نہیں نکلی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔ پہلو میں درد کی ناقابلِ برداشت لہر اٹھی تھی۔ بصارت دھندلا گئی تھی۔

مراد نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''جاؤ' میں نے تم تینوں کو آزاد کیا۔ اور یہ..... یہ تمہاری غداری کا بہت چھوٹا بدلہ ہے۔''

یہ کہہ کے مراد سیدھا کھڑا ہوا اور تنفر سے اسے دیکھا۔ وہ اپنے پہلو پہ ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا۔ جنگل کی زمین پہ اس کا لہو ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔

فاتح بہت ضبط سے پہلو پہ ہاتھ رکھے اٹھا۔ وہ شدید تکلیف میں تھا مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ مراد منتظر تھا کہ فاتح اس پہ حملہ آور ہوگا مگر فاتح نے صرف نفی میں سر ہلایا۔

''تم تالیہ کے باپ ہو۔ اور میں تمہارا قاتل نہیں بننا چاہتا۔''

ایک نفرت بھری نظر اس پہ ڈال کے وہ وہ دہانے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد نے اسے سیڑھیاں اترتے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

پھر اس نے ڈھکن بند ہوتے دیکھا۔ وقت کے ان مسافروں کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو کھو چکا تھا۔

اس نے قدم موڑ لئے۔ اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔

''اپنی کتاب کا آخری صفحہ تحریر کرو' ابن ابی بکر۔'' کچھ دیر بعد وہ فوارے کے ساتھ کھڑا تھا اور دور افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سامنے بیٹھا مورخ جو ہنگامی حکم پہ بلوایا گیا تھا کبھی حیرت سے راجہ کی بکھری بکھری حالت دیکھتا اور کبھی سر جھکا کے تیز تیز لکھنے لگ جاتا۔

''لکھو کہ مراد راجہ نے برونائی کے ولی عہد سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔

وہ دونوں بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔

لیکن مذاق مذاق میں.... شہزادی تاشہ نے ایک جادوئی سوئی ولی عہد کو گھونپ دی۔

ولی عہد کا خون بہتا گیا۔

وہ زخم کی تاب نہ لا کے مر گیا اور اس غم کے باعث تاشہ نے.... اس نے خود کو سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد تاشہ کو کسی نے ملاکہ میں نہیں دیکھا۔

وہ اس بحری سفر سے کبھی لوٹ کے نہیں آئی۔"

جس وقت مراد جنگل سے باہر جا رہا تھا' وان فاتح پہلو پہ ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا۔ تالیہ اور ایڈم نیچے موجود اس قدیم دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایڈم کے ہاتھ میں چابی تھی جس سے وہ تالہ کھول رہا تھا۔

تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی اور آہستہ سے بولی۔ "تم نے اپنی جعلی موت کے وقت بابا سے جو کہا.... وہ پلان کا حصہ نہیں تھا.... تمہاری وہ بات...."

"چے تالیہ!" اس نے سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا۔ "وہ بات ہم وقت کے اس پار کریں گے۔"

"مگر ایڈم.... کیا وہ...."

"میں نے کہا نا.... ہم وہ بات کے ایل میں کریں گے۔ وان فاتح.... آپ آ گئے؟ گڈ۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

وہ پہلو پہ ہاتھ رکھے زینے اتر رہا تھا۔ چہرے پہ تکلیف کو ضبط کرنے کے آثار تھے۔

ایڈم جو ساتھ ساتھ تالہ کھول کے دروازہ دھکیل رہا تھا' وہیں ٹھہر گیا۔ تالیہ نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

"فاتح۔" وہ بے یقینی سے اس کی طرف بڑھی۔ اس کا بازو تھاما۔ پہلو پہ رکھے اس کے ہاتھ خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ تالیہ نے جگہ کو چھوا تو اس کی انگلیاں بھی سرخ خون سے بھیگ گئیں۔

"یہ.... یہ بابا نے کیا ہے؟" اس کی بے یقینی صدمے میں بدلی۔

"ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تالہ کھل چکا ہے۔ ہمیں واپس جانا ہے۔" وہ قدرے سختی سے کہہ کے آگے بڑھا۔

"آپ زخمی ہیں۔" ایڈم ہکا بکا رہ گیا۔

"چلو.... ایڈم۔ جلدی کرو۔" وہ تکلیف برداشت کرتا' تیزی سے چوکھٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایڈم نے بھی پیچھے قدم بڑھائے۔ "جلدی چلو.."

"بابا نے.... یہ کیسے کیا؟" اس کا صدمہ اب غصے میں بدل رہا تھا۔ رنگت سرخ پڑنے لگی تھی۔

''بابا نے اس آدمی پہ حملہ کیا جو میرے لیے سب کچھ تھا؟'' وہ ایک دم مڑی اور زینے پھلانگتی اوپر کو لپکی۔

''چے تالیہ..... آپ کیا کر رہی ہیں.....'' ایڈم کی اکتائی ہوئی آواز سنائی دی۔

ڈھکن ابھی بند نہیں ہوا تھا۔ اس نے پوری قوت سے اسے ہٹایا اور سر باہر نکالا۔

''مراد راجہ.....'' وہ غصے سے غرائی۔ مگر سامنے جنگل کا فرش تنہا تھا۔ مراد دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آواز پہ بھی نہیں پلٹا۔ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی' وہ اس کا گریبان پکڑ کے اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا..... لیکن..... یہ اس سب کا وقت نہیں تھا۔ اگر دروازہ بند ہو گیا تو وہ یہیں پھنس جائے گی۔ بدقت ضبط کر کے وہ تیزی سے واپس آئی۔ بھاری دروازہ دھیرے دھیرے چوکھٹ کے قریب جا رہا تھا۔ وہ چوکھٹ سے لگنے ہی والا تھا جب تالیہ نے اسے زور سے دھکیلا اور اندر داخل ہوئی۔ اس کے گھستے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔

''ایڈم؟'' فاتح؟'' اس نے اندھیرے میں پکارا۔ جواب ندارد۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ پیر زینوں سے ٹکرایا۔ وہ اندھیرے میں ٹٹولتی اوپر چڑھنے لگی۔ آخری زینے کے اوپر ڈھکن تھا۔ تالیہ نے اسے کھولا اور باہر نکلی۔

وہ سڑک کے کنارے پہ کسی مین ہول سے باہر نکل رہی تھی۔ چند لمحے کے لئے ذہن کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے مگر پھر..... آہستہ آہستہ اس نے گردن گھمائی۔

وہ جدید ملاکہ کی ایک سڑک تھی۔ دور دور تک دکانیں اور ریستوران بنے نظر آ رہے تھے۔ سڑک پہ دو رویہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ رات کا وقت تھا اور اسٹریٹ لائیٹس جگمگا رہی تھیں۔

سامنے ایک بورڈ نظر آ رہا تھا۔ ''جونکر اسٹریٹ'' اور آگے مڑنے کا نشان تھا۔

اوہ یعنی وہ جونکر اسٹریٹ کے قریب تھی۔ جونکر اسٹریٹ وہ جگہ تھی جہاں سے ذوالکفلی کا گھر تھوڑا ہی دور تھا۔ یعنی وہ درست مقام پہ تھی۔

اسے ذوالکفلی کے تہہ خانے سے نکلنا چاہیے تھا۔ وہ یہاں سے کیوں نکلی؟

وہ کپڑے جھاڑتی اٹھی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مگر..... کوئی اردگرد تھا بھی نہیں۔

''ایڈم؟ فاتح؟'' اس نے زیر لب فکرمندی سے آواز دی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ پلٹ کے مین ہول کو دیکھا تو وہاں زمین برابر ہو چکی تھی جیسے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تینوں ہمیشہ ساتھ جاتے اور ساتھ نکلتے تھے۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔فاتح کا خون ابھی تک ان پہ لگا تھا۔اسے پھر سے فکر ہونے لگی۔

اسے ذوالکفلی کے گھر جانا چاہیے۔وہ دونوں یقیناً وہیں سے نکلے ہوں گے۔

وہ تیزی سے جونکر اسٹریٹ کی سمت چل دی۔گردن میں موجود کپڑا سر پہ پہن لیا۔وہ ایک مفرور ملزمہ تھی۔اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

سڑک کے کنارے ایک جگہ اونچی سی ایل ای ڈی آویزاں تھی۔اس پہ کوئی میچ دکھائی دے رہا تھا۔تالیہ نے چلتے چلتے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔کونے میں تاریخ اور وقت لکھا آ رہا تھا۔

اتوار۔بائیس جنوری۔

وہ مسکرائی۔یہ وہی وقت تھا جب وہ تینوں ذوالکفلی کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔

اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ واپس آ گئی تھی۔

مگر وہ دونوں کہاں تھے؟

وہ چلتے چلتے جونکر اسٹریٹ پہ آ گئی۔وہاں بہت رش تھا۔لوگوں کا ہجوم چلتا ہی جا رہا تھا۔وہ اداسی سے مسکراتی ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی گئی۔اتنا عرصہ قدیم ملاکہ میں رہنے کے بعد یہ سب نیا نیا لگ رہا تھا۔ٹریفک....لوگوں کا انداز....عمارتیں....یہ وہی جونکر اسٹریٹ تھی جہاں وہ ان گنت دفعہ آئی تھی۔لیکن جدید زمانے کا سحر کتنا منفرد تھا۔

ماضی بالآخر پیچھے رہ گیا تھا۔وہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرنے کے لئے آزاد تھی۔

اسٹریٹ میں ایک جگہ وہ ٹھہر گئی۔گردن موڑی تو بائیں جانب ایک کافی۔کوکو کی مہک یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔اسے ذوالکفلی کے گھر جانے کے لئے کافی لے لینی چاہیے۔وہ راستے میں پیتی جائے گی۔بیٹھ کے پینے کا وقت نہ تھا۔

اس کے پاس پیسے نہیں تھے لیکن اسے ایک کریڈٹ کارڈ کا نمبر یاد تھا جسے وہ استعمال کر سکتی تھی۔وہ کاؤنٹر پہ گئی تو باریستا نے اسے خوش آمدید کہا۔تالیہ نے اس کو آرڈر لکھوایا اور خود دروازے کے ساتھ ایک میز پہ جا بیٹھی۔

(خدا کرے یہ مجھے نہ پہچانے۔)وہ فاتح اور ایڈم سے ملنے سے پہلے گرفتار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

کافی شاپ کی مرکزی دیوار پہ ٹی وی اسکرین نصب تھی۔اس پہ نیوز بلیٹن نشر ہو رہا تھا۔تالیہ کی نظریں وہاں اٹھیں تو واپس مڑنا بھول گئیں۔

اسکرین پہ ایک تھائی آدمی ایک ملے آدمی سے ہاتھ ملاتا نظر آ رہا تھا۔ملے آدمی کو وہ پہچانتی تھی۔

اسے ہی تو وہ پہچانتی تھی۔نیوز کاسٹر پس منظر میں کہہ رہی تھی.....

''تھائی لینڈ کے بادشاہ کا استقبال کرنے ملائیشیاء کے وزیر اعظم وان فاتح خود نیچے تک آئے اور....''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب تالیہ مراد کو احساس ہوا کہ کچھ غلط تھا۔

وہ چند لمحے ٹکر ٹکر اسکرین پہ نظر آتے فاتح کو دیکھے گئی۔ تھری پیس میں ملبوس مسکراتا ہوا فاتح رامزل مختلف نظر آ رہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سست روی سے شاپ کے اطراف میں اٹھیں۔ یہ جگہ مختلف تھی۔ یہ جگہ اس جونکر اسٹریٹ سے مختلف تھی جو اسے یاد تھی۔ اس نے اشارے سے باریستا کو بلایا۔

''آج بائیس جنوری ہے نا؟ اتوار کا دن؟'' تالیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ باریستا نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی۔ آج اتوار ہے۔ بائیس جنوری۔''

''بائیس جنوری' 2017....رائیٹ؟''

باریستا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں اچنبھا در آیا۔

''نہیں....یہ 2023 ہے۔''

اس کے الفاظ نے تالیہ مراد کی سانسیں روک دیں۔

نہیں۔ یہ 2017 ہے۔ تم مذاق کر رہے ہو' ہے نا؟'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ اس کے چہرے پہ بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔

''سوری میم....میں سمجھا نہیں۔ یہ 2023 ہے۔'' باریستا اسے عجیب الجھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاریخ بہت سے لوگ پوچھتے تھے۔ لیکن سال؟ سال کون پوچھتا تھا؟

تالیہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔

وہاں ملائیشیاء کا وزیر اعظم اب تھائی لینڈ کے بادشاہ کے ساتھ عشائیے میں مصروف نظر آتا تھا۔ اس کے دونوں بچے اس کے ہمراہ کھڑے تھے۔ ٹین ایج سکندر اور جولیانہ۔ وہ دونوں بڑے ہو چکے تھے۔ عمر میں بھی۔ قد میں بھی۔

چھ سال گزر چکے تھے۔

نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ باریستا حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے آگے دھواں چھانے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اور گہرے گہرے سانس لیتی....باہر آئی۔ پھر شاپ کے آگے فٹ پاتھ پہ بیٹھ گئی۔

یہ ممکن نہیں تھا۔ چھ سال کیسے گزر سکتے تھے۔ وہ وقت میں اسی مقام پہ واپس کیوں نہیں آئی تھی؟ نہیں....یہ جھوٹ تھا۔

خواب تھا۔اس نے آنکھیں بند کیں۔ابھی وہ جاگ جائے گی۔اس نے آنکھیں کھولیں۔

سب ویسا ہی تھا۔وقت نے سارے حساب الٹے کر دیے تھے۔

وہ چند لمحے کے لیے غصے میں مراد کے پیچھے بھاگی تھی۔ جب وہ واپس آئی تو دروازہ چوکھٹ سے لگ چکا تھا۔اس نے اسے کھول لیا کیونکہ اس کا تالہ کھل چکا تھا یا جانے کیا بات تھی۔لیکن جب اس نے اسے کھولا تو وہاں ایڈم اور فاتح نہیں تھے۔چند لمحوں کے فرق نے جدید دنیا میں برسوں کا فرق ڈال دیا تھا۔

لوگ جونکر اسٹریٹ پہ گزر رہے تھے۔آگے بڑھ رہے تھے۔ہنس رہے تھے۔بول رہے تھے۔

اور تالیہ مراد سُن سی فٹ پاتھ پہ بیٹھی تھی۔

☆☆=========☆☆

اگلا ایک گھنٹہ وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اس اسٹریٹ پہ آگے پیچھے پھرتی رہی تھی۔کبھی کسی بنچ پہ جا بیٹھتی۔کبھی کسی دکان کے اندر۔کبھی سڑک کنارے سر جھکائے چلنے لگتی۔کبھی گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑے گھڑی کی سوئیوں کو کوسنے لگتی۔اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔نہ وہ کچھ سوچ پا رہی تھی نہ سمجھ پا رہی تھی۔

جب اس کا ذہن بیدار ہونے لگا تو اس نے خد کو کافی شاپ میں بیٹھے پایا۔جانے کب وہ اندر آئی تھی اور کافی منگوائی تھی۔

بالآخر اس کے حواس کام کرنے لگے تھے۔وہ تیزی سے اٹھی اور کاؤنٹر تک گئی۔

''میں.....آپ کا کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہوں؟ پلیز تھوڑی دیر کے لئے۔''اس کے انداز میں اتنی شدید لجاجت تھی کہ باریستا نے فوراً سے ایک لیپ ٹاپ اس کی میز پہ رکھ دیا۔

وہ وہاں بیٹھی کچھ دیر اسکرین کو تکتی رہی۔اسے کیا معلوم کرنا تھا' اسے معلوم نہ تھا۔بائیس جنوری ۲۰۱۷...کیا فاتح اور ایڈم چھے سال پہلے اس تاریخ میں جدید دنیا میں واپس پہنچ گئے تھے؟ ۲۲ جنوری کو جو بھی ہوا ہو گا' اس کی خبر اگلے روز کے اخبار میں چھپی ہو گی۔اس نے اپنی خون سے سرخ انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

۲۳ جنوری۔ 2017۔

تالیہ نے اس تاریخ کا آن لائن اخبار کھولا۔

''وان فاتح زخمی حالت میں جونکر اسٹریٹ کے کنارے پائے گئے۔''

''وان فاتح ہسپتال میں داخل۔ان کی حالت تشویش ناک ہے۔حملہ آور کا فی الوقت پتہ نہیں چل سکا۔''

''وان فاتح چھے روز بعد ہسپتال سے ڈسچارج کر دیے گئے۔اب وہ روبہ صحت ہیں۔''

وہ لبوں پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے پڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر بارٹینڈر کو بلایا۔ وہ فوراً چلا آیا۔

''میں.... میں کافی عرصے بعد ملائیشیا آئی ہوں۔'' اب کے وہ قدرے سنبھل کے پوچھنے لگی۔ ''وان فاتح وزیراعظم کب بنے تھے؟''

''پہلی دفعہ یا دوسری دفعہ؟'' وہ احتیاط سے پوچھنے لگا۔

''اوہ۔ وہ دوسری دفعہ وزیراعظم بن رہے ہیں؟''

''جی میم۔ پہلی دفعہ ۲۰۱۷ کے جون میں۔ اور دوسری دفعہ پچھلے برس ۲۰۲۲ کے جون میں۔ وہ پچھلے ساڑھے پانچ سال سے ہمارے پرائم منسٹر ہیں۔''

وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔ اب کیا پوچھے؟

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟''

''امریکہ سے۔ اچھا مجھے بتاؤ.... تم نے ایڈم بن محمد کا نام سنا ہے۔ وہ ایک رپورٹر ہوتا تھا جس نے....''

''ہانگ کانگ پیپرز والا ایڈم بن محمد؟ ''اینکر پرسن'' ایڈم بن محمد؟''

''اینکر پرسن؟'' اس نے دوبارہ سے لبوں پہ انگلیاں رکھ دیں۔ آنکھیں بھیگنے لگ گئیں۔ ''ایڈم بن محمد اینکر بن گیا؟''

''جی.... وہ ملائیشیا کا معروف اینکر ہے۔'' باریستا فخر سے امریکی سیاح کو بتانے لگا۔ ''اس کی تو چار پانچ بیسٹ سیلر کتابیں بھی ہیں۔ اور وہ ایک پرائم ٹائم ٹاک شو کا اینکر پرسن ہے.... وہ ہانگ کانگ پیپرز کی وجہ سے Pulitzer پرائز کے لئے بھی نامزد ہوا تھا لیکن اسے پرائز نہیں ملا۔ یو نو.... پرائز آخر میں گوروں کو مل جاتا ہے۔''

''اس پہ.... اس پہ ایک زمانے میں قاتلانہ حملے ہوتے تھے....''

''وہ تو پرانی بات ہے۔ اب تو وہ اسٹار اینکر ہے۔ اسے کون کچھ کہہ سکتا ہے۔ خود پرائم منسٹر بھی نہیں۔ آپ کو کچھ اور چاہیے۔''

''اونہوں۔'' اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''مجھے اب اور کیا چاہیے ہوگا۔''

وہ واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایڈم کا نام کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

سوٹ میں ملبوس۔ مسکراتا ہوا ایڈم بن محمد.... وہ اب سیلیبریٹی رپورٹر سے کہیں آگے بڑھ چکا تھا۔ وہ دنیا گھومنے والا.... محلوں میں اٹھنے بیٹھنے والا.... ایوارڈز اور انعامات جیتنے والا ایڈم بن محمد تھا۔

اس کا لباس قیمتی تھا۔ اس کا گھر شاہانہ تھا۔ اس کی کلاس مختلف ہو چکی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس نے اسکرین فولڈ کر دی۔ دماغ ایک دفعہ پھر سے ماؤف ہونے لگا۔ نظریں اوپر ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں تو وزیرِ اعظم وان فاتح پھر سے دکھائی دینے لگا۔ اب کے خبر مختلف تھی۔ یہ اگلا بلیٹن تھا۔ وہ بس ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

وہ پہلے سے زیادہ باوقار لگتا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' روسٹرم پہ کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ وہی اعتماد۔ وہی بے نیازی۔ وہی حکمرانی کا سا انداز۔

تالیہ نے سر میز پہ گرا دیا۔ یہ سب غیر حقیقی تھا۔ اس کا دماغ مزید کچھ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ وقت نے اس کو بہت بڑی سزا دی تھی۔ بلکہ ان تینوں کو۔ ان تینوں کو ایک دوسرے سے چھین کے ان تینوں کو ادھورا کر دیا تھا۔

ابھی چند لمحے پہلے وہ تالیہ کے ساتھ تھے۔ اور اب.... سب بدل چکا تھا۔ وہ دونوں بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور وہ کہاں تھی؟

اس نے کرنٹ کھا کے سر اٹھایا۔ ایک منٹ۔ تالیہ مراد کہاں تھی؟

اس نے تیزی سے اسکرین کھولی۔ پھر جلدی جلدی ٹائپ کرنے لگی.....

تالیہ بنتِ مراد۔

خبریں سامنے آنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک صفحہ کھلنے لگا۔

2017 کے آغاز میں عصرہ محمود کے قتل کے بعد روپوش ہونے والی مفرور ملزمہ تالیہ مراد ابھی تک نہیں ملی تھی۔ غالباً وہ ملک سے بھاگ چکی تھی اور گمنامی کی زندگی گزار رہی تھی۔

عصرہ محمود کے قتل کا کیس ابھی تک بند نہیں ہوا تھا۔ وہ فائل پولیس ڈیپارٹمنٹ میں کھلی تھی اور اشعر محمود نے ہر طرح سے زور لگا کے اس کو کھلا دینے دیا تھا۔

تالیہ مراد آج بھی ایک مفرور ملزمہ تھی۔

ایک بات وہ جانتی تھی۔ ملائیشیاء کے قانون میں کرمنل کیس کا کوئی statue of limitation (قانون میعاد سماعت) نہ تھا۔ اس قانون کے تحت ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد اگر مجرم پکڑا نہ جائے تو کیس بند ہو جاتا ہے اور مجرم بعد میں آ جائے' تب بھی اس پہ مقدمہ نہیں چلتا۔

مگر ملائیشیاء میں قتل کے کیس پہ کوئی قانون میعاد سماعت لاگو نہیں ہوتا تھا۔ اگر مجرم چھے برس بعد بھی آئے تو وہ مجرم ہی ہو گا۔

تالیہ کی زندگی کے دونوں ستون آگے بڑھ چکے تھے۔ وہ دونوں اپنے اپنے خواب پا چکے تھے مگر چھے سال گزرنے کے بعد

بھی تالیہ مراد ایک مفرور ملزمہ تھی اور پولیس آج بھی اس کی تلاش میں تھی۔

باریستا نے ایک گاہک کو آرڈر تھماتے ہوئے گردن موڑ کے اس گم صم سی لڑکی کو دیکھنا چاہا تو ٹھٹھک گیا۔

کافی کا کپ اَن چھوا رکھا تھا۔

لیپ ٹاپ بند پڑا تھا۔

اور کرسی خالی تھی۔

اسے علم بھی نہ ہوا۔وہ لڑکی جانے کب وہاں سے نکلی اور جونکر اسٹریٹ کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

بنا کسی چاپ کے۔

بنا کسی آواز کے۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

☆☆=========☆☆

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmai.com پر ای میل کریں۔

حَالِم (نمرہ احمد)

بائیسواں باب:

''وقت مہربان''

اس کی بند آنکھوں کے پار صرف اندھیرا تھا۔ ذہن کا پردہ کسی بھی خواب سے خالی تھا۔

کھڑکی کے باہر کسی کار کا ہارن سنائی دیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ پھر ارد گرد دیکھا۔

وہ قدیم ملاکہ میں نہیں تھی۔ وہ کے ایل کے ایک موٹل روم میں نیند سے جاگی تھی۔ اور نیند بھی ایسی جو خوابوں سے خالی تھی۔

وہ گزشتہ رات جونکر اسٹریٹ کے ایک مین ہول سے واپس اپنی دنیا میں آئی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ باقی ساری دنیا آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ پیچھے رہ گئی تھی۔ ایسے جنگجو کی مانند جو میدان جنگ میں پیچھے دیکھنے کی غلطی کی پاداش میں نمک کا مجسمہ بنا دیا جاتا ہے۔ دوست اور دشمن.... ہارتے جیتتے..... جھنڈے گاڑتے آگے بڑھتے جاتے ہیں.... اور وہ نمک کا مجسمہ وہیں کھڑا رہ جاتا ہے۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد۔

''چھے سال۔ وقت نے میرے چھے سال چھین لیے۔'' اس نے تنفر سے کھڑکی کے پار دیکھا جہاں نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

لوگ کہتے تھے وقت سب سے بڑا مسیحا ہوتا ہے۔ وقت زخم مندمل کر دیتا ہے۔ وقت یہ۔ وقت وہ۔ لیکن کوئی تالیہ بنت مراد سے پوچھتا تو وہ کہتی' کہ وقت قطعاً مہربان نہیں تھا بلکہ وقت سے زیادہ ظالم کوئی نہیں تھا۔

وہ قدیم ملاکہ سے جدید دنیا میں صرف ایک پوٹلی کے ساتھ آئی تھی جس میں چند زیورات تھے یا سونے کے سکے۔ جدید زمانے کی کرنسی اس کے پاس نہ تھی لیکن اسے اپنے چند کریڈٹ کارڈز کے نمبرز یاد تھے۔ رات جب اس نے انہیں استعمال کرنا چاہا تو وہ کام نہیں کر رہے تھے۔ شاید ایکسپائر ہو گئے تھے۔

پھر اس نے وہی کیا جو اسے کرنا آتا تھا۔ بس اسٹیشن پہ کسی کے پرس میں ہاتھ ڈالا.... تو کسی کا بٹوہ دھیرے سے نکالا۔ آج

کوئی اس کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ آج اسے کسی نہ کسی طرح سروائیو کرنا تھا۔

رات کے تیسرے پہر وہ کے ایل پہنچی۔ شہر کی فصیل ہو یا بس اسٹاپ..... کہیں کوئی تالیہ مراد کی تاک میں نہ بیٹھا تھا۔ چھے سال بعد نہ اس کے ''پولیس کو مطلوب'' والے پوسٹرز وہاں تھے نہ کسی کو وہ یاد تھی۔

پچھلی دفعہ فاتح اسے بھولا تھا۔ اس دفعہ ساری دنیا اسے بھول گئی تھی۔

کے ایل پہنچ کے وہ اپنی اسٹریٹ میں پہنچی تو اسے دھکا سا لگا۔ حالم کا بنگلہ وہاں نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری کے وقت حکومت نے اس کے اثاثے ضبط کر لیے تھے۔ بعد میں قانونی یا غیر قانونی طور پہ اس کے گھر کو غالباً سرکاری املاک شمار کر کے اس کو منہدم کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ اب وہاں ایک سرکاری دفتر بنا تھا۔ اس کا گھر اس کا نہیں رہا تھا۔ وقت.... وقت نے اس کے ساتھ بہت ناانصافی کی تھی۔

پہلی رات ایک فرضی نام کے ساتھ موٹل میں گزار دی۔ صبح میں وہ نیچے ریسپشن پہ آئی تو ریسپشنسٹ نے مسکرا کے اسے سلام کیا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے' آنکھوں پہ چشمہ لگائے' وہ سفید ٹراؤزرز پہ گھٹنوں تک آتا سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ ریسپشنسٹ سے آنکھ نہیں ملا رہی تھی مگر تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ کسی کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔

تالیہ موٹل سے باہر نکلی اور ٹیکسی میں بیٹھی۔ اسے آج شہر میں مختلف جگہوں پہ چھپائے اپنے ''گوبیگز'' ڈھونڈنے تھے۔ کرنسی' پاسپورٹ' چند ضروری چیزیں جو برے وقت میں کام آنی تھیں۔ اور برا وقت آن پہنچا تھا۔

سڑک پہ بھاگتی ٹریفک.... گاڑیوں کا شور..... بہت تیزی سے چلتی دنیا.... ہر شے اس کے اندر عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی۔

ریلوے اسٹیشن کا لاکر خالی تھا۔ اتنے برس گزرنے کے بعد اس کا گوبیگ وہاں کیسے موجود ہو سکتا تھا؟ ہونہہ۔ دوسری منزل ایک بینک اکاؤنٹ کا سیف تھا۔ جس آئی ڈی کارڈ پہ اس نے یہ بینک میں یہ سیف لیا تھا' وہ آئی ڈی کارڈ ایک پوسٹ آفس کے لاکر میں چھپا کے رکھا تھا۔ مگر وہ وہاں گئی تو وہ کارڈ بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ انسانوں نے چھپے خزینے کب چھوڑے ہیں؟ جس کو جہاں موقع ملا' ہاتھ صاف کر لیا۔

اور اب اسے اپنا آخری گوبیگ ڈھونڈنا تھا اور وہ جانتی تھی' وہ وہیں ہوگا جہاں اس نے اسے چھپایا تھا۔

جب رات گہری ہو گئی تو وہ اس قبرستان گئی جہاں اس نے اپنا سب سے قیمتی گوبیگ چھپایا تھا۔ وہ قبر اب بھی ویسی تھی۔ اس پہ نصب صلیب اسی طرح کھڑا تھا۔ سیاہ ہڈی میں ملبوس تالیہ نے کدال سے قبر کھودنی شروع کی۔

اندر ایک لکڑی کا تابوت تھا جس کے اوپر ہر جگہ مٹی لگی تھی۔ تالیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈھکن ہٹایا۔

اس کا گو بیگ اندر موجود تھا۔ اس نے تیزی سے زپ کھولی۔

پاسپورٹ' آئی ڈی' نوٹوں کے بنڈل' اور چند سفری دستاویزات۔ سب کچھ پلاسٹک کی تہوں میں محفوظ تھا۔ تالیہ نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی اور اندھیرا آسمان کو دیکھا۔

اس رات اپنے موٹل روم میں بیٹھے اس نے سوچا.... اسے فاتح سے بات کرنی تھی۔ ایڈم سے بات کرنی تھی۔ داتن سے بات کرنی تھی۔ انسان بات کیے بغیر چوبیس گھنٹے نہیں گزار سکتا.... اور اس کو کسی سے ڈھنگ سے بات کیے بنا تیس گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

فاتح' ایڈم' داتن.... کسی کا پرانا نمبر اب استعمال میں نہ تھا۔ فاتح کے ای میل ایڈریس پہ ای میل جا کے پلٹ آئی کیونکہ وہ ایڈریس اب بلاک ہو چکا تھا۔ سیکیورٹی پروٹوکول شاید۔ اُف۔ ایڈم کا ای میل اسے یاد نہ تھا۔ داتن کو اس نے ایک میسج بورڈ پہ پیغام چھوڑا اور پھر پوری رات بار بار اس میسج بورڈ کو چیک کرتی رہی۔ کوئی ردعمل' کوئی جواب' کچھ بھی اس کی طرف نہ آیا۔

رات کے تیسرے پہر تالیہ نے ایک دفعہ پھر وان فاتح کو گوگل کرنا شروع کیا۔ وہ اس کی ہر ویڈیو' ہر تصویر میں اس کے چہرے پہ بے قراری سے کوئی تاثر ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہیں اس نے تالیہ کا نام لیا ہو.... کہیں اس نے کہا ہو کہ وہ اس کو یاد کرتا ہے.... لیکن ایسا کچھ نہ تھا۔ پرائم منسٹر بننے کے بعد اس نے انٹرویوز دینے چھوڑ دیے تھے۔ چھے سالوں میں درجن بھر سے زائد انٹرویوز اسے نہیں ملے تھے۔ البتہ تقاریر بہت تھیں۔ ان کا وہ کیا کرتی؟

وہ وزیر اعظم تھا۔ ملک کا سب سے طاقتور آدمی۔ اس تک رسائی ناممکن تھی۔ ایک عام لڑکی بھلا کیسے اس تک کوئی پیغام پہنچا سکتی تھی؟

اس نے ایڈم بن محمد کو سرچ کیا۔ وہ سلیبریٹی والی زندگی گزار رہا تھا۔ ایوارڈ شوز' انٹرویوز' بک سائننگ تقاریب.... وہ اپنی دنیا میں گم تھا۔ البتہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک انٹرویو میں اینکر نے اس وجہ پوچھی تو وہ اس بات پہ اداسی سے مسکرا دیا۔ بیڈ پہ بیٹھی' موبائل پہ انٹرویو دیکھتی تالیہ دم سادھ کے اس کا جواب سننے لگی۔

اسکرین پہ ایڈم ایک آرام دہ صوفے پہ بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے نیلی جینز پہ سفید ہائی نیک پہن رکھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا۔ ایڈم کی پشت پہ دیوار میں کتابوں سے سجے شیلف بنے تھے۔ یہ اس کی اسٹڈی تھی جس کے وسط میں رکھے صوفوں پہ ایڈم اور خاتون اینکر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

جب کیمرہ خاتون اینکر کو دکھاتا (جو ایڈم سے شادی کے متعلق سوال پوچھ رہی تھی) تو اس کے پیچھے اسٹڈی کا وہ حصہ نظر

آتا جہاں اسٹڈی ٹیبل اور اونچی کرسی رکھی تھی۔ میز پہ ٹیبل لیمپ رکھا تھا۔ پین ہولڈر۔ چند ترتیب سے رکھی کتابیں اور لیپ ٹاپ۔ یہاں بیٹھ کے وہ کتابیں لکھتا ہوگا۔ اور کتابیں پڑھتا ہوگا۔

ساری دنیا سے ہٹ کے وہ اس میز پہ بیٹھا' کتابوں میں پناہ ڈھونڈتا ہوگا۔ اوہ پیارا ایڈم بن محمد۔ وہ اس سے کیسے رابطہ کرے۔

اینکر کی آواز پہ اس کا ارتکاز ٹوٹا۔

''آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟ یا پھر.... کب کرنے کا ارادہ ہے؟''

وہ مسکرایا اور ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''کوئی ملا ہی نہیں جس کے بارے میں سوچتا۔ شاید مجھے ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ میں لائف پارٹنر میں کیا تلاش کر رہا ہوں۔''

گفتگو کا رخ وان فاتح اور موجودہ حکومت کی طرف مڑ گیا تو ایڈم نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''پردھان منتری اس سے اچھا پرفارم کر سکتے تھے۔ اس سے بہتر پالیسیز بنا سکتے تھے۔ لیکن پانچ سالوں میں انہوں نے ڈھنگ سے ایک بل پاس نہیں کروایا۔''

''کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس پچھلی حکومت میں واضح اکثریت نہیں تھی؟''

''چلیں اس دفعہ تو ہے۔ میرے جیسے لوگ اب دیکھنا چاہیں گے کہ اس دفعہ وان فاتح کیا کرتے ہیں۔'' اس کے انداز میں اجنبیت اور بے گانگی تھی۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔ کیا وہ دونوں اب دوست نہیں رہے تھے؟ کیا ایڈم نے فاتح کی مخالفت شروع کر دی تھی؟ ظالم وقت نے ان دونوں کی دوستی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ الجھ کے رہ گئی تھی۔

اس نے ایڈم اور فاتح کا نام لکھ کے گوگل کیا تو سامنے ایڈم کے کئی آرٹیکلز کھل گئے جن کی شہہ سرخیاں وان فاتح پہ کھلم کھلا تنقید کرتی نظر آتی تھیں۔ اس نے موبائل بے دلی سے سائیڈ ٹیبل پہ ڈال دیا۔

وہ کس سے بات کرے؟ داتن' فاتح اور ایڈم کے علاوہ صرف ذوالکفلی تھا لیکن جس طرح تالیہ نے اسے دھوکہ دیا تھا' وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔ اس سارے شہر میں اور کون تھا جس سے وہ بات کر سکتی تھی؟

صرف ایک نام تھا جو ذہن میں آتا تھا۔ اسے اس ایک شخص کا پتہ تلاش کرنا تھا۔ کم از کم یہ کام تھا جو وہ چھے سال بعد بھی کر سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

کے ایل کے ایک پوش علاقے میں بنے اس گھر کی چھت مخروطی تھی۔ آج صبح کاذب کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی تیز

بارش ہوئی تھی۔اس لیے مخروطی چھت کے کناروں سے پانی کے قطرے ہنوز ٹپک رہے تھے۔سامنے پھیلا چھوٹا سا لان بھی ابھی تک گیلا تھا۔

تالیہ نے دروازے پہ لگی بیل بجائی اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی انتظار کرنے لگی۔اس نے لمبے رین کوٹ کی ہڈ سر پہ ڈال رکھی تھی اور احتیاط سے ادھر ادھر بھی دیکھتی تھی۔دفعتاً دروازہ کھلا اور گھر کا مالک باہر نکلا۔

''یس؟'' انہوں نے رسمی انداز میں سامنے کھڑی لڑکی سے پوچھا۔پھر ٹھٹک کے رکے۔آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ بمشکل دو سیکنڈ لگے تھے انہیں تالیہ مراد کو پہچاننے میں۔وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکے۔

''تالیہ مراد؟''

''جی' پراسیکیوٹر احمد نظام۔میں تالیہ ہوں۔لانگ ٹائم' ہاں؟'' وہ آزردگی سے مسکرائی۔

احمد نظام پہلے سے زیادہ بوڑھے اور دبلے ہو گئے تھے۔کتنی ہی دیر تحیر سے اسے دیکھتے رہے۔پھر سر جھٹکا۔

''میں اب پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔''

''جانتی ہوں۔آپ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ایک پرائیوٹ وکیل کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔اور ان چھے سالوں میں آپ نے تین گھر بدلے ہیں اس لیے پتہ معلوم کرنے میں مجھے پورا دن لگا۔اندر آ سکتی ہوں؟'' انہوں نے بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔کیا یہ لڑکی واقعی وہی تالیہ تھی؟ آج بھی ویسی ہی تھی۔نہ اس کی صورت بدلی تھی نہ انداز۔

مگر نہیں۔وہ خوفزدہ تھی۔اس کو اپنے سٹنگ روم میں بٹھا کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے احمد نظام نے سوچا۔وہ چوکنی سی بار بار اطراف میں دیکھتی تھی۔کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔احمد نظام نے جالی دار پردے ہٹائے تو سبزلان دکھائی دینے لگا۔ وہ کھڑکی کے مقابل صوفے پہ بیٹھی تھی۔اس کی نظر بیک وقت کھڑکی اور داخلی دروازے دونوں پہ تھی۔

''اتنے سال بعد.....کیسے آئیں آپ' تالیہ؟''

''بس یوں سمجھیں کہ وقت میرے لیے بہت سفاک ثابت ہوا ہے۔'' تالیہ نے بھیگی ہوئی ہڈ پیچھے ڈالی۔اور چہرے پہ آتی لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔وہ اداس اور مضطرب لگتی تھی۔

''اتنے سال کہاں رہیں آپ؟''

''جانتی تھی آپ کا پہلا سوال یہی ہوگا۔ہر اس شخص کا پہلا سوال یہی ہوگا جس سے میں آج کے بعد میں ملوں گی۔اس لیے اس کا جواب گھڑ لیا ہے میں نے۔یوں سمجھیں کہ ایک دوسرے ملک میں پھنس گئی تھی جہاں سے اتنے برس تک میں نکل ہی نہ پائی۔اب بالآخر نکلی ہوں تو فوراً کے ایل کا رخ کیا۔''

''اور کیا یہ سچ ہے؟'' اپنی ابتدائی حیرت پہ قابو پا کے اب وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''یہ سچ کے قریب ترین ہے۔ سچ پہ آپ یقین نہیں کریں گے۔''

تالیہ نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سادہ شرٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ اسے بہت مختلف لگے تھے۔ بالوں کی سفیدی بڑھ گئی تھی اور چہرے کی جھریاں بھی۔ یعنی یہ طے تھا کہ ہر شخص اسے مختلف لگے گا لیکن وہ سب کو پہلے جیسی لگے گی۔

''اتنے برس بعد آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں؟''

''کوئی اور تھا نہیں جو میری بات سنتا۔ میں اپنے اوپر بنے کیس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ اور میں....'' اس کا گلا رندھا۔ ''میں خود کو اس الزام سے پاک کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے عصرہ محمود کا قتل نہیں کیا تھا۔''

''اگر آپ اس وقت فرار نہ ہوتیں تو یہ ثابت کرنا آسان ہوتا۔ آپ کے فرار نے آپ کو مجرم بنا دیا ہے' تالیہ۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مگر کوئی تو راستہ ہوگا۔'' وہ بے چین ہوئی۔ یوں لگتا تھا وہ بغیر پلان کے یہاں آ گئی تھی۔

''آپ اتنے سال تک چھپی کیوں رہیں۔ پہلے کیوں نہیں آئیں؟''

''وقت نے میرا ساتھ نہیں دیا' نظام صاحب۔ مگر آپ بتائیں.... کیا آپ کو لگتا ہے میں عصرہ کی قاتل ہوں؟''

''تالیہ....'' انہوں نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے.... آپ کے خلاف بہت سے شواہد موجود تھے۔ میرے پاس اس کیس کی فائل اب تک پڑی ہے۔ میں لاتا ہوں۔''

وہ اٹھے تو وہ ان کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ ''کیا آپ اندر جا کے پولیس کو کال کریں گے؟ آپ جانتے ہیں میں پولیس کے آنے سے پہلے غائب ہو چکی ہوں گی۔''

''اگر آپ اتنے عرصے بعد آ گئی ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ خود کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں فائل لے کر آتا ہوں۔''

''میں چاہتی ہوں پولیس کے پاس جانے سے پہلے آپ میری بات سنیں۔ اگر میں آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکی تو کسی کو نہیں دلا سکوں گی۔''

''اس کے لیے ہمیں آپ پہ لگے الزامات اور موجودہ شواہد کا جائزہ لینا ہوگا۔ مجھے فائل تلاش کرنے میں دیر لگے گی کیونکہ سینکڑوں کی تعداد میں کیس فائلز میرے اسٹور میں رکھی ہیں۔ آپ خود میرے ساتھ آ سکتی ہیں۔'' ان کے انداز سے لگتا تھا وہ

سچ کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔ وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔

احمد نظام کا اسٹور روم کافی کشادہ تھا۔ وہاں شیلف در شیلف بنے تھے اور ان میں رکھے باکسز میں فائلز پڑی تھیں۔ ہر باکس کو حروف تہجی اور سن کے اعتبار سے لیبل کیا گیا تھا۔

''ہم نے شفٹنگ کے بعد سے ان کو نہیں کھولا۔ مگر انہی میں ہوگی فائل۔ میں نے ایک زمانے میں آپ کے کیس پہ اپنے تئیں لمبی تحقیق کی تھی۔ پھر آپ منظر عام سے غائب ہو گئیں تو آہستہ آہستہ میری تفتیش ٹھنڈی پڑ گئی اور.....''

''اور تالیہ مراد صرف ایک فائل بن کے رہ گئی۔'' اس نے ایک شیلف کے اوپر سے ایک باکس اٹھایا اور پھونک مار کے گرد اڑائی۔ اس باکس پہ صرف ایک نام لکھا تھا۔

تالیہ مراد ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء

تالیہ باکس اٹھائے سٹنگ روم میں واپس آئی۔ کھلی کھڑکی سے نظر آتے لان کی گھاس پہ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ تالیہ نے باکس میز پہ رکھا اور ڈھکن کھولا۔ اندر کاغذات ہی کاغذات تھے۔

احمد نظام اس کے سامنے بیٹھے اور ایک ایک تراشے کو نکالنے لگے۔ وہ یاسیت سے اپنا اعمال نامہ کھلتے ہوئے دیکھنے لگی۔

''قتل کے کیس میں تین چیزیں اہم ہوتی ہیں' بے تالیہ۔'' وہ عینک لگائے' کاغذات الٹ پلٹ کرتے ہوئے بتانے لگے۔ ''ثبوت۔ آلہ قتل۔ اور قتل کی وجہ۔ آپ کے کیس میں تینوں آپ کے خلاف جاتے تھے۔''

''اوکے۔ ثبوت کیا تھے؟''

''آپ فاتح صاحب کے گھر چاکلیٹ کیک بھیجتی تھیں۔ ان کیکس کا آرڈر آپ کے کریڈٹ کارڈ سے کیا گیا تھا۔ بہت سے گواہوں کے مطابق عصرہ محمود نے انہیں خود کہا تھا کہ وہ کیک آپ کی طرف سے آتے تھے اور عصرہ ان کو کھا لیتی تھیں۔ عصرہ کی شہادت بھی اہم ہے۔ انہوں نے....'' احمد نظام عینک لگائے ایک نام پڑھ کے بتانے لگے.... ''انہوں نے دولت امان نامی آفیسر سے اپنی موت والے دن کہا تھا کہ انہیں شک ہے تالیہ مراد انہیں مروانا چاہتی ہے۔ یہ گواہی بہت اہم ہے۔ اسی دن آپ کا اور عصرہ کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔ ملازم اس کے گواہ تھے۔'' انہوں نے عینک اتاری اور تالیہ کو دیکھا تو وہ تیزی سے بولی۔

''میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''مجھے تب بھی معلوم تھا۔ اب بھی معلوم ہے۔ آپ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔''

وہ اس جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

''کیوں؟ کیا یہ ثبوت کمزور ہیں؟''

''نہیں۔ کیونکہ یہ ثبوت ''پرفیکٹ'' ہیں۔ یہ آپ کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جبکہ جتنی ذہین آپ ہیں.... آپ اتنے بڑے بڑے ثبوت نہیں چھوڑ سکتیں۔ آپ کے پاس تو درجنوں شناختیں تھیں۔ پھر آپ نے اپنے ہی کریڈٹ کارڈ سے کیک کیوں آرڈر کیے؟ آپ کو عصرہ کو مارنا ہوتا تو کسی اور طریقے سے بھی مار سکتی تھیں۔ ساری دنیا کے سامنے ان سے جھگڑا نہ کرتیں۔ آپ عصرہ کی قاتل نہیں ہو سکتیں۔ اور میں جانتا ہوں ان دنوں آپ مصر میں تھیں۔ آپ کو صوفیہ رحمٰن سے معافی نامہ چاہیے تھا۔ ایسے میں آپ ایک قتل کیسے پلاٹ کر سکتی ہیں؟''

بارش کی بوندیں اب کھڑکی کے شیشے پہ ٹپکتی نیچے کو لڑھک رہی تھیں۔ سبز لان دھندلا گیا تھا۔

''درست۔ دوسری چیز..... آلہ قتل؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیک کا آخری ٹکڑا جو پولیس کو ملا تھا۔ اس پہ آرسینک چھڑکی ہوئی تھی۔ آلہ قتل آپ کے کارڈ سے آرڈر ہوا تھا تو اس کا کھرا بھی آپ تک جاتا تھا۔''

''یعنی ہر چیز میرے خلاف جاتی ہے۔ لیکن میرے پاس ایلی بائی تھی۔ جس وقت کیک آنے شروع ہوئے میں مصر میں تھی۔''

''جس دن عصرہ کی ڈیتھ ہوئی' اس دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس دن آپ کا ان سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔ مسئلہ یہ ہے چے تالیہ کہ عام دنیا کی پولیس فلموں والی پولیس سے مختلف ہوتی ہے۔ عام دنیا میں جس کے کارڈ سے آلہ قتل آرڈر کیا جاتا ہے' وہی قاتل نکلتا ہے۔ ۹۹ فیصد کیسز میں ظاہری شواہد جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہی قاتل ہوتا ہے۔ پولیس ہمیشہ ظاہری شواہد کا پیچھا کرتی ہے۔''

''اور مرڈر مسٹریز کا کیا؟''

''مرڈر مسٹریز اور فلمیں صرف اس ایک فیصد کے لیے لکھی جاتی ہیں جہاں قاتل ہشیار ہوتا ہے اور اپنا سراغ مٹا لیتا ہے۔ ورنہ ۹۹ فیصد قاتل اتنے ہشیار نہیں ہوتے۔ یہاں کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ تالیہ اتنی ذہین تھی تو ثبوت کیوں چھوڑا؟ پولیس یہ سوچے گی کہ چونکہ ہم بہت ذہین ہیں' اس لیے ہم نے کیک آرڈر کرنے والے کا کارڈ نمبر حاصل کیا اور بینک سے اس کا نام معلوم کیا تو وہ تالیہ مراد نکلی۔ وہ اس کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔''

''یعنی مجھے اپنا نام کلیئر کروانے کے بجائے ملک سے فرار ہو جانا چاہیے؟ کیونکہ یہاں کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔'' وہ تلخی سے بولی۔ اس کے انداز میں واضح بے بسی تھی۔

''یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں آپ کی رپورٹ نہیں کروں گا کیونکہ آپ اس کیس میں بے قصور ہیں۔'' انہوں نے فائل

بند کی اور عینک اتار کے رکھی۔ چند لمحے کے لیے اس روشن سٹنگ روم میں خاموشی چھائی رہی۔

''وان فاتح کے یہ چھے سال کیسے گزرے؟'' اس نے کھڑکی سے باہر دھندلے لان کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھا تو احمد نظام چونکے۔

''کیا آپ ان سے رابطے میں نہیں ہیں؟''

تالیہ نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔ ''میں نے کہا نا' وقت نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ دو دفعہ وزیراعظم بن چکے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔''

''تو کیا اتنے برس آپ نے نیوز یا ان کا سوشل میڈیا کچھ نہیں دیکھا؟''

''آپ تو دیکھتے رہے ہوں گے۔ آپ بتائیں۔ جب وہ جونکر اسٹریٹ پہ زخمی حالت میں ملے تھے.... اس کے بعد..... انہوں نے کیا کیا؟'' وہ اب احمد نظام کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''انہوں نے کچھ عرصے کے لیے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ غالباً عصرہ بیگم کے انتقال کے باعث۔'' وہ یاد کر کے بتانے لگے۔ ''پھر سننے میں آیا کہ وہ دوستوں' رشتے داروں سب سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ وہ زیادہ وقت اپنے ملاکہ والے گھر میں گزارنے لگے تھے۔ میڈیا پہ آنا چھوڑ دیا۔ کوئی پاپارازی ان تک پہنچ کے تصویر اتار لاتا تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ وان فاتح بھی وجود رکھتے ہیں ورنہ نہیں۔ مجھے یاد ہے وہ کثرت سے سگریٹ نوشی کرنے لگے تھے۔ ان کی سمندر کنارے تصاویر منظر عام پہ آئی تھیں جن میں وہ بیمار چہرے کے ساتھ سگریٹ پیتے دکھائی دے رہے تھے۔ لوگ کہتے تھے وہ ڈرگز کا استعمال بھی کرنے لگے ہیں۔ دواؤں کا بھی شاید۔ لیکن کچھ عرصہ وہ بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔''

اس کی آنکھوں کی نمی آنسو بن کے بہنے لگی۔

''پھر معلوم نہیں کیا ہوا..... وہ سنبھل گئے۔ دوبارہ سے خبروں میں آنے لگے۔ صحت بھی بحال ہو گئی۔ الیکشن قریب آئے تو وہ واپس اپنی پارٹی کو سنبھالنے لگے۔ عصرہ کی موت اور وان فاتح کے اس غمگین فیز نے ان کو بہت کثیر تعداد میں ہمدردی کے ووٹ سے بھی نوازا۔ لوگوں کو ان کی آف شور کمپنی بھول گئی۔ یاد رہی تو وہ سمندر کنارے کھنچی گئی' اداس آنکھوں اور لبوں میں دبے سگریٹ والی تصویر۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ آدمی ایک بہت بڑے غم سے نکلا ہے۔ لوگوں نے اس آدمی کو اپنا غم گسار سمجھا اور اسے ووٹ دیا۔''

''تو کیا انہوں نے لوگوں کے لیے کام کیا؟''

''انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ اور بہت سے اچھے کام نہیں بھی کیے۔ میں ذاتی طور پہ کبھی بھی وان فاتح کا فین نہیں

رہا۔اپوزیشن ان سے ناخوش ہے اوران کے ووٹرز خوش ہیں۔لیکن یہ تو ہر وزیر اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔اس سے سب خوش کبھی نہیں ہوتے۔مگران کی تعلیمی پالیسیاں جواس وقت تنقید کا نشانہ بنتی تھیں' پانچ سال بعدان کا پھل لوگوں کو نظر آنے لگا۔ تبھی وہ آج دوبارہ اقتدار میں ہیں۔''

''اوران کے بچے؟''

''وہ ماں کے انتقال کے بعد امریکہ میں کچھ عرصہ رہے لیکن جب وان فاتح زندگی کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے بچوں کو بھی واپس بلالیا۔ان کے بچے اب ان کے ساتھ ہی قیام پذیر ہیں۔''

تالیہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

''فاتح اب بھی ویسے ہوں گے۔اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ضرورت کے تحت چند فقرے بولنے والے۔ڈائننگ ٹیبل پہ خاموشی سے ناشتہ کر کے' بے نیازی سے اٹھ جانے والے۔اپنے ہر عمل سے اپنے ووٹرز اور فینز کی خوشی چاہنے والے۔ اور....''اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔''خوبصورت سوشلائیٹس کو ناپسند کرنے والے اور بورنگ پریٹی ویمن کی باتوں کو نظر انداز کرنے والے....''

☆☆=========☆☆

پتراجایا ملائیشیاء کا دارالحکومت ہے۔یہ کے ایل کے پڑوس میں واقع ہے۔

وزیر اعظم ہاؤس اسی شہر میں تھا اور اسے سری پردھانہ کہتے تھے۔سری پردھانہ کسی محل سے کم نہ تھا۔عالیشان' اونچا' خوبصورت۔لیکن گزشتہ کافی عرصے سے وزرائے اعظم نے سری پردھانہ میں رہائش ترک کر رکھی تھی۔اس میں غیر ملکی حکمرانوں کی مہمان نوازی ضرور کی جاتی تھی اور وزیر اعظم اور کابینہ ممبران کے دفاتر بھی یہیں تھے' لیکن اب وزرائے اعظم یہاں رہا نہیں کرتے تھے۔

وان فاتح اور اس سے پہلے صوفیہ رحمٰن....سب نے اپنی رہائش الگ رکھی تھی کہ اب اپنے حقوق سے آگاہ Millennials اور جنریشن زی کا دور آچکا تھا جن کے لیے دکھاوے کی چیزیں بہت اہمیت رکھتی تھیں۔سری پردھانہ کو عوام کے لیے کھول دیا گیا تھا۔عید اور دوسری سرکاری چھٹیوں میں لوگ سیر و تفریح کے لیے اس محل کے ایک حصے کا دورہ کر سکتے تھے۔

وان فاتح کی اپنی رہائش گاہ پتراجایا میں واقع تھی۔وہ دومنزلہ بنگلہ تھا جس کے چاروں طرف سبزہ زار تھا۔اس کی فصیل اونچی چار دیواری کی شکل بنائی گئی تھی جہاں سیکیورٹی سخت نظر آتی تھی۔

اس صبح گیٹ سے ایک کار داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ سفید کار کی کھڑکی سے ایک نسوانی ہاتھ آئی ڈی کارڈ سیکیورٹی آفیسر کو دکھا رہا تھا۔ آفیسر نے رسماً آئی ڈی دیکھی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر ایک ڈیوائس سامنے کی تو نسوانی ہاتھ نے ایک انگلی اس پہ رکھ دی۔ ہرا سگنل بجا تو آفیسر نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اس مہمان سے واقف تھا۔ کار آگے بڑھ گئی تو افسر ہاتھ میں پکڑے آلے میں بولا۔

''مسز ہیشا تاج آ چکی ہیں۔''

کار بنگلے کے داخلی حصے کے عین سامنے آ رکی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکلی۔ اس نے لمبی اسکرٹ پہ سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ گردن میں پھولدار رومال لپیٹا تھا۔ شہد رنگ بال کندھوں تک آتے تھے۔ وہ صاف رنگت کی دراز قد اور خوبصورت عورت تھی۔ کہنی پہ بیگ اور ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ کار سے نکلتے ہوئے اس نے سن گلاسز اوپر ماتھے پہ ٹکائیں اور دروازے پہ کھڑے گارڈ کو مسکرا کے سلام کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

بنگلے کے اندر ایک خوبصورتی سے آراستہ ڈائننگ ہال تھا۔ طویل میز کی سربراہی کرسی پہ فاتح بیٹھا' چائے پی رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ سوٹ اور ٹائی کے ساتھ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ چہرہ ہمیشہ کی طرح تروتازہ تھا اور گیلے بال دائیں جانب موڑ رکھے تھے۔ فاتح کے دائیں ہاتھ اشعر کرسی کھینچ رہا تھا۔ باقی تمام کرسیاں خالی تھیں۔

''بچے کہاں ہیں؟'' اس نے خالی کرسیوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''سکندر صبح جلدی چلا گیا تھا۔ جولیانہ کا اسکول ٹرپ تھا۔ وہ شام کو واپس آئے گی۔'' فاتح موبائل دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اشعر نے جھرجھری سی لیتے ہوئے پلیٹ اپنی طرف کی۔

''آپ نے کل انٹرویو میں تھوڑی سخت باتیں کہہ دی ہیں۔ مجھے رات سے ناراض اراکین کے فون آ رہے ہیں۔''

''میں نے عرصہ ہوا لوگوں کی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔ نہ ووٹرز کی' نہ اپنے اراکین کی۔ میں پردھان منتری ہوں' اور وہ نہیں ہیں۔ ملک مجھے چلانا ہے' انہیں نہیں۔'' وہ بے نیازی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

اشعر نے شانے اچکا دیے۔ ''خیر میں نے فون آف کر دیا ہے۔ شاید چند سال بعد لوگ احساس کر لیں کہ ہم ان کے لیے کتنی جان مارتے ہیں۔''

وان فاتح نے صرف شانے اچکا دیے۔ ''نہ بھی کریں تو کیا۔''

ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ دربان نے دروازہ کھول دیا تھا اور باہر سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے چہرہ واپس نہیں جھکایا۔ وہ راہداری کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ آواز قریب آئی اور وہ بالآخر نظر آئی۔

''السلام علیکم' داتو سری۔ سلام' اشعر صاحب۔'' وہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے آ رکی۔ اس کے سیاہ جوتے اتنے چمکدار تھے کہ چھت کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ یوں رکے تھے جیسے دوبارہ چلنے کو بے تاب ہوں۔

''وعلیکم السلام' میشا۔ کیسی ہیں آپ؟'' فاتح نے مسکرا کے جواب دیا۔ اشعر نے بھی اسی کے انداز میں مسکرا کے جواب دیا۔

''میں ٹھیک ہوں' داتو سری۔'' سر کو تعظیماً جھکا کے وہ بولی اور پھر مسکرا کے مڑی۔ ''ایکسکیوز می۔''

''جولیانہ گھر پہ نہیں ہے' میشا۔''

سیاہ جوتے واپس گھومے۔ میشا کے چہرے پہ الجھن در آئی۔ ''جولیانہ نہیں ہے؟''

''نہیں۔ آج اس کا اسکول ٹرپ تھا۔ اس نے آپ کو انفارم نہیں کیا؟'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے دریافت کیا۔

''نہیں۔ حیرت ہے۔'' میشا نے فون نکالا۔ اسکرین پہ انگلی پھیری۔ پھر چونک کے سر اٹھا کے دیکھا۔ میز پہ موجود دونوں افراد اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ گئی۔

''سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کر دیا۔'' لب دانت سے کاٹتے ہوئے اس نے اسکرین دیکھی۔ پھر اس کے گال سرخ ہوئے۔ ''جولیانہ نے لیٹ نائٹ میسیج کیا تھا۔ میں نے نہیں دیکھا۔ مائی فالٹ۔''

''جولیانہ کو کال کر کے بتانا چاہیے تھا۔ غلطی اس کی ہے۔'' فاتح نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے معذرت کر کے ایڑیوں پہ الٹی گھومی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ راہداری عبور کی اور مرکزی دروازے تک آئی اور دربان کے پاس رکی۔

''اف.... دانش.... اف.... آپ نے مجھے دروازے پہ ہی کیوں نہیں بتا دیا کہ جولیانہ کو آج نہیں پڑھانا؟'' ماتھے کو چھوتی وہ خفت سے کہہ رہی تھی۔

''میں نے سوچا تھا لیکن دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔'' وہ سادگی سے مسکرا دیا۔

''یا اللہ۔ مجھے داتو سری کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ حد ہے میشا۔'' ماتھے کو پھر سے چھوا اور اسے خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

باہر کھڑے دوسرے دربان کو بھی اسی پریشان چہرے کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ اس نے بھی مسکرا کے سر کو خم دیا۔

وہ سب میشا کے عادی تھے۔ میشا کی باتوں' میشا کی عادتوں سے واقف تھے۔

''یہ جولیانہ کی ہوم ٹیوٹر میشا.... یہ اچھی عورت ہے۔ ہے نا؟'' اشعر نے پھل کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بظاہر سرسری سا کہا اور غور سے فاتح کو دیکھا۔ وہ اب چائے کے آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

''ہاں۔ بہت قابل ہے۔ دو سال سے جولیانہ کو پڑھا رہی ہے۔اس کی وجہ سے جولیانہ کا اعتماد بحال ہوا ہے۔ ورنہ تم تو جانتے ہو' اس نے چھوٹی عمر سے اسکول چھوڑ دیا تھا۔''

''ہوم اسکولنگ راس آ گئی ہماری جولیانہ کو۔ شکر ہے۔'' اشعر نے گہری سانس لی۔''وہ اسکندر جیسی نہیں تھی۔ ہر طرح کے بچوں کے ساتھ گھل مل کے نہیں پڑھ سکتی تھی۔ پھر کاکا کی موت نے بھی شاید اسے ایسا کر دیا تھا۔ مگر یہ ٹیوٹر.... یہ مجھے بہت پسند ہے۔اس کی وجہ سے گھر میں رونق لگ جاتی ہے۔''

''ہاں۔ یہ اچھی لڑکی ہے۔ سادہ اور خوش اخلاق۔ اس کی بیٹی جولیانہ کی کلاس فیلو ہے۔''

''سب اس کو مسز کہتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی اس کا شوہر نہیں دیکھا۔''

''غالباً اس کی شادی ختم ہو گئی تھی۔ جولیانہ نے بتایا تھا۔ تم اتنے متجسس کیوں ہو؟'' فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔''کیا دوسری شادی کا ارادہ ہے؟''

اشعر نے ابرو اکٹھے کر لیے۔''کیا میں ایک تجربہ کر کے بھگت نہیں رہا۔ میری ایکس وائف میرے بیٹے سے مجھے ملنے تک نہیں دیتی۔ وزنگ آور زمائی فٹ۔'' اس نے نیپکن گول مول کر کے پرے پھینکا۔''کل اسکی سالگرہ ہے۔ جانتے ہیں کتنی مشکل سے ہم دونوں نے ایک میز پہ اکٹھے بیٹھ کے پارٹی پلانرز کے ساتھ کام کیا ہے؟''

''ریلیکس۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا بیٹا بڑا ہو گا تو اس سے ملنا آسان ہو جائے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کے کھڑا ہوا اور کوٹ کا بٹن بند کیا تو اشعر بھی ساتھ ہی اٹھا اور گہری سانس لے کر سنجیدگی سے فاتح کو دیکھا۔

''میں آپ کے لیے کہہ رہا تھا' آبنگ۔ اب تو آپ کے بچے بھی بڑے ہو چکے ہیں۔ آپ کو کسی نہ کسی عورت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''یہ طے ہے کہ ہر دوسرے تیسرے ماہ بعد تم اس ٹاپک کو ضرور چھیڑو گے۔'' وہ مسکرا کے بولا تو اشعر بھی مسکرا دیا۔

''آبنگ۔ ہم نے اتنے برسوں سے ایک ساتھ کتنے کٹھن دریا عبور کیے ہیں۔ اب ہم ہموار زمین پہ آ چکے ہیں۔ آپ کو اب ایک بیوی کی ضرورت ہے۔ کب تک کام میں خود کو مصروف رکھیں گے۔'' پھر اشعر نے راہداری کی طرف دیکھا جہاں سے وہ گئی تھی۔''اگر کوئی سادہ' نیچرل اور اچھی سی عورت ملے تو اس کے بارے میں سوچئے گا ضرور۔'' اس نے خلوص سے کہا تھا۔ فاتح نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

''میں سوچوں گا۔'' اس کے چہرے پہ کوئی سایہ' کوئی یاد' کچھ نہ تھا۔ وہ بالکل مطمئن اور اپنی زندگی سے قانع لگتا تھا۔ اشعر کے لیے اس کی یقین دہانی نئی تھی۔ وہ مسکرا دیا اور پھر دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لاؤنج عبور کرتے ہوئے فاتح نے کھڑکی کے باہر بھیگتے منظر نامے کو دیکھا اور سوچا..... آج پترا جایا میں ہر دوسرے روز کی طرح بارش شروع ہو چکی تھی۔ اور یقیناً کے ایل میں بھی۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام کے مہمان خانے کی کھڑکی سے نظر آتا سبزہ زار ہنوز بارش میں بھیگ رہا تھا۔ پانی نے کھڑکی کے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ وہ ابھی تک باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔

''کیا انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی؟ یا ان کی زندگی میں کوئی اور عورت نہیں آئی؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''نہیں۔ اشعر کی بیوی واحد عورت تھی جو فیملی فوٹوز میں نظر آنے لگی تھی لیکن اشعر اور اس کی علیحدگی کے بعد وہ بھی منظر سے ہٹ گئی۔ وان فاتح اپنے بچوں اور اشعر کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔'' انہوں نے موبائل نکال کے چند بٹن دبائے پھر اسکرین کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ جھک کے دیکھنے لگی۔ فاتح کے کسی فین پیج کی تصاویر سامنے کھلی تھیں۔ یہ پچھلے برس کی تھیں۔ جولیانہ کی سالگرہ کا کیک کاٹا جا رہا تھا۔ فاتح، سکندر اور اشعر کے علاوہ وہاں صرف کم عمر لڑکیاں تھیں جو یقیناً جولیانہ کی سہیلیاں تھیں۔

البتہ ایک عورت ان سب میں نمایاں تھی۔ اس نے سر پہ ترچھا ہیٹ پہن رکھا تھا اور مسکرا کے تالی بجا رہی تھی۔

''یہ عورت کون ہے؟'' اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا تو احمد نظام نے موبائل اپنی طرف موڑا۔

''میشا تاج۔ یہ جولیانہ فاتح کی ہوم ٹیوٹر ہے۔ چند سالوں سے ان کی فیملی کا حصہ ہے۔ اس کو دو چار دفعہ میں نے ان کی فیملی فوٹوز میں ہی دیکھا ہے۔''

تالیہ پتلیاں سکوڑے غور سے اس عورت کا خوبصورت چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال بہت خوبصورتی سے اسٹائل کیے گئے تھے۔ کندھوں تک آتے شہد رنگ کے بال... کانوں میں ننھے ہیرے.... سفید اسکرٹ کے اوپر نیلا منی کوٹ.... اور مسکراتے ہوئے گال میں پڑنے والا معصوم سا ڈمپل.....

''یہ کیا کرتی ہے؟ ٹیوٹر ہونے کے علاوہ؟'' پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ ''ایک منٹ.... یہ آرٹسٹ ہے نا؟''

''اس کی لنکڈ ان پروفائل چیک کر لیں۔'' کہنے کے ساتھ انہوں نے موبائل پہ چند بٹن دبائے۔ پھر پڑھ کے بتانے لگے۔ ''جی۔ یہ ایک آرٹسٹ ہے۔ پینٹ بھی کرتی ہے اور فوٹوگرافی بھی۔ اس کی ایک دو نمائشیں بھی ہو چکی ہیں۔ کیا آپ اسے جانتی ہیں؟''

''ہوں۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔ معروف سوشلائیٹ۔ آرٹسٹ۔ خوش اخلاق۔ ذہین۔ غیر شادی شدہ۔'' پھر رکی

اور جیسے تصحیح کی۔ ''نہیں۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ بلکہ علیحدگی بھی ہو چکی ہے۔''

''اگر آپ اس کو جانتی ہیں تو اس کے توسط سے وان فاتح سے ملاقات کر سکتی ہیں۔''

''میرا خیال تھا آپ بھی اس کو جانتے ہوں گے۔'' وہ جیسے حیران ہوئی تھی۔

''نہیں۔ میں نے اس کو سوشل میڈیا پہ ہی تھوڑا بہت دیکھا ہے۔ میں اسے کیسے جانوں گا؟ میں ٹھہرا مڈل کلاس آدمی اور یہ خاتون ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔'' وہ اس کی حیرت پہ حیران ہوئے تھے۔ ''لیکن آپ چھے سال کے لیے اس ملک سے دور تھیں۔ آپ ان کو چھے سال پہلے سے جانتی ہیں کیا؟'' وہ متجسس ہوئے۔

''ایڈم کیسا ہے؟ ایڈم بن محمد؟'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔

''وہ اینکر؟''

''جی۔ وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی تو احمد نظام چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ان کی نظروں میں کچھ تھا جو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''ایڈم کے بارے میں کیا جانتے ہیں آپ؟''

''آپ نے پھر کبھی اس سے رابطے کی کوشش نہیں کی؟''

''نہیں۔ کیوں؟''

''میں اس سے عصرہ محمود کی موت کے بعد ایک دو دفعہ ملا تھا جب میں اپنے تئیں اس کیس کی تحقیق کر رہا تھا۔ اور تب ہی مجھے معلوم ہوا تھا اس کے حادثے کا۔''

''کیسا حادثہ؟'' وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''جب وان فاتح زخمی حالت میں ملے تھے جونکر اسٹریٹ پہ.... اس کے آس پاس کی بات ہے.... ایڈم ملاکہ کے ایک ہسپتال میں داخل رہا تھا۔ کچھ لوگ اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے کر آئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نہیں جانتا وہ جونکر اسٹریٹ تک کیسے پہنچا۔ اس کی یادداشت متاثر ہوئی تھی۔''

''یادداشت؟'' وہ پلک جھپکنا تک بھول گئی۔ اس کا سانس رک گیا۔

''جی۔ اس کو پچھلے چند ماہ کے واقعات بھول چکے تھے۔ کوئی ذہنی صدمہ تھا یا گیا۔ اس کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک سیلیبریٹی رپورٹر بن چکا ہے۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ وہ وان فاتح کے گھر باڈی مین بن کے گیا تھا۔ اس کے بعد کے تمام واقعات ذہن سے محو ہو چکے تھے۔ عجیب بات ہے۔''

''اسے....اسے سب بھول گیا تھا؟'' وہ ٹکر ٹکر ان کو دیکھ رہی تھی۔

''اس نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا۔ ہانگ کانگ پیپرز اس کو کیسے ملے اسے یہ تک معلوم نہ تھا۔ میں اس سے آپ کے سلسلے میں ملا تھا۔ پولیس نے بھی بار بار اس سے آپ کے لیے رابطہ کیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ کسی تالیہ مراد کو نہیں جانتا۔ البتہ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ تالیہ مراد کون تھی جس کے بارے میں ہر کوئی اس سے سوال کرتا تھا۔ وہ کافی عرصے تک تھیراپی کرواتا رہا تھا۔ پھر بالآخر وہ تندرست ہوا اور واپس رپورٹنگ کی طرف آ گیا۔''

''کیا اس کی یادداشت واپس آئی؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' نہیں آئی۔ جب وہ واپس رپورٹنگ کی طرف آیا تو بہت ڈسٹرب لگتا تھا۔ وہ کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔ ہانگ کانگ پیپرز کی شہرت' کامیابی' دو کتابوں کی تصنیف سب ختم ہو گئی۔ اس زمانے میں اس نے کئی انٹرویوز میں یہ بات کہی تھی۔ وہ ایک رات باڈی مین تھا اور اگلی صبح وہ جاگا تو لوگوں نے کہا وہ رپورٹر ہے۔ لیکن چونکہ ذہین لڑکا تھا۔ کام اور ماحول کے ساتھ ایڈاپٹ کر گیا اور آج دیکھو وہ کہاں پہنچ گیا ہے۔''

وہ گم صم سی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ''ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔ اداکاری کر رہا ہو۔''

''جب اس نے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو میں نے بھی یہی سمجھا۔ پولیس نے بھی یہی سمجھا۔ لیکن ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے کئی ٹیسٹ ہوئے تھے۔ پولیس کا خیال تھا کہ شاید یہ آپ کے کیس سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔''

''نہیں۔ وہ مذاق کر رہا ہوگا۔'' وہ زرد پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ وہ....وہ تمام دن....نہیں بھول سکتا۔''

احمد نظام نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''یا شاید آپ یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا ہے اور لوگ بھی۔''

تالیہ نے کنپٹی کو انگلی سے مسلتے ہوئے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔ ساتھ ہی مسلسل نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔

''میں نے کہا نا....وہ اداکاری کر رہا ہوگا۔ وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ نہ وہ بدل سکتا ہے۔'' اس کی نظریں باہر اگے گھاس پہ جمی تھیں۔ ''وہ اب بھی ویسا ہی ہوگا۔ کتابیں پڑھنے والا۔ کتابیں اس کی بہترین دوست ہوں گی۔ وہ ان میں پناہ ڈھونڈتا ہوگا۔ ان سے سارے مسئلوں کے حل مانگتا ہوگا....وہ اب بھی ویسا ہی ہوگا....''

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد کا اپارٹمنٹ ایک شیشوں سے ڈھکی طویل قامت عمارت کی بالائی منزلوں میں سے ایک میں تھا۔ لاؤنج کی شیشے

کی دیوار سے دور تک شہر صاف دکھائی دیتا تھا۔ اسٹڈی روم میں اس کی کرسی کے پیچھے بھی شیشے کی دیوار تھی۔ کرسی پہ ایڈم بیٹھا تھا اور کی بورڈ کو دیکھے بغیر اسکرین پہ نگاہیں مرکوز کیے ٹائپ کر رہا تھا۔

ایڈم کے دائیں بائیں دونوں اطراف میں کتابوں کے ریکس رکھے تھے۔ کچھ ریکس اونچے تھے۔ کچھ نیچے تھے۔ کچھ سیڑھیوں کی مانند ایک طرف سے چھوٹے ایک طرف سے اونچے تھے۔ اس ڈیزائن کے باعث اسٹڈی کے وسط میں کھڑے ہو کے تمام ریکس نظر آتے تھے۔

سامنے کاؤچ رکھے تھے جن پہ مہمان بیٹھ سکتے تھے۔ وہیں دروازہ بھی تھا۔ وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دروازے کو دیکھ لیتا پھر واپس کام کرنے لگ جاتا۔ سیاہ ہائی نیک شرٹ پہنے' ماتھے پہ بال بکھیرے' ہلکی بڑھی شیو والا ایڈم بن محمد پہلے سے زیادہ پرکشش ہو چکا تھا۔

''باس۔'' دروازہ کھلا اور ایک چینی نقوش کی حامل لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کا قد درمیانے سے ذرا چھوٹا تھا اور بالوں کا بوائے کٹ تھا۔ کانوں میں گول سلور بالیاں تھیں۔ اس نے ٹھک ٹھک دروازہ کھٹکھٹایا' مسکرائی اور بیک وقت بہت سی چیزیں سنبھالتی تیزی سے اندر آئی۔

''فلائیٹ کیسی رہی تمہاری' صوفی؟'' وہ ٹائپ کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا۔ لڑکی افسوس سے سر جھٹکتی آگے آئی اور جلدی سے کپ اس کے سامنے رکھا۔

''آپ کی آئسڈ امیریکانو۔'' اس نے لمبا سا کپ ایڈم کے سامنے رکھا جس پہ سیاہ قلم سے ''رائٹر'' لکھا تھا۔

''تھینک یو۔ اور کیسے تھے افریقہ کے جنگلات جہاں سے تم کافی لانے گئی تھیں۔''

''اگر آپ مجھے ایک ساتھ بہت سے کام نہ تھمایا کریں تو مجھے اتنی دیر نہ لگا کرے۔'' بوائے کٹ والی لڑکی اس کے طنز کو نظر انداز کر کے تحمل سے بولی۔ ''یہ رہے آپ کے پرنٹ آؤٹس۔ یہ آپ کا ریسرچ ڈیٹا۔ یہ نئے وزیٹنگ کارڈز کا سیمپل''۔ اس نے باری باری کاغذوں کے چند پلندے سامنے رکھے۔ اب بغل میں صرف ایک پھولا ہوا پیکٹ دبا رکھا تھا۔ پھر سیدھی ہوئی اور گہری سانس لی۔ ''آپ کو آفس جانے سے پہلے کچھ اور چاہیے؟''

ایڈم نے ٹائپنگ روک کے چھت کو دیکھا۔ ''دو تین چیزیں چاہیے ہیں لیکن سوچ رہا ہوں کہ وہ قریبی ممالک سے مل سکیں گی یا نہیں۔'' اور پھر آنکھیں گھما کے ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی اور واپس ٹائپ کرنے لگ گیا۔

''گڈ۔ اگر ملائیشیا سے کچھ نہیں لانا تو مجھے آج آف دے دیں۔''

ایڈم نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا تو اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔ ''باس آج میری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے۔

میں آپ کے ساتھ آفس نہیں جا سکوں گی۔"

"کون اتنی صبح برتھ ڈے مناتا ہے؟"

"اور آپ اتنی صبح کب سے آفس جانے لگے؟ دوپہر میں ہی جائیں گے۔ اتنا فاصلہ ہے ریستوران تک۔ اور مجھے لنچ پہ پہنچنا ہے وہاں۔"

ایڈم نے افسوس سے سر جھٹکا اور واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ہر ہفتے کسی نہ کسی بہانے سے چھٹی لے ہی لیتی ہو۔"

"میرے نہ ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کو بار بار چائے کافی نہیں ملے گی۔ اور آپ لکھ نہیں سکیں گے۔ تو خیر ہے۔ ویسے ہی آپ رائٹرز بلاک کی وجہ سے کتنے ہی ہفتے سے نہیں لکھ رہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے بک ریک کی طرف بڑھ گئی تو ایڈم بن محمد نے تلملا کے اسے دیکھا۔

"رائٹرز بلاک کے بارے میں ایک لفظ نہیں' صوفی۔ جس کو لکھنا نہیں آتا وہ اس بارے میں کوئی رائے نہ دے تو اچھا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے آپ کتنے دنوں سے نئی کتاب نہیں لکھ رہے۔ بس یہ چھوٹے موٹے آرٹیکلز لکھتے رہتے ہیں۔ مگر خیر.... چھپا لیں۔ بے شک چھپا لیں۔" ریک کے ساتھ کھڑی صوفی اس کی طرف پشت کیے پیکٹ کھولنے لگی۔

"آپ نے جو کتابیں آرڈر کی تھیں' وہ آ گئی ہیں۔" ریپر اتارتے ہوئے اطلاع دی۔

"میں نے کی تھیں؟" وہ ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔

"یعنی کہ میں نے آپ کے امیزون اکاؤنٹ سے کی تھیں آرڈر' باس۔ یہ اس سال کی مین بکرز پرائز کی شارٹ لسٹ کردہ پانچ کتابیں ہیں۔ اور بطور رائٹر آپ کے لیے مہینے میں دس نئی کتابیں پڑھنا ضروری ہے۔" اس نے ریپر ڈسٹ بن میں اچھالا اور نئی نکور پانچ دبلی پتلی کتابیں الٹ پلٹ کے دیکھیں۔ پھر ناک کے قریب لے جا کے آنکھیں بند کیے انہیں سونگھا۔

نئی کتاب کی مہک اندر تک روح کو سرشار کر گئی۔

"اچھا۔ رکھ دو۔ تھینکس۔" وہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"رکھ دوں گی۔ ہر ہفتے ان کی ڈسٹنگ بھی کر دوں گی۔ لیکن نہ کبھی یہ جگہ سے ہلیں گی۔ نہ ان کے کونے مڑیں گے۔ جب کتاب کا مالک کتاب کو پڑھے ہی نہ تو یہ سب کیسے ہوگا۔" ان کو ریک میں سجاتے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔

"اب تک مجھے تمہاری تقریریں یاد ہو چکی ہیں جو تم نیا بک آرڈر موصول ہونے پہ کرتی ہو صوفی۔"

صوفی نے ٹھک سے کتابیں اندر گھسائیں اور اس کی طرف گھومی۔ اس کی بالیاں بھی ساتھ ہی گھومیں۔

''کتابیں پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں' باس۔ اتنی بڑی لائبریری میں سجا کے انٹرویوز پہ دکھاوے کے لیے نہیں۔''

''میں کیا کروں' صوفی۔ مجھے وقت نہیں ملتا۔'' اس نے لکھتے ہوئے شانے اچکائے۔

''مگر آپ کو سوشل میڈیا اسکرول کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ آپ کو ویڈیو گیمز کھیلنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ باربی کیو کرنے اور پارٹیز اٹینڈ کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ ٹھیک۔ ٹھیک۔''

''لے لو بھئی تم چھٹی۔ جاؤ پلیز۔ مجھے کام کرنے دو۔'' وہ ناک سکوڑ کے بولا اور سر جھٹک کے تیز تیز ٹائپ کرنے لگا۔

''جا رہی ہوں۔ لیکن ویک اینڈ پہ ان کو پڑھیے گا ضرور۔ رات میں سونے سے پہلے بے شک ایک صفحہ....''

''تمہیں اگلے دو دن کی چھٹی بھی چاہیے؟'' نظریں اٹھا کے گھورا۔ اسی وقت صوفی کا فون بجنے لگا۔

''جا رہی ہوں۔'' بوائے کٹ والی اسسٹنٹ سر جھٹک کے باہر نکل گئی۔ اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور مسکرا کے دوبارہ سے لکھنے لگ گیا۔

کتابیں خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہیں۔

☆☆=========☆☆

وہ اب بھی باہر لان کے نم گھاس کو دیکھ رہی تھی۔ یا شاید آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ بارش تھم چکی تھی لیکن تاریک بادل ہنوز چھائے تھے۔

''ایڈم.... وہ اب بھی ویسا ہوگا۔ شاید۔'' چند ثانیے خاموشی سے بیت گئے۔ پھر اس نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔

''کیا میں کسی طرح وان فاتح سے مل سکتی ہوں؟ کیا آپ کوشش کر سکتے ہیں؟''

سامنے بیٹھے احمد نظام نے کندھے ہلکے سے اچکائے۔ ''پردھان منتری سے ملنا اس ملک میں سب سے مشکل کام ہے۔ اپائنٹمنٹ کے لیے مہینوں کا پراسیس ہے اور پھر درخواست ریجیکٹ ہو جاتی ہے۔ پی ایم کے گرد سیکیورٹی اور پروٹوکول کی بہت سی دیواریں ہیں جن کو پھلانگنا میرے قد سے اوپر کی بات ہے۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن کیا آپ مجھے ایڈم بن محمد سے ملوا سکتے ہیں۔''

''وہ بھی ایک سیلیبریٹی ہے۔ عام جگہوں پہ نہیں جاتا۔ کافی شاپس' ریستورانوں تک میں اسے ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ لیکن میں اس سے اپائنٹمنٹ لینے کی کوشش کر سکتا ہوں کیونکہ میں اس کی سیکرٹری کو جانتا ہوں۔ وہ میری بھانجی کے ساتھ پڑھتی تھی۔'' انہوں نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔ ''امید ہے وہ میرا فون اٹھا لے گی۔''

''واؤ۔اب مجھے ایڈم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ لینی پڑے گی۔''اس نے دل میں سوچا لیکن بولی کچھ نہیں۔منتظر نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''صوفی....کیسی ہیں آپ؟میں احمد نظام بات کر رہا ہوں۔''

''میں ٹھیک ہوں۔جی میں نے آپ کا نمبر پہچان لیا تھا۔''اسپیکر آن تھا اس لیے وہ سن سکتی تھی۔

''صوفی...مجھے ایڈم بن محمد سے ملنے کا وقت چاہیے۔دراصل....''انہوں نے تالیہ کو دیکھا جو سانس روکے بیٹھی تھی۔''ان سے کہہ دیں کہ تالیہ مراد ان سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''اوہو۔میں تو ابھی ان کے گھر سے نکل رہی ہوں۔ایک منٹ۔میں واپس جاتی ہوں۔''گہری سانس لے کر بولی۔''صرف آپ کے لیے۔یاد رکھیے گا۔اور تالیہ مراد کون ہیں؟''

''وہ پہچان جائیں گے۔میں ہولڈ پہ ہوں۔بہت شکریہ۔''انہوں نے حوصلہ افزا مسکراہٹ سے تالیہ کو دیکھا لیکن وہ بالکل دم سادھے بیٹھی رہی۔

تھوڑی دیر بعد صوفی کی ہانپتی ہوئی آواز اسپیکر میں گونجی۔''وہ پوچھ رہے ہیں کہ عصرہ محمود کے قتل کیس والی تالیہ مراد؟''

تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا۔کیا اب یہی تعارف رہ گیا تھا دونوں کے درمیان؟

''جی وہی۔''

''اوکے اور ان کو کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

تالیہ بالکل چپ بیٹھی رہی۔اس کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔پھر اس نے فون ان کے ہاتھ سے لیا۔

''دیکھیے مس صوفی....میرا کیس نئے سرے سے کھلنے جا رہا ہے۔میڈیا اس کو کور کرے گا۔لیکن میں اپنی اسٹوری صرف ایڈم بن محمد کو بتانا چاہتی ہوں۔Exclusive scoop۔پی ایم کی بیوی کا قتل کیس ہے یہ۔آپ سوچ لیں۔اگر آپ کے باس میری کہانی لکھنا چاہیں تو مجھے ملاقات کا وقت دے دیں ورنہ میں کسی اور سے رابطہ کر لوں گی۔''

''اوکے ویٹ ویٹ۔''وہ خالصتاً کسی اینکر کی سیکرٹری کی طرح جلدی سے بولی۔پھر خاموشی چھا گئی۔غالباً وہ فون میوٹ کیے پیچھے اپنے باس سے بات کر رہی تھی۔پھر اس کی آواز گونجی۔

''آج تو ایڈم صاحب مصروف ہیں۔لیکن کل شام میں ہم مل سکتے ہیں۔میں جگہ آپ کو ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔لیکن مجھے گارنٹی چاہیے کہ تالیہ مراد سب سے پہلے ہمیں انٹرویو دیں گی۔کہیں ایسا نہ ہو کہ.....''صوفی کے ساتھ معاملات طے کرنے میں چند منٹ لگے۔فون بند ہوا تو وہ پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔اسے جیسے چپ لگ گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتا۔ اگر وہ اداکاری کر رہا ہوتا تو کہتا' کون تالیہ مراد۔ لیکن اس کو یاد تھا کہ اس کی یادداشت کھونے کے بعد اس سے آپ کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔ اس لیے اس نے اتنا کہا جتنا اس کو یاد تھا۔''

''یعنی اب میری پہچان صرف عصرہ محمود کی قاتل کی حیثیت سے کروائی جائے گی۔ واہ۔'' وہ طنز سے کہتی اٹھی۔ ''وہ قتل جس کے لیے میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔''

اور پھر وہ اپنے الفاظ پہ خود ہی چونکی۔

''آپ نے کہا تین چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ ثبوت۔ آلہ قتل۔ اور motive (قتل کا سبب)۔ ثبوت اور آلہ قتل پولیس کے پاس ہیں لیکن ''وجہ'' کوئی نہیں ثابت کر سکا۔ میں آخر عصرہ محمود کا قتل کیوں کروں گی؟''

احمد نظام نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ تیزی سے بولی۔ ''عصرہ کو مار کے میں پارٹی کی چیئر پرسن نہیں بن سکتی تھی۔ نہ ہی میرے عصرہ اور فاتح کے درمیان کوئی لوٹرائینگل تھی۔''

''تالیہ.... آپ....'' لیکن وہ سنے بغیر بولتے ہوئے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

''اگر لوٹرائینگل ہوتی تو عصرہ مجھے مارتیں۔ نہ کہ میں عصرہ کو۔ اور کون سا عصرہ کو مار کے ان کی جائیداد میں سے مجھے کچھ مل جانا تھا۔ پھر میں کیوں ماروں گی انہیں؟'' اس نے بیگ اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا آپ کو عصرہ محمود کی وصیت کے بارے میں نہیں معلوم؟'' احمد نظام نے تعجب سے اس لڑکی کو دیکھا جو کندھے پہ بیگ اٹھائے ڈرائینگ روم کے وسط میں کھڑی تھی۔ وصیت کے ذکر پہ اس کی آنکھیں پھیلیں۔

''کیسی وصیت؟'' وہ دھپ سے صوفے کے اس کونے پہ بیٹھی جو ان کے قریب ترین تھا اور بے یقینی سے پوچھا۔

''میرے ہوتے ہوئے کسی وصیت کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔''

''لیکن آپ نے آن لائن یا اخبارات میں کہیں تو پڑھا ہوگا کہ....''

''سمجھیں میں مر گئی تھی چھے سال کے لیے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا تھا۔ ٹھیک؟ اب بتائیں.... کون سی وصیت؟ کیسی وصیت؟''

اس کے پریشان چہرے کے دونوں اطراف میں سیاہ لٹیں گر رہی تھیں۔ وہ ان کو کان کے پیچھے اڑسنا بھی بھول گئی تھی۔

''واؤ۔ خیر آپ کو یاد ہوگا کہ اپنی موت والے دن عصرہ محمود نے دولت صاحب کو گھر بلایا تھا جب آپ ان سے جھگڑا کر کے گئی تھیں؟'' انہوں نے عینک ناک پہ پیچھے دھکیلتے ہوئے باکس سے ایک کاغذ نکال کے سامنے رکھا۔ ''دولت امان نے پولیس کو بتایا تھا کہ....''

''کیا وہ وصیت لکھوانا چاہتی تھیں؟''

''نہیں۔ وصیت وہ اس واقعے سے دس دن پہلے لکھوا چکی تھیں۔ وان فاتح اور دولت امان کو انہوں نے ایگزیکیوشنر مقرر کیا تھا۔ دولت امان کے مطابق' وہ آخری روز وصیت میں تبدیلی کروانا چاہتی تھیں۔''

''نو....نو....'' وہ کانوں پہ ہاتھ رکھنا چاہتی تھی لیکن ہاتھ گود میں دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ''پلیز یہ مت کہیے گا کہ عصرہ نے میرے نام وصیت میں کچھ لکھ دیا تھا جو ان کے مرنے پہ میرا ہو سکتا تھا۔'' وہ جانتی تھی اس بات کا کیا مطلب تھا۔ قتل کا اس سے بہتر سبب عصرہ تالیہ کے اوپر نہیں ڈال سکتی تھی۔ اوہ نو۔

احمد نظام نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ اپنی آرٹ کلیکشن سے کچھ نوادرات آپ کے نام چھوڑ گئی تھیں۔ ان کی موت کے چند دن بعد ان کی وصیت کھول کے سنائی گئی تھی۔ وہ نوادرات اسی وقت آپ کے نام کر دیے گئے تھے اور وصیت پہ عمل درآمد مکمل کر دیا گیا تھا۔ یہ کام وان فاتح نے کروایا تھا کیونکہ عصرہ ان کو ایگزیکیوشنر بنا کے گئی تھیں۔ وہ اس وصیت سے ناواقف تھے لیکن اپنا فرض انہوں نے پورا کیا۔''

''یعنی عصرہ اس بات کا انتظام کر گئی تھیں کہ پولیس کو میرے خلاف قتل کا سبب بھی مل جائے گا۔'' اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور آنکھیں موند لیں۔

''عصرہ بیگم کی وصیت آپ کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہے۔ لوگ ایک پینٹنگ کے لیے قتل کر دیتے ہیں یہاں تو وہ سات آٹھ نوادرات آپ کے لیے چھوڑ گئی تھیں۔ لیکن انہوں نے آخری دن دولت امان سے کہا تھا کہ انہیں شک ہے تالیہ ان کو مروانا چاہتی ہے اس لیے وہ اگلی صبح جا کے وصیت میں تبدیلی کروائیں گی۔ دولت نے کہا تھا کہ وہ پیپرز تیار کروا دے گا۔ لیکن جب وہ گھر پہنچا تو دیر ہو چکی تھی۔ ان کی وصیت ان کے جنازے اور سوگ کے ایام گزر جانے کے بعد مورخہ تیئیس جنوری ۲۰۱۷ کو نوٹری پبلک میں پڑھ کے سنائی گئی تھی۔'' وہ ایک کاغذ سے پڑھ کے بتا رہے تھے۔

(پہلا ورکنگ ڈے۔ پہلا سوموار۔ اور وہ اتوار کو غائب ہوئی تھی۔ اور وہ اسی ایک اتوار میں کھو گئی تھی۔)

''وصیت منظر عام پہ آنے کے بعد میرے خلاف کیس مزید مضبوط ہو گیا ہو گا۔'' اس نے زرد چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''بالکل۔ اور دولت امان کا یہ بیان کہ عصرہ وصیت کو بدلوانا چاہتی تھیں کیونکہ ان کی دوست ویسی نہ تھی جیسا وہ اس کو سمجھتی تھیں آپ کا سارا کیس خراب کرنے کے لیے کافی تھا۔''

''اور وہ وصیت؟ اس کا کیا ہوا؟''

''اشعر محمود نے ان نوادرات کے لیے اخبار میں اشتہار دیا۔ اور ایسے حربے آزمائے جن کے ذریعے نوادرات کو مہنگا بنا کے

پیش کیا گیا تا کہ آپ ان کے لالچ میں واپس آجائیں۔ حالانکہ وہ نواردات کسی خاص قدر و قیمت کے حامل نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ دو چار لاکھ میں بک جاتے۔ اور بس۔ جب آپ کو ان کا لالچ واپس نہ لا سکا تو وہ اشعر نے کسی میوزیم میں عارضی طور پہ رکھوا دیے۔"

"میں ان نواردات کا کیا کروں گی؟"

"وہ آپ کو کبھی مل بھی نہیں سکتے' چے تالیہ۔ کیونکہ اشعر محمود کو معلوم تھا عصرہ کی وصیت اس وقت بے کار ہو جائے گی جب وہ کورٹ میں اپیل دائر کر کے کہے گا کہ یہ وصیت عصرہ سے زبردستی لکھوائی گئی تھی۔"

"اور میرے اوپر قتل کا الزام دیکھتے ہوئے کورٹ ایک پیشی میں اشعر کے حق میں فیصلہ دے دے گا اور وہ بے کار نواردات مجھے کبھی نہیں ملیں گے۔ عصرہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ مجھے نہ ملیں۔ انہوں نے جان بوجھ کے دولت کو ایسا بیان لکھوایا جو وصیت کو مشکوک بنا دے۔"

"آپ مسلسل مسز عصرہ کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ حالانکہ وہ مقتولہ ہیں۔"

"آپ نہیں یقین کریں گے۔ کوئی بھی نہیں کرے گا۔" اس نے سر جھٹکا۔ "یقیناً اب تک اشعر اس وصیت کو منسوخ کرا چکا ہو گا۔"

"بالکل۔ اس نے ایسا ہی کیا ہو گا۔"

"واؤ۔ میں ان چند نواردات کے لیے عصرہ محمود کا قتل کروں گی جن میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور جو کسی میوزیم میں سجے پڑے ہیں؟ واؤ۔" وہ بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی تو اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور غصہ نظر آ رہا تھا۔

"اس وصیت کے ہوتے ہوئے میں اپنی بے گناہی کبھی ثابت نہیں کر سکتی۔ مجھے اس ملک سے دور چلے جانا چاہیے۔ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

وہ اسے خاموشی سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوئے تو تالیہ نے گویا چڑ کے پوچھا۔ ان کی نظروں میں کچھ تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں' کہیں آپ نے واقعی یہ قتل تو نہیں کیا؟ کیونکہ چھے سال بعد آپ منظر عام پہ آئی ہیں۔ چھے سال ایک مشکوک عرصہ ہوتا ہے' چے تالیہ۔"

"کیوں؟ کیا ہو جاتا ہے چھے سال میں؟ کیا قتل کے الزامات مٹ جاتے ہیں؟ کیا پولیس کیس بند ہو جاتے ہیں؟ کیا چھے سال کسی کو بھلا دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟ کیا چھے سالوں میں کسی کو unlove کیا جا سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں بدلتا چھے سال میں۔ وقت نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔" تلخی سے کہہ کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ایک بات۔'' ان کی آواز پہ وہ بادل نخواستہ رکی۔

☆☆=========☆☆

اب آسمان صاف ہو چکا تھا۔ بارش رکے بیس منٹ ہوئے تھے لیکن سورج جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور احمد نظام کا لان چمکیلی دھوپ سے منور ہو گیا تھا۔

وہ لان کے دہانے پہ احمد نظام کے ساتھ کھڑی ان کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ اس نے ہڈ سر پہ لے رکھی تھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

''کیا آپ میرا کیس لیں گے؟'' اس نے انہیں امید سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اتنا ہائی پروفائل کیس میں ضرور لوں گا' چے تالیہ۔ میں نے آپ کو پچھلے دو گھنٹے یہ فیصلہ کر کے ہی دیے تھے۔''

وہ مسکرا دی۔ ''میں اور آپ مل کے کورٹ میں میری بے گناہی ثابت کریں گے۔ کیونکہ وقت کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا اور میرے ساتھ وقت بہت مہربان رہا ہے۔''

''کچھ دیر پہلے آپ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔''

تالیہ نے مسکرا کے روشنی سے منور لان کو دیکھا۔ ''سمجھیں ایک لمحے میں میرا دل بدل گیا ہے۔''

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیے۔ ''اب آپ کہاں جائیں گی؟''

''پارلیمان ہاؤس۔ وہاں پردھان منتری اپنے منسٹرز کے ساتھ آج اجلاس میں شرکت کرنے آئیں گے۔ میں نے صبح نیوز میں دیکھا تھا۔''

''اتنے رش میں وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں پائیں گے۔ لیکن اگر کسی اور نے دیکھ لیا تو آپ گرفتار ہو سکتی ہیں۔''

''تو آپ ہیں نا میرے وکیل۔ میری ضمانت کے کاغذات تیار رکھیے گا۔'' معنی خیز نظروں سے ان کو دیکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

پارلیمان کی عمارت میں کافی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ یا شاید وقت بدل گیا تھا۔ یہی لفٹ تھی' یہی در و دیوار تھے جہاں وہ وان فاتح کی کافی پکڑے اس کے پیچھے تیز تیز چلا کرتی تھی۔ فاتح' تالیہ' باڈی مین' گارڈ' سب ایک ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے تھے۔ ایک ساتھ نکلتے تھے۔ راستے میں وہ ان کو مختلف کاموں سے آگاہ کرتی جاتی تھی۔

مگر تب فاتح کے اردگرد اتنا رش نہیں ہوتا تھا جتنا آج تھا۔ لفٹ کے دروازوں کے سامنے ہجوم اکٹھا تھا۔ صحافی' کیمرہ مین'

سیکیورٹی کا عملہ.... سب تیار بیٹھے تھے کہ ادھر پردھان منتری لفٹ سے نکلیں' اور ادھر وہ ان پہ ٹوٹ پڑیں۔

وہ کاریڈور کے دوسرے سرے پہ کھڑی تھی۔ سر پہ ہڈ ڈالے' سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے لفٹ کے بند دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلے گا' راہداری پار کرے گا' اور سامنے والے دروازوں کے پار گم ہو جائے گا۔ ایک راہداری پار کرنے میں اسے چھ سیکنڈ لگنے تھے۔ تالیہ کو چھ سال لگے تھے۔ لیکن وقت وقت کی بات تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ اندر سے وان فاتح چار پانچ افراد کے ہمراہ نکلا۔ وہ نکلتے ہی مسکرا کے رپورٹرز کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔ اس کے قدم راہداری پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ رپورٹرز مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔

ایک سیکنڈ.... دو سیکنڈ.... پانچ سیکنڈ.... اور وہ دروازے کے پار گم ہو گیا۔ اس نے تالیہ کو نہیں دیکھا۔

فاتح کے پیچھے چلتے اشعر کو رپورٹرز نے گھیر لیا۔ وہ مسکرا کے ان سے بات کرتا آگے بڑھنے لگا۔ وہ راہداری کے وسط میں تھا جب رپورٹرز کے ہجوم سے دور کونے میں کھڑی لڑکی پہ اس کی نظر پڑی۔ سیاہ ہڈ کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر مسکرا کے رپورٹرز کو ہاتھ ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

وہ تین قدم چلا۔ پھر رکا۔ ذہن نے اس چہرے کو پراسیس کرنے میں چند لمحے لیے تھے۔

وہ ایک دم چونک کے مڑا۔

وہ ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر لڑکی گویا کرنٹ کھا کے گھوم گئی۔ رپورٹرز کا ہجوم راستے میں آ گیا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے اسے تلاشنا چاہا۔ رپورٹرز سامنے سے ذرا ہٹے تو اس نے دیکھا.... وہ لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔

وہ زیادہ دیر وہاں نہیں کھڑا ہو سکتا تھا کہ رپورٹرز پھر سے سوالات اس کی جانب پھینکنے لگے تھے۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ البتہ اس کا سارا وجود گہرے تعجب کے زیر اثر تھا۔ کیا اس نے واقعی تالیہ مراد کو دیکھا تھا یا یہ اس کا گمان تھا؟

☆☆=========☆☆

ڈائننگ ہال میں ناشتہ چنا تھا اور ہر روز کی طرح سربراہی کرسی پہ وان فاتح بیٹھا چائے پینے کے ساتھ موبائل پہ مصروف نظر آتا تھا۔ اشعر اور جولیانہ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ بیٹھے تھے۔ اشعر کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا اور جولیانہ تیز تیز دلیہ کھا رہی تھی۔ وہ سیاہ لمبے بالوں اور اداس آنکھوں والی ٹین ایج لڑکی تھی جس کا سر عموماً جھکا رہتا تھا۔ اس میں عصرہ کی شباہت واضح محسوس ہوتی تھی۔

دروازہ دستک کے ساتھ کھلا۔ تینوں نے چہرے اٹھا کے دیکھا تو سامنے میشا کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

''سوری میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔'' اس نے ہونٹ باہم ملا کے خفت سے کندھے اچکائے۔ گرے منی کوٹ پہ شہد رنگ بالوں کو دونوں طرف سے ٹوئسٹ میں باندھے' اس نے کانوں میں موٹے موٹے سفید موتی پہن رکھے تھے۔ چمکدار سیاہ جوتوں سے چلتی وہ ان کے قریب آئی اور معذرت چاہی تو جولیانہ مسکرا دی۔

''نو پرابلم میم۔ میں بس ناشتہ ختم کرنے والی ہوں۔'' ساتھ ہی جولیانہ نے وال کلاک کو دیکھا۔

''نہیں۔ تم آرام سے ناشتہ کرو۔ میں خود ہی جلدی آئی تھی۔ مجھے داتو سری سے بات کرنی تھی۔'' وہ لب کاٹتی' شرمندگی اور جوش کے ملے جلے تاثر کے ساتھ فاتح کو مخاطب کر کے بولی تو اس نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے عام حالات میں بے حد پراعتماد سی میشا پردھان منتری کے سامنے اپنا اعتماد کھو دیتی تھی۔ شاید بہت سے لوگ کھو دیتے تھے۔

''شیور۔ سب خیریت ہے' مسز میشا؟'' اس نے چائے گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''آپ ادھر آ جائیں۔'' جولیانہ اپنی کرسی سے اٹھی اور ادب و اپنائیت سے میشا کو جگہ پیش کی۔ فاتح نے مسکرا کے جولی کے انداز کو دیکھا۔ جب سے میشا اس کی ٹیوٹر بنی تھی' جولیانہ کے انداز میں بہت رکھ رکھاؤ آ گیا تھا۔ تمیز' تہذیب' آداب۔ وہ عام ٹین ایجر کی طرح slang نہیں بولتی تھی۔ ٹیکسٹ لکھتی تو پورے الفاظ لکھتی۔ بولتی تو گاڑھی زبان بولتی۔ اب بھی فاتح نے دیکھا کہ میشا جولیانہ کا شکریہ ادا کر کے کرسی پہ بیٹھی اور جس نفاست سے اپنا ہیٹ ایک طرف رکھا اور پرس دوسری طرف' جولیانہ اس کا انداز کسی مشاق طالب علم کی طرح نوٹ کیے جا رہی تھی۔

''میں دراصل ایک درخواست کرنا چاہتی تھی۔''

''جی بتائیے۔'' فاتح نے کپ نیچے رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

اشعر نے مسکرا کے جولیانہ کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں نے معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا اور سر جھکا لیا۔ ادھر میشا کہہ رہی تھی۔

''اور آپ بغیر کسی مروت کے انکار کر سکتے ہیں۔''

''ظاہر ہے میں انکار کر سکتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ میشا کے گال سرخ ہوئے۔ اس کا رہا سہا اعتماد بھی متزلزل ہونے لگا۔

''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے.... میں ایک فوٹوگرافر بھی ہوں۔ میں اپنی ایک ایگزیبشن منعقد کر رہی ہوں۔ اگلے ہفتے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس میں شرکت کریں۔'' اس نے بیگ سے ایک کارڈ نکال کے سامنے رکھا۔ فاتح نے کارڈ تھاما اور کھول کے سرسری سا دیکھا۔

''اتوار کو؟''

''جی۔ اتوار کو۔ کیا آپ وقت نکال سکیں گے؟'' وہ امید سے پوچھ رہی تھی۔ انکار کا خوف بھی تھا۔

فاتح نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو اشعر تیزی سے بولا۔ ''اتوار کو بیس پچیس منٹ کے لیے کسی ایگزیبشن میں شرکت کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہے' آبنگ۔ آپ آسانی سے وقت نکال لیں گے۔''

جولیانہ نے مسکرا کے سر مزید جھکا دیا۔ فاتح نے البتہ صرف ایک گہری نظر اشعر پہ ڈالی اور واپس میشا کو دیکھا۔

''نمائش کس بارے میں ہے؟''

''میری فوٹوگراف کلیکشن کے بارے میں۔''

''آپ کیا فوٹوگراف کرتی ہیں؟''

''قدرتی مناظر میں نظر آتے جانور۔''

''کون سے جانور؟''

''گھوڑے۔ دراصل... نمائش گھوڑوں کی تصاویر کے بارے میں ہے۔ سیاہ اور سفید گھوڑے۔ زیادہ سیاہ۔'' وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ اب وہ پر جوش نظر آنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''سیاہ گھوڑے کیوں؟ لڑکیاں تو سفید گھوڑے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ فیری ٹیلز کے جیسے۔'' اس نے کپ سے آخری گھونٹ بھرا اور ساتھ ہی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے اب جانا تھا۔

''جس زمانے میں فیری ٹیلز لکھی گئی تھیں' تب شاید انسانوں کو ان کی سفیدی کی وجہ سے پسند کیا جاتا تھا۔ اب ہم مختلف زمانے میں رہ رہے ہیں' واتو سری۔ ہم بطور انسان ڈارک ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی سیاہی کو قبول کر لینا چاہیے۔'' (توقف سے بولی) ''کیا میں توقع رکھوں کہ آپ میری نمائش کا فیتا کاٹیں گے؟'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''اور میں آپ کے عہدے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی۔ نہ ہی آپ کو بطور پردھان منتری بلا کے اپنی نمائش کو مشہور کروانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ زیادہ تر میرے اسٹوڈنٹس کے پیرنٹس ہیں۔''

''پھر تو ربن کوئی دوسرا پیرنٹ بھی کاٹ سکتا ہے۔''

''کوئی دوسرا پیرنٹ پردھان منتری ہے کیا؟'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ اب کے مسکرا بھی رہی تھی۔

''اوکے۔ آپ یہ کارڈ میرے پروٹوکول آفیسر کو دے دیں۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو۔''

''آپ کو معلوم ہے میرا پروٹوکول آفیسر کون ہے؟''

''نہیں۔'' میشا نے شرمندگی سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دانتوں سے لب بھی کاٹے۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''آپ جب گھر میں داخل ہوئی ہوں گی تو سامنے....''

''آپ رہنے دیں۔ میں دے دوں گا۔ میں پی ایم کا چیف آف اسٹاف ہوں۔ یہ کام بھی میری جاب ڈسکرپشن میں آتے ہیں۔'' اشعر نے جلدی سے کارڈ پکڑ لیا اور شائستگی سے بولا تو میشا مسکرا دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو۔ آپ آئیں گے نا؟'' وہ کسی فین گرل کی سی ایکسائٹمنٹ سے پوچھ رہی تھی۔ انگلیاں باہم ملا رکھی تھیں۔

''میں کوشش کروں گا۔'' وہ رسماً اتنا بولا۔ جولیانہ ناشتہ ختم کر چکی تھی۔ وہ میشا کو لیے وہاں سے رخصت ہوگئی تو اشعر کھنکھارا۔

''آپ کو اس لڑکی کے لیے ٹائم نکالنا چاہیے' آبنگ۔''

''میں سمجھ رہا ہوں' جو تم کر رہے ہو۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے سر جھٹک کے اٹھا تو اشعر بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

''لیکن آپ مجھے روک نہیں رہے۔ میں بھی سمجھ رہا ہوں۔''

فاتح بس مسکرا کے آگے بڑھا جب اشعر کو یاد آیا۔

''سچ.... مجھے یاد آیا.... پتہ ہے کل میں نے پارلیمان میں کس کو دیکھا؟''

فاتح نے مڑ کے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تمہاری ایکس وائف؟''

''نہیں۔'' اس نے برا منہ بنایا۔ پھر سر جھکا اور دبے دبے جوش سے بولا۔

''میں نے کل تالیہ مراد کو دیکھا۔''

وہ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑا' آدھا مڑ کے اشعر کو دیکھ رہا تھا۔ ان الفاظ پہ اسی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا اگلا سانس لیے۔

وقت جیسے تھم گیا تھا۔ گھڑی کی سوئی رک گئی تھی۔ ساری دنیا دم سادھے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

پھر فاتح کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے تعجب سے دہرایا۔ ''تم نے.... تالیہ مراد کو دیکھا؟ تالیہ؟ ہماری تالیہ؟''

''جی۔ پارلیمان ہاؤس میں۔ آئی مین....'' اشعر اسے اتنا سنجیدہ دیکھ کے ہکلایا۔ ''مجھے ایک لڑکی کو دیکھ کے لگا کہ وہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے میز پہ ہتھیلیاں رکھیں اور اس کے سامنے جھکا۔

''اشعر محمود.... تم نے تالیہ کو دیکھا .... یا نہیں؟'' اس کی آواز' انداز' آنکھیں... ان سب میں اتنی سنجیدگی تھی کہ اشعر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

''مجھے.... گمان گزرا... کہ وہ تالیہ تھی۔ ایک سیکنڈ کے لیے اسے دیکھا لیکن پھر وہ مڑ گئی۔ آئی ڈونٹ نو۔ شاید وہ تالیہ نہیں تھی۔'' اس نے لہجے کو عام سا تاثر دینے کی کوشش کی۔ فاتح سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔ اتنا ڈسٹرب کہ اشعر متعجب رہ گیا تھا۔

وان فاتح خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے وہ ابھی تک اشعر کی بات پہ یقین نہ کر پا رہا ہو۔

اس کے جانے کے بعد اشعر نے تیزی سے فون نکالا اور ایک نمبر ملایا۔

''فوراً میرے پاس آؤ۔ مجھے پارلیمان جانا ہے۔ ہاں سب خیریت ہے۔ بس ایک اشتہاری مجرم کو میں نے کل وہاں دیکھا تھا۔ اس کی گرفتاری کے لیے کچھ اقدامات کرنے ہیں۔ جلدی آؤ۔''

فون رکھ کے اس نے نمائش کا دعوت نامہ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائننگ ہال کے بغلی دروازے سے باہر نکلو تو راہداری بنی تھی۔ اس کے آگے ایک روشن کھڑکیوں والا کمرہ تھا جہاں ایک پیانو رکھا تھا۔ دوسری جانب میز کرسیاں بچھی تھیں۔ میشا ایک کرسی پہ بیٹھی کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی جب جولیانہ اندر داخل ہوئی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسے میز پہ رکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ میشا نے نظر اٹھائی تو اس کا سفید چہرہ دیکھ کے چونکی۔

''جولی.... تم پانی لینے گئی تھیں۔ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟'' نرمی سے استفسار کیا۔

جولیانہ نے بے چینی سے لب کاٹے۔ ''اشعر انکل ڈیڈ سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تالیہ مراد کو دیکھا۔''

''تالیہ مراد کون؟'' میشا نے الجھ کے اسے دیکھتے ہوئے کتاب بند کی۔

''جس پہ میری ماما کے قتل کا الزام تھا۔ وہ کئی سال پہلے یہاں سے چلی گئی تھی۔ شاید ملک سے بھاگ گئی تھی۔''

''اچھا ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا ایک دفعہ۔ وہ داتو سری کی چیف آف اسٹاف ہوتی تھی۔''

''اب کیا وہ ہماری زندگیوں میں واپس آ جائے گی؟'' وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''جولیانہ۔'' میشا نے نرمی سے اس کے یخ ہوتے ہاتھ تھامے اور اس کی طرف جھکی۔ ''کوئی آئے یا جائے' اس سے تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم سب تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔''

''اس پہ میری ماما کا قتل ثابت نہیں ہوا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے اس نے ماما کا قتل کیا ہو گا؟'' جولیانہ عجیب سے انداز میں پوچھ

رہی تھی۔

''دیکھو بچے.....بغیر ثبوت کے کسی پہ الزام لگانا گناہ ہوتا ہے۔ہمیں کیا معلوم اس نے قتل کیا تھا یا نہیں؟ یہ ثابت کرنا عدالت کا کام ہے۔تم نے ان باتوں کا اثر خود پہ نہیں لینا۔یہ داتو سری کا مسئلہ ہے۔وہ ہینڈل کرلیں گے۔تم نے ٹیسٹ تیار کرنا ہے ابھی۔ٹھیک؟'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔جولیانہ نے سر جھکا کے گردن ہلائی۔

☆☆=========☆☆

لفٹ کے دروازے کھلے تو تالیہ نے قدم باہر رکھا۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر پہ ہڈ پہنے' وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتی باہر نکلی۔سامنے دوطرف مڑتی راہداریاں تھیں جن میں اپارٹمنٹس کے دروازے کھلتے تھے۔

ایڈم کا دروازہ بالکل سیدھ میں تھا۔وہ وہیں کھڑی کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔اس دروازے کی گھنٹی پہ ہاتھ رکھنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔یونہی پیچھے مڑ کے دیکھا تو لفٹ جو نیچے جا چکی تھی اب واپس اوپر آرہی تھی۔چار منزلوں کا فرق رہ گیا تھا۔سرخ ہندسہ ہر سیکینڈ تبدیل ہو رہا تھا۔وہ تیزی سے دوسری راہداری کی اوٹ میں ہوگئی۔جانے کون اندر سے نکلے۔

دروازے کھلے اور صوفی باہر نکلی۔چھوٹے بالوں اور گول بالیوں والی صوفی فائلز کا پلندہ اٹھائے' جھنجھلاتی ہوئی ہینڈ بیگ بھی سنبھال رہی تھی۔اس کا اسٹریپ بار بار کہنی سے لٹک جاتا۔تالیہ نے اوٹ سے دیکھا' وہ ایڈم کے دروازے کی سمت میں جا رہی تھی۔یکا یک بیچ راہداری کے اس کا بیگ پھسلا۔اس کو سنبھالتے سنبھالتے ساری فائلز نیچے جا گریں۔

''یا اللہ۔'' وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے غصے سے بولی۔دفعتاً ایڈم کے دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔اوٹ سے دیکھتی تالیہ فوراً پیچھے ہوگئی۔دل بری طرح دھڑکا۔

''اوہ۔میں تمہیں بلانے نیچے آنے لگا تھا۔کب سے انتظار....'' ایڈم کی آواز ٹوٹ گئی۔''یہ کیا کیا ہے تم نے؟ کافی تو نہیں گرادی میرے پیپرز پہ؟ یا اللہ صوفی....''

''کافی لائی ہی نہیں۔سوچا پیپرز پکڑا آؤں پھر لاتی ہوں۔آپ کی مہمان آگئی؟''

''نہیں۔اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔'' آوازوں سے محسوس ہوتا تھا دونوں نیچے بیٹھے ایک ساتھ پیپرز چن رہے ہیں۔''تم نے ساری ترتیب ہی بگاڑ دی۔ان کو اسٹیپل تو کرلینا تھا۔''

''سوری باس۔'' پھر وہ توقف سے بولی۔''میں نے تالیہ مراد کی جو فائل بنائی تھی وہ پڑھ لی آپ نے؟''

''ہاں پڑھ لی۔کیا یہ واقعی سچ ہے کہ وہ کون آرٹسٹ تھی؟'' آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں۔تالیہ دیوار سے کان لگائے سانس روکے سنے گئی۔

''جی باس۔اس نے صوفیہ رحمٰن سے سرکاری معافی نامہ لیا تھا عصرہ کو قتل کرنے سے پہلے۔''

''یعنی عصرہ کا قتل اس نے معافی نامے کے بعد کیا۔ چچ چچ۔'' وہ ایک اجنبی سا تبصرہ تھا۔

''مگر سوال یہ ہے صوفی کہ وہ مجھے اپنی کہانی کیوں بتانا چاہتی ہے؟ وہ کسی بھی اینکر کے پاس جا سکتی تھی۔ میں ہی کیوں؟''

''کیونکہ آپ مس مراد کو جانتے تھے۔ آپ کی مختلف پارٹیز میں اکٹھی تصاویر بھی ہیں چھے سال پہلے کی۔''

''وہی تو مسئلہ ہے۔ جب عورتوں نے سنا کہ ایڈم کی یادداشت کھو گئی ہے' تب سے اتنی عورتیں آ کے دعویٰ کرنے لگیں کہ میں ان کو جانتا ہوں۔ کسی کو میں نے ادھار دیا تھا' کسی کو میں نے پرپوز کیا تھا' اور پتہ نہیں کیا کیا۔'' وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ''اتنی مشکل سے یہ سلسلہ رکا تھا۔ اب معلوم نہیں مس مراد کو میں کیوں جانتا تھا اور اس کے ساتھ میں نے کیوں پارٹیز اٹینڈ کی تھیں۔''

''آپ نے اپنی والدہ سے پوچھا؟''

''ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب میں وان فاتح کا باڈی مین تھا' تب وہ ان کے امیر فیملی فرینڈز میں سے ایک تھی اور کبھی کبھی مجھ سے ملنے گھر بھی آتی تھی۔ اب پتہ نہیں اس کا بیان کیا ہوگا۔'' وہ چڑ چڑا لگتا تھا۔

''ریلیکس باس۔ اگر جھوٹ بول رہی ہوگی تو معلوم ہو جائے گا۔''

''پھر بھی اس کی مزید چھان بین کرو۔ وہ کرمنل رہ چکی ہے۔ اس کا کوئی خفیہ ایجنڈا بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ دونوں اب اندر جا رہے تھے۔ دروازہ بند ہوا تو تالیہ نے آنکھیں کرب سے بند کیں۔ ''اوہ ایڈم....!''

ایڈم کی ڈور بیل بجانے کا وقت آ گیا تھا۔

صوفی اسے خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتی اندر لے آئی۔ تالیہ نے ہڈ پیچھے گرا دی تھی اور سیاہ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس رکھے تھے۔ طائرانہ نگاہوں سے اس پر تعیش اپارٹمنٹ کا جائزہ لیتی وہ صوفی کے پیچھے اسٹڈی میں آ گئی۔ وہاں اجلے سفید صوفے رکھے تھے جن پہ سیاہ اور پیلے کشن رکھے تھے۔ کتابوں کے شیلف دونوں اطراف میں سجے تھے۔

ایڈم ایک صوفے پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔ اسے صوفی کے پیچھے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور رسمی مسکرایا۔

''خوش آمدید' مس مراد۔'' اس کا چہرہ اجنبی تھا۔ وہاں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

''وقت دینے کا شکریہ' ایڈم صاحب۔'' تالیہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی سامنے بیٹھی۔ ہلکی بڑھی شیو' آنکھوں پہ چشمہ' اور نیلی جینز کے اوپر پورے آستین کی سبز ہائی نیک شرٹ اسے بہت سوبر بنا رہی تھی۔ البتہ چہرے کی سادگی آج بھی ویسی تھی۔

''مس مراد۔ میں کافی لینے جا رہی ہوں۔''صوفی نے ایک اچھے میزبان کی طرح اسے مخاطب کیا۔''آپ کس قسم کی کافی پسند کریں گی؟''

''جس کو لانے میں آپ کو کافی دیر لگے۔''اس نے صوفی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سے انداز میں کہا۔لڑکی کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔پھر اس نے ایڈم کو دیکھا۔اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔وہ سر ہلا کے زبردستی مسکرائی۔

''اسپریسو کے ڈبل شاٹ ٹھیک رہیں گے۔''اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دونوں اب اسٹڈی روم میں اکیلے بیٹھے تھے۔آمنے سامنے۔درمیان میں میز حائل تھی۔تالیہ کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ایڈم کی سادہ نظریں بھی اس پہ جمی تھیں۔

''آپ نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروا رکھی ہے' مس مراد؟''وہ ریکارڈر کا بٹن دباتے ہوئے بولا۔

''چھ سال پہلے آپ مجھے چے تالیہ کہتے تھے۔مس مراد قدرے مغربی طرز تخاطب ہے۔لیکن خیر....ملائیشیاء کافی مغربی ہوتا جا رہا ہے۔''اس نے شانے اچکا دیے۔ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے بغور اسے دیکھا۔

''آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ کافی عرصے بعد ملائیشیاء آئی ہیں۔کیا آپ نے ضمانت کروا رکھی ہے' مس مراد؟''

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ چھ سال پہلے آپ مجھے کیسے جانتے تھے؟''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔پلک جھپکے بنا۔کتابیں سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔آپ ایک معروف سوشلائیٹ تھیں۔''اس نے انداز کو سرسری بنایا۔''آپ کے فرار کے بعد پولیس نے مجھ سے بھی کئی ایک بار آپ کے متعلق پوچھا تھا۔''

''آپ جانتے ہیں یا آپ کو 'یاد' ہے؟''وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرائی۔

ایڈم کے چہرے پہ بے زاری سی ابھری۔اس نے پہلو بدلا۔''اوکے فائن۔میری یادداشت ایک حادثے میں متاثر ہوئی تھی۔اس لیے اگر میں نے ان چھ ماہ میں آپ سے کوئی معاہدہ کیا تھا تو آپ مجھے ابھی بتا دیں۔میں پہیلیوں کا شوقین نہیں ہوں۔لیکن ہاں....آپ کو کسی بھی معاہدے کا تحریری ثبوت دینا ہوگا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔''نہیں۔آپ کا میرے اوپر کوئی ادھار نہیں ہے۔ہمارے درمیان کبھی کوئی معاہدہ' کوئی وعدہ نہیں ہوا تھا۔بس چند ایک دفعہ پارٹیز میں ملاقات ہوئی تھی۔دیٹس اِٹ۔''اس نے بھی انداز کو اجنبی بنا لیا۔

ایڈم نے گہری سانس لی۔اسے جیسے ڈھیروں اطمینان ملا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اسٹوری کو کور کریں اور حقائق عوام کے سامنے لائیں۔''

''سچ کیا ہے اس کا فیصلہ عوام کرتی ہے۔میرا کام دونوں اطراف کی کہانی کو عام کے سامنے لانا ہے۔اگر آپ کا کیس چلتا ہے تو میں پراسیکیوشن کا بیانیہ سامنے لانے کا بھی پابند ہوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔اسٹڈی روم میں خاموشی چھا گئی۔

''اوکے۔آپ بتائیں۔آپ کا سچ کیا ہے۔''ایڈم ٹانگ پہ ٹانگ جما کے ٹیک لگا کے بیٹھا اور گھٹنے پہ نوٹ بک رکھ کے قلم کھول لیا۔

''آپ کو میں واقعی یاد نہیں ہوں؟''پتہ نہیں اس نے کس آس کے تحت پوچھا۔

ایڈم نے گہری سانس بھری۔''نہیں۔آئی ایم سوری۔لیکن مجھے اردگرد کے لوگوں نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔میں وان فاتح کا باڈی مین تھا ایک زمانے میں۔''

''ایک زمانے میں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''وہیں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔اور ایک پارٹی میں آپ نے وان فاتح کے بااثر مہمانوں کے سامنے میری حمایت کی تھی۔یاد نہیں کس بات پہ۔''سادگی سے شانے اچکا دیے۔

''یہ آپ کو آپ کی والدہ نے بتایا ہوگا یقیناً۔''وہ زخمی سا مسکرائی۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ہمارے درمیان اس سے زیادہ بھی کچھ تھا؟''اس کی آنکھوں میں تجسس کی چمک در آئی۔جیسے وہ اس لڑکی کو جاننے کا خواہشمند ہو۔

''نہیں۔بس ایک اچھی شناسائی تھی۔اور ایک سفر ہم نے اکٹھا کیا تھا۔''

''جنگل کا؟''وہ چونک کے بولا تو وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے وہ سفر؟''الجھ کے پوچھا۔

ایڈم کھنکھارا اور پھر الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔''مس مراد میں آپ سے ملنے پہ اس لیے راضی ہوا ہوں کیونکہ میں نے ایک عرصہ اپنے اردگرد آپ کا ذکر سنا ہے اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کس قسم کا تعلق تھا۔کیونکہ میری یادداشت کے متاثر ہونے کے بعد میں نے چند ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔عجیب سی بات ہے لیکن ہم دونوں ہمیشہ ایک نہ ختم ہونے والے جنگل میں سفر کر رہے ہوتے تھے۔''

''صرف ہم دونوں؟''

''جی۔صرف ہم دونوں۔کیوں؟ کیا کوئی اور بھی تھا؟''وہ آگے کو ہوا۔

''میں آپ کے سارے سوالات کے جوابات دے دوں گی لیکن پہلے آپ کو میری کہانی لوگوں کو بتانی ہوگی۔ ڈیل؟''

ایڈم بن محمد کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ وہ جیسے پر جوش نظر آنے لگا تھا۔

''ڈیل۔'' پھر توقف سے بولا۔ ''یعنی آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھ چھے سال پہلے کیا ہوا تھا؟ میری یادداشت کیوں کھوئی تھی؟''

''جی۔ میں آپ کو تھوڑا بہت بتائے دیتی ہوں۔ ہم ایک سفر پہ گئے تھے۔ اور آپ کو جنگلی جڑی بوٹیوں کے علم پہ عبور حاصل تھا۔ سفر کے آخر میں آپ نے مجھے کچھ بتانا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم جنگل کے اس پار جا کے اس بارے میں بات کریں گے۔ ایک بات کا ادھار تھا آپ کے اوپر بس۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اس لمحے کے آنے سے ڈرتے تھے۔ آپ کا دل اتنی بری طرح ٹوٹا تھا کہ آپ نے ایسی دوا بنا کے کھائی تھی جس سے آپ کی مخصوص وقت کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ آپ نے اپنی یادداشت کو خود کھویا ہے۔ جان بوجھ کے۔''

''یہ ناممکن ہے۔ کوئی دوا ایک مخصوص وقت کی یادداشتیں کیسے ختم کر سکتی ہے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''تو پھر آپ کی یادداشت کیسے کھوئی؟ آپ نے یہ اپنے ساتھ خود کیا تھا۔ آپ ایسے تجربے کرتے رہتے تھے دواؤں کے ساتھ۔ یادیں تکلیف دیتی ہیں' ایڈم صاحب۔ اس لیے دیکھیں.... آج آپ کتنے خوش اور مطمئن ہیں۔ ایک شخص کو ذہن سے مٹا دینے سے کتنے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔''

ایڈم کی آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔ ''او کے۔ مجھے اس بات پہ یقین نہیں آیا لیکن وقت کم ہے اس لیے آپ کے کیس کے بارے میں بات کرتے ہیں۔'' اس نے گھڑی دیکھ کے سوالات کا آغاز کیا۔ ''آپ اپنے دفاع میں کیا کہیں گی؟''

''عصرہ محمود نے خودکشی کی تھی۔'' صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھی لڑکی اطمینان سے بولی۔ ''وہ اپنی زندگی سے مایوس تھیں۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسانے کا بندوبست کیا تھا۔''

وہ لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔ قلم رکھ دیا۔ پھر ریکارڈر کا بٹن بند کیا۔

''مس مراد.... آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کوئی بھی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

''اور عصرہ کو یہ معلوم تھا۔ وہی اصل قاتل ہیں۔ میں مشکل میں اس لیے ہوں کہ کوئی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

اسٹڈی روم کی فضا میں تناؤ سا در آیا۔ ایڈم کے چہرے پہ اکتاہٹ پھیلنے لگی۔

''آپ میرا وقت تو نہیں ضائع کر رہیں؟''

تالیہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جس لمحے میڈیا کو معلوم ہوگا کہ پردھان منتری کی بیوی کی قاتل تالیہ مراد ملائیشیا واپس آ چکی ہے....اور میرے اوپر مقدمہ چلے گا....اس وقت سارے چینلز میرا چہرہ دکھائیں گے۔ سارے رپورٹرز مجھ سے بات کرنا چاہیں گے۔ لیکن میں صرف ایک اینکر سے بات کروں گی۔ اگر آپ وہ ایک رہنا چاہتے ہیں اور اپنے کیریئر کی سب سے سنسنی خیز اسٹوری کور کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنا وقت مجھ پہ صرف کرنا پڑے گا۔'' اس کا لہجہ ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایڈم کے انداز میں واضح تبدیلی آئی۔ اس نے پہلو بدلا اور جلدی سے بولا۔

''ظاہر ہے میں آپ کی اسٹوری کور کرنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں ہے کہ میں آپ سے متفق ہوں لیکن میں آپ کی کہانی ضرور آگے بتاؤں گا۔ کیا آپ اپنے دعوے کو ثابت کر سکتی ہیں؟''

''عصرہ یہ کام اکیلے نہیں کر سکتی تھیں۔ کوئی تھا جس نے ان کی مدد کی۔ مجھے اس شخص کو ڈھونڈنا ہے۔''

''یعنی ابھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے؟''

''آپ ثبوت ڈھونڈنے میں میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ آپ انویسٹی گیٹو جرنلسٹ ہیں۔ اپنے پرتعیش آفس سے باہر نکلیں اور میرے ساتھ سڑکیں ماپیں' ایڈم صاحب۔ بغیر محنت اور تفتیش کے اتنی بڑی اسٹوری آپ کو کیسے مل سکتی ہے؟''

''میں تیار ہوں۔'' اس نے برامان کے کندھے اچکائے۔ ''لیکن آخر میں آپ مجھے میرے سوالات کا جواب ضرور دیں گی۔ اور پلیز یہ کوئی جڑی بوٹیوں والی کہانی نہیں سنائیں گی۔''

وہ چند لمحے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ''میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔ اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''

''پھر آپ فرار کیوں ہوئیں؟ اور اتنا عرصہ آپ کہاں تھیں؟'' اس نے ریکارڈر پھر سے آن کیا' نوٹ بک کھولی اور لکھنے لگا۔

''میں اس بات کا جواب صرف کورٹ میں دوں گی۔ بس یوں سمجھیں کہ وقت نے میرے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔''

''مہربانی کیسے؟''

''میرے چھ سال ضائع کروا کے۔'' وہ پورے دل سے مسکرائی۔

''چھ سال ضائع کرنا مہربانی تو نہیں ہوتی۔ بلکہ.....''

''آپ مجھے وان فاتح سے ملوا سکتے ہیں؟''

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔ ایڈم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ''وہ آپ کو دیکھتے ہی پولیس بلوا لیں گے۔''

''وہ ایسا نہیں کریں گے۔ آپ ان سے میٹنگ کا وقت لے سکتے ہیں؟''

''میں وان فاتح کا نقاد ہوں اور اونچی کرسی والوں کو نقاد پسند نہیں ہوتے۔ وہ مجھے مہینوں میٹنگ کا وقت نہیں دیں گے۔''

''مجھے ان سے صرف پانچ منٹ کے لیے ملنا ہے۔ وہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی سیاسی گیدرنگ میں مدعو ہوتے ہیں۔ آپ مجھے کسی ایسی محفل کا دعوت نامہ دلوا سکتے ہیں؟''

''میں ان کے پروٹوکول آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں۔'' وہ سر جھکا کے فون پہ پیغام بھیجنے لگا۔ کتا میں خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں۔

''آپ کے والدین کہاں ہیں؟ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے؟''

ایڈم نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا اور پتلیاں سکوڑیں۔ ''وہ اپنے پرانے گھر میں رہتے ہیں۔ کیوں؟''

''جہاں مرغیاں اور چوزے ہوا کرتے تھے؟'' وہ کچھ یاد کر کے مسکرائی۔ ایڈم نے محض ہنکارا بھرا۔ وہ ابھی تک لیا دیا انداز اپنائے ہوئے تھا۔

پھر وہ اس سے کیس کے متعلق مزید سوالات پوچھنے لگا۔ وہ جواب میں عصرہ کا سارا پلان بتاتی گئی۔ ایڈم کو یہ سب ہضم کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی لیکن وہ ضبط سے ایک ایک چیز نوٹ کرتا گیا۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔

''پی ایم کے پروٹوکول آفیسر نے میرے ایک پرانے فیور کا لحاظ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پی ایم اس ہفتے ایک آرٹ نمائش میں شرکت کر رہے ہیں۔ پرائیوٹ محفل ہے۔ تھوڑے لوگ ہوں گے وہاں۔ میں آپ کو پاس دلوا دوں گا۔ آپ ان سے ملاقات کر سکیں گی۔''

''پی ایم کو آرٹ میں دلچسپی کب سے ہونے لگی؟''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن یہ نمائش میشا تاج کی ہے۔'' اس نے پڑھ کے بتایا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ان کی بیٹی کی ٹیوٹر؟''

''ہاں شاید۔ میں نے اس کو ایک دو دفعہ سوشل میڈیا پہ ہی دیکھا ہے۔''

''اچھا۔ اور کیا جانتے ہیں آپ اس کے بارے میں؟'' تالیہ پیچھے کو ہو گئی اور سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میشا تاج کے بارے میں؟ اتنا خاص نہیں۔ یہ پترا جایا کی ایک جانی پہچانی سوشلائیٹ ہے۔ اور کافی میلنڈ فوٹوگرافر ہے۔ سنگل مدر ہے اور ایک بیٹی بھی ہے اور....''

''اور اس کا ایکس ہزبینڈ کرمنل ہے اور اس کو ابھی تک ہراساں کرتا ہے۔''

ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔''یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔آپ جانتی ہیں اس کو؟''

''جی۔آپ بھی جانتے تھے اس کو۔بلکہ آپ اس سے ملے بھی تھے۔''

''اچھا؟''وہ واقعتاً حیران ہوا۔پھر چونکا۔''اس پراسرار جنگل میں سفر کرتے وقت؟''

''نہیں۔وہ جنگل تو ایک دوسری دنیا تھی۔آپ کی میشا سے ملاقات جنگل میں جانے سے پہلے ہوئی تھی۔مسز عصرہ کی آرٹ گیلری میں۔تب آپ وان فاتح کے باڈی مین تھے۔اور یہ ایک آرٹ کلیکٹر تھی۔وہاں کچھ خریدنے آئی تھی۔آپ کو نہیں یاد؟''

''اچھا؟اسٹرینج۔اور آپ بھی ملی تھیں اس سے؟''

''میں وہیں تھی۔''تالیہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ خاموش ہوگئی۔صوفی گتے کی ٹرے میں تین کافی کپ اٹھائے مسکراتی ہوئی آرہی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔آپ مجھے پارٹی کا وقت اور جگہ ٹیکسٹ کر دیجئے گا۔''وہ اٹھتے ہوئے بولی تو صوفی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کافی تو پی لیں۔''

''میں نے کب کہا کہ نہیں پیئوں گی۔''اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک کپ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ایڈم نے صوفی کو اشارہ کیا اور ہوا میں لکھنے کے انداز میں انگلیاں چلائیں۔وہ ٹرے رکھ کے فوراً سے اس کے پیچھے لپکی۔

''مس مراد.....مجھے تحریری طور پہ آپ سے ضمانت چاہیے کہ آپ کسی دوسرے اینکر سے.....''صوفی نے ایک کلپ بورڈ شیلف سے اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ مڑی' کلپ بورڈ اس کے ہاتھ سے لیا' جانے کہاں سے قلم نکال کے اس پہ ایک' دو' تین جگہوں پہ دستخط کیے اور اسے واپس صوفی کو تھمایا۔

''میری زبان ہی میرا دستخط ہے ویسے صوفی۔اگر میں کہہ رہی ہوں کہ کسی اور سے بات نہیں رکوں گی تو کوئی مجھے کسی اور سے بات کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتا۔''جتا کے بولی۔صوفی نے ایک نظر کاغذ کو دیکھا' اور دوسری اس پہ ڈالی۔

''آپ نے کانٹریکٹ پڑھا ہی نہیں ہے۔''

''ایڈم بن محمد ایک ایماندار آدمی ہے۔سچ بولتا ہے۔وہ مجھے کسی غلط شرط کا پابند نہیں کرے گا۔''

صوفی نے ایڈم کو دیکھا جس نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔تالیہ اب باہر نکل چکی تھی۔صوفی اس کے پیچھے گئی۔وہ

دروازے پہ رکی کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔صوفی کو دیکھ کے بولی۔

''ایڈم اور میں نے ایک لمبا عرصہ ایک کتب خانے میں گزارا تھا۔''

''اچھا۔میں سمجھی آپ نے ایک عرصہ جنگل میں ساتھ گزارا تھا۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔صوفی نے مسکرا کے کان میں ننھے آلے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں ہر میٹنگ میں موجود ہوتی ہوں۔''

وہ نہیں مسکرائی۔وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''کیا اب بھی وہ کتابیں پڑھتا ہے؟عام لوگوں کی طرح نہیں۔بہت عقیدت'لگن اور محبت سے؟''

صوفی چپ ہوگئی۔پھر کندھے اچکا دیے۔''آپ نے ان کی کتابیں نہیں دیکھیں؟ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مالک کو انہیں پڑھنے کا کتنے شوق ہے۔''اس ڈپلومیٹک جواب پہ تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''ہاں۔میں نے دیکھا ہے کہ اسٹڈی کے ریکس میں قیمتی ہارڈ کورز کتنی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔یا تو ایڈم کی ہاؤس کیپر صفائی بہت اچھی کرتی ہے یا وہ ان کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔تم نے وہ ایڈم نہیں دیکھا جو کتابیں سجانے سے زیادہ انہیں جذب کرنے کا شوقین تھا۔خیر..وقت وقت کی بات ہے۔'' اس نے ہڈ سر پہ گرائی اور آگے بڑھ گئی۔

صوفی کا منہ کھل گیا۔وہ بالکل ساکت رہ گئی تھی۔یہ لڑکی کون تھی جو اتنے سال بعد آئی تھی اور ایک نظر میں اس کے باس کو اندر تک جان گئی تھی؟

☆☆=========☆☆

کنٹرول روم میں کوئی کھڑکی نہ تھی جس کے باعث اندر نہ سورج کی روشنی پہنچتی نہ تازہ ہوا۔بڑی میز پہ قطار میں کمپیوٹر اسکرینز رکھی تھیں۔ایک کرسی پہ اشعر بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔اس کے دائیں بائیں دو افراد جھکے کھڑے اسی طرف متوجہ تھے۔گزشتہ روز کی سی سی ٹی وی فوٹیج اسکرین پہ چل رہی تھی۔

''پیچھے کرو.....پیچھے....''وہ ایک دم بولا تو ساتھ کھڑے آدمی نے جھک کے چند کیز دبائیں۔ویڈیو پیچھے جانے لگی۔اس نے پلے کیا تو اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''یعنی وہ میرا گمان نہیں تھا۔یہ لڑکی واقعی وہاں موجود تھی۔''وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

اسکرین پہ لفٹ سے نکلتی تالیہ نظر آ رہی تھی۔اس کی کیمرے کی طرف پشت تھی'اور سر پہ ہڈ تھی'لیکن وہ پہچان گیا تھا کہ یہ وہی تھی۔وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی۔مگر فاتح کے جانے کے بعد اشعر کو دیکھ کے وہ مڑ گئی۔اس زاویے پہ بالآخر اس کا چہرہ

دکھائی دیا۔ وہ تالیہ مراد ہی تھی۔

آپریٹر نے زوم کر کے تالیہ کے چہرے پہ ویڈیو روک دی۔ اشعر تھوڑی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے' کتنی ہی دیر اس منظر کو دیکھے گیا۔ تالیہ مراد بالآخر.... (انگلیوں پہ گنا).... چھے سال بعد ان کی زندگیوں میں واپس آ چکی تھی۔

''اس کے علاوہ پوری عمارت کی ویڈیوز میں یہ کہیں نہیں ہے۔ ہر جگہ یہ کیمرے سے بچ جاتی ہے۔ یا پشت کر لیتی ہے۔ لیکن یہاں اس نے کیمرے کے سامنے کھڑے ہونے کا خطرہ مول لے لیا۔''

''کیونکہ یہاں کوئی تھا جس سے وہ ملنے آئی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس مسکراہٹ میں تنفر بھی تھا اور دلچسپی بھی۔

''کیا میں سیکیورٹی کو اطلاع کر دوں کہ اگر یہ دوبارہ آئے تو.....''

''اونہوں۔ وہ یہاں دوبارہ نہیں آئے گی کیونکہ وہ مجھے دیکھ کے خوفزدہ ہو گئی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ آپریٹر نے سر ہلا دیا۔ دوسرا آدمی جو فاتح کا چیف سیکیورٹی آفیسر تھا' اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آیا۔ اشعر کو مسلسل خاموش دیکھ کے وہ راہداری میں رکا اور اسے مخاطب کیا۔

''سر.... آگے کے لیے کیا حکم ہے؟''

''مجھے اس لڑکی کو گرفتار کروانا ہے۔'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ کے بولا۔ دونوں راہداری کے وسط میں کھڑے تھے۔ اردگرد لوگ آ جا رہے تھے۔ آفیسر نے آواز دھیمی کر دی۔

''لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔ البتہ ہم سارے شہر کی پولیس کو الرٹ کر کے....''

''اونہوں۔ پولیس اسے ڈھونڈ سکتی تو اتنے سال پہلے ڈھونڈ لیتی۔ تم تالیہ مراد بن کے سوچو۔ وہ پی ایم سے ملنے آئی تھی لیکن نہیں مل سکی۔ اب وہ کیا کرے گی؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سارا دن وہ اسی نہج پہ سوچتا رہا تھا۔

''اس کو شہر میں سہولت کار چاہیے ہوں گے۔''

''بالکل۔ کیا اس کی دوست گرفتار ہوئی تھی؟ وہ موٹی سی گھنگھریالے بالوں والی؟''

''نہیں سر۔ وہ گزشتہ چھے برس سے لاپتہ ہے۔''

''ہوں۔'' اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ ''تالیہ کا ایک اور دوست بھی تھا۔ وہ اینکر ایڈم بن محمد۔ وہ اس سے ضرور رابطہ کرے گی۔ یوں کرو کل صبران کی برتھ ڈے پارٹی پہ ایڈم کو مدعو کر دو میری طرف سے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ ایڈم اس سے رابطے میں ہو گا؟''

''بالکل۔ایڈم فوراً اس کو خبر دے گا۔ہمیں تالیہ کو ڈھونڈنا نہیں پڑے گا۔وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔وہ پارٹی پہ پی ایم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔کل شام.... برتھ ڈے پہ ہم اسے گرفتار کریں گے۔''

''آپ اس کے لیے ٹریپ سیٹ کرنا چاہ رہے ہیں؟'' وہ سمجھ کے سر ہلا رہا تھا۔''میں بظاہر سیکیورٹی کم رکھوں گا لیکن درحقیقت سادہ لباس میں اہلکاروں کو ہر جگہ پھیلا دوں گا۔''

''وہ بہت خطرناک کرمنل ہے۔اسے بچ کے نہیں جانا چاہیے۔اور اس ٹریپ کی خبر تمہارے علاوہ کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔''

''شیور۔'' پھر اس نے ساتھ چلتے اشعر کو غور سے دیکھا۔''پی ایم کو مطلع کر دیا آپ نے؟''

''نہیں۔ان کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

آفیسر کے ماتھے پہ بل پڑے۔''سر...ان کو بتانا ضروری ہے۔وہ پردھان منتری ہیں۔''

اشعر اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جانتے ہو پردھان منتری کون ہوتا ہے؟ جو صرف کمرے میں بیٹھ کے حکم دیتا ہے۔اس کے سارے احکامات کو متعلقہ اداروں تک پہنچانے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اس کو ہر روز ہر کسی کے بارے میں رپورٹ کرنے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔کس سیکیورٹی آفیسر کو برخاست کرنا ہے (سر سے پیر تک اسے دیکھا) اور کس کو ترقی دینی ہے' یہ ایڈوائس اس کو چیف آف اسٹاف دیتا ہے۔پردھان منتری اونچی دیواروں کے درمیان قید ہوتا ہے۔اس کا بیرونی دنیا سے واحد رابطہ اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اگر تم سوچو تو پردھان منتری سے زیادہ طاقت ور اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اور میں وان فاتح رامزل کا چیف آف اسٹاف ہوں۔''

ٹھنڈے انداز میں توڑ توڑ کے اس کو سنایا۔ماتھے پہ بل بھی ڈال لیے۔سیکیورٹی آفیسر نے سکون سے ساری بات سنی۔

''رائٹ سر۔اور اگر چیف آف اسٹاف اپنے باس کی پیٹھ کے پیچھے کچھ کرے تو وہ چیف آف اسٹاف نہیں رہتا۔وہ تالیہ مراد بن جاتا ہے جسے شہر میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔میں اپنے پی ایم کو مطلع کرنے کا پابند ہوں۔چاہے ان کے چیف آف اسٹاف کو اچھا لگے یا برا۔''

اشعر نے صبر کا گھونٹ اندر اتارا۔(ڈیم ڈیموکریسی۔) اور مسکرا کے بولا۔''کیوں نہیں؟ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو بتا دینا۔''

اشعر محمود لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔سیکیورٹی آفیسر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔وہ جانتا تھا کل شام تک اشعر محمود نے

اسے اتنا مصروف رکھنا ہے کہ اس کی ملاقات پی ایم سے ہو ہی نہ پائے۔

☆☆=========☆☆

سری پردھانہ میں واقع وزیراعظم کا آفس کشادہ اور پرتعیش تھا۔ طاقت کی منبع کرسی کے پیچھے والی دیوار بھوری لکڑی کے کیبنٹ اور شیلف سے ڈھکی تھی۔ ایک دیوار میں شیشے کی بڑی سی کھڑکی تھی جس سے سرما کی دھوپ اندر آ رہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا' عینک لگائے' شرٹ کے آستین موڑے فائلز دیکھ رہا تھا۔ تبھی دروازہ کھٹکا اور ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک سیاہ کور والی فائل اٹھا رکھی تھی۔ وہ میز کے سامنے مودب سا آ کھڑا ہوا۔

''سر... یہ فائل آپ نے مانگی تھی۔''

''کون سی فائل' شاہدان؟'' وہ کاغذوں پہ جھکے' کچھ تلاش کرتے ہوئے بولا۔ پھر جیسے یاد آیا۔ ''اچھا تم وہ لے آئے۔ یوں کرو....'' فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''کسی شیلف میں رکھ دو۔ میں فارغ ہو کے دیکھ لوں گا۔ تھینک یو۔''

شاہدان نامی اسٹافر نے سر ہلایا اور فاتح کے عقب میں بنے ایک شیلف تک آیا۔ اس میں تین سیاہ کور والی فائلز پہلے ہی رکھی تھیں۔ اس نے اس فائل کو ان کے اوپر سلیقے سے رکھا اور واپس اس کی میز کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''سر.... اشعر صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آج آفس نہیں آ سکیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ سے کہوں ان کا ٹیکسٹ دیکھ لیں فیروز صاحب سے میٹنگ سے پہلے۔''

''میٹنگ.... میٹنگ.... میٹنگ....'' فاتح نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''جانتے ہو' شاہدان' جب میں چھوٹا تھا تو سمجھتا تھا کہ ملک کا وزیراعظم پورے ملک کی رکھوالی کرتا ہے۔ اس کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ کسی عقاب کی طرح۔''

شاہدان مسکراتے ہوئے پردھان منتری کو سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

''لیکن وزیراعظم بننا سری پردھانہ میں قید ہونے کا نام ہے۔ سارا دن ہم کیا کرتے ہیں؟ میٹنگز اور میٹنگز۔ کابینہ سے میٹنگ۔ مختلف شہروں سے آئے اپنے پارٹی اراکین سے میٹنگز۔ مجھے تو بھول ہی گیا ہے کہ کے ایل کے پارک اور تالاب کیسے دکھتے تھے۔''

کہتے ہوئے فاتح نے فون نکالا اور اشعر کا پیغام دیکھنے لگا۔ شاہدان تذبذب سے سر ہلا کے واپس مڑ گیا۔ اس سے زیادہ وہ پی ایم کا وقت نہیں ضائع کر سکتا تھا۔

''جانتے ہیں فارورڈ بلاک کی قیادت کون کر رہا ہے؟ فیروز۔ میں نے اسے آپ کے آفس بھیجا ہے۔ آپ اس سے ڈیل کر لیں۔''

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ چہرے سے لگتا تھا وہ پیغام پڑھ کے شدید برہم ہوا ہے۔ اس نے انٹر کام اٹھایا اور تلخی سے حکم جاری کیا۔

''فیروز کو اندر بھیجو۔'' پھر عینک اتار کے پیچھے کو ٹیک لگالی۔

تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر ٹوپی والا آدمی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے بسی اور ناپسندیدگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ سامنے بیٹھا وان فاتح اپنا غصہ دبائے بظاہر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''پچھلی حکومت میں میں ٹھیک سے چار قانون بھی نہیں پاس کروا سکا تھا' فیروز۔ صرف اس لیے کہ میرے پاس پارلیمان میں کھلی اکثریت نہیں تھی۔ اس دفعہ ہے۔ لیکن اگر میرے ہی منسٹرز میرے خلاف فارورڈ بلاک بنا کے میرے ارکان کو توڑ لیں گے تو میں ایجوکیشن بل کیسے پاس کرواؤں گا جس کے لیے پچھلے چار ماہ سے ہم دن رات کام کر رہے ہیں؟''

''داتو سری.... اراکین آپ سے ناراض ہیں۔ آپ نے ان سے کیے وعدے پورے نہیں کیے۔ اگر آپ میری جگہ خود کو رکھ کے سوچیں تو....''

''میں تمہاری جگہ نہیں ہوں' فیروز۔ تم اپنی جگہ خود کو رکھ کے سوچو۔ تمہارے بلاک کا کیا مستقبل ہے؟'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا اور پیپر ویٹ ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ ''صوفیہ رحمٰن کی کھلم کھلا حمایت تم کر نہیں سکتے۔ ہم سے کٹ کے تمہیں نہ فنڈز ملیں گے نہ تمہیں میڈیا ایک ہفتے سے زیادہ کوریج دے گا۔ کچھ عرصے بعد تمہارے ارکان ٹوٹ ٹوٹ کے واپس میرے پاس آجائیں گے۔ تم لوگ خسارے کا سودا کر رہے ہو۔''

آفس میں چند لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فیروز نے پہلو بدلا۔

''داتو سری... ہمارے بغیر بل پاس نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہمارے مطالبات سننے پڑیں گے۔''

''تم جانتے ہو میں نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ آپ کو میرا استعفیٰ چاہیے۔'' وہ زہر خند ہوا۔ ''لیکن میرا استعفیٰ لے کر آپ خود کو میرے اور میرے بلاک کے ووٹوں سے محروم کر دیں گے، خسارے کا سودا آپ کر رہے ہیں۔''

''مجھے تمہارا استعفیٰ نہیں چاہیے۔ میں تمہیں ایجوکیشن کمیٹی کا چیرمین بنانے جا رہا ہوں۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ فیروز دنگ سا اسے دیکھے گیا۔ ''اور میرے ساتھی اراکین؟ ان کو کیا ملے گا؟''

''کچھ بھی نہیں۔ تم ان کو راضی کرو گے کہ وہ میرے بل کے حق میں ووٹ دیں۔ کیسے راضی کرو گے' یہ تمہارا کام ہے۔''

وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ ''تم میرے بہترین آدمیوں میں سے ایک ہو۔ ایجوکیشن کمیٹی کی کرسی

تم سے زیادہ کوئی ڈیزرو نہیں کرتا۔ لیکن اس کے لیے بل کا پاس ہونا ضروری ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔"

"ایش۔" اس کے جانے کے بعد فاتح موبائل کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "فیروز راضی ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"اور باقی آدھا مسئلہ؟ شکری صاحب کے پاس بھی ناراض اراکین کا گروہ ہے۔ اس کو کس چیز لا کا لچ دیں گے ہم؟"

"نہیں وہ فیروز کی طرح کا نہیں ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ سمجھو ہمیں اس کی غداری کا علم ہی نہیں ہے۔ میں کیبنٹ میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ میٹنگ میں میں اس کی پرفارمنس پہ ناراضی کا اظہار کروں گا۔ تم یہ خبر میڈیا کو دے دینا۔ چار دن تک رپورٹرز اس کی بری پرفارمینس پہ اتنی خبریں چلائیں گے کہ میں اس کا استعفیٰ قبول کرنے پہ مجبور ہوں گا۔"

"یہ زیادہ اچھا ہے۔"

"ایش...." وہ رکا اور ٹھہر کے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ "تم نے صبح کہا تھا کہ تم نے تالیہ کو دیکھا۔ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ.... تم نے کیا دیکھا تھا۔"

"آبنگ.... دیکھیں.... میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا پارلیمان ہاؤس میں جس کی شکل تالیہ مراد سے بہت ملتی تھی۔ بس ایک جھلک دیکھی۔ اب مجمع میں اسے روک تو نہیں سکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ تالیہ تھی بھی یا نہیں۔"

"کیا وہ واپس آ گئی ہے؟" فاتح نے کرسی کا رخ موڑا اور کھڑکی سے نظر آتے سبزہ زار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "اتنے سال بعد؟"

"آبنگ.... ہم حکومت میں ہیں۔ پولیس ہماری ہے۔ اگر وہ آ گئی ہے تو چھپ نہیں سکے گی۔ اسے کوئی نہ کوئی ڈھونڈ لے گا۔ ریلیکس۔ آپ بل پہ فوکس کریں۔"

فاتح نے فون رکھا اور کھڑکی کی ساتھ دیوار پہ نصب وائٹ بورڈ کو دیکھا جس پہ دو خانے مارکر سے بنائے گئے تھے۔ دونوں خانوں میں رنگ برنگے مقناطیسی گوٹ جڑے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھا اور وائٹ بورڈ تک آیا۔ یس اور نو کے خانوں میں "نو" کے حصے میں آنے والے گوٹ زیادہ تھے۔

"فیروز واپس آ گیا ہے۔ اس کے ساتھ اراکین بھی واپس آ جائیں گے۔" اس نے ایک ایک کر کے "نو" سے چھے گوٹ اٹھا کے یس کے خانے میں لگائے۔ حساب ابھی تک اس کے خلاف جا رہا تھا۔ اسے اب بھی مزید ووٹ چاہیے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟" آواز پہ وہ چونکا۔ گردن موڑ کے دیکھا تو سفید فراک والی بچی کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے سفید ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا اور سادگی سے پلکیں جھپکاتی پوچھ رہی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ میں اتنے سال سے اس کرسی پہ کیا کر رہا ہوں۔'' وہ واپس بورڈ کو دیکھنے لگا۔ ''میں یہاں لوگوں کی فلاح کے کام کرنے آیا تھا لیکن ایک دن بھی مجھے اپنوں اور غیروں نے سکون نہیں لینے دیا۔ یہ ہر روز میری کرسی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہر روز اپنا تخت ان کو ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے اپنی جاب پسند نہیں ہے' آریانہ اور اپنی جاب کو پسند نہ کرنا ایک شدید ذہنی اذیت ہے۔''

آریانہ خاموشی سے اسے سنے گئی۔ اب وہ زیادہ بولا نہیں کرتی تھی۔ یا شاید وان فاتح کو اس کی آوازیں کم سنائی دیا کرتی تھیں۔

☆☆==========☆☆

ہوٹل کے کمرے کے پردے برابر تھے اور اندر صرف ٹیبل لیمپس کی روشنی پھیلی تھی۔ بیڈ سفید چادروں سے نفاست سے بنایا گیا تھا۔ سامنے دو صوفے رکھے تھے جن کے دائیں بائیں ایستادہ زرد لیمپ ان کاغذوں پہ روشنی بکھیر رہے تھے جنہیں تالیہ اور احمد نظام بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

''چے تالیہ.... آپ کو گرفتاری دے دینی چاہیے۔ یا کم از کم مجھے ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی اجازت دیجیے۔''

وہ جو فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی' سر اٹھا کے خفگی سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''تالیہ وقت سے چھے سال پیچھے ضرور ہے لیکن بہت سوں سے اب بھی آگے ہے۔ ابھی اس سب کا وقت نہیں آیا۔''

''آپ کیا پلان کر رہی ہیں؟''

''مجھے فاتح سے ملنا ہے۔ ایڈم نے کہا ہے کہ میشا تاج کی نمائش پہ مجھے ان سے ملوا دے گا۔'' وہ ماتھے پہ سلوٹیں لیے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''مگر وہاں سیکیورٹی ہوگی۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔ اور میشا تاج کون؟ وہ آرٹسٹ کم ٹیوٹر؟''

''جی۔ اور حیرت کی بات ہے ایڈم کو وہ بالکل یاد نہیں۔''

''کیا ایڈم صاحب بھی ان سے واقف تھے؟ یعنی چھے سال قبل؟''

تالیہ نے فائل بند کی اور گہری سانس لے کر انہیں دیکھا۔ ''آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔''

اسی لمحے فون بجا تو احمد نظام چپ ہو گئے۔

''مس مراد.... آپ کے لیے اچھی خبر ہے۔'' ایڈم کا خوشگوار مگر پروفیشنل سا لہجہ سنائی دیا۔ تالیہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''اشعر محمود کے بیٹے کی سالگرہ کا دعوت نامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ آپ نمائش کی بجائے اسی سالگرہ پہ جا سکتی ہیں میرے

ساتھ۔"

"اچھا؟ کب ہے سالگرہ؟"

"کل شام۔ وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہا ہوں۔ لیکن احتیاط کیجئے گا۔ یہ ٹریپ بھی ہو سکتا ہے اور آپ گرفتار بھی ہو سکتی ہیں۔"

"یوں آپ کی کہانی زیادہ دلچسپ ہو جائے گی۔"

"یہ تو ہے۔"

"تالیہ!" کال بند ہوئی تو اسے سوچ میں گم دیکھ کے احمد نظام نے متنبہ کیا۔" آپ سوچیں بھی مت کہ آپ یہ خطرہ مول لے سکتی ہیں۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔"

"کوشش میں کیا حرج ہے؟ مجھے فاتح سے ملنا ہے۔"

"اس روز پارلیمان میں اشعر نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ کیا معلوم یہ ایک ٹریپ ہو اور وہ آپ کے انتظار میں ہوں۔"

"میں محتاط رہوں گی۔ کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا جب تک کہ میں خود نہ چاہوں۔" وہ اٹھی اور میز تلے سے ایک بیک پیک اٹھا کے کندھوں پہ ڈالا۔ پھر ہڈ سر پہ گرا دی۔

"اور اگر آپ گرفتار ہو گئیں؟" وہ افسوس سے اس کو کہیں جانے کے لیے تیار ہوتے دیکھ رہے تھے۔

"تو آپ مجھے جیل سے نکالنے کا کوئی طریقہ سوچ رکھیے گا۔ بس ایک دفعہ میں فاتح سے مل لوں' پھر بھلے گرفتار ہو جاؤں' مجھے فرق نہیں پڑتا۔" وہ پرعزم لہجے میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"اتنا اعتماد اچھا نہیں ہوتا' چے تالیہ۔ دنیا چھے سال آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ ابھی تک وہیں کھڑی ہیں۔"

مگر وہ باہر نکل چکی تھی۔ انہوں نے افسوس بھری سانس خارج کی۔

تالیہ کے پلانز تھے۔ تالیہ کی مرضی۔

☆☆=========☆☆

صبران کی سالگرہ ایک ریستوران میں منائی جا رہی تھی۔ وہاں چند دوست احباب اور قریبی فیملی کے لوگ موجود تھے۔ کیک کٹنے سے کھانا لگنے تک اشعر محمود بے چین رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار مہمانوں میں مصروف کھڑے خوش باس سے فاتح کی طرف اٹھتیں۔ پھر وہاں سے سفر کرتی سیکیورٹی چیف تک چلی جاتیں۔ وہ اشعر کو دیکھ کے مایوسی سے نفی میں سر ہلاتا تو اشعر کی بے چینی بڑھ جاتی۔

وہ نہیں آئی تھی۔ٹریپ ناکام گیا تھا۔

''اردگرد موجود تمام سیکیورٹی ٹیمز کو کوئی مشتبہ عورت نہیں نظر آئی۔''

پارٹی کے اختتام کے قریب سیکیورٹی چیف اس کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔اشعر نے برہمی سے ریستوران کے لاؤنج میں پھیلے مہمانوں کو دیکھا۔

''وہ آئے گی۔وہ آبنگ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ڈیسپریشن اس سے غلط حرکت کروائے گی۔''

''پورا ریستوران چیک کیا ہے۔باتھ روم۔چھت۔وہ نہیں آئی۔'' پھر وہ اس کے پاس نہیں رکا۔آگے بڑھ گیا۔اشعر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔وہ وان فاتح کے قریب گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا سر۔ہم نے آج ایک ٹریپ سیٹ کیا تھا.....'' وہ بتاتا گیا۔

دور سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اشعر کے لب بے بسی سے بھنچے۔وہ فوراً اس جانب لپکا۔جب وہ قریب پہنچا تو اس نے فاتح کو کہتے سنا۔''جانتا ہوں۔اشعر نے بتایا تھا۔''

اس کے بظاہر سرسری انداز پہ آفیسر قدرے پھیکا پڑ گیا۔پھر فاتح کی نظریں اشعر سے ملیں تو وہ اپنے پردھان منتری کی آنکھوں میں در آنے والا غصہ پہچان گیا۔فاتح ایک کٹیلی نظر اس پہ ڈال کے واپس مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن گاہے بگاہے اشعر کی طرف نظر اٹھتی تو اس میں عجیب سی کاٹ ہوتی۔

''سر آپ کے لیے کال ہے۔''اس کے پی اے نے قریب آ کے اطلاع دی تو اس نے برہمی سے اسے ٹوکا۔

''ابھی نہیں۔''

''سر.....کوئی احمد نظام ہیں۔کسی تالیہ مراد کے وکیل۔وہ بات کرنا.....''اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل اشعر نے فون چھین لیا اور کان سے لگایا۔''ہیلو؟''اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اشعر صاحب.....میں احمد نظام بول رہا ہوں۔آپ کو شاید میں یاد نہ ہوں لیکن ایک زمانے میں.....''

''مجھے آپ یاد ہیں۔''وہ تیزی سے بولا۔''آپ نے کہا آپ تالیہ مراد کے وکیل ہیں؟''

''جی۔میں ان کا وکیل ہوں۔اور میں جانتا ہوں کہ آپ ان کی تلاش میں ہیں لیکن میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے میری کلائنٹ کو کسی.....''شور کے باعث آواز کٹنے لگی۔

''آپ ایک مفرور ملزمہ سے رابطے میں ہیں؟واؤ۔''وہ چہرہ جھکائے بات کرتا دروازے کے قریب چلا گیا جہاں رش کم تھا اور سگنل بہتر تھے۔

''دیکھیں اشعر صاحب..وہ میری کلائنٹ ہیں۔اور میں ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دائر کر رہا ہوں۔تالیہ نے آپ کی بہن کا قتل نہیں کیا تھا۔ یہ ایک غلط فہمی تھی۔''

''اسی لیے وہ اتنے سال غائب رہی؟'' سگنل کمزور تھے اور آواز پھر سے کٹنے لگی تو وہ ریستوران سے باہر نکل آیا۔ایک محتاط نظر وان فاتح پہ بھی ڈالی جو اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا۔آواز بہتر ہوئی تو وہ اسی درشتی سے کہنے لگا۔

''ہم مل بیٹھ کے اس معاملے کو حل کر سکتے ہیں۔میں تالیہ کو آپ سے بات کرنے پہ راضی کر سکتا ہوں۔وہ صرف پردھان منتری سے ایک دفعہ ملنا چاہتی ہے۔''

''میری تالیہ مراد سے بات اب کورٹ میں ہوگی۔'' وہ ریستوران کے برآمدے کے اسٹیپ پہ کھڑا درشتی سے کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں تنفر تھا۔نظریں سامنے سڑک پہ گزرتی گاڑیوں پہ جمی تھیں۔ان کے پار ایک پلازہ تھا جس کی کچھ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور کچھ کھلی تھیں۔

''اشعر صاحب پلیز....اس کا حق ہے کہ اسے سنا جائے۔''

لیکن اشعر محمود اس کو نہیں سن رہا تھا۔اس کی نظریں سڑک کے پار جم گئی تھیں۔وہاں درخت کے ساتھ ایک ہڈ والا نسوانی وجود کھڑا تھا۔اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔گردن ذرا ترچھی تھی جیسے وہ ریستوران کی شیشے کی دیوار کے پار شمالی حصے کو دیکھ رہی تھی۔یہاں سے اس کی آنکھیں نہیں دکھائی دیتی تھیں لیکن....اشعر نے رخ پھیر کے دیکھا...وہ اندر سے نظر آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی....سایے میں کھڑی لڑکی....جیبوں میں ہاتھ ڈالے...ہڈ سر پہ گرائے...اشعر نے کال کاٹی اور دھیرے سے سیکیورٹی آفیسر کا نمبر ملایا۔پھر فون کان سے لگائے آگے بڑھا۔

ابھی اس نے ایک طرف کی سڑک پار کی تھی جب ہڈ والی لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔درمیان میں دو تین گاڑیاں زن سے گزریں اور اس نے لڑکی کو مڑ کے بھاگتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی بھی شے کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے دوڑا۔

گاڑیوں کے ہارن چیخے۔بریک چرچرائے۔وہ سڑک کنارے آگے بھاگتی جا رہی تھی۔اشعر پوری رفتار سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔فون کان سے لگا تھا اور سیکیورٹی آفیسر کا نمبر بزی مل رہا تھا۔(فون اٹھاؤ' ایڈیٹ۔)

وہ ایک موڑ مڑ کے غائب ہوگئی۔وہ تیزی سے دوسری طرف آیا تو ایک جھلک سی دکھائی دی۔سامنے والی عمارت کے زیر زمین پارکنگ کی طرف اس نے ایک ہیولے کو گم ہوتے دیکھا تھا۔ایک سیکنڈ کا عمل تھا۔وہ تیزی سے پارکنگ ایریا کی طرف بھاگا۔

اندر دور دور تک گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔بھاری ستونوں نے پارکنگ لاٹ کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔مدھم

بتیاں روشن تھیں۔ سناٹا چھایا تھا۔ دور دور تک اس کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

''تالیہ....'' اس نے بلند آواز میں پکارا اور احتیاط سے قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ ''مجھے معلوم ہے تم کسی ستون کے پیچھے چھپی ہو۔ اب چھپنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔'' وہ اسے پکار رہا تھا۔ فون اب نیچے کر دیا تھا۔

نظریں ادھر ادھر تعاقب میں دوڑ رہی تھیں۔

''باہر آجاؤ....اب تمہارے پاس کوئی راہ فرار نہیں ہے۔'' اس کی آواز پارکنگ لاٹ کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگی۔

''تالیہ....تم اگر...''

وہ ایک قدم آگے بڑھا اور جانے کس ستون کے پیچھے سے وہ نکل کے آئی اور پورے قوت سے اپنا بیگ اس کے منہ پہ مارا۔ وہ پلٹ کے پیچھے کو جا گرا۔ وہ بھاگنے لگی لیکن اشعر نے اس کو ٹخنے سے پکڑ کے کھینچا۔ وہ لڑھک کے نیچے جا گری۔ پھر وہ اٹھنے لگی جب اشعر نے اسے کندھوں سے دبوچ کے نیچے گرایا۔ تالیہ نے زور سے اپنا سر اس کے منہ پہ مارا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ اشعر چکرا گیا۔ گرفت ڈھیلی پڑی۔ دونوں کے چہروں سے خون کے فوارے چھوٹے۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ غرائی اور زوردار مکا اس کے منہ پہ مارا۔

اس کی مٹھی میں کچھ تھا اس لیے مکے کی شدت بہت زور سے محسوس ہوئی۔ اشعر محمود کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ اوندھا ہو کے زمین پہ جا گرا۔ وہ اٹھی اور اس کے سر کی پشت پہ ایک ضرب مزید لگائی۔ اشعر کا دماغ اندھیروں میں ڈوبتا گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

چند منٹ بعد اس کے حواس بحال آئے اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا....وہ تنہا وہاں پڑا تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھا اور منہ سے نکلتا خون آستین سے پونچھا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین پہ وقت دیکھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ ہی بے ہوش رہا ہوگا۔

''میں ادھر سامنے پلازہ کی پارکنگ میں ہوں۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔'' اس کا سر چکرا رہا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے ہوئے اس نے فون پہ ہدایات جاری کیں۔ ''اردگرد کے تمام سی سی ٹی وی کیمراز کا جائزہ لو۔ وہ کس سمت میں گئی ہے۔ اس کو ٹریس کرو۔'' وہ غصے سے غراتا ہوا اٹھا اور ٹائی ڈھیلی کی۔

''اسے ٹریس کرنا اتنا مشکل نہیں تھا سر۔''

کچھ دیر بعد وہ سڑک کنارے ایک سیاہ شیشوں والی کار میں بیٹھا تھا۔ آئس بیگ ماتھے پہ رکھے وہ غور سے سیکیورٹی آفیسر کو

سن رہا تھا جو فاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

''سامنے والی دکان کے کیمرے میں وہ ٹیکسی پہ سوار ہوتی نظر آئی تو ہم نے ٹیکسی کو چند بلاک دور تک ٹریس کر لیا۔ اس نے ٹیکسی بدل لی اور دوسری میں سوار ہو گئی۔ ہم نے ٹریفک کیمرا ز سے اس کو بھی ٹریس کر لیا اور فی الحال اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گی۔'' پھر اس کی زخمی حالت دیکھی۔ اشعر کے ماتھے پہ گومڑ بن چکا تھا اور ناک سے بہتا خون اب بمشکل رکا تھا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں۔ میں گر گیا تھا۔ اس لیے۔''

سیکیورٹی آفیسر زیر لب مسکرایا۔ دفعتاً اس کے کان میں لگے آلے میں آواز سنائی دی۔ اس نے دھیان سے سنا اور پھر فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔

''مبارک ہو' سر۔ تالیہ مراد کو سگنل پہ روک کے ٹیکسی سے نکال کے گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

اشعر کا آئس بیگ والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھنے لگا۔ یقین نہیں آیا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ تالیہ ہی ہے؟''

''جی سر۔ اور اس کے ماتھے سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ شاید وہ بھی گری تھی۔''

''میں نے اسے گرایا تھا۔'' وہ نفرت سے پھنکارا اور آئس بیگ پرے ڈال دیا۔ اس کا چہرہ بیک وقت کئی جذبات کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ ''مجھے یقین نہیں آیا۔ مجھے ثبوت دکھاؤ۔''

آفیسر نے موبائل پہ اپنے ایک اہلکار کو ویڈیو کال ملائی اور پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہاں وہ اہلکار زخمی چہرے والی تالیہ مراد کو پولیس کار میں بٹھاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تالیہ ہی تھی۔ وہ واقعی تالیہ ہی تھی۔

وان فاتح جس وقت گھر میں داخل ہوا' لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی جولیانہ (جو اینٹی سوشل ہونے کے باعث سالگرہ پہ نہیں گئی تھی) تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔

''ڈیڈ..... تالیہ مراد اریسٹ ہو گئی ہے۔''

اس فقرے نے فاتح کو بالکل گنگ کر دیا۔ اس کی ششدر نظریں ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

''ایک حیرت انگیز ٹوئسٹ۔ قریباً چھے سال بعد عصرہ محمود کے قتل کی ملزمہ تالیہ مراد منظر عام پہ آ گئیں۔'' اسکرین پہ نظر آتی رپورٹر جوش سے بتا رہی تھی۔

''پولیس نے تالیہ مراد کو مخبری کے بعد ایک ٹیکسی سے سر راہ گرفتار کر لیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ تالیہ مراد کو عصرہ محمود کے قتل

کیس میں پولیس کی طرف سے اشتہاری قرار دے دیا گیا تھا۔اور چھے برس تک پولیس ان کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔لیکن بالآخر پولیس کی کوششیں رنگ لائیں اور تالیہ گرفتار ہوگئیں۔یاد رہے کہ وہ ایک زمانے میں پردھان منتری کی چیف آف اسٹاف اور فیملی فرینڈ ہوا کرتی تھیں۔تالیہ مراد اس وقت ایک معروف سوشلائیٹ اور آرٹسٹ بھی تھیں جو.....''

پیچھے ٹی وی اسکرین پہ پولیس اسٹیشن کے خصوصی مناظر دکھائی دے رہے تھے جہاں ایک سیاہ ہڈی والی لڑکی کو پولیس کار سے نکال کے اندر لے جایا جا رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں تھیں۔اندر لے جاتے ہوئے اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کے پیچھے کھڑے کیمروں اور رپورٹرز کے ہجوم کو دیکھا اور پھر گردن موڑ لی۔وہ اسے اندر لے گئے۔چھے سیکنڈ کا یہ کلپ چینل والے بار بار دکھا رہے تھے۔اور وہ اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔

چھے سال بعد آج بھی وہ چہرہ ویسا ہی تھا۔وہی بال۔وہی غزال آنکھیں۔لب کاٹتے جھکایا ہوا سر۔ماتھے سے بہتا خون۔

وہ ششدر سا لاؤنج کے وسط میں کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔چھے سال درمیان سے غائب ہو گئے تھے۔

''اب کیا ہوگا' ڈیڈ؟'' وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔آج وہ جولیانہ کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔بدقت اتنا ہی بولا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' جولی۔کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ریلیکس۔'' جیب سے فون نکالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

بنداہارا کو ایک قیدی سے ملاقات کا انتظام کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆

پولیس اسٹیشن کے باہر مختلف نیوز نیٹ ورکس کی ڈی ایس این جیز کھڑی نظر آ رہی تھیں۔سڑک پہ رپورٹرز اور کیمرہ مینوں کا رش لگا تھا۔کیمرہ لائٹس سے رات میں دن کا سا سماں لگتا تھا۔پولیس نے پٹی لگا کے حد بندی کر رکھی تھی اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

ایک انٹیروگیشن روم میں میز کے دونوں اطراف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ایک طرف آئینے کی دیوار تھی۔ایک کرسی پہ بیٹھی ہڈ والی لڑکی ماتھا میز پہ ٹکائے ہوئے تھی۔تبھی دروازہ کھلا اور پولیس اسٹیشن کا شور پولیس کمشنر کے ساتھ اندر آیا۔اگلے ہی لمحے کمشنر نے دروازہ بند کیا تو شور کا راستہ بھی رک گیا۔وہ سانولی رنگت اور سپاٹ چہرے والا کمشنر آستینیں چڑھائے' ایک فائل لیے خالی کرسی تک آیا۔نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کی مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔امید ہے اب آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں گی۔''

اس نے سر اٹھایا۔تیز روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ماتھے پہ سلوٹیں تھیں۔چہرے پہ بے بسی کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ماتھے اور گال پہ بینڈیج لگا تھا اور ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔چندلٹوں پہ خون جما نظر آ رہا تھا۔آنکھ کے قریب چوٹ لگنے

سے وہاں پھیلی نیلاہٹ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

''ہڈ اتار دیں۔'' کمشنر نے بیٹھتے ساتھ اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی' آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ پھر ہڈ پیچھے گرا دی۔

''آپ کو یہ زخم کیسے پیش آئے؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''لائٹ آہستہ کر دیں۔'' اس نے ماتھے کے اوپر ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔ چہرے پہ خوف سا پھیلنے لگا تھا۔

''آپ کو اندھیروں میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے شاید۔ اسی لیے آپ یہاں کسی کو فیس نہیں کر پا رہیں۔''

''مجھے... مجھے اپنے آفس میں لے جائیں۔ میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔'' اس نے سر جھکا دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ روشنی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کیا آپ کو روشنی کا فوبیا ہے؟''

اس نے چہرہ اٹھا کے برہمی سے کمشنر کو دیکھا۔ ''مجھے ایک دفعہ پہلے بھی اسی طرح گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر وہ سب ایک پرینک تھا۔ مجھے اس.... اس تفتیشی کمرے کا فوبیا ہے۔''

''ہوں۔ یہاں آنے سے وہ ساری یادیں واپس آ رہی ہیں؟''

تالیہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں اور سر جھکا دیا۔ دونوں ہاتھ کنپٹیوں پہ رکھ لیے۔

''آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں؟''

''میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' سختی سے آنکھیں میچے وہ بولی۔

''ابھی آپ نے اپنے وکیل کو جو کال کی تھی وہ اسپیکر فون پہ میں نے سنی تھی۔ وہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ ہم پولیس والے آپ کو بولنے پہ اکسائیں گے اور آپ نے صرف خاموش رہنا ہے۔ لیکن بے تالیہ....'' وہ آگے کو ہوا اور نرمی سے بولا۔ ''ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ آپ جب تک اپنی کہانی ہمیں نہیں سنائیں گی ہم کیسے آپ کی مدد کریں گے۔''

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں میچے بیٹھی رہی۔

''آپ نے عصرہ کا قتل کیوں کیا؟''

''میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور کمشنر کو دیکھ کے غرائی۔

''یعنی آپ بے قصور تھیں؟'' آفیسر کا لہجہ مزید نرم ہوا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ پلکیں جھپکائیں۔ کمشنر کو محسوس ہوا وہ آنکھوں کو تیز روشنی کا عادی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''آپ میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں بولوں گی۔''

''نہیں۔ مجھے واقعی اس کیس کے مندرجات پہ شک ہے۔ آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔ لیکن اگر آپ بے قصور تھیں تو چھے سال تک مفرور کیوں رہیں؟''

''میں مفرور نہیں تھی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ ''میرے وکیل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟''

''تو پھر آپ کہاں تھیں؟'' وہ اس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔

''میں....'' اس نے لب کاٹے۔ ''میں اپنی مرضی سے غائب نہیں ہوئی تھی۔''

''یعنی کسی نے آپ کو غائب کیا تھا؟''

آئینے کے پار تین افسران کھڑے غور سے اس کمرے میں جھانک رہے تھے۔ تالیہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے پاس نصب اسکرینز پہ اس کے چہرے کا کلوز اپ دکھایا جا رہا تھا۔ اس کا ہر لفظ ریکارڈ کیا جا رہا تھا۔

''مجھے.... مجھے اغوا کیا گیا تھا۔'' اس نے کہنے کے ساتھ خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ دیوار پہ لگی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

''کس نے اغوا کیا تھا آپ کو؟''

''مجھے نہیں پتہ۔ میں نے اغوا کاروں کا چہرہ نہیں دیکھا۔'' اس نے پھر سے دروازے کو دیکھا۔ مٹھیاں میز پہ رکھے وہ روشنی کے باعث چہرے کو ترچھا کیے بیٹھی تھی۔ آفیسر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ.... آپ کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا پڑے گا۔'' کمشنر کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''چھے سال تک آپ کو کس نے اغوا کر کے رکھا' ہاں؟'' وہ اب سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے.... نہیں پتہ۔''

''انہوں نے آپ کو اغوا کر کے جس جگہ رکھا تھا اس کے بارے میں بتائیں۔''

وہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ''پتہ نہیں۔ میری آنکھوں پہ پٹی تھی۔'' توقف سے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔ ''جب پٹی کھلتی تو ایک... مستطیل سا کمرہ نظر آتا۔''

''اس کمرے میں کوئی دروازہ تھا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ ہاں تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ تیز روشنی کے سامنے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا پھر سے بنا لیا۔ ''اصل میں وہ کمرہ نہیں تھا۔''

''اچھا۔وہ کیا تھا؟''وہ تحمل سے بولا۔

''وہ.... کسی ٹرک کا کنٹینر تھا۔وہ...وہ موو کر رہا ہوتا تھا۔کیا آپ اس روشنی کو ہلکا نہیں کر سکتے؟''

''کسی اغوا کار کی شکل دیکھی تھی آپ نے؟''

''نہیں۔انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔''

''آف کورس انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔''وہ بےزاری چھپا کے بولا۔''آپ وہاں سے کیسے بھاگیں؟''

''میں.... پتہ نہیں۔میں نے ایک دن ایک اغوا کار پہ حملہ کر دیا جب وہ میرے ہاتھ باندھ رہا تھا۔میں اسے گرا کے باہر نکل آئی۔وہ ملاکہ کی کوئی سڑک تھی۔بس میں وہاں سے بھاگ گئی۔''

''جس سڑک پہ آپ اس کنٹینر سے نکلیں....وہ سڑک یاد ہے کون سی تھی؟''

''جونکر اسٹریٹ۔''وہ تیزی سے بولی۔

''اور کنٹینر کا رنگ کیا تھا؟''

''رنگ؟''وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اگر آپ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ وہ سڑک کون سی تھی تو یقیناً ایک دفعہ مڑ کے اس کنٹینر کو بھی دیکھا ہوگا جو اتنے سال سے آپ کو مقید کیے ہوئے تھا۔''

''پتہ نہیں۔رات تھی۔میں نے غور نہیں کیا۔میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔نیلا یا شاید سرخ۔شاید دونوں رنگ تھے۔''

''اور اس کا نمبر کیا تھا؟اب یہ مت کہیے گا کہ آپ نے نمبر پلیٹ بھی نہیں دیکھی۔''

''نو....نمبر پلیٹ پہ مٹی لگی تھی....آخر میں ڈبل سیون آتا تھا۔''

''عصرہ محمود سے آپ کا تعلق کیسا تھا؟''

وہ ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگی۔پھر سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مزید کچھ نہیں کہوں گی۔''وہ تیزی سے بولی تو کمشنر ہلکا سا مسکرایا۔اس نے چند سوال مزید پوچھے لیکن وہ سختی سے لب آپس میں پیوست کیے بیٹھی رہی۔

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور ایک سپاہی احمد نظام کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔تالیہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''آپ نے کچھ کہا تو نہیں؟''انہوں نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے تالیہ کو غور سے دیکھا۔اس نے بس ابرو اچکا دیے۔

''آپ کی کلائنٹ نے چھے سال تک قید میں رکھے جانے کی ایک فلمی کہانی سنائی ہے جو اگر جھوٹی نکلی تو یہ مزید مشکل میں پڑ

جائیں گی۔'' کمشنر محظوظ انداز میں بولا تو احمد نظام نے صدمے سے اسے دیکھا۔

''اب آپ خاموش رہیں گی۔'' انہوں نے اسے گھور کے کہا۔ پھر کاغذات سامنے رکھتے ہوئے آفیسر کی طرف گھومے۔

اس نے پھر سے سر جھکا دیا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ تیز روشنی کا راستہ اب رک گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

اشعر جس وقت گھر میں داخل ہوا' ملازم نے اطلاع دی کہ فاتح اس کا اسٹڈی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس لمحے کے لیے تیار تھا۔ اس لیے راہداری کی سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ لیکن اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی وہاں کا منظر اسے چونکا گیا۔

فاتح اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو قانونی مشیران اس کے سامنے کاغذات اور فائلز پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ ناخوشی سے ان میں سے ایک کو سن رہا تھا جو بہت فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''داتو سری.... آپ ایک قتل کے الزام میں گرفتار ملزمہ سے نہیں مل سکتے۔ یہ بہت بڑا ایشو بن جائے گا۔''

''میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپ اس ملاقات کو ارینج کریں' تاکہ مجھے نصیحت کریں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔ آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا شدید برہم نظر آتا تھا۔

''سر یہ ناممکن ہے۔ آپ پولیس اسٹیشن گئے تو اسکینڈل بن جائے گا۔ وہ آپ کی مرحومہ بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے۔ آپ کا اس سے بات کرنا قانونی پیچیدگیوں کا موجب بنے گا۔ اور ہم اسے اس وقت پولیس اسٹیشن سے نکال کے کہیں اور نہیں لا سکتے۔''

''آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں؟'' چوکھٹ پہ کھڑے اشعر نے بے یقینی سے کہا تو فاتح نے برہم نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اشعر کے ناک اور گال پہ بینڈیج لگے تھے۔ اور ایک آنکھ پہ نیل کا نشان تھا۔

فاتح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ محفل برخاست ہونے کا اشارہ تھا۔ دونوں حضرات اپنی فائلز سمیٹ کے وہاں سے اٹھ گئے۔

وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو اشعر نے دروازہ بند کیا اور اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کو اب بھی اس سے ہمدردی ہے؟'' اس نے بے یقینی اور غصے سے پوچھا۔

''تم نے اس کے لیے جال تیار کیا اور مجھے بتانا تک مناسب نہیں سمجھا؟ تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا اقدام کیسے اٹھا سکتے ہو؟'' وہ اس سے زیادہ غصے سے بولا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے درمیان فقط ایک میز حائل تھی۔ اسٹڈی کی دیواریں.... کرسیاں... اور

فائلوں کے ڈھیر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''وہ میری بہن کی قاتل ہے۔ میں اسے سو دفعہ گرفتار کرواؤں گا۔'' اشعر کی آواز اونچی ہونے لگی۔

''وہی بہن جس کو جعلی پینٹنگ دلوا کے تم زمانے میں بدنام کرنے کا پلان کر رہے تھے؟ اس سب کے باوجود میں نے تمہیں اتنے سال اپنے ساتھ نہیں رکھا؟''

''اوہ.... اس طرح اس کا دفاع کرنے کا سوچیں بھی مت' وان فاتح۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ چلایا۔

''اور تم مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ یہ جو تمہارا مقام اور مرتبہ بنا ہوا ہے نا اشعر' یہ میرے ایک دستخط سے ختم بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے انگلی سے سینے پہ دستک دے کر غرا کے کہا تو اشعر ایک لمحے کے لیے چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے دہکتا اب سیاہ پڑنے لگا تھا۔

''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ تم نے اس کو جتنا نقصان پہنچانا تھا' پہنچا لیا۔ مجھے یقین ہے وہ اپنی بے گناہی ثابت کر لے گی۔ لیکن اب تم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کرو گے۔'' وہ اسے سختی سے تنبیہہ کر رہا تھا۔

اشعر دونوں مٹھیاں میز پہ رکھ کے آگے جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن کی قاتل کے خلاف کچھ کرنے سے روک سکتے ہیں۔'' پھر زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''تو پھر سن لو۔ میں اس کی ہر ممکن مدد کروں گا۔ اور میں اسے جیل سے نکال بھی لوں گا۔ تم مجھے نہیں روک سکو گے۔''

اشعر نے پھر سے میز پہ ہاتھ مارا اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے اس نے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ فاتح نے نوچنے والے انداز میں ٹائی کھینچی اور فون اٹھا لیا۔

''کیا اپ ڈیٹ ہے؟'' کچھ دیر بعد اپنی کرسی پہ بیٹھے' وہ سنجیدگی سے فون پہ پوچھ رہا تھا۔ غصہ' برہمی' سب غائب تھا اور اس کا انداز اب ٹھنڈا تھا۔

''انٹیروگیشن جاری ہے۔ اس کا وکیل آ چکا ہے۔ وہ قتل کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہی۔''

''کون ہے اس کا وکیل؟''

''احمد نظام۔ وہ ایک سابق پراسیکیوٹر تھا اور....''

''میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ کیا اس نے بتایا ہے کہ اتنے سال وہ کہاں تھی؟'' پوچھتے ہوئے اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''اس کا کہنا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا تھا اور اتنے سال قید میں رکھا گیا۔ مگر اس کے انداز سے لگتا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے یا خوف کا شکار ہے۔''

''ہوں۔ مجھے آگاہ کرتے رہنا۔'' اس نے پرسوچ نظروں سے دور خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا اور فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم سے اس کی ساری دنیا ہی تلپٹ ہو کے رہ گئی تھی۔

چھے سال بعد وہ واپس آئی تھی۔ چھے سال وہ کہاں رہی' وہ اس سے کیوں نہیں ملی' اور اب اس کی زندگی میں کیا کیا بدل چکا تھا... ان سوالوں کے جوابات صرف تالیہ مراد کے پاس تھے۔ اور اس سے ملاقات کے سارے راستے بند تھے۔

☆☆==========☆☆

سری پردھانہ کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی سرما کی دھوپ سارے آفس کو سینک رہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا' ایک فائل کے صفحے پلٹاتا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سوٹ میں ملبوس شاہدان اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں آج بھی ایک سیاہ فولڈر تھا۔ وہ فاتح کو مخاطب کیے بغیر آگے آیا اور فولڈر شیلف میں رکھا۔ پھر میز کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کھنکھارا۔

فاتح نے فائلوں سے سر اٹھا کیا یک سوالیہ نظر اس پہ ڈالی۔

''یا تنگ دی امان برحرمت.... مجھے آپ کو آگاہ کرنا تھا کہ.... آج تالیہ مراد کی عدالت میں پیشی تھی۔ ان کے وکیل نے ضمانت کی درخواست دائر کی تھی۔''

''اور؟''

''ان کی ضمانت عدالت نے منظور کر لی ہے۔ ان کو رہا کر دیا گیا ہے۔''

ایک لمحے کے خاموش وقفے کے بعد فاتح نے سر کو خم دیا اور بولا۔ ''او کے۔ اور کچھ؟''

''عدالت نے ضمانت کی رقم کافی بھاری مقرر کی تھی۔''

''کس نے رقم ادا کی؟''

''اینکر پرسن ایڈم بن محمد نے۔ اس نے ٹویٹ کی ہے کہ اس نے تالیہ مراد کی کہانی کے رائٹس خرید لیے ہیں۔''

''ٹرائل کب شروع ہو رہا ہے؟''

''غالباً دو ہفتے بعد۔''

''ہوں۔ سلطان عبدالمالک تشریف لے آئے؟'' اس نے واپس کام کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

''قریباً تین منٹ تک وہ پہنچ جائیں گے۔'' شاہدان نے ایک نظر پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلز کے اکٹھے ہوتے ڈھیر کو

دیکھا۔ پردھان منتری نے ان کو ابھی تک نہیں چھوا تھا۔ وہ کچھ کہنے لگا پھر سر جھٹکا اور اجازت لے کر مڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد فاتح نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین آن کی۔

غالباً ہر چینل ایک ہی خبر دکھا رہا تھا۔ عدالت کے باہر رپورٹرز کے نرغے میں تالیہ مراد اپنے وکیل کے ساتھ چلتی باہر آ رہی تھی۔ اس نے سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پہ سیاہ شیشوں والے گلاسز تھے۔ کھلے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔ گال پہ سرخ بھورا نشان' ماتھے کا بینڈیج اور ہاتھ کی پٹی صاف دکھائی دیتی تھی۔

آج وہ کمپوزڈ اور سپاٹ نظر آتی تھی۔ رپورٹرز کے سوالات کی بوچھاڑ پہ سپاٹ چہرہ لیے خاموشی سے آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ایک کار میں بیٹھ گئی۔ وکیل صاحب بھی ساتھ بیٹھے۔ دروازہ بند ہوا اور کار آگے بڑھ گئی۔ اب رپورٹرز اپنے اپنے کیمروں کی طرف رخ کیے اس کیس کی تفصیلات بتانے لگے۔

اور وان فاتح ایک لمحے کے لیے تالیہ کے سپاٹ چہرے پہ اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے لگا۔

اس کے ساتھ چھے سال تک کیا بیتی۔ وہ کہاں تھی۔ اس نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ اپنے باپ کے پاس رہ گئی تھی؟ اس کے پاس ضائع کرنے کے لیے دوسرا لمحہ نہ تھا۔ اس نے اسکرین آف کر دی اور سامنے رکھے کاغذات کو دیکھنے لگا۔

دفعتاً دروازے کھول دیے گئے۔ دربان نے آ کے اطلاع دی۔

یانگ دی پرتوان اگونگ (بادشاہ سلامت) تشریف لا رہے تھے۔ وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''توانکو۔'' کہتے ہوئے تعظیم پیش کی۔

عام دنوں کی نسبت سلطان عبدالمالک سادہ سوٹ میں ملبوس تھے۔ سر پہ ٹوپی تک نہ تھی۔ کھچڑی بال' آنکھوں پہ چشمہ' اور چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وہ آئے۔ شاہی آداب کے بعد دونوں اپنی کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''آپ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتے تھے' داتو سری؟''

''جی' توانکو۔ میں خود آ جاتا۔ آپ نے زحمت کی۔'' الفاظ کے برعکس فاتح لاچہرہ سپاٹ اور لہجہ سرد تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ بتائیں۔ کوئی خاص بات تھی۔''

''توانکو... آپ نے تاریخ کا مطالعہ تو کیا ہوگا؟ میں اکثر کرتا ہوں۔'' وہ میز پہ ہاتھ باہم جما کے رکھے' سکون سے سامنے بیٹھے بادشاہ کو دیکھتے ہوئے اسی سرد لہجے میں کہنے لگا۔ ''قدیم ملاکہ میں سلاطین اپنے دائیں ہاتھ کے طور پہ ایک عہدیدار رکھتے تھے۔ اسے بنداہارا کہا جاتا تھا۔ سلطان اور بنداہارا دونوں تب تک حکومت میں رہتے جب تک ان کی طاقت مخالفین کی طاقت سے زیادہ رہتی۔ جہاں یہ توازن بگڑتا' وہاں ان کا تختہ الٹ جاتا۔''

''میں تاریخ سے واقف ہوں' یا نگ دی امان برحرمت۔''

''پھر آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ جدید دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے میں پانچ سال کے لیے منتخب ہو کے آتا ہوں' ویسے ہی سلطان بھی منتخب ہوتا ہے۔ میرے اور آپ میں فرق ہے' تو انکو۔''

''جیسا کہ؟''

''آپ کو بینلی (کار) پہ سفر کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ لیکن پردھان منتری صرف اپنے ملک کی بنی کار استعمال کر سکتا ہے۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ سلطان مسکرا دیے اور ابرو اٹھائی۔

''آپ نے صرف یہ فرق جتانے کے لیے تو مجھے نہیں بلایا۔''

''جی' تو انکو۔ دوسرا فرق ہم میں یہ ہے کہ پردھان منتری ہمیشہ سلطان سے زیادہ اختیارات رکھتا ہے۔ آپ کا انتخاب تین ماہ قبل ہوا تھا۔ اس سے پہلے آپ ریاست کے حکمران تھے۔ نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو چنا اور یہاں تک پہنچایا۔''

''آپ کھل کے بات کریں' وان فاتح۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

''تو انکو۔'' وہ بھی مسکرایا۔ ''میں جانتا ہوں آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہ چار ریاستوں کے سربراہ میرے خلاف آپ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ صوفیہ رحمٰن سے آپ کی ہمدردی برقرار ہے۔ اسی لیے میرے بل کو پاس ہونے سے روکنے کے لیے میرے اراکین کو آپ توڑ رہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے توڑ توڑ کے کہہ رہا تھا۔

''اور آپ ان اراکین کو اونچے عہدوں کا لالچ دے کر واپس بلا رہے ہیں۔''

''لوگ مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں' تو انکو۔ لیکن جن نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو سلطان بنایا ہے کیا وہ آپ پہ ہمیشہ اعتبار کرتے رہیں گے؟''

''یہ وقت بتائے گا کہ کون کس کو کرسی سے ہٹائے گا' داتو سری۔''

ایک خاموشی کا وقفہ دونوں کے درمیان حائل ہوا۔ پھر فاتح نے گہری سانس لی اور افسوس سے سر جھٹکا۔

''تو انکو... میں اس ملک کا پردھان منتری اس لیے بننا چاہتا تھا تاکہ میں اس ملک میں نئی پالیسیز لاؤں۔ نئے قوانین بناؤں۔ لیکن آپ لوگ مجھے وہ سب کرنے نہیں دینا چاہتے۔ آپ صرف مجھے نقصان نہیں پہنچا رہے۔ میرے لوگوں کو نقصان دے رہے ہیں۔ اس لیے کتنا اچھا ہو کہ آپ اپنے پانچ سال آرام سے حکومت کریں' اور خود کو محلاتی سازشوں سے لاتعلق کر کے اپنے اختیارات انجوائے کریں۔ اور مجھے میرا بل پاس کرنے دیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھے اور مسکرا کے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ میری طرف سے فکرمند نہ ہوں' وان فاتح۔ آپ کے بل کے لیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' پھر بادشاہ سلامت نے اپنے کوٹ کا بٹن بند کیا' نادیدہ شکنیں درست کیں اور ایک نظر کونے میں لگے بورڈ کو دیکھا جو ابھی کور سے ڈھانکا ہوا تھا۔

''ان شاءاللہ اکثریت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

''آپ پردھان استرا انجوائے کریں' تو انکو۔ یہ کٹھن کام میرے لیے چھوڑ دیں۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلیں اداسی سے ان دونوں کو مصافحہ کرتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جانے وہ ہاتھ انہیں کب چھوئیں گے؟ وہ انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام ڈرائیو کر رہے تھے اور وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی' کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کم از کم میں آزاد ہوں۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی تو انہوں نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''لیکن آپ نے اپنا کیس مزید خراب کر دیا ہے' تالیہ۔'' وہ برہمی سے بولے۔ کل سے اس پہ آیا غصہ بالآخر نکل آیا۔ ''میرے آنے سے پہلے آپ کو خاموش رہنا تھا۔ آپ کو اپنی گمشدگی کی اتنی لمبی اور بے سروپا کہانی سنانے کی ضرورت نہ تھی۔''

''میں panic کر گئی تھی.... او کے؟ مجھے انٹروگیشن روم اور ان کی تیز روشنیوں کا فوبیا ہے۔ مجھے پولیس کی قید میں جانے سے اس وقت سے ڈر لگتا ہے۔ میں ابھی تک اس چیز کو ہینڈل نہیں کر پا رہی۔ او کے؟ او کے؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ کی کہانی آپ کو مزید گلٹی ثابت کر دے گی' تالیہ۔ آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔''

''سچ پہ کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ آپ بھی نہیں۔ اغوا والی اسٹوری بہتر تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں نکلتا۔'' وہ شانے اچکا کے بولی۔ احمد نظام نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹا۔

''آپ کے خیال میں وہ اس اسٹوری کو چیک نہیں کریں گے؟ وہ ایسا کنٹینر نہیں تلاش کریں گے؟ وہ آپ کے ان تین چار دنوں کی ساری فوٹیجز نکالیں گے۔ وہ آپ کے ہر قدم کو ری ٹریس کریں گے۔''

''ہاں تو میرے اغوا کار عقلمند تھے نا۔ انہوں نے اب تک کنٹینر کو آگ لگا دی ہوگی یا اسے پانی میں بہا دیا گیا ہوگا۔''

''آپ کس زمانے میں رہ رہی ہیں۔ اتنا ہائی پروفائل کیس ہے یہ۔ وہ شہر کا ایک ایک کنٹینر ڈھونڈیں گے۔''

''زمانے سارے ایک سے ہی ہوتے ہیں' نظام صاحب۔آپ میری فکر نہ کریں۔وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ کے کھڑکی سے باہر روشنی میں نہائے کے ایل کو دیکھنے لگی۔آج پہلی دفعہ....اتنے عرصے بعد....وہ تیز روشنی میں بغیر خوف کے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو پی ایم سے ملنے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''اٹس فنی....اب ہر کوئی ان کو پی ایم کہتا ہے حالانکہ ان کا نام وان فاتح ہے۔اور اچھا ہی ہوا نا میں گرفتار ہوگئی۔یوں میری ضمانت بھی ہوگئی اور اب میں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہوں۔''

''اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کا کیس لے کر میں نے غلطی تو نہیں کر دی۔'' تالیہ نے خفگی سے انہیں دیکھا لیکن وہ اب ایک عمارت کے سامنے کار روک کے موضوع تبدیل کر گئے تھے۔

''میں نے اس بلڈنگ میں آپ کے لیے دو کمروں کا ایک اپارٹمنٹ کرائے پہ لے لیا ہے۔آپ یہاں بہتر محسوس کریں گی۔آپ کا سامان بھی موٹل سے اٹھوا کے یہاں منتقل کر دیا گیا۔'' ایک کی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ۔آپ تمام اخراجات میرے بل میں ڈال دیجیے گا۔'' وہ دروازہ کھول کے باہر نکلی اور سن گلاسز ماتھے پہ چڑھا کے گردن اٹھائے اس اونچی عمارت کو دیکھا۔

''میں پہلے ہی ڈال چکا ہوں۔ابھی آپ آرام کریں۔کل میرے آفس آیئے گا۔ہم آپ کے کیس پہ کام کریں گے۔''

اس نے چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا اور آزردگی سے مسکرائی۔''بہت شکریہ' احمد نظام صاحب۔میری مدد کے لیے۔''

''میں نے کہا نا' میں آپ کے بل میں ساری رقم ڈال چکا ہوں۔ایڈم بھی صبح آفس آئے گا۔تب تک آپ آرام کریں۔''

وہ ہینڈ بیگ لیے آگے بڑھی اور عمارت کے قریب آئی۔خدکار دروازے کھلتے چلے گئے۔لیکن تالیہ اندر نہیں گئی۔وہ رک کے اس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھنے لگی جو اس کی طرف آ رہا تھا۔تالیہ نے دیکھا' اس کے پیچھے ایک سیاہ شیشوں والی لمبی سی کار کھڑی تھی۔

(ابھی میں اس نئے گھر میں داخل بھی نہیں ہوئی اور ان کو پہلے سے خبر ہوگئی۔)

''ہے تالیہ۔'' اس نے قریب آ کے سر جھکا کے سلام کیا۔''میں سری پردھانہ سے آیا ہوں۔آپ کی پی ایم کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔انہوں نے آپ کو بلایا ہے؟''

''ابھی؟''

''نہیں۔کل صبح۔''

تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے اس نوجوان کو دیکھا۔

''سریش۔''

''سریش.... اپنے پردھان منتری سے کہو' تالیہ مراد ان سے نہیں ملنا چاہتی۔''

سریش ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا جیسے اس جواب کی امید نہ ہو۔

''چے تالیہ.... میں ان کو آپ کے انکار کی کیا وجہ بتاؤں؟''

''ان سے پوچھنا کہ وہ مجھ سے ملنے حوالات میں کیوں نہیں آئے؟''

''گستاخی معاف' چے تالیہ' لیکن ملک کا حکمران ایک قیدی سے ملنے نہیں آ سکتا۔''

''اچھا؟'' اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ ''میں تو آئی تھی۔'' جتا کے بولی اور مڑ گئی۔ سرکاری اہلکار بے بسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''اور پھر میری بات کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں تو آئی تھی۔''

قریباً گھنٹے بعد سریش ہاتھ باندھے اپنے پی ایم کے سامنے کھڑا' ساری بات شرمندگی سے بتا رہا تھا۔ وہ سن کے ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ وہ آئی تھی۔ جب وہ مراد راجہ کی قید میں تھا اور اس کا ماتھا' چہرہ' اور ہاتھ اسی طرح زخمی تھا۔ تب وہ آئی تھی اس سے ملنے اور اس نے کسی روکنے والے کے روکنے کی پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن وہ نہیں جا سکا تھا۔

ڈیم ڈیموکریسی۔

''سر... آپ نے جو وقت کل صبح مس تالیہ کے لیے مختص کرنے کو کہا تھا' اسے کینسل کر دوں؟''

''ہاں۔'' اس کے جواب پہ سریش نے سر ہلا دیا۔ وہ جانے کے لیے مڑنے لگا جب فاتح بولا۔

''اسے سوموار کی صبح کا وقت دے دو۔''

سریش تعجب سے واپس گھوما۔ فاتح اب سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ تھا۔

''لیکن.... سر.... سوری لیکن.... انہوں نے تو ملنے سے انکار کر دیا ہے۔''

وان فاتح نے چہرہ اٹھا کے سنجیدگی سے دیکھا۔ ''نہیں۔ اس نے انکار نہیں کیا۔ اس نے تم سے پوچھا ''ابھی؟'' تم نے کہا' کل صبح۔ اسے کل صبح کوئی اہم کام کرنا ہوگا اس لیے سوموار کا وقت دے دو۔''

''او کے... میں...'' وہ گڑبڑا کے بولا۔ حیران نظریں ابھی تک پردھان منتری پہ جمی تھیں۔ ''میں خود جاؤں ان کے پاس یا ان کو کال کر لوں؟ میرے پاس ان کا نمبر ہے۔''

''کال کرو۔اسی لیے اس نے تمہارا نام پوچھا تھا تا کہ تم کال کرو تو وہ پہچان جائے۔'' وہ فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے اب کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔سریش نے آہستہ سے سر ہلایا اور مڑ گیا۔دنیا عجیب لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا سریش' مجھے ان سے نہیں ملنا۔''

''منڈے مارننگ۔صبح آٹھ بجے' میم۔میں سری پردھانہ کے باہر آپ کا منتظر ہوں گا اور آپ کو سیکیورٹی سے گزار کے اندر لے جاؤں گا۔''

تالیہ نے مسکرا کے فون بند کیا۔(وہ اب بھی اس کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔اس دفعہ وان فاتح کچھ نہیں بھولا تھا۔)

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لونگ روم کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔شہر کی اونچی عمارتیں اور سڑکوں پہ بہتا ٹریفک.. یہاں سے سب دکھائی دیتا تھا۔فون رکھ کے اس نے بازو سینے پہ باندھ لیے اور اس خوبصورت شہر کو دیکھنے لگی۔

اس شہر میں آج تالیہ مراد کے کیس کا چرچہ ہوگا اور جب تک ٹرائل چلے گا' اس شہر میں تالیہ کے جرم کی ہی باتیں ہوں گی۔چھے برس پرانا کیس زندہ ہو گیا تھا۔بلاگز' چینلز' کیفے.... ہر جگہ یہی ذکر چھڑ چکا تھا۔

وہ خاموشی سے نیچے نظر آتے شہر کو دیکھے گئی۔گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ ناشتے کی میز پہ آج صبح تناؤ پھیلا تھا۔فاتح جب اپنی سربراہی کرسی پہ آ کے بیٹھا تو اس نے ایک نظر تمام افراد پہ ڈالی۔سکندر کے ماتھے پہ بل تھے اور وہ خاموشی سے سیریل کھا رہا تھا۔جولیانہ اپنے ناشتے سے کھیلتی گم صم نظر آتی تھی۔اور اشعر....وہ بالکل سپاٹ بیٹھا تھا۔

''آج تمہارا کالج نہیں ہے' سکندر؟'' اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے دلیے کا پیالہ اپنے قریب کیا تو سکندر نے نظریں اٹھا کے برہمی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو ابھی بھی تالیہ مراد سے ہمدردی ہے؟''

فاتح نے پیالہ واپس دھکیلا اور سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔''

''یہ اسی نے کیا تھا' ڈیڈ۔آپ اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں ایک بے قصور لڑکی کو مجرم کہوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔سوری۔''

''ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے۔'' سکندر درشتی سے بولا اور نیپکن پرے پھینکا۔''پھر وہ ہماری زندگیوں میں آئی۔مجھے سب یاد ہے۔اس کی وجہ سے آپ دونوں کی لڑائی ہوتی تھی۔اس کی وجہ سے سب کی لڑائی ہونے لگی تھی۔'' اس نے شکوہ کناں

نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ وہ باری باری باپ بیٹے کے چہرے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کورٹ میں ایک سرے سے دوسرے تک اڑتی گیند دیکھ رہا ہو۔

''اور پھر میری ماما مر گئیں۔ اس کی وجہ سے ہمیں گھر چھوڑنا پڑا۔ ہمیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ آپ نے آج تک اس کو مجرم نہیں کہا۔ ہمیشہ اس کو ڈیفینڈ کیا۔ لیکن اب آپ اس کو ڈیفینڈ نہیں کریں گے' ڈیڈ۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اگر کسی نے اس گھر میں تالیہ مراد کی حمایت کی تو میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔''

اس نے کرسی دھکیلی اور سرخ چہرے کے ساتھ کہتا باہر چلا گیا۔ جولیانہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ فاتح نے گردن موڑ کے چبھتی ہوئی نظروں سے اشعر کو دیکھا۔

''تم نے کچھ کہا ہے سکندر کو؟''

وہ سیب میں دانت گاڑتے ہوئے کندھے اچکا کے بولا۔ ''اس کی عمر دیکھیں۔ کیا میں اس کا برین واش کروں گا؟ وہ اس کی ماں تھی۔ میری بہن تھی۔ وہ وہی محسوس کر رہا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ دیکھیں آبنگ۔'' اس نے سیب رکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

''میں آپ کا ذہن نہیں بدل سکتا۔ میں آپ کی رائے کو برداشت کروں گا۔ لیکن آپ ہمارے جذبات کو برداشت کریں۔ ہم میں سے کوئی اب اس قصے کو گھر میں ڈسکس نہیں کرے گا۔ معاملہ عدالت میں ہے۔ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ ہم سب کو قبول کرنا ہوگا۔''

فاتح نے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ اسی وقت مرکزی دروازہ کھلا اور میشا کا شناسا چہرہ دکھائی دیا۔

جولیانہ نے سر موڑ کے اسے دیکھا اور تیزی سے ناشتہ ختم کرنے لگی۔ میشا قریب آئی۔ اس کے جوتوں کی ٹک ٹک واحد آواز تھی جو سارے میں سنائی دے رہی تھی ورنہ ڈائننگ ہال کا تناؤ دور سے بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''جولیانہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا؟ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔'' سلام اور تعظیم کے بعد میشا تعجب سے کہتی جولیانہ کی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ جولی نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھاتی رہی۔ فاتح نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

''جولی.... آپ کی ٹیچر کچھ پوچھ رہی ہیں۔''

''اٹس اوکے۔ میں کتابیں یہیں لے آتی ہوں۔ ساتھ ہی اس کو پڑھا بھی دوں گی۔'' میشا نے اپنا بیگ اور پرس میز پہ رکھے اور اجازت لے کر اسٹڈی کی طرف چلی گئی۔

میشا کے جاتے ہی اس کا فون زور زور سے تھرتھرانے لگا۔ جولیانہ نے اسکرین دیکھی اور واپس دلیہ کھانے لگی۔ چند لمحے

خاموشی سے گزرے۔ یہاں تک کہ تھرتھرانے کی آواز ناشتہ کرتے افراد کو کوفت میں مبتلا کرنے لگی۔

''جاؤ جولی....اس کو فون دے آؤ۔'' اشعر نے جولیانہ کو مخاطب کیا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

''وہ اٹینڈ نہیں کریں گی۔ ان کے ایکس ہزبنڈ کا فون ہے۔ وہ اسے کبھی اٹینڈ نہیں کرتیں۔''

ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اشعر اور فاتح اٹھ کے باہر چلے گئے۔

میشا کتابیں لیے واپس آئی تو فون ابھی تک تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے کتابیں رکھیں اور فون اٹھایا تو چہرے کی رنگت ایک دم بدلی۔ خوف سے نہیں۔ افسوس سے۔ آزردگی سے۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے کال کاٹی اور فون پرس میں ڈال دیا۔ پھر کرسی کھینچ کے بیٹھی اور کتابیں کھول لیں۔

جولیانہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ میرے ڈیڈ سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ آپ کی مدد کریں۔ مجھے ایمی نے بتایا ہے کہ اس کے بابا پھر سے آپ لوگوں کو ہراس کرنے لگے ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' جولی۔'' اس نے نرمی سے اس کا سر تھپکا۔ ''میں کوئی کمزور عورت تھوڑی ہوں جو ڈر جاؤں گی؟ وہ زمین کے کوئی ایسے کاغذات مانگتا ہے جو میرے پاس نہیں ہیں۔ میں اسے اگنور کروں گی۔ خود ہی پیچھا چھوڑ دے گا۔''

''تو پھر پچھلے ماہ سے کیوں نہیں چھوڑا؟''

''میں ہینڈل کر لوں گی۔ سنگل مدرز میں بہت طاقت ہوتی ہے' جولی۔'' وہ مسکرا کے اسے سمجھانے لگی۔ ''بلکہ ساری ماؤں میں ہوتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم سے تعلق کی وجہ سے تمہارے خاندان سے کوئی فیور لوں۔ یہ اخلاقی لحاظ سے اچھی بات نہیں ہے۔''

''ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں؟'' جولیانہ نے آزردگی سے اسے دیکھا۔ میشا نے مسکراتے ہوئے سر جھکایا اور ایک صفحے پہ کچھ انڈر لائن کرنے لگی۔ وہ دونوں ڈائننگ ہال میں اب تنہا رہ گئی تھیں۔

''کیا ساری مائیں بہادر ہوتی ہیں؟'' وہ آہستہ سے بولی تو میشا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پہ فکرمندی پھیلی۔

''اوہ سویٹی....کوئی کتنا بھی مضبوط ہو' اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ تمہاری ماما بھی اسی کا شکار ہوئی تھیں۔ مت سوچو اس بارے میں۔''

جولیانہ نے پلکیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھا۔ آواز مزید دھیمی کی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے تالیہ مراد نے میری ماما کو مارا ہوگا؟''

میشا نے گہری سانس لی۔ آج وہ شہد رنگ بالوں کو جورے میں باندھے ہوئے تھی اور ایک گھنگھریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔

''سویٹی..... ہمیں نہیں معلوم کس کی کیا اسٹوری ہے۔ جس نے بھی ایسا کیا ہو اس کو سزا ضرور ملے گی۔ اور تم فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمہارے ڈیڈ ہیں نا تمہاری حفاظت کے لیے۔'' وہ اسے پیار سے سمجھا رہی تھی۔ اسے واقعی یہ لگا تھا کہ جولیانہ ایک ''قاتل'' کے واپس آنے پہ خوفزدہ ہے۔ مگر جولیانہ نے لب کاٹے اور چہرہ اس کے قریب کیا۔ پھر سرگوشی میں بولی۔

''کیا میں آپ کو ایک سیکرٹ بتا سکتی ہوں؟''

میشا دم سادھے رہ گئی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں جو اسے چونکا گیا تھا۔

''تالیہ نے میری ماما کو نہیں مارا تھا۔''

میشا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔ ''تمہیں کیسے پتہ؟''

''دو سال پہلے..... جب مجھے ان چیزوں کی بہتر سمجھ آنے لگی..... تو میں نے ماما کی کیس فائلز پڑھنا شروع کیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق زہر کیک کی آئسنگ میں تھا۔ یعنی اس پہ چھڑکا گیا تھا۔''

''جولی..... تم ان باتوں میں نہ الجھو۔ عدالت.....''

''آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟ میں مرڈر مسٹریز دیکھتی ہوں۔ مجھے ان سب باتوں کی سمجھ آتی ہے۔ میری بات سنیں۔ مجھے ڈیڈ کی طرح خاموش نہ کرائیں۔ وہ کیک بے شک تالیہ بھیجتی تھی۔ ماما یہی کہتی تھیں۔ لیکن مجھے یاد ہے۔ وہ چاکلیٹ کیکس تھے۔ ان پہ آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔ میں نے دو دفعہ خود کیک وصول کرتے دیکھا تھا ماما کو۔ لیکن بعد میں جب ماما کیک فریج میں رکھ دیتی تھیں ڈیڈ کے لیے..... تو ان پہ آئسنگ ہوتی تھی۔'' اس کی گلابی پڑتی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''مجھے نہیں پتہ وہ آئسنگ کون چھڑکتا تھا لیکن اگر زہر آئیسنگ میں تھا تو وہ تالیہ نے نہیں چھڑکا تھا۔''

میشا دھک سے رہ گئی۔ بالکل گنگ اور ششدر۔

''اس وقت شاید مجھے اتنی سمجھ نہیں تھی۔ لیکن جب میرے ذہن نے کڑیاں جوڑیں تو مجھے سب کچھ پھر سے یاد آنے لگا۔ میں نے ڈیڈ کو بتایا تھا۔''

''انہوں نے کیا کہا؟''

''انہوں نے مجھے چپ رہنے کو کہا۔ وہ شاید پہلے سے جانتے تھے سب۔''

''یعنی....تالیہ نے یہ قتل نہیں کیا تھا؟'' وہ گنگ رہ گئی۔ ''اوہ گاڈ....اور تمہارے ڈیڈ نے کچھ نہیں کیا۔ وہ لڑکی چھے سال تک پولیس سے اس جرم کی وجہ سے چھپتی رہی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا؟'' اس نے ماتھے کو چھوا۔ ''اوہ بے چاری تالیہ۔'' پھر اس نے جولیانہ کا چہرہ دیکھا تو فوراً خود کو سنبھالا۔

''دیکھو جو ہو گیا' سو ہو گیا۔ یہ وقت ان باتوں پہ غور کرنے کا نہیں ہے۔ تم ایگزام دے کر آؤ پھر ہم بات کریں گے۔ ٹھیک ہے؟'' نرمی سے اسے پچکارتے ہوئے بولی البتہ اس کی آنکھوں میں واضح اضطراب نظر آتا تھا۔ جولیانہ نے اداسی سے کتاب پہ سر جھکا دیا۔ میشا کا ایک ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔ یہ سب کچھ نہایت غیر متوقع تھا۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟

☆☆=========☆☆

احمد نظام کا آفس بہت بڑا نہ تھا۔ اس میں فائلوں اور کتابوں کے ڈھیر لگے تھے۔ آفس کی حالت کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک ہائی پروفائل کیس لینے میں کیوں دلچسپی رکھتے تھے۔

اس وقت وہاں کافی کی مہک پھیلی تھی۔ تین بھاپ اڑاتے کپ میز پہ رکھے تھے۔ ایک طرف احمد نظام خود بیٹھے تھے اور ان کے سامنے تالیہ اور ایڈم کرسیوں پہ براجمان تھے۔ آج وہ سفید اور سیاہ اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ ماتھے پہ بینڈ ایج تھا اور گال کے زخم پہ مرہم لگا تھا۔ آنکھ کا نیل میک اپ سے ہلکا کر رکھا تھا۔

''آپ کو یہ چوٹ کیسے آئی؟'' ایڈم نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اس کے ماتھے کی طرف اشارہ کیا۔

اس سوال پہ تالیہ نے برا مان کے اسے دیکھا۔

''آپ بات بدل رہے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ عصرہ نے یہ خود اپنے ساتھ کیا تھا۔''

''اور میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا۔ اگر آپ یہ بات لوگوں کے سامنے دہراتی رہیں گی تو آپ ولن لگیں گی۔ عوام بالخصوص عصرہ کے بچے آپ کو معاف نہیں کریں گے۔'' وہ تبصرہ کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''عصرہ کے بچے۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ ان کو وہ فراموش کر گئی تھی۔ وہ اس سارے معاملے کے معصوم ترین متاثرین تھے۔ ''اوکے۔ میں کسی کو نہیں کہوں گی۔ مگر میں آپ کے سامنے تو کہہ سکتی ہوں نا؟''

''ٹھیک ہے تالیہ۔'' احمد نظام نے مداخلت کی۔ ''مان لیا کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔ لیکن ہمیں یہ بات ثابت کرنی پڑے گی۔''

''میرے پاس ایلی بائی ہے۔ جب کیک آنا شروع ہوئے تو میں مصر میں تھی۔''

''کیک آپ کے کریڈٹ کارڈ پہ آرڈر کیے گئے تھے۔ آپ یہ کام دنیا میں کہیں سے بھی بیٹھ کے کر سکتی ہیں۔'' ایڈم نے

گھونٹ بھرتے ہوئے پھر سے تبصرہ کیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ساتھ ہی اپنے فون سے بھی کھیل رہا تھا۔

''اور میں مصر میں بیٹھ کے کیک میں زہر کیسے ملا سکتی ہوں؟''

''چھے سال پہلے اگر آپ فرار نہ ہوتیں تو یہ بات ثابت کرنا آسان تھا۔'' احمد نظام نے مداخلت کی۔

''میں فرار تھوڑی ہوئی تھی۔ میں اغوا ہوئی تھی۔'' بالوں کو جھٹکا دیا اور کندھے اچکائے۔

ایڈم زور سے ہنسا۔ پھر چہرہ سنجیدہ بنایا اور موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔ تالیہ نے برا مان کے اسے دیکھا۔

''اس میں اتنا فنی کیا ہے؟''

''مس مراد... آپ کی اغوا والی کہانی بہت کمزور ہے۔ آپ تھوڑا وقت صرف کر کے اس سے بہتر کہانی بنا سکتی تھیں۔''

''آپ تھوڑا وقت صرف کر کے میرے سوال کا جواب دیں۔ میں مصر میں بیٹھ کے کیسے کیک میں زہر ملا سکتی ہوں؟''

''عصرہ کی موت والے دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس سے پہلے جو کیکس آپ نے بھیجے... ان میں زہر...'' ایڈم نے رک کے سوچا... ''یقیناً آپ کا کوئی ساتھی ملاتا ہوگا۔ استغاثہ یہی نقطہ لائے گا۔''

تالیہ نے کپ نیچے رکھا اور تیزی سے بولی۔ ''اور یہی میں کہہ رہی ہوں۔ عصرہ کا کوئی ساتھی ضرور ہوگا۔''

''کوئی ایسا ساتھی جس نے آپ کا کارڈ نمبر حاصل کر لیا ہوگا۔'' ایڈم بھی ایک دم موبائل رکھ کے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ ''اس نے ہی بیکری پہ آرڈر دیا ہوگا۔ اس نے ہی عصرہ کو آرسینک لا کر دیا ہوگا۔ عصرہ اسے کیک پہ خود چھڑکتی ہوں گی۔'' وہ قدرے جوش سے کہہ رہا تھا۔ ''کہانی اچھی جا رہی ہے۔ بھلے سچ ہو یا نہ ہو۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ...'' احمد نظام کھنکھارے۔ ''وہ بیکری اب بند ہو چکی ہے۔ مگر اس زمانے میں تفتیش کے دوران جو آئی پی لوکیشن ملی تھی جہاں سے تالیہ کا کارڈ استعمال کیا گیا تھا وہ پراکسی لوکیشن تھی۔ یعنی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ لوکیشن ملائیشیا کی تھی یا باہر کے کسی ملک کی۔''

''اور کسی نے اس پراکسی کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔'' ایڈم مسکرا کے بولا۔ ''مجھے اس آئی پی کی تفصیلات دیں۔ میں ایک سائبر انویسٹی گیشن ایجنسی سے بات کرتا ہوں۔ وہ شاید اصل لوکیشن کو ٹریس کر سکیں۔''

''یعنی جس شخص نے میرا کارڈ استعمال کیا ہے اس کی لوکیشن معلوم ہو سکے گی؟'' پھر اسکا چہرہ بجھا۔ ''کیا معلوم اب وہ وہاں رہتا ہی نہ ہو۔ چھے سال میں تو دنیا بدل جاتی ہے۔ ارے کیا پتہ اس نے یہ کام کسی انٹرنیٹ کیفے سے کیا ہوگا۔ عصرہ نے اتنا کچا کام نہیں کیا ہوگا۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ عصرہ نے ایسا کیا تھا؟ کیا ان کی کسی بات سے آپ کو لگا؟''

وہ رکی اور گھور کے اسے دیکھا۔ ''کاش کہ آپ کو کچھ یاد ہوتا۔ خیر.. عصرہ اور میرے تعلقات اس وقت تک بہت خراب ہو چکے تھے۔ اس لیے بعد میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کام عصرہ کا ہی ہے۔''

''کب؟ آپ کے عصرہ سے تعلقات کب خراب ہوئے تھے؟''

''قتل سے دو ایک ماہ پہلے سے۔''

''ایک منٹ۔ کیک کب سے آنے لگے تھے؟'' ایڈم نے ایک فائل اٹھائی اور تاریخ پڑھی۔ ''کیک بھیجنے سے پہلے کسی دن کچھ ہوا ہو گا جو عصرہ نے اتنا بڑا فیصلہ کیا۔ آپ کو اپنا اور ان کا کوئی شدید جھگڑا یاد ہے جس کے بعد انہیں زندگی اور آپ دونوں سے نفرت محسوس ہوئی ہو؟''

''پارٹی.... ایک پارٹی میں....'' تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''جب میں نے عصرہ کو بتایا تھا کہ وہ فاتح کی پہلی....'' اس نے اگلے الفاظ دبا لیے۔ مگر اسے یاد آ چکا تھا۔ وہ آتش بازی والی پارٹی جب عصرہ نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔

''تاریخ یاد ہے آپ کو؟ چھے سال گزر چکے ہیں اس لیے.....''

''اوہ۔ میرے لیے وہ تین ماہ پہلے کی بات ہے' ایڈم صاحب۔'' اس نے موبائل اٹھایا اور تیزی سے بٹن دبانے لگی۔ پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ ''یہ میرا اس وقت کا ٹوئٹر اکاؤنٹ ہے۔ میں نے اس شادی کی تصویر ٹویٹ کی تھی۔''

ایڈم نے جھک کے تاریخ پڑھی۔ ''یہ کیک آنے سے ایک ہفتہ پہلے کی تاریخ ہے۔''

''اس سے کیا ثابت ہوتا ہے' ایڈم صاحب؟'' احمد نظام نے غور سے اسے دیکھا۔

''اس پارٹی سے لے کر.... پہلے کیک کے آنے تک.. عصرہ محمود نے کیا کیا تھا۔ ہمیں عصرہ کے ہر اسٹیپ کو ری ٹریس کرنا ہے۔ ان کے کریڈٹ کارڈ کا بل. بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز.... فون ریکارڈ.... آپ کو وہ سب نکلوانا ہو گا۔ اگر عصرہ نے خودکشی کی تھی... اگر.... (زور دیا) تو اس کا پلان انہوں نے انہی سات دنوں میں بنایا ہو گا۔''

''اور اگر عصرہ نے کیش ادا کیا ہو؟ اگر انہوں نے کسی دوسرے نمبر سے بات کی ہو؟ اگر....'' تالیہ کے تاثرات دیکھ کے وہ خاموش ہوئے اور سر ہلایا۔ ''میں ریکارڈ نکلواتا ہوں۔'' وہ فون اٹھا کے باہر نکل گئے۔

آفس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر ایڈم کھنکھارا اور قدرے بے نیازی سے بولا۔ ''مس مراد.... یہ سب اس پہ منحصر ہے کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ ''آپ کی رائٹنگ کیسی جا رہی ہے؟''

وہ اس سوال پہ حیران ہوا۔ ''بہت اچھی۔ کیوں؟''

''آپ نے کافی عرصے سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ آپ نئی کتاب کے بارے میں معلومات بھی نہیں دے رہے۔ فینز سمجھ رہے ہیں کہ آپ سرپرائز دیں گے لیکن جس خوشی سے آپ نے تالیہ مراد کی کتاب لکھنے کی خبر کو عام کیا ہے.... مجھے لگتا ہے آپ رائٹرز بلاک کا شکار ہیں۔ آپ کوئی دوسری کتاب لکھ ہی نہیں رہے تھے۔''

''یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔'' اس نے پہلو بدلا۔ ایک دم وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''یعنی آپ مان رہے ہیں کہ آپ کو کوئی مسئلہ لاحق ہے؟'' وہ کرسی کا رخ اس کی طرف موڑے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

''مس مراد..... کتنا اچھا ہو ہم ایک دوسرے کی ذاتی زندگیوں میں مداخلت نہ کریں۔ میں انسپریشن سے لکھتا ہوں اور...''

''آپ ناول کیوں نہیں لکھتے؟''

ایڈم بولتے بولتے رکا۔ ''میں فکشن رائٹر نہیں ہوں۔''

''آپ کا ذہن ایک ہی طرح کی سیاسی چیزیں لکھ کے بور ہو چکا ہے۔ آپ کو چینج چاہیے۔''

وہ چپ ہو گیا۔ پھر قدرے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''میرا نہیں خیال کہ میں اچھا فکشن لکھ سکتا ہوں۔''

''تو برا فکشن لکھ لیں۔ کم از کم قلم کی رکاوٹ تو ختم ہو گی۔''

''اچھا؟ اور کس موضوع پہ مجھے لکھنا چاہیے۔ یہ بھی بتا دیں۔'' انداز میں ہلکا سا طنز تھا۔

''اپنے اردگرد سے انسپریشن ڈھونڈیں۔ آپ کی والدہ ایک زمانے میں چوزے رکھتی تھیں۔''

''اب بھی رکھتی ہیں۔''

''ہاں مگر وہ تمام عرصہ جس میں میں آپ کی زندگی کا حصہ تھی، چوزوں کا ایک گروہ ان کے پاس تھا۔ وہ میرے سامنے بڑا ہوا اور پھر میری ہی وجہ سے وہ کھو گیا۔ آپ کی والدہ کو اس بات کا شدید صدمہ ہوا تھا۔ آپ ان کی زندگی پہ بھی کتاب لکھ سکتے ہیں۔''

''ہمارے چوزے آپ کی وجہ سے کھوئے تھے؟ انٹرسٹنگ۔'' وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ ''سوچوں گا۔''

''کسی کام کو کرنے کا بہترین وقت ''ابھی'' ہوتا ہے ایڈم صاحب۔ یہ وقت کے تین سوالوں میں سے ایک کا جواب ہے۔ اگر آپ ابھی فیصلہ کر لیں تو کیا معلوم کوئی معجزہ ہو جائے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً آپ کو آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس مل جائے۔'' وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔

''آپ کی جڑی بوٹیوں والی کہانی اغوا والی کہانی سے بہتر تھی۔'' وہ جھرجھری لے کر پھر سے اپنے فون کو دیکھنے لگا۔ وہ پہلے والی ایڈم جیسا نہیں تھا۔ ہر وقت مصروف... فون اور کام میں لگا.... بے نیاز سا سلیبریٹی....

''میشا تاج کی نمائش کب ہے؟ یاد ہے آپ نے مجھے وہاں لے کر جانا تھا۔''

ایڈم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''اب کیوں؟ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کی پی ایم سے ملاقات طے ہوگئی ہے۔''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی۔'' اس نے کندھے اچکائے اور اپنا موبائل اٹھالیا۔ ایڈم الجھ کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے آپ کو اتنا عرصہ ماضی میں برداشت کیسے کیا تھا؟'' وہ جل کے بولا تو وہ مبہم سا مسکرا دی۔ نظریں اسکرین پہ تھیں۔ اور انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

سری پردھانہ کے سب سے بارسوخ دفتر کے بھوری لکڑی سے بنے دروازے کافی اونچے تھے۔ میشا ان کے سامنے کھڑی انہیں گردن اٹھائے مسحور سی ہو کے دیکھ رہی تھی جب پیچھے سے پرنسپل سیکرٹری کھنکھارا۔ وہ چونک کے مڑی۔

''اب آپ اندر جا سکتی ہیں۔ لیکن آپ کے پاس وقت کم ہوگا۔ انہوں نے بہت مشکل سے آپ کے لیے وقت نکالا ہے۔'' وہ انٹرکام کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ابرو سے آگے جانے کا اشارہ کیا۔ میشا نے کوٹ کی نادیدہ شکنیں درست کیں' بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ہینڈل دبا کے دروازہ دھکیلا۔

فاتح اپنی کرسی پہ براجمان تھا۔ چند فائلز اور لیپ ٹاپ سامنے کھلا رکھا تھا۔ آستین کہنیوں تک موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ منتظر سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''آیئے مسز میشا۔'' اس کو آتے دیکھ کے وہ احتراماً کرسی سے اٹھا۔ ''آپ کے ٹیکسٹ نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ آپ اتنی ایمرجنسی میں ملنا چاہتی تھیں۔ خیریت؟ کیا جولیانہ ٹھیک ہے؟''

''جی وہ ٹھیک ہے۔'' وہ بیٹھ گئی تو فاتح نے انگلیاں باہم پھنسائے آگے کو جھک کے اسے فکرمندی سے دیکھا۔

''پھر؟''

''میں نے جولیانہ سے آپ کا نمبر یہ کہہ کے مانگا تھا کہ میں ایک ذاتی کام کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن دراصل میں جولیانہ کے لیے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ کے پاس میرے لیے کتنا وقت ہے؟''

فاتح نے کسی لحاظ اور مروت کے بغیر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''چھ منٹ۔''

''پھر میں مدعے پہ آتی ہوں' داتو سری۔'' وہ جی کڑا کے بولی۔ شہد رنگ بال کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔ اور سرخ یاقوت سے مزین ٹاپس دمک رہے تھے۔ ہلکے میک اپ سے مزین چہرہ فکرمند لگتا تھا۔

''جولیانہ نے مجھے بتایا ہے کہ جن کیکس سے مسز عصرہ کی موت واقع ہوئی تھی' ان پہ کسی قسم کی آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔ آخری کیک جو پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس پہ آرسینک کی آئسنگ تھی لیکن جو کیک تالیہ بھیجتی تھی وہ سادہ چاکلیٹ کیک ہوتے تھے۔ جولی نے خود ان کو دو تین دفعہ آتے دیکھا تھا۔ میں شرلاک ہومز نہیں بننا چاہ رہی' لیکن...'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تالیہ مراد کے بھیجے کیکس زہر سے پاک تھے۔''

فاتح پیچھے کو ہو کے بیٹھا اور پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔

''جولیانہ پہ اس بات کا بہت بوجھ ہے۔ میں صرف یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر جولی نے یہ بات آپ کو بتائی تھی تو آپ یہ بات پراسیکیوٹر کو بتا سکتے تھے۔ جولیانہ کا بیان تالیہ مراد کو بری کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ وہ بے گناہ لڑکی اتنے سال پولیس سے چھپتی رہی۔ اس کی تو زندگی برباد ہو گئی۔''

فاتح نے انٹرکام اٹھایا اور بولا۔ ''مجھے دس منٹ مزید لگ جائیں گے۔ میٹنگ میں شامل افراد سے کہو کہ وہ میرا انتظار کریں۔'' پھر ریسیور رکھا اور اس کو اسی سنجیدگی سے دیکھ کے بولا۔ ''آپ نے vampire disease کا نام سنا ہے مسز میشا؟''

وہ اس غیر متوقع سوال پہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ سننے لگی۔ ''نہیں سر۔''

''یہ بیماری جن لوگوں کو لاحق ہوتی ہے وہ شدید فوٹوسینسیٹیو ہوتے ہیں۔ روشنی ان کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔ وہ دن میں باہر نہیں نکلتے۔ اندھیروں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر دھوپ یا روشنی ان پہ پڑ جائے تو ان کی جلد جلنے لگتی ہے۔ جیسے غیر مرئی کہانیوں میں ویمپائرز ہوا کرتے تھے۔ ایسے ہی کچھ انسان روشنی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ جولیانہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ وہ اندھیروں میں رہنے کی عادی ہے۔ میں اس کو دھوپ میں کیسے کھڑا کر سکتا ہوں۔''

وہ دم سادھے سن رہی تھی۔ اور وہ کہے جا رہا تھا۔

''اس نے مجھے یہ بات قریباً دو سال پہلے بتائی تھی۔ اگر میں اسے پراسیکیوشن کے سامنے لے جاؤں تو رپورٹرز میری بیٹی کا میڈیا ٹرائل کریں گے۔ وہ ایک چودہ سالہ بچی کو گواہی چھپانے کے لیے زدوکوب کریں گے۔ وہ ہر جگہ اس کا نام لیں گے۔ اس کو ملزم ٹھہرائیں گے۔ صرف میں جانتا ہوں کہ جولیانہ عصرہ کی موت کے بعد کتنی مشکل سے زندگی کی طرف لوٹی ہے۔ وہ اینٹی سوشل بلکہ سوسیو پیتھ بن چکی تھی۔ آپ بھی واقف ہی ہیں اس بات سے کہ وہ ابھی تک کتنی کم اعتماد اور ڈری سہمی

لڑکی ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔ مجھے اس کی حفاظت کرنی ہے۔"

"آئی ایم سوری۔ میں نے اس زاویے سے نہیں سوچا تھا۔"

"میں اسے آپ سے زیادہ جانتا ہوں مسز میشا۔ وہ اس معاملے کو نہیں ہینڈل کر سکے گی۔ اور اس کی گواہی تالیہ کو بری نہیں کروا سکتی کیونکہ جو کیک پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس میں آرسینک تھا۔ اور وہ تالیہ کے نام سے ہی بھیجا گیا تھا۔"

"آپ کی ساری باتیں درست ہیں۔ لیکن تالیہ مراد کا کیا؟ وہ بے چاری تو بے قصور تھی۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"آپ تالیہ کو نہیں جانتیں۔ میں جانتا ہوں۔ تالیہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔ اس نے یہ جرم نہیں کیا تھا۔ میں نے تب بھی اس سے کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ اس میس سے نکل آئے گی۔ وہ تالیہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر لے گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی فوراً سے اٹھی۔

"آپ کا دوسرا کام کیا تھا؟"

"وہ.... کچھ نہیں۔ میرا ایکس ہزبینڈ...." اس نے سر جھٹکا۔

"میرے پی ایس کے پاس ایک تحریری درخواست چھوڑ جائیں۔ وہ آپ کا مسئلہ حل کروا دے گا۔" اس نے کوٹ پہنتے ہوئے تاکید کی تو میشا نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں سر۔ مجھے شکایت نہیں کرنی۔ وہ میری بیٹی کا باپ ہے اور میں اپنی بیٹی کو ہرٹ نہیں کر سکتی۔ آپ یہ بات مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ میں نمائش پہ آپ کا انتظار کروں گی۔" پھر سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی تین چار افراد اندر آ گئے۔ میشا نے مڑ کے دیکھا۔ اب وہ ان افراد سے بات کرتا ہوا باہر آ رہا تھا۔ اس آدمی کے پاس ضائع کرنے کے لیے ایک منٹ بھی نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

سرما کی دھوپ سارے بازار پہ پھیلی تھی۔ صاف ستھری سی سڑک کے دونوں اطراف دکانوں کی قطاریں تھیں اور ان کے آگے چھجے ڈال کے کرسیاں میزیں بچھائی گئی تھیں۔ فرانسیسی طرز کا یہ بازار مختلف رنگوں کے پھولوں سے مزین تھا۔

وہ ٹیکسی سے اتری اور سن گلاسز ماتھے کے اوپر چڑھائے۔ سیاہ شیشے آنکھوں کے سامنے سے ہٹے تو بازار کے خوشنما پھولوں کے قدرتی رنگ دکھائی دینے لگے۔ فضا اتنی معطر تھی کہ تالیہ کے اندر تک تازگی اترتی گئی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر احساس ہوا کہ کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا وہ ایڈم تھا۔

سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے' وہ سن گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کے گلاسز اتاریں اور اور کلائی پہ بندھی گھڑی اسے دکھائی۔ ''آپ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ لیٹ ہیں' مس مراد۔''

''تو کیا ہوا؟ وقت مجھ پہ ویسے ہی مہربان ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتی آگے بڑھ گئی۔ اس نے سرخ و سفید پھولدار لمبی فراک پہن رکھی تھی۔ کندھے سے سنہری چین والا پرس لٹک رہا تھا اور سر پہ سفید ہیٹ ترچھا کر کے رکھا تھا۔ وہ پھولوں کے بازار میں کسی سرخ سفید پھول کی مانند دِکھ رہی تھی۔

''تو میرا کریڈٹ کارڈ یہاں سے استعمال کیا گیا تھا؟'' دونوں اسٹریٹ کے کنارے ساتھ ساتھ چلنے لگے تو تالیہ نے پوچھا۔

''میرے انویسٹی گیٹر نے اس پر اکسی سرور کو ان ماسک کر لیا ہے۔ آپ کا کارڈ چھ جگہوں سے استعمال کیا گیا تھا۔ میں پانچ جگہوں کا دورہ کر چکا ہوں۔ سوائے اس آخری جگہ کے۔'' وہ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''وہ جو بھی تھا' کسی کافی شاپ میں بیٹھ کے آپ کے کارڈ کے ذریعے کیک آرڈر کرتا تھا۔ دو جگہوں پہ کافی شاپس آج بھی موجود تھیں۔ تین جگہوں پہ کسی زمانے میں کافی شاپس ہوا کرتی تھیں۔ اب وہاں کوئی اور دکان تھی یا کوئی ریستوران۔ مختصر یہ کہ کسی کے پاس چھ سال پرانے سی سی ٹی وی ریکارڈز نہیں تھے۔ نہ مجھے کوئی ایک ایسا شخص ملا جو چھ سال سے وہاں کام کر رہا ہو۔''

''یعنی ہمارے ہاتھ کوئی سرا نہیں آیا؟''

''نہیں۔ آخری جگہ ٹرائی کر لیتے ہیں۔ سامنے والی ان شاپس میں سے کوئی ایک شاپ ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔''

وہاں ایک کافی شاپ وسط میں نظر آ رہی تھی۔ ان کے قدم اسی جانب اٹھنے لگے۔

''کیا کوئی ایسی چیز ہے جو ان شاپس میں مشترک ہو؟''

''نہیں۔ تمام شاپس مختلف ناموں اور برانڈز کی تھیں۔'' وہ قدرے مایوس لگتا تھا۔ پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا اور پوچھنے لگا۔ ''عصرہ کے فون اور بینک ریکارڈز نکلوائے تھے احمد نظام صاحب نے۔ ان کا کیا بنا؟''

''ایک بھی پے منٹ مشکوک نہیں ہے۔ نہ عصرہ نے ان سات دنوں میں کوئی بھاری رقم نکلوائی' نہ رقم کسی کو بھیجی۔ بلکہ ان دنوں میں عصرہ نے کوئی خاص شاپنگ بھی نہیں کی۔''

ایڈم رکا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اگر اس آخری شاپ سے بھی کوئی سراغ نہ ملا... تو؟''

''کچھ تو ملے گا۔ تالے عموماً آخری چابی سے ہی کھلتے ہیں۔'' وہ زور دے کر بولی اور آگے بڑھ گئی۔

''کیا یہ شاپ چھے سال پہلے یہاں موجود تھی؟''

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی شاپ کے کاؤنٹر پہ کھڑے پوچھ رہے تھے۔ ریسپشنسٹ جواب میں ان کو بتانے لگا کہ یہ شاپ گو کہ یہاں موجود تھی لیکن اس دوران دو دفعہ اس کی ملکیت بدلی ہے۔ ملکیت کے ساتھ عملہ بھی بدلہ ہے۔ وہ قریباً ڈیڑھ برس سے کام کر رہا ہے یہاں اور پچھلے عملے کے بارے میں اسے کوئی معلومات نہیں ہیں۔

تالیہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ارد گرد ویٹرز میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے دھیمی سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چھے سال گزر گئے اور دنیا نہیں بدلی۔ آج بھی سلیبریٹیز کو دیکھ کے لوگوں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ جانا لازم تھا۔

''یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ کچھ بھی یاد آئے تو مجھے کال کر لیجیے گا۔'' ایڈم نے آخر میں اپنا کارڈ اسے تھمایا اور تالیہ کو دیکھ کے کندھے اچکائے۔ وہ قدرے خاموش اور اداس لگتی تھی۔

وہ دونوں باہر آئے اور سڑک کنارے بچھی کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ ایڈم نے ویٹر کو اشارہ کر کے ایک چائے لانے کو کہا اور پھر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کم از کم آپ یہ تو ثابت کر سکتی ہیں کہ یہ آرڈر ملائیشیاء سے کیا گیا جبکہ آپ مصر میں تھیں۔''

''آپ کے خیال میں مجھے اپنی بے گناہی صرف کورٹ میں ثابت کرنی ہے؟'' وہ نظریں اس پہ مرکوز کیے ایک دم تلخی سے بولی۔ ''مجھے ٹھوس ثبوت چاہیے ہیں۔ یہاں سب مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی نظروں میں بری ہونا ہے۔ قانون کی فائلوں میں نہیں۔''

اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور نروٹھے انداز میں سڑک کو دیکھنے لگی۔ ''مجھے پورا یقین تھا کہ آخری شاپ سے کچھ نہ کچھ ملے گا۔''

''کیا عصرہ کی کوئی بیسٹ فرینڈ تھی؟ یا کوئی ایسا دوست جس سے وہ سب شیئر کرتی ہو؟'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔

''معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ویسے مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے لیے بہت وقت نکال رہے ہیں۔'' وہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ آپ کی وجہ سے میں ایک پوٹینشل بیسٹ سیلر لکھنے جا رہا ہوں۔ اور آپ میری زندگی کے کھوئے چھے ماہ کی کہانی جانتی ہیں۔ میں آپ کی مدد کروں گا تو آپ میری مدد کریں گی۔'' وہ اسی اجنبی انداز میں مسکرا کے بولا۔ پھر گھڑی دیکھی۔

''شام کو نمائش پہ جانا ہے۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔ ابھی مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ تالیہ نے نظریں اٹھا

کے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آپ فکشن نہ لکھیں۔ بلکہ کوئی بھی فیصلہ وقت پہ نہ کریں۔''

''ایں؟ وہ کیوں؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ کے بولا۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس آئے۔ کچھ چیزوں کا بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں خوش ہوں ایڈم کہ آپ وہ سب بھول گئے۔ اس لیے.... وقت کے سوالوں کو حل کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

ایڈم نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ ''جڑی بوٹیاں واٹ ایور۔'' اور کچھ بڑبڑا کے آگے بڑھ گیا۔ وہ پھولوں سے بھرے بازار میں تنہا بیٹھی چائے کا انتظار کرنے لگی۔

اسے آج وان فاتح سے ملنے وہیں جانا تھا جہاں برسوں پہلے ''بطور تالیہ مراد'' وہ اس سے پہلی دفعہ ملی تھی۔

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری کی سفید مرمریں دیواروں پہ دور دور تک فریمز آویزاں نظر آ رہے تھے۔ چکنے فرش پہ مہمان ٹولیوں کی صورت بکھرے تھے۔ لوگ بہت زیادہ نہیں تھے۔ میشا نے اسے محدود اور پرائیوٹ سا رکھا تھا۔ جولیانہ کی خواہش پہ اس نے اس نمائش کو عصرہ کی پرانی گیلری میں منعقد کیا تھا۔

خود وہ لمبی میکسی میں ملبوس تھی جو سامنے سے سنہری اور پشت سے گہری نیلی تھی گیلری کی سجاوٹ بھی انہی دو رنگوں کے امتزاج میں کی گئی تھی۔ میشا کے شہد رنگ بالوں کے ساتھ نیلے نگینوں والے ٹاپس بھی گویا سجاوٹ کا حصہ لگتے تھے۔ وہ مسکرا مسکرا کے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ابھی پردھان منتری کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ وہ کچھ دوستوں کو اپنی ایک فوٹوگراف کے بارے میں مسکرا کے کچھ بتا رہی تھی جب اس کی نظر پیچھے ایک نووارد پہ پڑی۔

میشا کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت در آئی۔ وہ معذرت کر کے فوراً اس طرف آئی۔

''ایڈم بن محمد؟ واٹ اے سرپرائز۔''

ایڈم جو تنہا کھڑا ایک فریم کو دیکھ رہا تھا' آواز پہ اس کی طرف پلٹا اور مسکرایا۔ وہ سفید شرٹ پہ سیاہ ڈنر جیکٹ پہنے ہمیشہ کی طرح تازہ دم اور خوش باش لگ رہا تھا۔

''ایک دوست نے آپ کی پارٹی کا دعوت نامہ دیا تھا۔ سوچا چکر لگا لوں۔ شاید کوئی انسپائریشن مل جائے۔'' وہ سادگی سے کندھے اچکا کے بولا۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کے۔ میں نے آپ کی تمام کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور کوشش کرتی ہوں کہ آپ کا شو بھی

باقاعدگی سے دیکھا کروں۔ مجھے معلوم ہوتا آپ آرہے ہیں تو میں آپ کی بک لے آتی آٹوگراف کے لیے۔'' وہ اسے دیکھ کے جیسے بہت خوش ہوئی تھی۔

''ارے نہیں۔ یہ آپ کی پارٹی ہے۔ آج کی سلیبریٹی آپ ہیں۔'' ایڈم نے مصنوعی عاجزی سے سر کو خم دیا۔

''اچھا آپ آگے آئیں نا۔ میں آپ کو اپنا کام دکھاتی ہوں۔''

''میں دراصل اپنی پلس ون کا انتظار کر رہا ہوں جو ابھی تک نہیں پہنچیں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ متلاشی نظروں سے داخلی گزرگاہ کو دیکھا۔ میشا مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے بولا۔

''مسز میشا.... کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟''

''میں اور آپ؟'' وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ''نہیں تو۔''

''آر یو شیور؟ کیونکہ میری ایک دفعہ کچھ مہینوں کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ ۲۰۱۶ کی بات ہے۔ کیا ہم کبھی اس دوران ملے تھے؟''

''نہیں۔ ۲۰۱۶ میں تو میں امریکہ میں ہوتی تھی۔ اور اگر میں آپ سے ملی ہوتی تو مجھے ضرور یاد ہوتا۔ سلیبریٹی سے ملاقات کی تمام جزئیات انسان کو یاد ہوتی ہیں۔''

''اور تالیہ مراد..... آپ ان سے ملی ہیں کبھی؟''

''تالیہ مراد؟ نہیں۔'' اس نے الجھن سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ پھر ایڈم کے پیچھے کسی کو دیکھ کے آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''اوہ۔ تالیہ مراد آپ کی پلس ون ہیں۔''

ایڈم مڑا تو دیکھا وہ سامنے سے چلی آرہی تھی۔ اس نے سادہ سیاہ میکسی پہن رکھی تھی جو پاؤں کو چھوتی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور کانوں سے سرخ موتی لٹک رہے تھے۔ ہاتھ میں سرخ کلچ تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے وہ مسکرائی اور اس طرف چلی آئی۔

''تالیہ مراد.....'' میشا نے ابرو اچکا کے گہری سانس لی۔ ''خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کے۔''

تالیہ ایڈم کے قریب آئی۔ اسے سلام کیا۔ تاخیر کے لیے معذرت کی۔ پھر میشا کو دیکھا تو لاعلمی سے ایڈم کو اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو یہ کون ہے؟ ایڈم اس انداز پہ گڑبڑا گیا۔

''یہ وہ آرٹسٹ جن کی نمائش پہ ہم اس وقت کھڑے ہیں۔''

تالیہ نے لاعلمی سے معذرت کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''سوری میں آپ سے واقف نہیں تھی۔ اس شہر سے عرصہ دراز سے لاتعلق رہی ہوں سو نئے آرٹسٹس کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔ میں آپ کا کام ضرور دیکھوں گی۔''

میشا مسکرا کے اس کا شکریہ ادا کرتی آگے بڑھ گئی۔ تالیہ اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ پھر چہرہ موڑا تو دیکھا' ایڈم اسے پتلیاں سکوڑے گھور رہا تھا۔

''نہ وہ آپ کو جانتی ہے نہ آپ اسے۔ تو آپ نے مجھے کیوں کہا کہ آپ اسے جانتی ہیں؟''

''اور آپ نے میرا یقین کر لیا؟ یاد رہے... میں کون دومن ہوں۔'' وہ مسکرا کے گردن موڑ موڑ کے اطراف میں دیکھنے لگی۔ ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کو سمجھ نہیں پا رہا۔''

''گڈ۔ اب آپ کی کہانی مزید دلچسپ ہو جائے گی۔'' وہ گردن موڑ کے ایک فوٹو فریم کو دیکھ رہی تھی۔ اس میں ایک خوبصورت سیاہ گھوڑا گھاس چرتا نظر آ رہا تھا۔

''یعنی آپ اس کو نہیں جانتی تھیں۔ آپ نے یہ صرف اس لیے کہا تا کہ میں آپ کو پارٹی میں ساتھ لے جاؤں۔ میں ویسے بھی لے جاتا۔ آپ کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

تبھی محفل میں نامحسوس سی ہلچل مچی۔ کچھ لوگ سر جوڑے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنے لگے۔ تبھی سوٹ والے افراد اندر آئے اور ارد گرد بکھر گئے۔ وہ مختلف آلوں کی مدد سے گیلری کو سویپ کر رہے تھے۔ چند لمحے گزرے جب انہوں نے وائرلیس پہ باہر والوں کو کلیئر کی خبر دی۔ ہلچل بڑھ گئی۔ لوگ دروازے سے راستہ چھوڑ کے کھڑے ہو گئے۔

''پتہ ہے میں یہاں کیوں آنا چاہتی تھی؟'' وہ دونوں ہجوم سے ہٹ کے ایک دیوار کے ساتھ کھڑے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ ''کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی بار ملے تھے۔''

''ہم؟''

''میں' تم' فاتح اور عصرہ۔'' وہ دروازے سے داخل ہوتے فاتح کو دیکھ کے بولی۔ وہ حسب معمول لوگوں میں گھرا مسکرا کے اندر آ رہا تھا۔ اشعر اور جولیانہ اس کے ہمراہ تھے۔ میشا ان کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اسے جولیانہ کے آنے کی بہت خوشی تھی۔

''اسی گیلری میں؟''

''ہاں۔ یہ عصرہ کی گیلری ہوا کرتی تھی۔ گو کہ اس سے دو تین دن پہلے بھی ہم ملے تھے۔ میں' تم' فاتح اور عصرہ۔ تنگو کا مل

کے گھر لیکن تب تم لوگ ایک نوکرانی سے مل رہے تھے۔ اصل تالیہ مراد سے نہیں۔ یعنی کہ سوشلائیٹ تالیہ سے نہیں۔ ہماری اصل ملاقات اس گیلری میں ہوئی تھی۔"

"اسی لیے آپ یہاں آنا چاہتی تھیں۔ آپ وان فاتح سے اسی جگہ ملنا چاہتی تھیں جہاں آپ پہلی دفعہ ان سے ملی تھیں۔

"How poetic.

"اب تم تالیہ مراد کو سمجھنے لگے ہو۔"

"امید ہے کہ آپ کی کہانی اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہوگی اور میرا یہ سارا وقت ضائع نہیں جائے گا۔" وہ بور نظر آتا تھا۔

تالیہ نے پلٹ کے غور سے اسے دیکھا۔ "میں آپ کا وقت ضائع نہیں کر رہی' ایڈم۔ یا شاید آپ نے ابھی تک میرے خلاف دل سے بغض نہیں نکالا۔"

وہ چونکا۔ "مجھے آپ سے کس چیز کا بغض ہو سکتا ہے؟"

"میری وجہ سے کچھ کھویا تھا آپ نے....."

"کیا؟"

اس نے ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔ "آپ کے چوزے.....وہ میری وجہ سے کھوئے تھے نا۔"

ایڈم ہلکا سا ہنس دیا اور گردن موڑ کے اس طرف دیکھنے لگا جہاں فاتح ربن کاٹ رہا تھا۔ کیمروں کے فلیش کی چکا چوند میں وہ مسکراتے ہوئے اب میشا کی فوٹو گرافی پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس طرف دیکھتے رہے۔

"آپ کی جراءت پہ حیرت ہے۔" آواز پہ وہ دونوں اپنی ایڑیوں پہ گھومے تو دیکھا۔ سامنے اشعر کھڑا تھا۔ گلاس اٹھائے' طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ زہر خند ہوا۔ "میرا خیال تھا آپ شرمندگی سے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نہیں نکل پائیں گی۔"

"کیا آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ تالیہ کی ہمت کوئی نہیں توڑ سکتا؟" سیاہ لباس والی لڑکی مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ اشعر نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سرگوشی میں بولا۔

"تم میری بہن کی قاتل ہو۔ میں اپنی بہن کا انتقام ضرور لوں گا۔"

"وہ بہن جس کو بدنام کرنے کے لیے جعلی گھائل غزال بھیجی تھی آپ نے اسے؟"

"آہم۔" ایڈم کھنکھارا۔ "آپ دونوں ایک ٹرائل میں گواہی دینے جا رہے ہیں۔ آپ کو آپس میں بات نہیں کرنی چاہیے۔"

''کیا اب میں اشعر صاحب کا حال تک نہیں پوچھ سکتی؟'' وہ ابرو اچکا کے مسکرائی۔'' آپ کا بازو کیسا ہے۔''

''ویری فنی۔'' اشعر نے تنفر سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ مشروب کا آخری گھونٹ بھر کے اس نے گلاس پرے رکھا۔ ایک نظر دور مہمانوں میں گھرے فاتح اور میشا کو دیکھا۔ پھر اپنے پی ایس کو اشارے سے بلایا۔

''احمد نظام.... تالیہ مراد کا وکیل.... اس سے میری بات کرواؤ۔ اس روز ہماری بات ادھوری رہ گئی تھی۔'' وہ زیر لب مسکرا کے بولا۔ ماورائے عدالت ساز باز میں اپنا ہی لطف تھا۔

کچھ دیر بعد پی ایس اس کے پاس آیا۔ ''سر.... میں نے ان سے بات کی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں انہوں نے آپ کو فون نہیں کیا تھا۔''

اشعر محمود ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ نظریں آہستہ سے تالیہ کی طرف موڑیں۔ وہ دور ایڈم کے ساتھ کھڑی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ سیاہ لباس اور سرخ ائیر رنگز والی لڑکی بالکل مطمئن اور پرسکون نظر آتی تھی۔

(آپ کا بازو کیسا ہے؟) اشعر تیزی سے مڑا اور ریسٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ایک باتھ روم کے اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکایا۔ پھر تیزی سے بائیں آستین اوپر چڑھائی۔

بازو پہ سرخ سا نشان نظر آ رہا تھا جو دو تین دن سے اسے بار بار کھجانے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ جیسے کسی نے بے احتیاطی سے سرنج اندر گھسائی ہو۔

اس نے چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ پھر اس نے موبائل نکالا اور وہ ویڈیو کھولی جو اسے ایک پولیس آفیسر نے بھیجی تھی۔ انٹیروگیشن روم میں زخمی چہرے والی تالیہ بیٹھی خوف سے کہہ رہی تھی۔

''اغوا کار.... میں نے ان کی شکل نہیں دیکھی.... انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے....''

یہ وہ تالیہ نہیں تھی جو ابھی باہر گیلری میں کھڑی تھی۔ وہ زخمی چہرہ' وہ اندھیرے سے روشنی میں آنے کا خوف.... وہ سب اداکاری تھا۔ وہ اغوا والی کہانی' کہانی نہیں تھی۔ وہ اسے حقیقت بنا چکی تھی۔

وہ اس روز فاتح سے ملنے نہیں آئی تھی۔ وہ اشعر سے ملنے آئی تھی۔ سگنلز اسی نے خراب کیے تھے۔ کال اسی نے کروائی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے پیچھے آئے گا۔ اس نے جان بوجھ کے اسے بے ہوش کیا تھا۔ تاکہ وہ اس کے اندر کوئی سرنج داخل کر سکے۔ لیکن تالیہ اس کو کس چیز کا انجیکشن لگائے گی؟

اس نے الجھ کے بازو کے نشان کو دیکھا۔ باقی ہر شے سمجھ آتی تھی۔ وہ گرفتار ہونے آئی تھی۔ اس نے جان بوجھ کے اشعر سے ہاتھا پائی کی تھی تاکہ وہ پولیس کو زخمی حالت میں ملے اور اس کی اغوا والی کہانی ٹھوس لگے۔ لیکن اغوا والی کہانی تو تب ثابت

ہوگی جب پولیس کو وہ کنٹینر ملتا اور....

اشعر نے چونک کے بازو کے نشان کو دیکھا۔ تالیہ نے اسے انجیکشن نہیں لگایا تھا۔ اس نے اشعر کا خون نکالا تھا۔ اس کے پاس ایک بیگ تھا۔ گرفتاری کے وقت اس کے پاس سے کوئی بیگ نہیں ملا تھا۔ اس نے راستے میں ایک ٹیکسی بدلی تھی۔ وہ ٹیکسی یقیناً اس کے کسی سہولت کار کی تھی۔ اس نے بیگ اس کی کار میں چھوڑ دیا ہوگا۔ اور اس بیگ میں کیا ہوگا؟

اس نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اشعر کے فنگر پرنٹس اور خون لگی چیزیں۔ اور یقیناً بہت جلد پولیس کو ایسا کنٹینر مل جائے گا جس میں وہ چیزیں موجود ہوں گی۔

☆☆==========☆☆

پولیس کمشنر اپنے آفس میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چائے کے مگ سے گھونٹ بھر رہا تھا جب دروازہ کھٹکھٹا کے اس کا ماتحت اندر داخل ہوا۔ کمشنر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''پھر؟''

ماتحت نے آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور ٹشو سے پیشانی کا پسینہ صاف کر رہا تھا۔

''آپ یقین نہیں کریں گے۔''

''میں کرلوں گا۔ تالیہ مراد سچ کہہ رہی تھی نا؟'' وہ سانس روکے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کرسی کھینچ کے بیٹھا اور آگے کو جھکے پرجوش آواز میں بتانے لگا۔

''وہ سب سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو واقعی اغوا کیا گیا تھا۔ آپ نے دیکھا' وہ روشنی سے اسی لیے خوفزدہ تھی کیونکہ اسے ایک لمبا عرصہ اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ میری ٹیم کو وہ کنٹینر مل گیا ہے اور اس کے وہیکل کا نمبر ۷۷۸۶ ہے۔ وہ آدھا سرخ ہے اور آدھا نیلا۔''

کمشنر نے فائل بند کی اور مسکرا کے آگے ہوا۔ ''لیکن اگر یہ صرف ایک اتفاق ہوا؟''

''اونہوں۔ آگے تو سنیں۔ کنٹینر کے اندر خون کی دھاریں ہیں۔ جیسے کوئی زخمی حالت میں وہاں سے نکلا ہے۔ خون آلود پیر بھی ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ہتھکڑی' خون آلود رسی' چند بال' اور بہت سے فنگر پرنٹس ہمیں ملے ہیں۔ وہاں یقیناً کسی کو اغوا کر کے رکھا گیا تھا۔''

''اوکے۔ تمام سیمپلز لیب بھجوا دو اور جیسے ہی ٹیسٹ رپورٹس آئیں' مجھے اطلاع کرو۔ فرانزک سے کہو کہ اس کنٹینر کا اچھی طرح جائزہ لے۔ یہ کیس بہت دلچسپ ہو چکا ہے۔''

''آئی تو سر۔'' وہ جوش سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ کمشنر نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور جھرجھری لی۔

(یعنی وہ لڑکی سچ کہہ رہی تھی؟ بہت دلچسپ۔)

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری میں مہمان اب ٹولیوں کی صورت آگے پیچھے فوٹو فریمز کا جائزہ لیتے نظر آ رہے تھے۔ پس منظر میں دھیمے سروں میں موسیقی بج رہی تھی۔ ڈرنکس اور سوئیٹس سرو کی جا رہی تھیں۔ ایک ویٹر تالیہ اور ایڈم کے قریب ٹرے لے کر آیا تو ایڈم نے سوئیٹ کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ تالیہ نے مسکرا کے سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

اشعر تیز قدموں سے ان کے قریب آیا تو تالیہ نے مصنوعی حیرت سے اس کا غصیلا چہرہ دیکھا۔

''آپ کو کیا ہوا؟''

''تم مجھے اپنے اغوا کے جرم میں فریم کر رہی ہو ناں؟'' وہ سرگوشی میں غرایا۔ ''تم اس دن جان بوجھ کے گرفتار ہوئی تھیں۔ تم نے میرے فنگر پرنٹس لیے۔ میرا خون لیا۔ میرا ڈی این اے اب تم کسی کنٹینر پہ ڈال کے مجھے پھنسانا چاہ رہی ہو؟''

''اوہ واؤ۔'' ایڈم نے لب گول کیے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔

''مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اشعر صاحب۔''

''جلد ہی پولیس کو کوئی ایسا مشکوک کنٹینر مل جائے گا' میں جانتا ہوں۔'' وہ چبا چبا کے بولا۔ ''لیکن یاد رکھنا' اس طرح کی فریم جابز کامیاب نہیں ہوتیں۔''

''میں نے کہا نا' مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تالیہ!''

شناسا آواز پہ اسے لگا وہ سانس لینا بھول گئی ہے۔ وہ چونک کے مڑی۔ وان فاتح سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ تعجب تھا۔ خوشی تھی۔ پیچھے دو گارڈز بھی تھے۔ اشعر تن فن کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ اب اشعر کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

فاتح اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔

''تالیہ.... کیسی ہو؟'' وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چھے سال.... یا چھے دن.... درمیان سے وقت کے سارے حساب کتاب غائب ہو گئے تھے۔

اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''اچھی ہوں۔ وقت میرے ساتھ بہت مہربان رہا ہے۔ اور آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں' تالیہ۔ میں بہت سوں سے بہتر ہوں۔'' مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ اور ان نظروں میں اپنائیت تھی' محبت تھی' مسکراہٹ تھی۔ وہاں کوئی گلہ' کوئی سوال' کچھ نہ تھا۔

ایڈم گلاس سے گھونٹ بھرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ لوگ مڑ مڑ کے ان کو دیکھنے لگے۔ گارڈز فاتح کے پیچھے آ کھڑے ہوئے اور کسی کو بھی اس طرف آنے سے روکنے لگے۔

ایک دفعہ پھر بھری محفل میں وہ تنہا تھے۔

''لانگ ٹائم۔'' وہ اس کو دیکھ کے مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''اچھا؟ میرے لیے جیسے کل کی ہی بات تھی۔'' وہ زخمی سا ہنسی۔ سفید دیواروں پہ لگے سارے سیاہ گھوڑے اپنی گہری آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ اردگرد کی تمام آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

''تمہیں یاد ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی دفعہ ملے تھے۔ ہم سب۔''

''آپ کو بھی یاد ہے؟'' اسے حیرت ہوئی۔ کبھی اس کے بھولنے پہ حیرت ہوتی تھی۔ آج اس کے یاد رہ جانے پہ حیرت ہوئی تھی۔

''ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم یہاں آئی ہو گی۔ اب میرے جانے کا وقت ہے۔'' فاتح نے کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر اسی بشاشیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گا۔ تم آ رہی ہو نا؟''

اس شخص کو کون انکار کر سکتا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی پلٹ گیا۔ اس کی خوشبو اور مقناطیسیت کا ہالہ اس کے ساتھ ہی دور ہوتا گیا۔

فسوں ٹوٹا تو تالیہ نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ ایڈم قریب ہی کھڑا تھا۔ مسکرا کے قریب آیا اور سرگوشی میں بولا۔

''آپ کی پی ایم سے باتیں کرنے کی تصاویر جو ایک گھنٹے کے اندر اندر سوشل میڈیا پہ آنے والی ہیں یا تو آپ کا کیس خراب کریں گی یا.....''

''اٹس اوکے' ایڈم۔'' وہ مسکرا دی۔ ''تالیہ اب کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔'' اور کندھے اچکا دیے۔ دور کھڑا اشعر ابھی تک ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

نمائش کے اختتام کے تین گھنٹے بعد..... کوالالمپور کے ایک پوش علاقے میں بنے بنگلے کے باہر پولیس کی تین گاڑیاں کھڑی

تھیں۔ بنگلے کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے نظر آ رہے تھے اور دیواروں پہ سرخ پینٹ سے نازیبا کلمات لکھے دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کسی نے بنگلے پہ بری طرح حملہ کیا تھا۔ کہیں کہیں گولیوں کے راؤنڈز اور شیل بھی بکھرے تھے۔ پولیس اہلکار ہر جگہ بکھرے ان چیزوں کو اکٹھا کر رہے تھے اور متاثرہ حصوں کی تصاویر لے رہے تھے۔

اندر لاؤنج میں توڑ پھوڑ کے آثار واضح نظر آتے تھے۔ فرنیچر ادھر ادھر بکھرا تھا۔ ڈیکوریشن پیسز ٹوٹے پڑے تھے۔ پینٹنگز پھٹی ہوئی نیچے پھینکی گئی تھیں۔

بڑے صوفے پہ ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکی میشا سے لگ کے بیٹھی تھی۔ میشا شال لپیٹے سرخ ناک اور گیلی آنکھوں سے سامنے بیٹھے تفتیشی افسر کو بتا رہی تھی۔

''میں نمائش سے گھر آئی تو سب کچھ اسی طرح پڑا تھا۔ میری پینٹنگز بھی پھاڑ دیں اس نے۔ میرے کمرے کے لاکر سے کیش بھی غائب ہے۔'' اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور وہ خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش میں بری طرح ناکام نظر آتی تھی۔ سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔ جیولری تک اتارنے کا وقت نہیں ملا تھا۔

''مسز میشا..... آپ کو کس پہ شک ہے؟''

اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''پتہ نہیں۔'' اور نظریں جھکا دیں۔

''ماما۔'' نوعمر لڑکی نے شکایتی انداز میں اسے جھنجھوڑا۔

''آپ بنا کسی ڈر اور خوف کے بتائیں۔ ہم اس کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دلوائیں گے مسز میشا۔''

''مجھے نہیں معلوم۔ میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔'' وہ جھلا کے بے بسی سے بولی۔

تھوڑی دیر بعد تفتیشی افسر اٹھ کے گیا تو میشا نے فون نکالا۔ پھر آنسو پونچھتے ہوئے ایک چیٹ کھولی جس پہ لکھا تھا ''پی ایم فاتح رامزل''۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں سے میسج ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''کیا آپ کی مدد کی آفر ابھی تک برقرار ہے' داتو سری؟''

پیغام بھیج کے اس نے سر گھٹنوں میں جھکا دیا۔ آنسو اب بھی گرتے جا رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

پتراجایا پہ سرما کی چمکیلی سی صبح بہت سی تازگی لیے آئی تھی۔ آج منہ اندھیرے سے ہلکی ہلکی باش شروع ہوئی تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اکثر لوگ آج گھروں میں دبکے تھے۔ کام پہ تاخیر سے جانے کا ارادہ تھا۔

سری پردھانہ کی اونچی کھڑکیوں سے محل کے وسیع و عریض سبزہ زار بارش میں بھیگتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک

راہداری میں کھڑی' ایک کھڑکی کے شیشے پہ لڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔

فاتح کا پی ایس اپنے ڈیسک پہ بیٹھا اس خاص مہمان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے آئی تھی' کھڑکی کنارے کھڑی تھی۔ یہاں سے باہر کا گھاس بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔ سفید کوٹ اور اسکرٹ پہنے' کندھوں تک آتے سیاہ بال کھلے چھوڑے' اس نے کانوں میں سفید موتی پہن رکھے تھے۔ وہ یہاں کھڑی کوئی سفید مورت لگتی تھی۔

''آپ اندر جا سکتی ہیں۔'' پی ایس نے کھنکھار کے تالیہ کو اطلاع دی تو وہ دھیرے سے پلٹی اور لکڑی کے اونچے دروازوں کی جانب بڑھ گئی۔

وہ پہلی دفعہ سری پردھانہ آنے والوں سے مختلف تھی۔ پی ایس اس کو صرف خبروں اور ٹی وی کی حد تک جانتا تھا۔ پھر بھی اسے دیکھ کے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ لوگ سری پردھانہ میں پہلی دفعہ آ کے رعب کا شکار' مسحور نظر آتے تھے۔ البتہ وہ جس اٹھی گردن کے ساتھ آئی تھی' اسی اٹھی گردن کے ساتھ اندر چلی گئی۔

ایسے جیسے وہ اس سے بڑے محل دیکھ چکی ہو۔ جیسے وہ ایسے ہی محلوں میں بڑی ہوئی ہو۔

دروازے سے پردھان منتری کی کرسی کا فاصلہ چند گز تھا۔ تالیہ نے اندر قدم رکھا تو فاتح بے اختیار اپنی کرسی سے اٹھا۔

''ویلکم بیک۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ تالیہ نے قدم اس کی طرف بڑھائے۔ ہر قدم کے ساتھ زمین جیسے لپیٹی جا رہی تھی۔ ماضی ایک فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

تنگو کامل کی نوکرانی بن کے اس نے فاتح کو پہلی دفعہ جوس پیش کیا تھا۔ ایک قدم.....

عصرہ کی گیلری میں وہ سنہرے بالوں والی لڑکی اس سے ملی تو اس نے اسے تاشہ کہہ کے پکارا....

چار قدم.....

وہ عصرہ اور اشعر کے ساتھ ان کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھی گھائل غزال کی اصلیت نہ بتا سکی تھی۔

وہ سن باؤ کے گھر کی زیر زمین سیڑھیوں کے نیچے کھڑی تھی جب اس نے ایڈم اور فاتح کو ایک ساتھ نیچے آتے دیکھا۔

پانچ قدم۔

وہ تینوں آگے پیچھے جنگل میں چل رہے تھے.... چھ قدم.....

وہ جیا میں کھڑا چائے پیالیوں میں ڈال رہا تھا.... وہ شہزادیوں کا تاج پہنے بگھی سے اتر رہی تھی.....

سات قدم.....

وہ قید میں زخمی حالت میں پڑا تھا اور وہ اس کے گال کے زخم پہ مرہم رکھ رہی تھی۔

آٹھ قدم.....

وہ اسے بھول چکا تھا اور وہ اس کی چیف آف اسٹاف بنی اس کے لیے کافی کے مگ بھاگتی ہوئی لا رہی تھی۔

نو قدم.....

وہ اس کے آفس میں کھڑی اسے بتا رہی تھی کہ وہ استعفیٰ دے رہی ہے کیونکہ وہ دوسرے سیاستدانوں جیسا نکلا ہے.....

وہ دونوں یان سوفو کے کنویں پہ بیٹھے تھے اور اس نے بالوں میں پھول اٹکا رکھا تھا.....

دس قدم.....

وہ الاؤ کے پاس بیٹھے تھے.....اس قدیم قلعے میں.....اور وہ دیوار پہ وہ نظم لکھ رہی تھی.....

گیارہ قدم.....

اور وہ اس کے سامنے تھا۔ فاصلے ختم ہو چکے تھے۔

''بیٹھو۔''

وہ کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ سارے ماہ و سال کہیں گم ہو گئے۔ فضا میں عجیب سا سحر بکھر گیا۔

''تم کیسی ہو؟'' وہ آگے کو جھکے اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو اٹھائی۔

''میرا خیال تھا آپ پوچھیں گے کہ تم کہاں تھیں؟'' اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

''کیا مجھے پوچھنا چاہیے؟''

''ہاں۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے جواب مانگیں گے کہ میں آپ کو چھوڑ کے کیوں چلی گئی؟ کیا میں اپنے بابا کے پاس رک گئی؟ کیا آپ کو اور ایڈم کو بھیج کے میں نے ایک اور کون گیم کھیلا؟ کیا میں نے آپ کو دھوکہ دیا؟ مگر آپ....'' اس کی آنکھوں میں تعجب تھا۔ ''آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟ میں چھے سال تک دور رہی.....اور آپ نے جواب نہیں مانگا۔ نہ کل۔ نہ آج؟''

وہ مسکرا کے اٹھا اور پیچھے کھڑکی کے ساتھ رکھے اسٹینڈ تک گیا۔ کھڑکی پوری دیوار جتنی اونچی تھی۔ اس کے پردے کھلے تھے اور اس کے پار بارش میں بھیگتا سبزہ زار دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تالیہ کی طرف پشت کیے بوتل سے پانی چائے کی برقی کیتلی میں انڈیلنے لگا۔

''مجھے نہیں معلوم اس روز تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا' تالیہ۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے سنا

کہ ایڈم تمہیں پکار رہا ہے کہ نیچے آؤ۔ لیکن جب میں نے پلٹ کے دیکھا تو ایڈم حیرت سے پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں صرف اندھیرا تھا۔ ہم دونوں پیچھے کو پلٹے لیکن دروازہ ایک سیاہ دیوار میں بدل چکا تھا۔ پیچھے کا راستہ ختم ہو چکا تھا۔ میں واپس مڑا تو دیکھا' سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ نہ اس دفعہ کوئی دریا تھا' نہ کوئی بارش۔ وہ چابی جو یان سوفو نے بنائی تھی' وہ عجیب سی تھی۔ میں نے آگے کا دروازہ کھولا تو ہم جونکر اسٹریٹ پہ نکل آئے تھے۔ تم ہماری ساتھ نہیں تھیں اور میں زخمی تھا۔''

وہ گردن جھکائے اب کیتلی پہ ٹائمر سیٹ کر رہا تھا۔ بٹن دبا کے وہ اس کی طرف مڑا اور اسٹینڈ سے ٹیک لگائے' ہتھیلیاں دونوں اطراف میں میز پہ جمائے' اس کو دیکھ کے کہنے لگا۔

''میں زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہ سکا تھا۔ ایڈم کہاں گیا' مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن جب میں ہسپتال میں جاگا تو اشعر میرے ساتھ تھا۔ میں نے تمہارے بارے میں دریافت کیا لیکن کسی نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔ ایڈم کے بارے میں سنا کہ وہ ٹراما سینٹر میں ہے۔ اس کی یادداشت کھوگئی ہے۔ میں ایک دو دفعہ اس سے ملنے گیا لیکن وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ اس کا ذہن اس دن تک واپس چلا گیا تھا جب وہ میرا باڈی گارڈ بنا تھا۔ میں نے اسے زیادہ تنگ نہیں کیا اور واپس اپنی زندگی میں چلا گیا۔''

''آپ نے استعفیٰ واپس لے لیا؟'' اس نے آنسوؤں کا گولہ بدقت نگلا۔

''ہاں۔ لیکن میں ہر چیز سے بددل ہو گیا تھا۔ چند ماہ تک ہر روز سونے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ تالیہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کیوں واپس نہیں آئی؟ کیا اس نے یہ جان بوجھ کے کیا؟''

کیتلی کی گھنٹی بجی تو وہ مڑا اور کیبنٹ سے دو مگ نکال کے رکھے۔ پھر کیتلی اٹھائی۔ اس کے اندر پانی گرم پانی ابل رہا تھا اور کھڑکی کے باہر ٹھنڈا پانی برس رہا تھا۔

''میں نے ذوالکفلی کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ نہیں ملا۔ میں نے شکار بازوں کو تلاشا۔ شاید کوئی تمہیں اس دنیا سے واپس لے آئے۔ میرا خیال تھا تم وہاں پھنس گئی تھی۔ چند ماہ تک میں خود فراموشی کی حالت میں رہا۔ میرا کیریئر متاثر ہوا۔ دوسرے لوگ میری کرسی پہ نظر رکھنے لگے۔ تب مجھے تم سے گلے بھی تھے اور شکایات بھی۔ تب تم واپس آجاتیں تو شاید میں حساب مانگتا۔''

وہ اب گرم ابلتی دھار مگ میں انڈیل رہا تھا۔ گردن جھکی تھی اور الفاظ ٹھہر ٹھہر کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

''لیکن تالیہ..... انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور ایک روز وہ نیند سے جاگتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دکھ کو ہرا دیا ہے۔ وہ غم اس کے دل کو اب نہیں کاٹ رہا۔ انسان نیند سے جاگتا ہے اور اسے ایک دم سے اس کا کلوژر closure مل جاتا ہے۔ غم کو کنارہ مل جاتا ہے۔'' اس نے ٹی بیگ کپ میں ڈالا۔ پانی کا رنگ تیزی سے سنہرا ہونے لگا۔

''میں ایک صبح اٹھا اور مجھے احساس ہوا کہ تم نے وہ جان بوجھ کے نہیں کیا تھا۔ میں تمہیں جانتا تھا۔ تم کسی مسئلے میں گرفتار

ہوگئی ہوگی۔تمہارے بابا کی کوئی سازش۔کوئی وقت کا چکر۔یہ قسمت تھی اور مجھے اسے قبول کرنا تھا۔''

دوسرے مگ میں اس نے چائے ڈال کے کیتلی رکھی۔پھر چینی کے کیوبز دونوں مگز میں ڈالے۔پھر انہیں اٹھائے اس کے سامنے آیا۔اس کا مگ رکھا اور اپنا لیے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔

''ان چھے سالوں میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب مجھے تمہارا خیال نہ آیا ہو۔اور میں ہمیشہ تمہاری خیریت کا سوچتا تھا۔تم اس دنیا میں ہو یا اس دنیا میں....میری دعا تھی کہ تم ٹھیک رہو۔کل تم سے ملنے سے پہلے تک میرے ذہن میں واقعی سوالات تھے لیکن اب نہیں ہیں۔''

''کیوں؟ کل مجھے دیکھ کے کیا لگا آپ کو؟''

دونوں مگ میز پہ یوں رکھے تھے کہ ان کی اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان بار بار حائل ہو جاتی تھی۔وہ اس سوال پہ مسکرا دیا۔

''میں نے پچھلے چھے سال تمہاری ہر بات پہ غور کیا ہے۔ہر کون' ہر حرکت جو تم نے میرے سامنے کی یہاں تک کہ مجھے تمہارے چہرے کا ایک ایک تاثر یاد ہوتا گیا۔تالیہ کب خوش ہوتی ہے۔تالیہ کب خوشی ظاہر نہیں کرتی۔کب وہ کامیاب ہوتی اور کب بے بس۔تالیہ کی cryptic باتوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔مجھے لگتا ہے میں نے تمہاری غیر موجودگی میں تمہیں زیادہ اچھے سے پڑھ لیا ہے۔''

''اور؟''اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھایا۔

''اور کل تمہیں دیکھ کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم خوش ہو۔''اس نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

''میرے اوپر ایک مرڈر ٹرائل چل رہا ہے۔میں تھانے میں ایک دن گزار کے آئی ہوں۔مجھے سارا ملک مجرم سمجھ رہا ہے۔میری زندگی کے چھے سال کھو گئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں خوش ہوں؟''

''ہاں۔جب تم نے کہا وقت تم پہ مہربان رہا ہے تو میں سمجھ گیا تھا کہ تمہیں کچھ مل گیا ہے۔کوئی ایسی خوشی جو تم شیئر نہیں کر سکتیں۔لیکن وہ تمہارے انگ انگ سے پھوٹ رہی ہے۔''وہ ٹیک لگائے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھ کے کہہ رہا تھا۔''اور میں نے تمہاری انٹیروگیشن کی ویڈیو بھی دیکھی تھی۔وہ سب ایک ایکٹ تھا۔مجھے پتہ ہے۔''

''واؤ۔''وہ مسکرا دی۔''آپ جانتے ہیں اس رات کیا ہوا تھا؟''

''میں سننا چاہوں گا۔''

''وقت نے میرے ساتھ چال چلی۔میں دروازے میں دیر سے داخل ہوئی۔شاید چھے سیکنڈ دیر سے۔اور جب میں باہر

جونکر اسٹریٹ پہ نکلی تو چھ برس گزر چکے تھے۔"

"اوہ۔" اس کے لب تعجب سے سکڑے۔

"آپ لوگوں نے ایک زمانہ میرے بغیر گزار لیا۔ لیکن میں؟ میرے چھ سال کھو گئے۔ اور اب وقت کو واپس جگہ پہ لانے کا کوئی طریقہ میرے پاس نہیں بچا۔ میں آج بھی وہیں کھڑی ہوں۔ مجھے ابھی عصرہ کے قتل کا الزام ہٹانے کے لیے ایک لمبی لڑائی لڑنی ہے۔"

"میں نہیں جانتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔ لیکن میں نے تمہیں مس کیا تالیہ۔ بہت زیادہ۔"

وہ زخمی سا مسکرا دی۔ "میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کیونکہ کوئی چھ دنوں میں کسی کو کتنا مس کر سکتا ہے؟"

"مگر تم خوش ہو۔ کیوں؟" فاتح نے گھونٹ بھر کے مگ میز پہ رکھ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر برستی بارش اب تھمنے کو تھی۔

"آپ واقعی مجھے جانتے ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس دی تھی۔ "میں واقعی خوش ہوں' فاتح۔ مجھے بالآخر وہ مل گیا ہے جس کی مجھے عرصے سے تلاش تھی۔"

"تمہاری بے گناہی کا ثبوت؟"

"اونہوں۔ ابھی تک میرے پاس کوئی خاص ثبوت نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ اور ہے۔" وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی اٹھی۔ "میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ ہم ملتے رہیں گے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ اتنے عرصے بعد بھی نہیں بدلے۔ آپ آج بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اور میں خوش ہوں کیونکہ تم خوش ہو۔ میں ریلیف محسوس کر رہا ہوں۔ تمہیں اس اطمینان اور بہادری کے ساتھ ان الزامات کا مقابلہ کرتے دیکھ کر۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہیں اس معاملے سے نکال لوں گا۔ لیکن اب مجھے نہیں لگتا کہ تالیہ مراد کو میری مدد کی ضرورت ہے۔"

"جو مجھے آتا ہے وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔" اس نے سر کو تعظیماً جھکایا۔ پھر اطراف میں اس پر تعیش آفس کو دیکھا۔

"یہ عہدہ پا کے کیسا لگتا ہے' فاتح؟ سوری میں آپ کو دا تو سری' تو انکو یا یا تنگ دی امان برحرمت وغیرہ نہیں کہہ سکوں گی۔"

"میں مائنڈ نہیں کروں گا۔" اس نے کندھے چکاتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ "اور یہ گفتگو کسی اور وقت کے لیے سہی۔ لیکن کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تم خوش کیوں ہو؟"

"آپ جان جائیں گے۔" وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نہ کوئی گلہ' نہ قسمت کی ستم ظریفی کا

تذکرہ۔ وہ چھے دن بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسا ہی تھا۔

وہ چھے سال بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسے ہی تھی۔

ایک دفعہ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں اپنی موجودگی کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ پھر وہ مشکل گفتگو ان کے درمیان آڑے آ گئی تھی۔

وہ ان اونچے دروازوں سے نکلی تو ہال کے پار دروازے کے سامنے اشعر محمود کھڑا تھا۔ تھری پیس میں نک سک سے تیار وہ تندی سے اسے گھورے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کے تالیہ کھلے دل سے مسکرائی اور اس کی طرف آئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ ماتھے پہ شکنیں ڈال کے بولا۔

''مجھے پردھان منتری نے بلایا تھا۔ آپ کو اعتراض ہے کیا ایش؟'' ابرو اٹھا کے پوچھا۔

اشعر نے ایک کامن روم کی طرف اشارہ کیا اور خود اس طرف بڑھ گیا۔ وہ پیچھے آئی۔ اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف گھوما۔

''میں نے سنا ہے پولیس کو ایک کنٹینر ملا ہے۔ اور فنگر پرنٹس وغیرہ بھی۔ ان کا میچ ڈھونڈا جا رہا ہے۔'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ تالیہ نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں نے اپنے ماسک پہنے اغوا کار کو زخمی کیا تھا اور اس نے مجھے۔ معلوم نہیں ماسک کے پیچھے کون تھا لیکن پولیس یہ ضرور دیکھے گی کہ کس کی ناک پہ زخم کا نشان ہے۔'' اس نے اشعر کی ناک کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ پلیز۔'' وہ غصے سے بولا۔ ''تم نے مجھے فریم کرنے کے لیے بہت ہی ظاہری ثبوت چھوڑے ہیں۔ اگر میں اغوا کار ہوتا تو اس کنٹینر کو صاف کیوں نہ کرتا؟ سارے ثبوت وہیں کیوں چھوڑ دیتا؟''

''جیسے میں عصرہ کی قاتل ہوتی تو اپنے ہی کارڈ سے کیک کیوں آرڈر کرتی؟''

اشعر ایک دم بالکل لاجواب ہو گیا۔

''یہی مسئلہ ہے حقیقی دنیا کی پولیس کا اشعر۔ وہ صرف ظاہری ثبوتوں کا پیچھا کرتی ہے۔ اگر آپ کے فنگر پرنٹس اس کنٹینر پہ مل گئے نا اشعر... تو آپ بڑی مشکل میں پھنسنے جا رہے ہیں۔''

''تم۔'' مارے ضبط کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے تمہیں اغوا نہیں کیا تھا۔ پھر تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟''

''اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصرہ کا قتل میں نے نہیں کیا تھا۔ میں بے قصور تھی۔ میں اتنے بے وقوفانہ ثبوت

کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن مجھ سے تنفر کے باعث آپ نے سب سے پہلے مجھے الزام دیا۔ آپ کی گواہی نے مجھے مفرور ملزم بنایا۔ تو اگر میں ٹرائل کا سامنا کرنے جا رہی ہوں تو میں اکیلی کیوں جاؤں؟ آپ آرام سے کیوں بیٹھیں؟"

"میں اس کیس کو ایک چٹکی میں اپنے اوپر سے ختم کروا دوں گا۔ سمجھیں آپ۔" اس نے چٹکی بجا کے کہا اور مڑ گیا۔

"یعنی ایک دفعہ پھر اشعر محمود خود کو تالیہ کے خلاف اتنا مصروف کر لے گا کہ اسے کچھ اور نظر ہی نہیں آئے گا۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

اشعر محمود جاتے جاتے رکا۔ پھر آہستہ سے پلٹا۔

"مصروف؟؟" اسے اتنا معلوم تھا کہ تالیہ بے مصرف کوئی بات نہیں کہا کرتی تھی۔

"ہاں نا۔ مصروف۔ آپ تالیہ مراد کو گرفتار کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ نوٹری پبلک یا میوزیم کی طرف سے آنے والی کالز پہ آپ نے توجہ نہیں دی۔"

"کیسی کالز؟"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ آپ جیسے لوگ جب حکومت میں آتے ہیں تو ہر دو ماہ بعد اپنا نمبر بدل لیتے ہیں تاکہ عام عوام کی رسائی سے دور ہو جائیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ "اس لیے نوٹری والوں کا آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ عصرہ کی وصیت پہ عمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ وصیت کے ایگزیکیوشنر نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ کو زیادہ تنگ نہیں کیا اور وصیت پہ عمل درآمد کروا دیا۔"

"اوہ۔ وہ اینٹیک نواردات؟" اشعر نے گہری سانس لی۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ میوزیم وہ آپ کے حوالے کرنے جا رہا ہے۔ پہلی بات' ان کی کوئی خاص ویلیو نہیں ہے۔ دوسری بات' اس وصیت کے خلاف میرا ایک کلیم چٹکی میں (چٹکی بجائی) اس کو منسوخ کروا سکتا ہے۔ وہ اینٹیک میرے خاندان کی ملکیت تھے۔ اور میرے ہی رہیں گے۔"

"وہ اینٹیک جس میوزیم کے پاس امانت تھے' انہوں نے کل وہ مجھے دے دیے تھے کیونکہ وصیت کے مطابق ان پہ میرا حق تھا۔"

"سو؟ میں ابھی عدالت میں کلیم جمع کروا دوں گا اور وہ مجھے واپس مل جائیں گے۔ اگر آپ نے وہ بیچ دیے تو آپ کو ان کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

تالیہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ پھر سر ہلایا۔ "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ سول کلیم داخل کرا کے انہیں واپس لے سکتے ہیں۔ جب میں واپس آئی تھی تو سب سے بڑا عذاب مجھے یہ اینٹیک لگے تھے جو عصرہ نے میرے گلے ڈال دیے تھے۔ لیکن

پھر مجھے احمد نظام نے ایسی بات بتائی جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ پتلیاں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کہ ملائیشیا میں سول مقدمے کا ایک statue of limitation ہوتا ہے۔ آپ وکیل ہیں۔ آپ کو یاد ہے کتنی میعاد تک آپ کسی کے خلاف سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں؟"

اشعر محمود کی رنگت ایک دم سفید پڑی۔ اس نے تیزی سے سیل فون نکالا۔ مگر وہ مسکرا کے کہے جا رہی تھی۔

"میں نے احمد نظام سے پوچھا کہ چھے سال میں کیا بدل جاتا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ ملائیشیا میں پورے چھے سال تک سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کسی معاملے کو چھے سال گزر چکے ہوں تو آپ مقدمہ نہیں دائر کر سکتے۔ اب آپ کے سول کلیم کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ عدالت آج وہ نوادرات مجھے دے دے گی اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔" پھر وہ رکی اور محظوظ انداز میں اضافہ کیا۔

"جب عصرہ نے ان کو میرے نام لگایا تھا تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ یہ نوادرات جن اصل شہ پاروں کا حصہ ہیں' وہ صدیوں سے زمین میں دفن ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی۔ لیکن چند ماہ پہلے ہانگ کانگ میں کھدائی کے دوران ملاکہ کی تہذیب کے چند ایسے نوادرات ملے تھے جنہوں نے عصرہ کے ان بے کار' نامکمل ٹکڑوں کی اہمیت آسمان پہ پہنچا دی ہے۔ لیکن آپ کو علم کیوں نہ ہو سکا؟"

اشعر بس ششدر سا اسے سنے جا رہا تھا۔

"تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو میوزیم کے کیوریٹرز نے یہ بات آپ سے چھپائی کیونکہ وہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ یا آپ اپنی سیاست میں اتنے مصروف رہے کہ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ غیر ملکی کلیکٹر ان نوادرات کی قیمت کئی ملین ڈالرز تک پہنچا چکے ہیں۔ یا آپ کو ان کی اصل قیمت معلوم تھی لیکن آپ انہیں فاتح کی فیملی کو نہیں دینا چاہتے تھے ورنہ کب کا کلیم داخل کروا چکے ہوتے۔ لیکن مجھے....." دھیرے سے اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔

"مجھے آرٹ کی پہچان بھی ہے.....اور میرے آرٹ کی دنیا سے روابط بھی ہیں۔ وہ نوادرات اب صرف میرے ہیں۔ "وقت" کو معلوم تھا کہ ان کی تب اہمیت نہیں ہے۔ "وقت" نے ان کو قیمتی بنایا' اور مجھے اتنی مہلت دی کہ آپ ان کو مجھ سے چھین نہ پائیں۔"

اشعر محمود تیزی سے موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ میں سول کلیم داخل کر کے دکھاؤں گا۔"

"یہ کام آپ کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کی اہمیت معلوم

تھی۔ آپ صرف انہیں فاتح کے بچوں کو نہیں دینا چاہتے تھے۔''

وہ بکتا جھکتا' فون کان سے لگاتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی اور حواس اڑتے جا رہے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اس کو بالآخر وہ خزانہ مل چکا تھا جس کی اسے برسوں سے تلاش تھی۔

وقت اس پہ بہت مہربان رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

جھیل کا پانی سرما کی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ دو بطخیں سست روی سے تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ گاہے بگاہے وہ اپنے گردنیں پانی میں ڈالتیں' اور پھر سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اسے باہر نکالتیں۔ اردگرد چھینٹے اڑتے جاتے۔ البتہ جھیل کنارے رکھا واحد بنچ ان کے چھینٹوں کی پہنچ سے دور تھا۔

بنچ پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ سفید ہائی نیک جرسی پہنے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایڈم کی پشت پہ تالیہ بنا آواز کے قدم اٹھاتی آئی۔ دھیرے سے سفید ہیٹ اتارا اور اس کے ساتھ بنچ پہ رکھا تو وہ چونکا اور پلٹ کے دیکھا۔ پھر رسمی سا مسکرایا۔

''آپ کا ٹیکسٹ کافی دلچسپ تھا۔ آپ نے لکھا کہ آپ کے ہاتھ خزانہ لگ گیا ہے۔''

''ہوں۔'' وہ مبہم سا مسکراتی ہوئی آگے آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔ دونوں کا چہرہ اب جھیل کی طرف تھا اور ان درمیان سفید ہیٹ رکھا تھا۔

''مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج عصرہ محمود کے وصیت کردہ نواردات آپ کو تفویض کر دیے گئے ہیں۔''

تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراتی آنکھوں میں ڈوبتے سورج کا عکس تھا۔

''اپنی معلومات اپ ڈیٹ کر لیں۔ میں نوٹری پبلک سے آ رہی ہوں۔ نہ صرف نواردات مجھے مل گئے ہیں بلکہ میں نے انہیں موقع پہ فروخت بھی کر دیا ہے۔''

''اتنی جلدی گاہک کیسے مل گئے آپ کو؟''

''میں اتنے دن سے گاہک ہی تو تلاش کر رہی تھی۔ تاکہ وصیت پہ عمل درآمد ہوتے ساتھ ہی سیل مکمل کر دوں۔ مجھے میری رقم مل چکی ہے اور نواردات اپنے نئے مالکوں کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب مجھے ان کے چوری ہونے کا ڈر بھی نہیں ہے۔''

''دلچسپ۔ چھے سال کی قانونی میعاد نے آپ کو بچا لیا۔ کیا آپ اسی لیے چھے سال بعد آئی ہیں تاکہ آپ ان نواردات کو

حاصل کرلیں؟'' ایڈم نے نوٹ بک نکالی اور گھٹنے پہ اس کو رکھ کے کچھ لکھنے لگا۔

''میں جانتی تھی آپ یہ سوچیں گے۔ بلکہ عدالت بھی یہ سوچے گی۔ احمد نظام نے بھی یہی کہا تھا لیکن مجھے پرواہ نہیں۔ میں بس یہ چاہتی تھی کہ اشعر محمود کو اس بارے میں کم سے کم معلوم ہو۔ اور ایسا ہی ہوا۔ معلوم ہونے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسے مزا نہ آتا۔'' اب وہ مسکرا کے جھیل کے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں اس وقت کوالالمپور کی امیر ترین خواتین میں سے ایک کے ساتھ بیٹھا ہوں؟'' وہ مسکرا کے پوچھنے لگا۔

''میں آج فاتح سے ملی۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے دور تیرتی ہوئی بطخوں کو دیکھ کے بولی۔

''ہوں۔ گڈ۔ اور کیا نتیجہ نکلا اس ملاقات کا؟'' وہ لکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔ ''حالانکہ وہ میرے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ وہ مجھے دیکھ کے خوش بھی ہوئے۔ لیکن ایڈم..... انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی جگہ کسی کی زندگی سے وقت کے ساتھ کتنی آسانی سے ختم ہو جاتی ہے نا۔''

''کیا میں یہ بھی لکھ دوں؟'' اس نے رسمی انداز میں پوچھا۔ وہ چہرہ موڑ کے بس اس کو دیکھنے لگی۔

''آپ ہماری زندگی کا اتنا اہم حصہ تھے اور اب آپ پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ یہ لکھ دیں؟'' اس کے انداز میں گلہ تھا۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''مس مراد..... میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری یادداشت میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔'' اس کا چہرہ سپاٹ سا تھا جیسے کسی ایسے اجنبی کا ہوتا ہے جسے کام کے باعث کچھ وقت ایک اجنبی کے ساتھ گزارنا پڑے۔ شائستہ' مہذب' پیشہ ورانہ لیکن اجنبی رویہ۔

''اچھا ہوا آپ کو یاد نہیں ہے۔ ورنہ میرے اور آپ کے درمیان ایک تکلیف دہ یاد تھی جس کے بارے میں ہم کبھی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔''

''اچھا؟ کیسی یاد؟'' اس کے انداز میں معمولی سی دلچسپی در آئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور جھیل ان کے سامنے پرسکون سی بہتی ان کو تک رہی تھی۔ بطخیں اب تیرتی ہوئی دور جا رہی تھیں۔

تالیہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی' پھر مسکرا کے سر جھٹک دیا۔ ''کچھ نہیں۔''

''ظاہر ہے اب میں اصرار کروں گا کہ آپ مجھے بتائیں۔''

''میری وجہ سے آپ کے چوزے کھوئے تھے نا۔ آپ مجھے ان کے لیے مورد الزام ٹھہراتے تھے۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرا

کے بولی۔تو ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔

''آپ نے یہ بات گھڑی ہے۔ورنہ میں اپنے چوزوں کی موت پہ یوں کسی کو موردالزام نہیں ٹھہرا سکتا۔''وہ ہلکا سا ہنس کے واپس ڈائری پہ کچھ لکھنے لگا۔

''بس.....یہی چیز.....اسی کا میں انتظار کر رہی تھی۔''وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی تو ایڈم نے سوالیہ نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔شہزادی کی مسکراتی آنکھوں میں چمک تھی۔

''کیا؟''

''میں نے کب کہا کہ چوزے مر گئے تھے؟میں نے کہا کہ وہ کھو گئے تھے۔''

ایڈم کا قلم چلاتا ہاتھ رک گیا۔وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

جھیل کا پانی بھی ساکت ہو گیا اور بطخیں مڑ کے انہیں دیکھنے لگیں۔

''آپ نے خود ہی مجھے اس دن بتایا تھا کہ.....''وہ الجھ کے کہنے لگا لیکن تالیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''بس کر دو ایڈم.....کتنی اداکاری کرو گے؟مجھے معلوم ہے تمہیں کچھ نہیں بھولا۔''

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔وقت ان کے آس پاس ہی ٹھہر گیا۔

''مجھے پہلے دن،پہلے لمحے سے معلوم ہے کہ تمہیں سب یاد ہے۔میں نے تمہیں تمہارا وقت دیا۔اب بس کر دو۔''

ایڈم نے قلم کا ڈھکن چڑھایا،اسے جیب میں رکھا اور نوٹ بک کو پینٹ کی جیب میں ڈالا۔پھر اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تم اچھی اداکاری کر لیتے ہو لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔تم نے بابا سے کہا تھا کہ اب ایڈم بن محمد اپنے لیے جیے گا۔جب میں نے تمہاری یادداشت کا سنا تو جان گئی کہ تم نے وہ ناٹک اسی لیے رچایا ہے۔تمہیں دیکھ کے یقین بھی ہو گیا۔''وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔وہ جھیل کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یہ لگتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو؟اسی لیے صرف پروفیشنل وجہ سے میرے ساتھ کام کر رہے ہو؟تم ناراض ہو کہ میں نے اتنے برس رابطہ کیوں نہیں کیا؟غلط۔تم خود سے جھوٹ بول رہے ہو۔اگر تم مجھ سے ناراض ہوتے تو میری اتنی مدد نہ کرتے۔''

ایڈم نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔اس کی رنگت دہکتی گلابی ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخی تھی۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں؟آپ اتنے سال بعد کسی کی زندگی میں ایک دفعہ پھر سے وارد ہو جائیں گی اور وہاں آپ کے لیے

جگہ ہوگی؟ سب کچھ پہلے جیسے ہو جائے گا؟ نہیں' چے تالیہ۔ آپ نے پیچھے رہنے کو خود چنا تھا۔ آپ نے مجھے چھوڑ دینے کو خود چنا تھا۔ میری زندگی میں اب آپ کی جگہ نہیں بچی۔'' یہ کہہ کے اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

وہ چپ چاپ اسے دور جھیل کی طرف جاتے دیکھے گئی۔ وہ پانی کے قریب جا کے کھڑا ہو گیا تھا۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے وہ اب پانی کے اوپر ڈوبتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے ایڈم کو پورے دس منٹ کے لیے اکیلا چھوڑنا تھا۔ اس کا غصہ اور شرمندگی دس منٹ میں جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔ وہ جانتی تھی۔

اس نے ہیٹ سر پہ رکھا' اور گھڑی کو دیکھتے ہوئے ایک ایک سیکنڈ گننے لگی۔

چھے سال ہوں یا چھے دن' تالیہ مراد ایڈم بن محمد کے ہر انداز سے واقف تھی۔

یہ سارے کون گیمز اسی نے ایڈم کو سکھائے تھے۔ استاد کو کون مات دے سکا ہے بھلا؟

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کے مرکزی لاؤنج میں اس وقت ملازموں کی ایسی چہل پہل پھیلی تھی جیسی کسی مہمان کی آمد کے وقت ہوتی ہے۔ کوئی گیسٹ روم سیٹ کرنے جا رہا تھا۔ تو کوئی میشا کے ٹرالی بیگز لیے ایک طرف جا رہا تھا۔

''یہاں آپ بالکل محفوظ ہوں گی۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا' مسز میشا۔''

وسط لاؤنج میں کھڑی جولیانہ بہت اپنائیت سے میشا کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ میشا اور اس کی بیٹی کے چہرے بجھے بجھے تھے۔ زرد' خوف اور بے یقینی کا شکار چہرے۔

''مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا یوں' جولی۔'' میشا نے لاؤنج کی میز پہ ہینڈ بیگ رکھتے ہوئے یاسیت سے کہا۔ ''ایسے خود کو کسی کے اوپر بوجھ بنانا غیر مناسب ہے۔'' وہ شدید غیر آرام دہ لگتی تھی۔

''کم آن مسز میشا.... آپ اتنے برسوں سے ہماری فیملی کا حصہ ہیں۔ جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا' آپ یہاں محفوظ رہیں گی۔''

''ہاں لیکن میں نے داتو سری کو بتا دیا تھا کہ یہ ارینجمنٹ صرف اس کے گرفتار ہونے تک ہے۔ جیسے ہی وہ پکڑا گیا' ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''جی مسز میشا۔ اور آپ اتنی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ ویسے بھی ڈیڈ کا آئیڈیا تھا کہ آپ یہاں رہیں۔ ورنہ آپ تو غیر ملکی پناہ کے لیے اپلائی کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ بھاگنا اس مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔''

میشا نرمی سے مسکرا دی۔ ''تم کتنی سمجھدار ہو گئی ہو جولی۔'' اور پھر گردن اٹھا کے اس محل نما گھر کی اونچی چھت کو دیکھا۔

''مجھے برا اس لیے لگ رہا ہے کیونکہ میں نے پہلی دفعہ تمہاری فیملی سے تعلق کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور میرے ضمیر پہ یہ چیز بہت بوجھ دے رہی ہے۔ ان شاءاللہ میں اس فیور کو ضرور لوٹاؤں گی۔'' وہ مسکرا کے بولی تو جولیانہ نے بھی مسکرا دی۔

''میں آپ کو آپ کا روم دکھاتی ہوں۔ آجائیں۔'' وہ خوشی خوشی ان دونوں کو لیے راہداری کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

تالیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے گنتی مکمل کی اور بنچ سے اٹھی۔ وہ ابھی تک پانی کے قریب کھڑا تھا۔ تالیہ کی جانب پشت تھی۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے رکی اور کھنکھاری۔

''اگر تم اتنے خفا ہو تو ابھی تک یہاں کیوں ہو؟''

جواب میں اس نے خفگی سے تالیہ کو دیکھا اور جانے کے لیے تیزی سے مڑا۔ وہ سرعت سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایڈم کا راستہ رک گیا۔

''تم مجھ سے خفا نہیں ہو مان لو۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''مجھے آپ سے خفا ہونے کا حق بھی نہیں ہے۔'' وہ اتنی ہی تندی سے بولا۔ اس کا چہرہ اب کسی اجنبی کا چہرہ نہیں تھا۔ یہ ایڈم تھا۔ پرانا ایڈم۔

''تم سمجھتے ہو میں جان بوجھ کے پیچھے رہ گئی؟ یہی سوال میں تم سے پوچھوں اگر؟ تم میرے بغیر کیوں گئے؟ میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟ دروازہ کیوں بند کر دیا؟ جانتے ہو میں چھے سال کے لیے وقت کے دروازے میں مقید ہو گئی تھی۔''

وہ اتنی درشتی سے بولی کہ ایڈم کے تاثرات بدلے۔ ماتھے کی سلوٹیں غائب ہوئیں۔

''واٹ؟ آپ چھے سال کے لیے قید ہو گئی تھیں؟''

''آف کورس نہیں۔ یہ تو میں نے تمہارا موڈ درست کرنے کے لیے کہا تھا۔'' وہ ہلکی سی ہنسی۔ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ ہوئی۔

''پچھلے چھے سال میرے لیے نہیں گزرے' ایڈم۔ میرے لیے صرف ایک لمحہ گزرا تھا۔ دروازہ بند ہوا' میں نے کھولا اور دیکھا تو آگے ۲۰۲۳ کا ملاکہ تھا۔ وقت آگے بڑھ گیا تھا اور میں پیچھے رہ گئی تھی۔''

ایڈم کے شانے ڈھلک گئے۔ وہ بس اچنبھے سے اسے دیکھے گیا۔

''سوچ رہے ہو کہ اب کس بات پہ خفگی ظاہر کرو؟ جبکہ تمہارے پاس وجہ ہی نہیں بچی۔''

''مجھے کیا معلوم کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں یا نہیں۔''اس نے آواز کو خفا بنانے کی کوشش کی۔ ماتھے کو پھر سے شکن آلود کرنا چاہا۔

''آؤ.....کافی پیتے ہیں۔''اس نے ہیٹ ترچھا کیا'اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔وہ اسی خفا شکل کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔

پیچھے گھاس پہ ایک واکنگ ٹریک بنا تھا۔ دونوں اس پہ چلتے چلتے آگے آئے۔درختوں کے بیچ خاموشی سے چند موڑ کاٹے یہاں تک کے سوپ اور کافی کے کارٹ دکھائی دینے لگے۔

وہ دونوں ایک کارٹ کے پاس رکے۔ تالیہ نے ہیٹ اتار کے کارٹ کے ایک ہک سے لٹکایا اور سیلز مین کو دو نوٹ پکڑائے۔کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی طرف گھومی۔

''کیسے گزرے تمہارے چھے سال؟''

''وقت آپ کے لیے واقعی نہیں گزرا؟''وہ ابھی تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''میں ایک دفعہ تمہیں بتا چکی ہوں اور تمہیں یقین بھی آ چکا ہے۔اب تم بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یادداشت والا ناٹک؟''

ایڈم نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کندھے جھٹکے اور دور نظر آتی جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔''یہ آسان تھا۔''

''جھوٹ بولنا؟''

''ماضی سے بھاگنا۔ چاہے آپ ہمارے ساتھ آتیں' چاہے نہ آتیں' میں نے مراد راجہ کی قید میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں یادداشت کھونے کی اداکاری کروں گا۔ مجھے آپ کی کہانی سے نکلنا تھا۔اپنی کہانی از سر نو لکھنی تھی۔اپنے آپ کو اس سب سے نکالنا تھا۔''

''کیا اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے؟''

''پتہ نہیں۔''اس نے سیلز مین سے کافی کے کپ پکڑے۔پھر ایک کپ تالیہ کو تھمایا۔دونوں ایک دفعہ پھر پتھریلی روش پہ چلنے لگے۔سورج اب ڈوب رہا تھا اور جامنی اندھیرا چھا رہا تھا۔

''لیکن یوں حالات آسان ہو گئے۔پولیس نے آپ کی وجہ سے تنگ کرنا چھوڑ دیا۔وہ لوگ جو میری جان کے دشمن بنے ہوئے تھے'انہوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ دیا۔میری یادداشت کھونے کی کہانی نے مجھے مزید پاپولر کر دیا۔ مجھے ایک شو مل گیا جہاں میں اس بارے میں بات کیا کرتا تھا۔کہ کیسے میں نیند سے جاگا تو میں ایک سیلیبریٹی اور دو کتابوں کا مصنف تھا۔چند

لوگوں نے اس بات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں فائدہ اٹھانے دیا پھر ان کی دھوکہ دہی کو ثبوتوں کے ساتھ بے نقاب کر دیا۔ یوں میرا شو مزید ترقی کر گیا۔ پولیس' میڈیا' عوام' سب نے میری بات مان لی۔"

"اور فاتح؟"

"انہوں نے مجھ سے تعلق ختم کر لیا اور میں نے ان سے۔ گو کہ مجھے یقین ہے ان کو کبھی یقین نہیں آیا۔ لیکن وہ اس بات کا اعتراف نہیں کریں گے۔"

"اور کیسا لگا یہ سارا کون گیم کھیل کے؟"

"کلین سلیٹ کسے بری لگتی ہے؟ خود کو ایسے ظاہر کرنا جیسے نیا نیا دنیا میں آیا ہو۔ یعنی کہ شہرت کی دنیا میں۔ میں نے از سر نو اپنی کہانی لکھی۔ نئے دوست بنائے۔ سب کچھ نئے سرے سے کیا۔ لیکن سکون.... وہ نہیں ملا۔ شاید وہ انسان کے لیے اس دنیا میں لکھا ہی نہیں گیا۔" وہ کافی پیتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔

"مجھے پہلے ہی دن بتا کیوں نہیں دیا؟ اوہ اور میں جانتی ہوں جب میں تمہارے گھر آئی تھی تو تم نے کیا کیا تھا۔"

"کیا کیا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے راہداری میں لگے کیمرے سے مجھے دیکھ لیا تھا۔ تم نے اپنی سیکرٹری کو کال کی۔ اسے کہا کہ وہ لفٹ سے اوپر آئے اور ہاتھ میں موجود چیزیں گرا دے۔ پھر تم باہر نکلو گے اور اس سے اونچی آواز میں باتیں کرو گے۔ تم چاہتے تھے کہ میں وہ سب سن کے تمہاری یادداشت والی کہانی پہ یقین کر لوں۔"

"ظاہر ہے میں جانتا تھا کہ آپ چھپ کے گفتگو ضرور سنیں گی۔ کچھ عادتیں کبھی نہیں بدلتیں۔" ایڈم نے گہری سانس لی۔ پھر گھونٹ بھرتے ہوئے اس کو دیکھا۔ وہ اب پہلے سے بہتر لگ رہا تھا۔

"کیا ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو یقین نہیں آیا تھا میری کہانی پہ؟"

"اونہوں۔ جب میں نے سنا تھا تو میں چونکی تھی۔ میرا دل زور سے ڈوبا تھا۔ پھر میں نے تمہارا ایک انٹرویو نکالا اور دیکھا کہ تم کہاں بیٹھے تھے۔ تم اپنی لائبریری میں بیٹھے تھے۔ اور تم نے اپنی لائبریری کے ریکس کو بالکل اسی طرح سیٹ کیا تھا جیسے بابا کے کتب خانے کو تم نے اپنی نگرانی میں سیٹ کروایا تھا۔ وہی سیٹنگ' وہی اونچے نیچے ریک اور ان کے اتنے خانے۔ حالانکہ تمہاری لائبریری ماڈرن طرز پہ بنی تھی۔ بظاہر قدیم ملاکہ سے بالکل مختلف لیکن جیسے ہی میں نے وہ ریک دیکھے مجھے معلوم ہو گیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اوہ تو۔ مجھے کتابوں نے پکڑوا دیا۔" اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''لیکن ہوسکتا ہے مجھے وہ کتب خانہ خواب میں نظر آتا ہو۔''

''تب تم لائبریری کو قدیم لک دیتے۔تم نے اسے جدید لک دی تھی۔''اس نے یاد دلایا۔''اور تم نے اداکاری بھی اچھی کی۔جنگل کے خوابوں کا تذکرہ.....وغیرہ وغیرہ....لیکن مجھے کبھی یقین ہی نہیں آیا کہ تم سچ بول رہے ہو۔''

''پھر بھی آپ نے ظاہر کیا کہ آپ نے میرا یقین کرلیا ہے۔وقت کے سوال حل کرلو ایڈم وغیرہ وغیرہ.....''ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا۔اس کی شرمندگی کم ہوتی جارہی تھی۔''یا شاید آپ مجھے جانتی تھیں۔''

چند لمحے تک وہ دونوں خاموشی سے واک کرتے رہے۔پھر ایڈم نے پوچھا۔

''داتن سے ملاقات ہوئی آپ کی؟''

''نہیں۔وہ کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں۔انہوں نے پہلے سال مجھ سے رابطہ کیا تھا۔میں نے پہچاننے سے انکار کیا تو دوبارہ رابطہ نہیں کیا۔''وہ مغمومیت سے بولا۔پھر چونکا۔اور رک گیا۔تالیہ بھی ساتھ ہی رکی۔

''ایک منٹ۔آپ نے کہا کہ میں میشا کو جانتا ہوں۔ہم مل چکے ہیں اور مجھے یاد نہیں ہے۔اب چونکہ آپ جانتی ہیں کہ مجھے سب یاد ہے تو بتائیں۔میں اس عورت سے کبھی نہیں ملا۔''

تالیہ نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔''تم نے واقعی اس کو نہیں پہچانا؟''

''نہیں۔میں اسے کیسے پہچان سکتا ہوں؟''وہ واقعتاً الجھ کے بولا۔

''اوہ ایڈم۔''وہ گہری سانس لے کر بولی۔''تم اس سے ملے تھے۔ساڑھے چھے سال پہلے۔عصرہ کی گیلری میں۔وہ ایک پینٹنگ خریدنے آئی تھی اور تم نے اسے راہداری میں روک کے کچھ کہا تھا۔''

''میں نے اسے کیا کہا تھا؟''

''یہی کہ وہ تنگو کامل کی ملازمہ ہے۔''

ایڈم بن محمد بالکل ساکت ہوگیا۔''میں نے وہ آپ سے کہا تھا۔''

''نہیں۔تم نے وہ ایک آرٹسٹ'سوشلائیٹ'امیر عورت سے کہا تھا جو کے ایل میں جانی پہچانی تھی۔جس کے بال سنہرے تھے اور وہ وان فاتح کی فیملی سے تعلقات بنانے کی کوشش کررہی تھی۔''

ایڈم کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔جھیل کنارے سارے پارک میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

''میشا تاج کون آرٹسٹ ہے.....''

''بالکل۔وہ کاپی کیٹ ہے۔اس کی شکل دیکھو۔چھے سال پہلے میں ایسی لگا کرتی تھی۔اس کے بال'اس کے منی کوٹ... ہیٹ.... نگینوں والے زیورات....آرٹ میں دلچسپی....ایک ظالم اسٹاکر ایکس ہزبینڈ.....اور فاتح کے ایک فیملی ممبر کے ذریعے اس کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش.....''

''وہ تالیہ مراد ہے۔وہ چھے سال پہلے کی تالیہ مراد ہے۔'' وہ دم سادھے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور حیرت ہے تم نے اسے نہیں پہچانا۔فاتح نے بھی نہیں۔اتنے برس جو گزر چکے ہیں۔تم دونوں نے تالیہ کو بھلا دیا۔لیکن کوئی ہے جس نے تالیہ مراد کو نہیں بھلایا۔کوئی ہے ایڈم جو ہم تینوں کو جانتا ہے۔تم نے دیکھا وہ لڑکی کیا فوٹوگراف کرتی ہے؟ سیاہ گھوڑے۔قدیم قلعوں کے سامنے کھڑے سیاہ گھوڑے۔وہ فاتح کا گھوڑا تھا قدیم ملاکہ میں۔کوئی ہے جس نے عین تالیہ مراد کی پروفائل پہ ایک عورت کو تیار کیا ہے اور وان فاتح کی زندگی میں داخل کیا۔''

''وہ کون وومن ہے۔میشا تاج ایک کون وومن ہے۔''ایڈم نے ماتھے کو چھوا۔وہ ششدر رہ گیا تھا۔

''بالکل۔اور وہ کون وومن مجھے دیکھ کے پریشان ہوگئی ہے۔وہ فاتح کے قریب رہ کے جو بھی کرنا چاہ رہی ہے وہ اس میں تیزی لے آئے گی۔میری موجودگی سے اس کو خطرہ ہے۔''

''آپ جانتی ہیں اسے کس نے بھیجا ہے؟''

''نہیں۔میں اس عورت کو بھی نہیں جانتی۔لیکن وہ یا اس کے پیچھے جو بھی ہے'اس نے تالیہ مراد کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور اسے ہمارے قدیم ملاکہ کے بارے میں بھی علم ہے۔اس نے تالیہ کے عکس پہ میشا کو بنایا ہے۔وان فاتح نے اس کو اپنے قریب جگہ اس لیے دی ہے کیونکہ وہ اس میں مجھے دیکھتے ہیں اور وہ خود بھی اس بات سے واقف نہیں ہیں۔مجھے اور تمہیں ایڈم بن محمد'صرف میری بے گناہی نہیں ثابت کرنی بلکہ ہمیں فاتح کو اس عورت سے بھی محفوظ کرنا ہے۔جو ہمیں کرنا آتا ہے' اس سے ہم نے پھر سے اپنی جان بچانی ہے۔''

اس نے کافی کا گھونٹ بھرا اور روش پہ چلنے لگی۔ایڈم سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔وہ جانتا تھا تالیہ کے پاس پلان ہوگا۔تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

☆☆=========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

(آخری باب): ''سفید گھوڑے والی شہزادی''

اس نے خواب میں دیکھا....

نیم اندھیرے میں ڈوبی گلی ویران پڑی ہے...

اکا دُکا اسٹریٹ پولز کی روشنی میں چند کچرے کے کین نظر آ رہے ہیں...

گلی کے سرے پہ ایک مین ہول کا ڈھکن کھلا پڑا ہے...

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب جاتی ہے..

ڈھکن کے ساتھ کچھ زرد سا چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے...

تالیہ کے قدم اس کے ساتھ رکتے ہیں...

وہ جھک کے اس شے کو اٹھاتی ہے...

اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ پتلیاں سکوڑ کے اسے بغور دیکھتی ہے....

وہ سفید رنگ کا خط کا لفافہ ہے....اور اس پہ قدیم جاوی رسم الخط میں تحریر ہے....

''پتری تاشہ بنت مراد کے نام۔''

نیچے شاہی مہر ہے اور خط بھیجنے کی تاریخ۔

پانچ سو تریسٹھ برس پہلے کی تاریخ۔

کسی جانور کے رونے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکراتی ہے۔

وہ چونک کے سر اٹھاتی ہے۔

دور تاریک گلی کے سرے پہ ایک سفید ہرن کھڑا ہے....

اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی ہیں.....

اس کے منہ سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں...

وہ تالیہ کو دیکھتے ہوئے پلٹ جاتا ہے...

وہ اس کے پیچھے جانے لگتی ہے لیکن اس کے قدم زنجیر ہو جاتے ہیں...

ہرن رات کی دھند میں تحلیل ہو جاتا ہے....جیسے کبھی وہاں تھا ہی نہیں...

دھند ہر طرف پھیلنے لگتی ہے....اور....

اس کی آنکھ کھل جاتی ہے.....

☆☆=========☆☆

صبح کی دودھیا روشنی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے شیشوں سے اندر لونگ روم کو منور کیے ہوئے تھی۔ ایک طرف صوفے رکھے تھے اور دوسری جانب اوپن کچن تھا جہاں اس وقت تالیہ مراد بیٹھی صبح کی چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ مسکرا کے اپنے اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ کو دیکھ رہی تھی۔ لونگ روم کی قد آدم کھڑکیوں سے نیچے سڑک پہ بہتا ٹریفک دکھائی دے رہا تھا۔ ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کی اکثریت اپنے کاموں کے لیے روانہ ہوتی نظر آ رہی تھی۔

تالیہ مراد کے خوابوں کا سلسلہ عرصہ ہوئے تھم چکا تھا۔ لیکن آج وہ جس خواب سے بیدار ہوئی تھی' وہ نہ صرف عجیب تھا بلکہ اس نے طبیعت مکدر کر دی تھی۔ اس کے خواب پھر سے کیوں شروع ہوئے؟ اور یہ ہرن... یہ اس نے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ اور وہ خط؟ ان سارے سوالات کے جوابات اس کو شاید کبھی نہیں ملنے تھے۔ لیکن اس مین ہول کو وہ پہچانتی تھی۔ یہ جونکر اسٹریٹ کا مین ہول تھا جو تالیہ مراد کی دو دنیاؤں کے درمیان پل بنا تھا۔ کیا کسی نے دوسری دنیا سے اس کے لیے خط بھیجا تھا؟

(اونہوں۔) اس نے سر جھٹکا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ذہن بٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ پیروں تک آتے ہلکے جامنی فراک میں ملبوس تھی۔ اور بالوں کو آدھا کیچر میں باندھ رکھا تھا۔ صبح کی مناسبت سے وہ کہیں جانے کو تیار لگتی تھی۔ سفید ہیٹ میز پہ اوندھا رکھا تھا اور ساتھ سنہری چین والا پرس تھا۔ پرس نیلے رنگ کا تھا۔ اس نے چائے پیتے ہوئے پرس پہ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں پھیریں اور مسکرا دی۔

ایک زمانہ تھا جب وہ کاغذ پہ ایک محل بناتی تھی۔ اونچا محل۔ نیچے سبزہ زار۔ اور اس کے ساتھ نیلا پانی۔ لیکن سبزہ زار سے محل تک جانے کا راستہ بنانا وہ بھول جاتی تھی۔ اس راستے کو تلاش کرنے میں اسے ایک لمبا وقت لگا تھا۔ اور بالآخر وقت اس پہ مہربان ہو چکا تھا۔

اس کا دھیان خواب سے ہٹ چکا تھا اور وہ وقت کی اس مہربانی کا سوچ رہی تھی جو اس کے ساتھ ہو چکی تھی۔

وقت نے چند عام سے تواردات کی قیمت بڑھا کے انہیں خزانہ بنا ڈالا تھا۔ اور وقت نے ہی عصرہ کی وصیت منسوخ نہیں ہونے دی تھی۔ تالیہ مراد کو اس کا خزانہ بالآخر مل گیا تھا۔ لیکن اس خزانے کی قیمت بہت بڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سر پہ ہیٹ پہنے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ بال وے کی بتیوں میں اس کے جامنی لباس کے سفید پھول چمک رہے تھے۔

ایسے ہی پھول اس جنگل میں ہوتے تھے جہاں شاہی خاندان کی چھوٹی سی لڑکی اپنے بابا کے ساتھ تیراندازی سیکھنے جایا کرتی تھی۔ وہ لڑکی جو محل سے نکال دی گئی تھی۔ اب وہ ایک غریب لکڑہارے کی بیٹی تھی۔ وہ کندھے پہ چرمی تھیلا اٹھائے جنگل میں ستاروں کے ذریعے اپنے گھر کا راستہ تلاش کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے گاؤں کو بچانے نکلی تھی۔ وقت کے ایک سفر پہ۔

سفید ہیٹ والی خوبصورت لڑکی چہرے پہ مسکراہٹ سجائے اب بلڈنگ کی لابی سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھیوں کے نگینے دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ ایک انگوٹھی میں بیش قیمت زمرد جڑا تھا۔

ایسے ہی رنگ کا گھاس اس یتیم خانے کے باغ میں اُگا تھا جہاں وہ گم صم سی لڑکی تنہا بیٹھے تصویریں بنایا کرتی تھی۔ اونچے محل، سبز گھاس اور نیلے پانی کی تصویریں۔ کبھی نہ مل سکنے والے خوابوں کی تصویریں۔

ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھنے سے پہلے اس نے پرس سے ایک خستہ نوٹ نکالا اور بلڈنگ کے چوکیدار کو تھمایا۔

اس نوٹ نے بہت کچھ یاد کروایا تھا۔ ایسے ہی نوٹوں سے بھرا ایک بیگ تھا جسے اس لڑکی نے ڈرتے ڈرتے ائیرپورٹ پہ کھولا تھا اور اس کی زندگی کی ساری کہانی ہی بدل گئی تھی۔

وہ ایک زرد ٹیکسی کی طرف آئی اور پتہ بتا کے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی۔ پھر ٹیکسی کا پیلا رنگ دیکھ کے وہ اداسی سے مسکرائی۔ ایسے ہی پیلے سنہری زیورات کو وہ ہڈ والی لڑکی کے ایل کی گلیوں میں عورتوں سے ٹکرا کے آگے بڑھتے ہوئے مہارت سے اتار لیا کرتی تھی۔ تھوڑی دور جا کے وہ مٹھی میں دبی سنہری زیور کو اوپر فضا میں بلند کر کے دیکھتی اور مسکراتی تھی۔

ٹیکسی اب شہر کی سڑکوں پہ تیز رفتاری سے گزر رہی تھی۔ ایک دکان کے سامنے گلابی رنگ کے پھولوں کے گملے رکھے تھے۔ ان کا رنگ ایسا گلابی تھا جیسا ملاکہ کی شہزادی کے کامدار لباس کا ہوا کرتا تھا۔ وہ ناخوش سی شہزادی جو وقت کی قید میں محل کے ایک ستون سے دوسرے تک بے چین سی چکر کاٹتی تھی....

ٹیکسی سگنل پہ رکی تو اس نے دیکھا.... فٹ پاتھ پہ ایک نوجوان کافی کا مگ اور بریف کیس تھامے تیز تیز دوڑتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے مگ کا رنگ تالیہ کے اس مگ جیسا تھا جسے لیے وہ بارش میں فاتح کے پیچھے بھاگا کرتی تھی۔

ٹیکسی پھر سے چل پڑی تو اس نے بند کھڑکی کے شیشے کو دیکھا۔ شیشے کی چمک مصر کے اس دریا جیسی تھی جس کا ایک خوفزدہ

اور اداس لڑکی نے بحری کروز پہ سفر کیا تھا۔

ٹیکسی منزل مقصود کے سامنے رکی تو تالیہ سیٹ بیلٹ ہٹا کے باہر نکلی۔ بیلٹ کا رنگ سرمئی تھا۔ ایسا ہی رنگ جونکر اسٹریٹ کی سڑک کا تھا جس کے ایک مین ہول سے چند دن پہلے وہ باہر آئی تھی۔

وقت اسے پورے دائرے میں گھما کے واپس اس کی دنیا میں لے آیا تھا۔ اور اس دنیا کے سارے رنگ آج صرف تالیہ مراد کی کہانی بیان کر رہے تھے۔ آگے کیا ہونے والا تھا..... اسے کچھ خبر نہ تھی۔

اس عمارت کی لابی کی طرف جاتے ہوئے اس نے موبائل اسکرین پہ وقت دیکھا تو سامنے چمکتی نیوز فلیش نے اس کی توجہ گھیر لی۔

وہاں تالیہ مراد کی عصرہ قتل کیس پہ ملوث ہونے کے بارے میں رپورٹ پیش کی جا رہی تھی۔

تالیہ کے ابرو تن گئے۔ صبح کی تازگی اس کے موڈ سے زائل ہو گئی۔

میڈیا کا اپنا ایک ٹرائل ہوتا ہے۔ اس میں ملزم کو صفائی کا موقع نہیں دیا جاتا۔ سوشل اور مین اسٹریم میڈیا... دونوں جگہوں پہ اس وقت تالیہ مراد کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ عصرہ محمود کی وصیت والی خبر بھی ان کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ اور تالیہ مراد کے ہاتھ لگا خزانہ اسے مزید مجرم ثابت کر رہا تھا۔ وہ سر جھکائے' افسوس سے فون اسکرین پہ انگلی پھیرتی اپنے بارے میں منفی کمنٹس پڑھتی رہی۔

اس خزانے کی ایک بھاری قیمت اس نے ادا کی تھی۔ لیکن مفت میں بھی کبھی کچھ ملا ہے کیا؟ یہ آخری جنگ بھی وہ ہمت سے لڑے گی۔ اس نے فون رکھا اور مطلوبہ اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''میں یہاں آتے ہوئے اپنے بارے میں سوشل میڈیا پہ برے کمنٹس پڑھ رہی تھی۔''

کچھ دیر بعد وہ ایڈم کے سامنے اس کی لائبریری میں بیٹھی تھی۔ جدید طرز پہ بنی اس قدیم طرز سے متاثر شدہ لائبریری کے ریکس ان دونوں کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے جو آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان ایک میز تھی جس پہ کافی کے گرما گرم کپ اور تالیہ کا سفید ہیٹ دیگر اشیا کے ساتھ رکھا تھا۔

''آپ کو میں نے منع کیا تھا وہ منفی باتیں پڑھنے سے۔'' ایڈم خفگی سے بولا۔ تالیہ کی بہ نسبت وہ سادہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس تھا جیسے اس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے جاگا ہو اور منہ پہ چھینٹے مارے ہوں۔

''ایک زمانہ تھا' ایڈم..... جب اگر کوئی کم عقل انسان اول فول بولتا تو آس پاس بیٹھے دانا لوگ اسے جھڑک کے چپ کرا دیتے تھے۔ لیکن اب.....'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ سرخ انگوٹھی والی انگلی وہ مسلسل کافی کپ کے دہانے پہ پھیر رہی تھی۔ ''اب ہر

احمق اور ہر دانا انسان کو بولنے کا یکساں حق مل چکا ہے۔ ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں لوگ انٹرنیٹ پہ سفید بیک گراؤنڈ پہ جلی حروف میں لکھے کسی بھی قول کا یقین کر لیتے ہیں۔ چوبارے پہ بیٹھ کے کسی کو برا بھلا کہنا کتنا مشکل تھا پہلے' ایڈم۔ اور آج یہی کام کی بورڈ کے پیچھے چھپ کر کرنا کتنا آسان ہے۔"

"مائینڈ اوور میٹر' چے تالیہ۔ آپ مائینڈ کرنا چھوڑ دیں تو وہ میٹر کرنا چھوڑ دینگے۔" وہ سوئی سوئی آنکھوں سے مسکرا کے بولا۔ اس کی اسٹڈی میں پھیلی فائلز اس بات کی غماز تھیں کہ وہ رات دیر تک جاگ کے تالیہ کا کیس اسٹڈی کرتا رہا ہے۔

"پھر بھی.... ہم ان برا بھلا کہنے والوں کو کیسے روک سکتے ہیں؟" وہ ایڈم کے پیچھے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچ میں گم کہہ رہی تھی۔

"ہم ان کو نہیں روک سکتے۔ خود کو روک سکتے ہیں۔ موقع ہونے کے باوجود کسی دوسرے کو برا کہنے سے۔ چاہے سرعام۔ چاہے کی بورڈ کے پیچھے سے۔"

"اب تم لگ رہے ہو پرانے ایڈم۔" تالیہ نے کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔ "تقریباً پرانے ایڈم۔ کیونکہ کچھ تبدیلیاں ناقابل واپسی ہوتی ہیں۔"

"انسان میں ہر روز تبدیلی آتی ہے' چے تالیہ۔ جو لوگ بدلتے نہیں ہیں' ان سے ٹھہرے پانی کی بُو آنے لگتی ہے۔ آپ بھی ایک شاہی خاندان کی چھوٹی شکاری لڑکی سے آج ایک....."

"چھوڑو اس قصے کو۔ میں پہلے ہی سارا راستہ یہی سوچتی آئی ہوں۔" اس نے برا منہ بنا کے ایڈم کو خاموش کرا دیا۔ شاہی مورخ نے شانے اچکائے۔ پھر اپنی اسٹڈی کے ریکس کو دیکھا اور افسوس سے سر جھٹکا۔

"کتابوں نے مجھے پکڑوا دیا ورنہ میں آپ کو یقین دلا چکا تھا کہ میری یادداشت چلی گئی ہے۔" ملال سے بولا تو تالیہ نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

"یعنی تم اس جھوٹ کے ساتھ خوش تھے؟ اور ایک پرانے دوست کے مل جانے کی خوشی کا کیا؟"

"وہ آسان تھا۔" ایڈم نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "خیر.... چونکہ ہم دونوں جانتے ہیں کہ مسز عصرہ نے خودکشی کی تھی.... تو اب اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" اس نے ایک فولڈر اٹھایا اور کھول کے تالیہ کے سامنے رکھا۔

"میں مسز عصرہ کی فنانشل ٹرانزیکشنز دیکھ رہا تھا۔ مجھے کوئی غیر معمولی پے منٹ نہیں ملی۔ عصرہ نے جس شخص سے زہر منگوایا ہوگا' یا جس سے آپ کا کریڈٹ کارڈ ہیک کروایا ہوگا' اس کو پیسے کیسے دیے گئے؟ ہمیں ان پیسوں کا ثبوت نہیں مل رہا ہمیں۔"

"ہو سکتا ہے اس کے اکاؤنٹ میں نہ بھیجے ہوں بلکہ اس کو کیش دیا ہو۔"

''بے شک کیش دیا ہو لیکن کیش بینک سے نکلوایا تو ہو گا نا۔ ایسے کاموں پہ بہت خرچہ آتا ہے۔ اتنا کیش کوئی بھی گھر میں نہیں رکھتا۔ اور عصرہ نے ان دنوں میں کوئی بھاری رقم نہیں نکلوائی۔ اب پچوئیشن یہ ہے کہ نہ ہم اس شخص کا کوئی سراغ حاصل کر سکے ہیں' نہ اس کو دی جانے والی اجرت کا۔ اب ہم آپ کی بے گناہی کیسے ثابت کریں گے' چے تالیہ؟'' وہ فکر مند تھا۔ ''اوپر سے آپ نے وصیت کے نواردات کو بیچ کے خود کو مزید مشکوک کر دیا ہے۔ عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ اسی لیے چھے سال بعد آئی تھیں۔''

''میں عدالت کے خوف سے آزاد ہو چکی ہوں' ایڈم۔ میں اپنی بے گناہی ضرور ثابت کروں گی۔''

''آزاد یعنی؟'' اس نے غور سے تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ وہ اس کے عقب میں روشن کھڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔

''آزاد یعنی.... مجھے مستقبل کی فکر نہیں ہے۔ میرے پاس اپنے لیے کوئی پلان بھی نہیں ہے۔ مستقبل کا۔ اپنی زندگی کا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ فاتح کی زندگی میں میری جگہ اب کیسے بنے گی۔ ایڈم.... مجھے کچھ نہیں پتہ۔ صرف ایک بات معلوم ہے۔ میں اپنی زندگی کے ہر فیز میں یا غم زدہ رہی ہوں یا خوفزدہ۔ ماضی کا غم اور مستقبل کا خوف۔ مجھے ہمیشہ خوشی کی تلاش رہی ہے۔''

وہ بول رہی تھی اور ایڈم اس کی آنکھوں کو دھوپ سے سنہری پڑتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ وہ پرانی تالیہ لگ رہی تھی۔ اور وہ نہیں بدلی تھی۔ یہی تو مسئلہ تھا کہ اسے تھوڑا بہت بدلنا چاہیے تھا۔

''میں ایک گول سیٹ کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ جب یہ ہو جائے گا تو میں خوش ہو جاؤں گی۔ جب مجھے خزانہ ملے گا' جب مجھے محل ملے گا' جب مجھے فاتح ملے گا' جب میں فاتح کی زندگی میں اہم ہو جاؤں گی۔ میں یہاں تھی۔'' اس نے اپنے کافی کپ کی طرف اشارہ کیا جو میز پہ رکھا تھا۔ ''اور مجھے یہاں جانا تھا۔'' اس نے ڈیڑھ فٹ دور رکھے ایڈم کے کپ کی طرف انگلی گھمائی۔

''اور یہ درمیان کا راستہ.....'' اس نے انگلی سے میز پہ نادیدہ لکیر کھینچی.... ''یہ راستہ ہمیشہ بے چینی سے گزرتا تھا۔ خوف' اضطراب' پریشانی... یہ تینوں میرے اس راستے کے ساتھی تھے۔ لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ منزل اہم نہیں ہوتی۔ سفر اہم ہوتا ہے۔ جو سفر میں قانع اور خوش نہیں ہوتا' اسے منزل خوش نہیں کر سکتی۔ اس لیے اب میں منزل ملنے یا نہ ملنے کے خوف سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اور اپنا سفر.....''

''یعنی اپنا خزانہ....''

''یعنی اپنا خزانہ خوب انجوائے کر رہی ہوں۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' مسکرا کے شانے اچکائے۔ پھر آگے کو ہوئی اور جتانے والے انداز میں یاد کرایا۔

''ہمیں نہ صرف میری بے گناہی ثابت کرنی ہے بلکہ میشا تاج کا پردہ بھی فاش کرنا ہے۔ میرے پاس اپنے لیے پلان نہیں ہے لیکن فاتح کو میشا سے بچانے کے لیے پلان ہے۔''

''اور وان فاتح اور تالیہ کا کیا؟'' ایڈم نے بغور اسے دیکھا۔

اس سوال پہ تالیہ کافی دیر تک خاموش رہی۔ ''ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے اب۔''

''یہ آپ خود سے فرض کر رہی ہیں۔''

''میں نے کہا نا' اس دفعہ میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے اور میں سفر کی بے چینی سے خود کو آزاد کر چکی ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ فی الحال.....'' اس نے فائلز کی طرف اشارہ کیا۔

''عصرہ کے فنانشلز دوبارہ دیکھو۔ بغیر پیسوں کے کوئی اتنا بڑا کام نہیں کروا سکتا۔ فاتح کے فنانشلز بھی چیک کرو۔ شاید عصرہ نے ان کے اکاؤنٹ سے پیسے نکلوائے ہوں۔ اشعر سے وہ ایسے کام کے لیے اتنا بڑا کیش نہیں لے سکتیں۔ اشعر مشکوک ہو جاتا اور وہ کسی کا شک افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ سنہری چین والا پرس کندھے پہ ڈالا اور ہیٹ سر پہ۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ ابھی سے کہاں جا رہی ہیں.... مس مراد؟'' دروازہ کھلتے دیکھ کے ایڈم نے ٹون بدل لی۔ لہجہ رسمی ہو گیا۔ تالیہ نے مڑ کے دیکھا۔ صوفی چند کاغذات لیے اندر آ رہی تھی۔ تالیہ نے واپس ایڈم کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں ابرو اٹھا کے بنا آواز کے کہا (مس مراد؟ ہوں؟)

''آپ ابھی تو آئی تھیں؟'' ایڈم نے اس کے تاثرات نظر انداز کر کے اسی لہجے میں پوچھا۔ صوفی بھی ساتھ آ کھڑی ہوئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے سری پردھانہ جانا ہے۔ پردھان منتری سے ملنے۔''

''پردھان منتری کے پاس روز روز کی ملاقات کا وقت ہے؟'' ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ ''مجھے تو انٹرویو کے لیے کب سے وقت نہیں دیا۔''

''وقت نہیں ہے۔ لیکن ہر پردھان منتری کو لنچ بریک ملتی ہے' ایڈم صاحب۔'' طنزیہ انداز میں بولی۔ ''آپ تب تک عصرہ کے فنانشلز میں کوئی بڑی رقم چیک کریں۔'' وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو صوفی نے اچھنبے سے ایڈم کو

دیکھا۔

''آپ لوگ بڑی رقم چیک کر رہے ہیں؟ میں سمجھی غیر معمولی رقم چیک کر رہے ہیں۔'' وہ لہجے کو سرسری بنا کے بولی اور خالی کپ اٹھا لیے۔

''غیر معمولی رقم بڑی ہی ہوتی ہے۔'' ایڈم نے صفحے پلٹاتے ہوئے اسے ٹوکا۔

''میرے لیے؟ ہاں۔ میں تھوڑی سی تنخواہ پہ گزارا کرتی ہوں کیونکہ میرا تو باس ظالم ہے اور کنجوس بھی۔'' آنکھیں گھما کے اپنے باس کو دیکھا جس نے اس بات کو اَن سنا کر دیا تھا۔ ''لیکن عصرہ تو ایک سیاسی بیوی تھیں۔ ڈیزائنر پہنتی تھیں۔ ڈیزائنر خریدتی تھیں۔ ان کی تو ہر ٹرانزیکشن عام انسان سے زیادہ ہوتی ہوگی۔ آپ کو غیر معمولی ڈھونڈنی ہے تو چھوٹی رقم ڈھونڈیں۔ اتنی چھوٹی رقم جو عصرہ کی طبیعت کے برخلاف ہو۔''

''واہ۔'' ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''تم کافی سمجھدار ہوگئی ہو صوفی۔''

وہ ٹرے میں فالتو اشیاء ڈالتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''اگر آپ مجھے میٹنگ میں شامل کر لیتے.... (کان میں لگے آلے کی طرف اشارہ کیا جو ایڈم نے اپنی طرف سے بند کر رکھا تھا) تو میں پہلے ہی بتا دیتی۔''

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ تیزی سے فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ اس کو سوچ کا ایک نیا زاویہ ملا تھا۔

☆☆=========☆☆

سری پردھانہ کی کھڑکیوں پہ بارش کے قطرے آج بھی جمے تھے۔ وہ جب پتراجایا پہنچی تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ پردھان منتری کا اسٹاف اب اس کو پہچاننے لگا تھا۔ پچھلی میٹنگ کے بعد فاتح نے اس کا سری پردھانہ کا انٹری پاس جاری کروا دیا تھا جس کے باعث اندر آنے میں آسانی تھی۔ اس کو داخلی فصیل سے ویٹنگ روم میں بٹھانے تک سب اس کو خاموش نظروں سے دیکھتے آئے تھے۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے لیکن تالیہ مراد لوگوں کی آراء کے غم سے خود کو آزاد کرنے کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔

مکمل آزادی تو آج تک کسی انسان کو نہیں ملی۔

جس وقت وہ فاتح کے آفس میں داخل ہوئی' ایک نوجوان شیلف میں ایک سیاہ کور والی فائل رکھ رہا تھا۔ فاتح نے ایک نظر فائلز کے اس ڈھیر کو دیکھا جو وہاں جمع ہوتا جا رہا تھا... اور پھر اندر داخل ہوتی تالیہ کو.... پھر وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی توجہ فائلز سے ہٹ گئی۔

نوجوان نے یاسیت سے اپنے پر دھان منتری کی بکھرتی توجہ کو دیکھا اور پھر نووارد مہمان لڑکی کو۔ پھر سر جھٹک کے اداسی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''آؤ۔ بیٹھو۔ تم نے لنچ کیا؟'' وہ سیٹ پہ واپس بیٹھتے ہوئے انٹرکام اٹھانے لگا۔

''ضرورت نہیں ہے۔ ناشتہ دیر سے کیا تھا۔ آپ نے لنچ کر لیا؟'' جامنی فراک والی لڑکی کرسی پہ بیٹھی اور پرس میز پہ رکھا۔ سفید ہیٹ ترچھا کر کے سر پہ جما رکھا تھا۔ انداز یوں تھا گویا اس آفس میں روز کا آنا جانا ہو۔

''ٹھہر کے کروں گا۔'' فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے انٹرکام پہ چائے کا آرڈر دیا۔ سفید شرٹ اور گرے ٹائی میں ملبوس' جیل سے بال دائیں جانب کیے... وہ آج بھی ویسا ہی لگ رہا تھا جیسا ہمیشہ لگا کرتا تھا۔ کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ لٹکا تھا اور سفید شرٹ کے کپ پہ لگے سلور کف لنکس چمک رہے تھے۔ تالیہ نے غور سے اس کے تازہ دم مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ وہ تالیہ کے ساتھ بہت اچھی طرح سے پیش آیا تھا۔ رویہ بھی دوستانہ تھا۔ لیکن کیا وان فاتح ویسا ہی تھا؟

''تمہارے کیس کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟'' انٹرکام رکھ کے وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوا اور توجہ سے پوچھنے لگا۔

تالیہ نے بے فکری سے کندھے اچکائے۔ ''میں بے قصور ہوں۔ میں یہ ثابت کر لوں گی۔''

''تم ٹھیک ہو نا؟'' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور دنیا اس میز کے اطراف سے ختم ہو چکی تھی۔

وان فاتح کے ساتھ وہ ہوتی تھی تو وقت یونہی تھم جاتا تھا۔ سوچوں کے سارے شور خاموش ہو جاتے تھے۔ میز کے گرد جیسے دائرہ سا کھنچ گیا تھا۔ روشنی کا دائرہ۔ اس دائرے کے پار سب دھواں بن کے فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں' فاتح۔''

''اور ایڈم بن محمد.... وہ تمہاری مدد کر رہا ہے؟''

''ہوں۔ اس کی یادداشت چلی گئی تھی۔ آپ کو معلوم ہوگا۔'' تالیہ نے پرکھنے والے انداز میں پوچھا۔ فاتح مسکرایا۔

''سیریسلی؟'' ابرو اچکائے۔ ان کے دائرے کی روشنی تیز ہو رہی تھی۔ ''تم نے اس کہانی پہ یقین کر لیا؟''

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''آپ نے بھی نہیں کیا؟''

''نہیں۔ وہ محض مجھ سے فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ سو میرا اخلاقی فرض تھا کہ اس کی خواہش کا احترام کروں۔ جب کسی کی زندگی میں آپ کی جگہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کرنا چاہیے۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا ملال چمکا۔

''کیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی زندگی میں آپ کی جگہ ہے یا نہیں؟''

ان کے دائرے کی روشنی ماند پڑنے لگی۔کوئی تاریک سایہ سا تھا جو اس روشنی کو نگل رہا تھا۔

''معلوم نہیں کیا جاتا۔محسوس کیا جاتا ہے۔''

''اور جب محسوس ہو جائے کہ اس کی زندگی میں اپنی جگہ نہیں رہی تو کیا کرنا چاہیے؟''

''Graceful exit!''وان فاتح نے مسکرا کے ابرو اچکائے۔وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔بس اس کو دیکھے گئی۔

وہ آسیب جیسا سایہ دائرے کے اوپر چھانے لگا۔روشنی جہاں سے بھی آ رہی تھی اس کا راستہ رک گیا۔اسے لگا ان دونوں کے درمیان سرمئی دھواں سا اٹھنے لگا ہو اور سارا منظر نامہ دھندلا گیا ہو۔

تالیہ نے پلکیں جھپک کے غور سے اسے دیکھنا چاہا لیکن دھواں گاڑھا ہو رہا تھا۔وہ فاتح کو ٹھیک سے پڑھ نہیں پا رہی۔

''کیا تم واقعی ٹھیک ہو؟''وہ نرم سی فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔تالیہ کی نظر اس کے عقب میں پھسلی۔فاتح کے عقب میں بنی اونچی کھڑکی کے بلائنڈز اٹھے ہوئے تھے۔پیچھے سبز لان دکھائی دے رہا تھا۔

لان کے وسط میں ایک سفید ہرن کھڑا تھا۔اتنا کورا سفید کہ ذرا سی گرد بھی اس کو میلا کر سکتی تھی۔اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔وہ آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ان کی تحریر پڑھنا مشکل تھا۔

''تالیہ؟''فاتح کی آواز پہ وہ چونکی۔وہ منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میڈیا....لوگ....حتیٰ کہ آپ کے اسٹافرز تک....سب میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔میں ٹھیک کیسے ہو سکتی ہوں؟''

اس کے انداز میں تلخی تھی۔چند لمحے قبل کی شگفتگی عنقا ہو چکی تھی۔

''آج سے کئی برس پہلے ہم امریکہ میں ایک قصہ سنا کرتے تھے۔اس عورت کا قصہ جس نے مک ڈونلڈز کو sue کیا تھا۔''

تالیہ کو اس قصے میں دلچسپی نہیں تھی۔وہ متلاشی نظروں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔سفید ہرن اب وہاں نہیں تھا۔

''یاد ہے ایک زمانے میں امریکہ میں ایک عورت نے مک ڈونلڈز کو اس وجہ سے sue کیا تھا کہ وہ کافی کپ کے اوپر یہ کیوں نہیں لکھتے کہ کافی گرم ہے۔اور عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔مک ڈونلڈز نے دو ملین کا ہرجانہ ادا کیا۔صرف اس لیے کہ انہوں نے کپ پہ ''گرم''نہیں لکھا تھا۔''

''میں نے یہ قصہ سن رکھا ہے۔''اس کی نظریں سبزہ زار میں اس ہرن کو تلاش کر رہی تھیں۔مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

''قریباً سب نے سن رکھا ہے۔ایک احمقانہ مقدمہ۔یہ تو کامن سینس کی بات ہے کہ کافی گرم ہوتی ہے۔لکھنے کی کیا تک

بنتی ہے؟ تعجب کی بات کہ وہ عورت مقدمہ جیت بھی گئی۔اس زمانے میں امریکی میڈیا نے اس عورت کو بہت لعن طعن کیا تھا۔ اور لوگوں نے بھی کیونکہ یہ وہ کہانی تھی جو میڈیا نے انہیں سنائی۔اپنی مرضی کا سچ۔ جانتی ہو اس عورت کی اصل کہانی کیا تھی؟''

تالیہ نے واپس فاتح کو دیکھا۔ان کے دائرے کی روشنی مدھم ہو چکی تھی لیکن ابھی بجھی نہیں تھی۔اس نے اپنی توجہ فاتح کے قصے کی طرف مبذول کرنی چاہی۔

''سچ یہ تھا کہ وہ ایک ستر سال کی بوڑھی عورت تھی جس نے ڈرائیو تھرو سے مک ڈونلڈز کی کافی لی تھی۔اس کے بھانجے نے وہ کافی اسے تھمائی تو بوڑھی عورت نے اسے اپنی گود میں رکھا۔مگر کافی چھلک گئی اور اس کی ٹانگوں کو بری طرح جلا گئی۔وجہ؟ کیونکہ مک ڈونلڈز کی کافی.....فارن ہائیٹ جتنی گرم ہوتی تھی۔کسی بھی دوسری کافی شاپ سے کئی گنا ابلتی ہوئی۔مک ڈونلڈز کو اس وقت تک سات سو سے زیادہ شکایات آ چکی تھیں کہ آپ کی کافی بہت گرم ہوتی ہے۔لیکن مک ڈونلڈز نے کان نہ دھرے۔''

وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ فاتح کو بولتے سنے گئی۔کتنا عرصہ ہو گیا تھا اس کے قصے سنے ہوئے؟ چھ دن؟ یا چھ سال؟

''وہ عورت اتنی بری طرح جلی کہ بستر مرگ پہ آ گئی۔اولاد کا روزگار ختم ہو گیا۔اسے وہ دو ملین ڈالرز آخر میں ملے بھی نہیں۔چند ہزار ڈالرز دے کر مک ڈونلڈز نے جان چھڑا لی۔اور کیس ختم ہو گیا۔لیکن capitalist میڈیا نے مجھے اور تمہیں وہ کہانی سنائی جو ان کے سرمایادارانہ نظام کی منشا کے مطابق تھی۔میڈیا کبھی نہیں بدلتا۔میڈیا تمہارے اور میرے ساتھ آج بھی وہی کر رہا ہے جو اس وقت کافی سے جلنے والی بوڑھی عورت کے ساتھ کر رہا تھا۔''

''میڈیا کبھی میرا سچ نہیں دکھائے گا۔مجھے اپنا سچ خود دکھانا ہو گا۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔''لیکن....آپ کے ساتھ میڈیا کیا کر رہا ہے؟'' ناسمجھی سے پوچھا۔

فاتح نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہوا۔''ٹی وی کھول لو۔سوشل میڈیا دیکھ لو۔ہر جگہ وان فاتح تنقید کی زد میں ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

''آپ اپنی جاب سے خوش نہیں ہیں؟'' اس نے اچنبھے سے سوال پوچھا۔''یہی تو آپ کا خواب تھا۔یہی تو آپ چاہتے تھے' فاتح۔پھر کیوں؟''

''اس کیوں کا سوال مجھے بھی ان چھ سالوں میں نہیں ملا۔'' فاتح نے پیچھے کو ٹیک لگائے اطراف میں اپنے شاہانہ آفس کے در و دیوار کو دیکھا۔''یہ ویسا نہیں ہے جیسا میں نے تصور کیا تھا۔میں نے سوچا تھا' تالیہ....میرے پاس میرے ملک کی باگ دوڑ ہو گی تو میں اس میں ملک کی بہتری کے فیصلے کروں گا۔لیکن جب سے میں اس کرسی پہ آیا ہوں...مجھے اس کرسی کو بچانے کو

ترجیح دینی پڑتی ہے۔اگر یہ کرسی چلی گئی تو میں کچھ نہیں کر پاؤں گا اس لیے پہلے کرسی۔پھر کچھ اور۔"

"اور آپ پچھلے کئی سال سے اس کرسی کو بچا رہے ہیں۔ ہر طرف سے۔ ہر ایک کے ہاتھ سے۔" اس نے سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔اس کا دھیان اپنے دائرے کی روشنی سے ہٹ چکا تھا۔

"لیکن میں نے ملک کے حالات دیکھے ہیں۔آپ نے اچھے فیصلے بھی کیے ہیں' فاتح۔آپ نے بہت اچھے قوانین بنائے ہیں۔"

"مگر یہ ویسا نہیں ہے جیسا میں چاہتا تھا۔میں اس سے بہت زیادہ کرنا چاہتا تھا۔"

"مگر یہ لوگ آپ کو کچھ کرنے نہیں دے رہے۔آپ کے دشمن بڑھتے جا رہے ہیں۔" وہ اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔"کبھی آپ نے سوچا کہ آپ کے دشمن آپ کے قریبی لوگوں کو بھی غداری کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں؟"

دائرہ اب بجھنے کے قریب تھا۔روشنی کم ہوئی تو پردھان منتری کا اجنبی آفس نمایاں ہونے لگا۔فاتح نے اس کی بات پہ چونک کے اسے دیکھا۔

"کھل کے کہو۔کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"یونہی کہہ رہی ہوں۔ مجھے آپ کے گرد کچھ ایسے لوگ نظر آ رہے ہیں جو آپ سے مخلص نہیں لگتے۔"

وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔

"اشعر میرے ساتھ کئی برس سے ہے۔میں جانتا ہوں' اس نے تمہیں گرفتار کروایا ہے لیکن عصرہ اس کی بہن تھی....."

تالیہ نے پہلو بدلا۔ چھے سال کے فاصلے نے درمیان سے اعتماد کی وہ فضا غائب کر دی تھی جو سب کچھ کہنے دیتی تھی۔کیا اب وہ فاتح سے کھل کے بات کر سکتی تھی؟

"میں اشعر کی بات نہیں کر رہی تھی۔میرا مطلب تھا....آپ کے گھر میں آنے جانے والے لوگ..."

"میرے گھر میں چند ملازم ہیں جن کی سیکیورٹی کلیئرنس کر کے انہیں رکھا گیا ہے۔باقی میرے بچے ہیں' میشا ہے اور اشعر ہے۔" وہ حیران ہوا تھا۔

"میشا؟ وہ جولیانہ کی ٹیوٹر؟ وہ آپ کے گھر رہتی ہے؟" وہ چونک گئی۔

"ہاں۔اس کا کچھ ذاتی مسئلہ چل رہا تھا تو جولیانہ اور میں نے اسے پیشکش کی کہ وہ کچھ دن ہمارے پاس قیام کر لے۔کوئی بات ہے کیا؟"

"نہیں۔ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" اس نے سر جھٹک کے گہری سانس لی۔اور اٹھ کھڑی ہوئی۔فاتح اس کا یقین نہیں کرے

گا، وہ جانتی تھی۔ ''میں چلتی ہوں۔ آپ کی بریک ختم ہونے والی ہے۔''

ایک نظر اس نے دونوں کے درمیان حائل میز کو دیکھا۔

برسوں پہلے وہ اس کے ڈائننگ ہال میں ایسی ہی میز کے گرد بیٹھی تھی۔ اور اس سے پوچھا جا رہا تھا کہ کیا گھائل غزال کی پینٹنگ اصلی ہے؟ اور اس نے مسکرا کے کہا تھا کہ ہاں، وہ اصلی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کوئی اس کا یقین نہیں کرے گا۔

پھر یہ منظر کتنی دفعہ دہرایا گیا تھا۔ تالیہ مراد جھوٹی اور فریب کار عورت تھی۔ وہ فاتح سے دل کی بات نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ اس کا یقین نہیں کرے گا۔ کتنی ہی دفعہ فاتح نے اس کا یقین کیا تھا۔ کتنی ہی دفعہ فاتح نے اس کا یقین نہیں کیا تھا۔ مگر اب دونوں کے درمیان کئی سال کا فاصلہ بھی حائل تھا۔ اب فاتح کے نزدیک اس کی بات کیسے معتبر ہوگی؟

''بس؟'' فاتح جیسے مایوس ہوا۔ اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''ابھی میری بریک میں کچھ وقت ہے۔''

اور تالیہ نے سوچا کہ سارے کھیل وقت کے ہی تو تھے۔

اسے وقت ضائع کیے بغیر مڑنا تھا اور ہمیشہ کی طرح کچھ کہے بنا وہاں سے نکل جانا تھا۔

جیسے اس نے انہیں پہلی دفعہ نہیں بتایا تھا کہ گھائل غزال کی پینٹنگ نقلی ہے۔

جیسے اس نے فاتح کو نہیں بتایا تھا کہ اس کی فائل عصرہ نے چرائی تھی۔

جیسے اس نے یادداشت کھو دینے والے فاتح کو نہیں بتایا تھا کہ وہ دونوں کبھی وقت کے سفر پہ ساتھ گئے تھے۔

جیسے وہ فاتح کو کنویں پہ چھوڑ کے ایڈم کے ساتھ قدیم ملاکہ کے سفر پہ نکل گئی تھی۔

جیسے وہ ہمیشہ اپنی بات اسے نہیں کہہ پاتی تھی۔ کیونکہ دل کہتا تھا، وہ کبھی سچی قرار نہیں دی جائے گی۔

''میں آپ کا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتی۔'' اس نے سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ تمہارے لیے میرے پاس وقت نہیں ہوگا؟''

وہ تعجب سے بولا تھا۔ تالیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

وہ پردھان منتری تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال رہا تھا۔ پھر اس کی زندگی میں تالیہ کی جگہ کیسے نہیں تھی؟ وہ اس دن سے فاتح کو الزام دیتی آ رہی تھی کہ وہ آگے بڑھ چکا ہے۔ وہ بدل چکا ہے۔

کتنا عجیب احساس ہوتا ہے جب انسان پہ انکشاف ہو کہ اس ساری ایکوئیشن میں وہ خود ہی غلط جگہ کھڑا ہے؟ اس کا چیزوں کو دیکھنے کا زاویہ ہی غلط ہے؟ فاتح بن رامزل آگے نہیں بڑھا تھا۔ تالیہ اس سے پیچھے کہیں رک گئی تھی۔ وہ تالیہ کے اپنی طرف بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''کیا اب بھی آپ کی زندگی میں میری جگہ ہے؟''اس نے خود کو حیرت اور بے یقینی سے کہتے سنا۔

''اور تمہیں کیوں لگا کہ میری زندگی میں تمہاری جگہ ختم ہو چکی ہو گی؟''

وہ اطمینان سے اپنی کرسی پہ براجمان گردن اٹھائے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں سمجھی...''اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہونے لگے...''آپ کے زخم بھر گئے ہوں گے۔اور آپ آگے بڑھ چکے ہوں گے۔''

''کچھ لوگوں کو unlove کرنا ناممکن ہوتا ہے' تالیہ۔ان کی جگہ زندگی سے کبھی ختم نہیں ہوتی۔یہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔''وہ نرمی سے مسکرایا لیکن وہ اسی بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔(کیا اس نے کہا unlove؟ کیا اس نے واقعی یہ لفظ بولا تھا؟)

''میں چاہتا ہوں کہ تم کل رات میری فیملی کے ساتھ ڈنر کرو۔میرے گھر پہ۔میں تمہیں اپنے بچوں سے ملوانا چاہتا ہوں۔اور یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں تمہاری جگہ ہمیشہ رہے گی۔''

اس کے الفاظ نے تالیہ مراد کو لاجواب کر دیا تھا۔اس نے دھیرے سے اثبات میں گردن ہلائی۔یہ اقرار تھا۔یہ بہت تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں؟''فاتح نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''کیا سری پردھانہ میں کوئی سفید ہرن ہے؟''

''سفید ہرن؟''وہ حیران ہوا۔''میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''

''مگر میں نے دیکھا ہے۔''وہ دل میں خود سے بولی۔

جب وہ باہر نکلی تو اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

اگر فاتح کی زندگی میں اس کی جگہ تھی تو وہ اس رشتے سے ناامید کیوں تھی؟وہ تالیہ مراد تھی۔وہ کبھی ہمت نہیں ہارا کرتی تھی۔اس کی ایکویشن میں کیا غلط تھا؟

سری پردھانہ کی راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے ایک عجیب سے سوال نے اندر سر اٹھایا۔

کیا تالیہ مراد کی زندگی میں وان فاتح کی جگہ تھی؟

اس سوال کا جواب اسے اپنے اندر ڈھونڈنا تھا لیکن اس سے پہلے ایک کام کرنا تھا۔اسے ملاکہ جانا تھا۔اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا کہ کیا وہاں واقعی کوئی خط اس کا منتظر تھا؟وہ اب اپنے خواب کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔اسے اس

خواب کی تعبیر خود ڈھونڈنی تھی۔

تالیہ مراد کا ماضی ایک دفعہ پھر اسے پکار رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

دوپہر اپنے جوبن پہ تھی لیکن اس شاپنگ مال کے اندر چمکتی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ باہر کے موسم کا کچھ علم نہ ہوتا تھا۔ مال کے اندر رنگوں اور روشنیوں کی ایک نئی دنیا آباد تھی۔ لوگ سارے مہینے کی محنت ان چمکتی راہداریوں میں لٹانے آئے کھڑے تھے۔

ایسی ہی ایک مرمریں راہداری میں ایڈم کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹے بالوں والی اسسٹنٹ' کندھے سے اسٹریپ والا بیگ لٹکائے' ہاتھ میں دو فونز پکڑے کھڑی تھی۔ وہ دونوں ایک شاپ کے سامنے موجود تھے اور ایڈم رک کے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''باس؟'' منتظر سی صوفی نے پکارا۔

''برانڈڈ جیولری اسٹور ہونے کا فائدہ یہ ہے' صوفی.... کہ چھ سال بعد بھی آپ کی دکان اسی جگہ موجود ہوتی ہے۔'' اس نے مسکرا کے سامنے والی شاپ کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے خیال میں آپ درست سمت میں جا رہے ہیں' باس؟'' صوفی نے بغور اسے دیکھا۔

''آف کورس۔ چھ سال پہلے.... اپنی موت سے کچھ دن قبل.... عصرہ محمود نے اپنے کارڈ سے ایک معمولی سی ادائیگی اس اسٹور پہ کی تھی۔ اتنی کم رقم میں اس اسٹور کی معمولی سی انگوٹھی بھی نہیں آسکتی۔ اگر ہم اس رقم کا پتہ لگا لیں تو....''

''میں تالیہ مراد کی بات کر رہی ہوں۔ آپ کبھی کسی کے لیے پی کیپ پہن کے شاپنگ مال میں تفتیش کرنے نہیں آئے۔''

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔ پی کیپ اور گلاسز پہنے' وہ جینز اور شرٹ میں ملبوس' عام لوگوں کے درمیان پہچانا نہیں جا رہا تھا۔

''تالیہ کا کیس اس وقت سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے۔'' ایڈم نے سرسری انداز میں کندھے اچکائے۔ ''اور تمہیں جاب پہ رکھنے سے پہلے ایک زمانے میں' میں ایسی کئی تحقیقات کر چکا ہوں۔''

''مگر اب تو نہیں کرتے نا۔ اتنے سالوں سے ایسا کچھ نہیں کیا۔ اب اس کے لیے کر رہے ہیں۔ کیا تالیہ مراد اتنا وقت اور توانائی صرف کیے جانے کی حقدار ہے؟'' وہ جتانے والے انداز میں کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ اور ہونہہ کہہ کے سر جھٹکا۔

''جی ہاں۔ مسز عصرہ بنت محمود ہمارے اسٹور کی بہت پرانی کسٹمر تھیں۔''

وہ کچھ دیر بعد اس قیمتی نگینوں سے چمکتے اسٹور کے اندر رکھے مخملیں صوفوں پہ براجمان تھے اور سامنے بیٹھا مینیجر بتا رہا تھا۔صوفی آگے ہو کے بیٹھی ایک ایک بات نوٹ کیے جا رہی تھی۔ایڈم البتہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔چھت کی تیز سفید روشنیاں اس کے سنجیدہ چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔وہ صوفی کی بات پہ قدرے ڈسٹرب ہو گیا تھا یہ صاف ظاہر تھا۔

''وہ زیورات کی شوقین خاتون تھیں۔اکثر ہمارے ہاں سے زیورات خریدا کرتی تھیں۔میں خود انہیں ڈیل کرتا تھا۔''

مینیجر بات کرتے کرتے رکا۔ایک سوٹ میں ملبوس اسٹور کا ملازم اس کے پاس آیا' اور ایک پرنٹڈ پیپر اس کی طرف بڑھایا۔

''سر.... یہ وہ بل ہے جو ایڈم صاحب نے مانگا تھا۔'' وہ جانے کی بجائے مینیجر کے صوفے کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔

مینیجر نے عینک لگا کے کاغذ کو پڑھا' پھر اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ رہی اس رقم کی تفصیل جو انہوں نے آخری دفعہ یہاں ادا کی تھی۔''

ایڈم نے تیزی سے کاغذ پکڑا اور نظریں سطور پہ دوڑائیں۔وہ ایک ان وائس کی کاپی تھی۔اس کے مطابق عصرہ محمود نے وہ معمولی رقم ایک نیکلیس کے پتھر ہٹا کے اس کو تولنے کے لیے ادا کی تھی۔یہ ایک ڈائمنڈ نیکلیس تھا جس کے زمرد ہٹا کے اس کی قیمت لگائی گئی تھی۔

''کیا آپ کو یاد ہے وہ اس سیٹ کی قیمت کیوں لگوانی چاہتی تھیں؟'' ایڈم نے چہرہ اٹھا کے مینیجر کو دیکھا۔کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ ملازم لڑکا وہیں کھڑا تھا۔وہ مسلسل ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

''انہوں نے بتایا نہیں تھا لیکن لوگ قیمت صرف ایک وجہ سے لگواتے ہیں۔''

''زیورات بیچنے کے لیے۔'' صوفی تیزی سے بولی۔

''جی بالکل۔'' مینیجر کے پیچھے کھڑے لڑکے نے پرجوش انداز میں تائید کی۔وہ پھر سے ایڈم کو دیکھنے لگا۔

''کیا آپ کے پاس اس روز کی سی سی ٹی وی ریکارڈنگ ہو گی؟''

''سی سی ٹی وی زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک رکھی جاتی ہے۔چھ سال بہت لمبا عرصہ ہے۔سوری۔''

''مجھے اندازہ تھا۔خیر.... اس ان وائس میں ان تینوں ڈائمنڈز کا سرٹیفکیٹ نمبر بھی لکھا ہے جو اس سیٹ میں جڑے تھے۔''

ایڈم بل کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔''کیا آپ مجھے اس ہیرے کا ریکارڈ نکال کے دے سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے مسز عصرہ نے وہ سیٹ کسی کو بیچا تھا۔اس شخص نے آگے بیچا ہو گا۔بغیر سرٹیفکیٹ کے وہ اسے آگے نہیں بیچ سکتا۔''

''جی۔فنگر پرنٹ کی طرح ہر ہیرے کا سرٹیفکیٹ نمبر ہوتا ہے جو لیزر کی مدد سے اس ہیرے پہ لکھا گیا ہوتا ہے اور عام آدمی

کو نظر نہیں آتا۔ میں چیک کر کے بتاتا ہوں۔'' مینیجر ساتھ رکھی میز کی طرف گھوما اور کی بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کرنے لگا۔ ''وہ ہیرا دنیا میں جہاں بھی ہوگا' مل جائے گا۔ میں متعلقہ اداروں کو ای میل کر رہا ہوں۔ جیسے ہی جواب آئے گا' میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس سیٹ کی تصویر بھی ہے۔ وہ بھی میں آپ کو میل کر رہا ہوں۔ ہمارا ہر سیٹ یونیک ہوتا ہے۔ ایک ڈیزائن صرف ایک دفعہ بنتا ہے۔'' مینیجر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ نوجوان ہنوز وہیں کھڑا تھا۔

''اس دن مسز عصرہ کو جس سیلز مینیجر نے ڈیل کیا تھا.....'' اس نے پوچھتے ہوئے بل سے نام پڑھا۔ ''نور جازلان... کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟''

''جی سر۔ وہ میں ہی تھا۔'' مینیجر نہایت ذمہ داری سے بتا رہا تھا۔ ''اور مجھے یاد ہے وہ دن۔ وہ اپنا ڈائمنڈ سیٹ لے کر آئی تھیں اور اس کی قیمت لگوانا چاہتی تھیں۔''

''کوئی ایسی بات.... کوئی چھوٹی سی بات جو آپ کو اس دن سے متعلق یاد ہو؟''

سامنے کھڑے لڑکے کا دیکھنا اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے مینیجر سے بات کرتا رہا۔

''وہ اس دن خاموش خاموش سی تھیں۔'' مینیجر سوچ کے بتانے لگا۔ ''کچھ خاص نہیں بولی تھیں۔ انہوں نے سیٹ کی قیمت لگوائی اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔''

''دونوں؟''

''ایک آدمی تھا ان کے ساتھ۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے اسے۔''

''اس کا کوئی نام.... کوئی شناخت... کچھ یاد ہے آپ کو؟'' ایڈم تیزی سے بولا۔

''نہیں سر.... اتنی پرانی بات ہو چکی ہے۔ مجھے تو اس کی شکل بھی ٹھیک سے نہیں یاد۔'' مینیجر بے چارگی سے بولا۔

''خیر۔ جہاں اس نے ہیرے بیچے ہیں وہاں سے اس کا ریکارڈ نکل آئے گا۔'' ایڈم نے خود کو تسلی دی۔ صوفی نے گہری سانس لے کر اسے افسوس سے دیکھا اور نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھنے لگی۔ وہ بھی سر جھکا کے اپنے موبائل پہ میسجز دیکھنے لگا۔

مینیجر کو ای میل موصول ہوئی تو اس نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔ ''او کے... اس ڈائمنڈ سیٹ کا پتہ چل گیا ہے۔''

''گڈ... وہ اب کس کی ملکیت ہے؟'' ایڈم تیزی سے سیدھا ہو کے بیٹھا۔

''وہ سسٹم میں ابھی تک عصرہ محمود کے نام پہ رجسٹرڈ ہے۔'' وہ اسکرین کو دیکھ کے بتانے لگا۔

ایک دفعہ پھر بند گلی۔ ایڈم نے کوفت سے آنکھیں بند کیں۔

''کیا مطلب؟'' صوفی نے تعجب سے ایڈم کو دیکھا۔ ''وہ سیٹ عصرہ نے بطور اجرت اس شخص کو دیا ہوگا۔ وہ چھے سال سے

اس سیٹ کو سنبھالے کیوں پھر رہا ہے؟''

''اونہوں۔ وہ اسے بیچ چکا ہوگا۔ بلیک مارکیٹ ذرا کم قیمت پہ۔ یا اس نے ہیروں کے لیزر نمبرز مٹوا دیے ہونگے۔ ان کرمنلز کے پاس اب یہ ٹیکنالوجی موجود ہے۔'' ایڈم نے کنپٹی چھوئی۔ ایک لمحے کے لیے اسے کتنی امید لگ گئی تھی۔ اسے لگا یہاں سے کوئی سرا اس کے ہاتھ آئے گا اور وہ تالیہ کو بچا لے گا۔ لیکن.... سارے کھرے وقت کی دھول میں مٹ چکے تھے۔

''ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہیں کر سکے۔'' وہ اٹھا تو مینیجر اور صوفی بھی ساتھ ہی کھڑے ہوئے۔

''کوئی بات نہیں۔ آپ نے اپنا وقت ہمیں دیا۔ یہ بہت ہے۔'' وہ جبراً مسکرایا۔ وہ نوجوان اب دانت نکوستا ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ کوئی جیولری دیکھنا پسند نہیں کریں گے؟'' مینیجر نے مسکرا کے قریبی شوکیس کی طرف اشارہ کیا۔

ایڈم نے ایک نظر سامنے قطار در قطار دور تک پھیلے شوکیسز پہ ڈالی اور پھر سنجیدگی سے مینیجر کو دیکھا۔

''نہیں۔ تھینک یو۔ مجھے ہیرے جڑے کف لنکس' ٹائی پن یا گھڑیوں کا شوق نہیں ہے۔ میری جنریشن کے لوگ پتھروں کی نسبت ''ایکسپیریئنس'' پہ پیسا خرچ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''میرا مطلب تھا.... کوئی تو ایسا ہوگا آپ کی زندگی میں جسے آپ ہیرا تحفے میں دینا چاہیں گے۔'' مینیجر خوشگوار لہجے میں ابرو اٹھا کے بولا۔ صوفی نے بھی مسکراہٹ چھپا کے ایڈم کو دیکھا۔

''وہ اب ہیروں سے خوش نہیں ہوتی۔ اس کے پاس سارے زمانے کے جواہرات ہیں۔'' پھر مینیجر سے مصافحہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ نوجوان تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

ایڈم کے ساتھ چلتی صوفی کھنکھاری۔ ''آپ کیا کر رہے ہیں' باس؟''

وہ سر جھکائے موبائل پہ ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔ ''چے تالیہ کو اس سیٹ کی تصویر بھیج رہا ہوں تاکہ وہ وان فاتح سے پوچھے کہ یہ سیٹ عصرہ کی ملکیت میں ہے یا نہیں۔ امید ہے یہ سیٹ انہیں کئی برس سے نظر نہیں آیا ہوگا۔''

''آپ اپنی زندگی کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں ایک دوست کی مدد کر رہا ہوں۔''

''وہ صرف دوست نہیں ہے۔ یقیناً کسی وجہ سے آپ دونوں کا تعلق ٹوٹ گیا تھا لیکن جس طرح آپ اس کی مدد کر رہے ہیں' آپ کو پھر سے تعلق جوڑنے کی امید ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ وہ دونوں اب اسٹور کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

''تو پھر معلوم کریں اور کھل کے اسے سب بتا دیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' وہ تلخی سے ہنسا۔

''پھر آپ کو کوئی پچھتاوا نہیں رہے گا۔ اور سنیں باس.... ساری دنیا امید پہ ہی تو قائم ہے۔ اور اپنے فائدے کے لیے ہم سب کو لڑنا پڑتا ہے۔ قسمت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے' ہاں۔''

دروازہ کھولنے سے پہلے ایڈم ایک دم واپس گھوما۔ وہ نوجوان جو ان سے ذرا فاصلے پہ رکا کھڑا تھا' گڑبڑا گیا۔

''جی؟'' ایڈم نے تحمل سے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

''وہ سر... میں....'' وہ ہکلا گیا۔ رنگت سرخ پڑ گئی۔ صوفی نے گہری سانس لی اور آگے بڑھی۔

''آپ ادھر کھڑے ہو جائیں۔ میں آپ دونوں کی تصویر بنائے دیتی ہوں۔ باس۔ باس!'' اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' وہ اس سارے میں ایسا الجھا تھا کہ اسے بھول گیا تھا کہ وہ نوجوان اسے ایسے کیوں دیکھ رہا تھا۔ وہ بے چارہ فین تھا۔ ایڈم قدرے مسکرایا تو اس کو حوصلہ ہوا۔ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ صوفی نے اپنے فون سے دونوں کی تصویر کھینچی۔ پھر ایڈم نے اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ فین مومنٹ میں بالکل کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔

''تھینک یو سر... میں آپ کا شو بہت شوق سے دیکھتا ہوں۔'' وہ جذبات سے بے قابو ہوئے بدقت بول پایا۔

''بہت شکریہ۔'' ایڈم نے سر کو جنبش دے کر کہا اور مڑ گیا۔ اپنے پیچھے اس نے سنا' وہ صوفی سے تصویر اپنے فون میں منتقل کرواتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''میں آج کے دن کو ساری زندگی یاد رکھوں گا۔''

ایڈم بن محمد کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ آہستہ سے مڑا اور تعجب سے اس نوجوان کو دیکھا۔

''کیوں؟ تم اس دن کو کیوں یاد رکھو گے؟''

''کیونکہ....'' وہ نروس سا مسکرایا۔ صوفی کو دیکھا پھر اس کو۔ ''کیونکہ آپ سلیبریٹی ہیں۔ آپ... لائیک... مشہور ہیں اور...''

''باس؟'' صوفی نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''مینیجر صاحب...'' وہ بلند آواز میں کہتا واپس اسٹور میں آیا۔ بہت سے لوگ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگے۔ ایڈم نے پی کیپ اتاری اور واپس اسی صوفے پہ بیٹھا۔

''مجھے آپ سے ایک اور فیور چاہیے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس کے بعد میں آپ کے ڈائمنڈز خریدنے کے لیے متفق ہو جاؤں گا۔'' وہ بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا کے مسکرا کے بولا۔ مینیجر مسکرا کے واپس اس کی طرف آیا۔

اس کی سب سے بڑی طاقت سلیبریٹی ہونا تھی۔ اور آج اسی شے نے ایڈم بن محمد کو کامیابی دلانا تھی۔

☆☆=========☆☆

جونکر اسٹریٹ کی رونق اس سہ پہر ویسی ہی تھی۔ بادل سارے ملاکہ پہ چھائے تھے اس لیے وہاں ٹھنڈی سی چھایا تھی۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک ٹیکسی رکی اور سفید ہیٹ والی تالیہ مراد باہر نکلی۔

اس کے سامنے سڑک کا وہ حصہ تھا جہاں سے وہ چھے سال بعد اپنی دنیا میں واپس آئی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں کھڑی رہی۔ پھر ہمت کر کے دھیرے دھیرے قدم اس جانب اٹھائے۔ جامنی فراک کا گھیرا ٹخنوں کے قریب ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ اور سنہری چین والا پرس کندھے سے لٹک رہا تھا۔ انگلیاں باہم مروڑتی وہ اس مین ہول کے کنارے آئی۔ پھر پنجوں کے بل وہاں بیٹھی۔ چند لمحے وہ اپنے دل کی دھڑکن سنتی رہی۔

مین ہول کے ڈھکن میں ایک کاغذ کا کونا پھنسا نظر آ رہا تھا۔ کنارے سے ایک جگہ سیمنٹ اکھڑی تھی تو وہاں برہنہ گیلی مٹی نظر آتی تھی جس میں ایک کونپل اگی تھی۔ اس کونپل پہ ایک تتلی بیٹھی تھی۔ تتلی سیاہ تھی اور اس پہ پیلے دھبے تھے۔ یا شاید وہ پیلی تھی اور دھبے سیاہ تھے۔

تالیہ نے ہاتھ اس جانب بڑھائے تو تتلی اڑ گئی۔ اس نے تتلی کا تعاقب نہیں کیا۔ بس ہمت کر کے ڈھکن ذرا سا اٹھایا اور لفافہ نکالا۔ پھر ہاتھ سے اس پہ لگی گرد اور ریت جھاڑی۔

"پتری تاشہ بنت مراد کے نام۔"

خط کا لفافہ سفید تھا۔ زردی مائل سفید۔ کاغذ قدیم زمانے کا بنا لگتا تھا۔ اس پہ تاریخ اس دن سے ایک ماہ بعد کی لکھی تھی جب وہ ایڈم اور فاتح کے ساتھ قدیم ملاکہ سے نکلی تھی۔ جب مراد راجہ نے فاتح کو وہ کاری زخم پہنچایا تھا۔

تالیہ نے انگلیوں پہ گنا۔ یہ اس کے قدیم ملاکہ سے نکلنے کے ایک ماہ بعد لکھا گیا تھا۔

وہ لفافہ اٹھائے کھڑی ہوئی۔ اسے چاک کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس پہ لگی مہر سلطنت محل کی تھی۔ سلطان مراد راجہ کی مہر۔ کیا وہ واقعی اس کے ماضی کی بازگشت تھا؟ کیا اُس دنیا سے اِس دنیا میں خط بھیجنا ممکن تھا؟

تالیہ کو احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تیزی سے الٹے قدموں گھومی۔

گلی میں غیر شناسا لوگ آ جا رہے تھے۔ بظاہر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھنے لگی۔

کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ یہ احساس پھر سے ہونے لگا لیکن وہ بظاہر اطمینان سے قدم اٹھاتی رہی۔ ایک دوسری اسٹریٹ میں مڑتے ہوئے وہ تیزی سے پلٹی۔ کوئی سیاہ لبادے میں موجود تھا اور تیزی سے دوسری گلی کی اوٹ میں روپوش ہوا

تھا۔

تالیہ تیز قدموں سے اس طرف بھاگی۔اس کا ہیٹ نیچے گر گیا لیکن وہ دوڑ کے اسٹریٹ کے دوسرے سرے تک آئی۔

سیاہ لبادے میں موجود شخص کی اس کی جانب پشت تھی۔اس نے آہستہ سے چہرہ موڑا۔وہ چہرہ دیکھ کے تالیہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔اسے چند لمحے لگے تھے اسے پہچاننے میں۔

''لیانہ!'' وہ بے یقینی سے بولی تو لیانہ صابری ہلکا سا مسکرائی۔وہ دونوں گلی کے سرے پہ کھڑی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔لیانہ مسکرا کے اور تالیہ ششدر سی ہو کے۔

''اوہ تو....داتن!'' وہ ایک دم ہنسی اور آگے بڑھ کے اس کے گلے لگ گئی۔پھر اسی تحیر سے الگ ہوئی اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''تم....تم داتن ہو نا؟'' وہ واقعی بے یقین تھی۔

لیانہ صابری کے بال ویسے ہی گھنگھریالے تھے اور لباس ڈھیلا ڈھالا سا سیاہ رنگ کا تھا۔لیکن وہ ایک دبلی پتلی جسامت کی عورت میں بدل چکی تھی۔وزن کم ہونے کے باعث اس کی صحت خوشگوار اور عمر کم لگ رہی تھی۔

''ہاں۔اور مجھے تمہارا میسج مل گیا تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی۔تالیہ نے ایک دفعہ پھر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''میرے پاس پوچھنے کے لیے بہت سی باتیں ہیں...مگر.... پہلے یہ بتاؤ....تمہارا وزن کیسے کم ہوا؟''

''بس تالیہ...بہت فاقے کاٹے...روز گھنٹوں ورزش کی...میٹھا چھوڑ دیا...کاربز کو خدا حافظ کہہ دیا...پھر کہیں جا کے وزن کم ہوا۔''

تالیہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔sleeve gastrectomy کروائی ہے۔(ایسا آپریشن جس میں معدہ کاٹ کے چھوٹا کر دیا جاتا ہے۔)'' وہ مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کے بولی تو تالیہ ہنس دی۔

''تم نہیں بدلو گی' داتن۔''

''اور کسی انسان کی اس سے بڑی اچھائی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بدلنے والا نہ ہو۔ہوں؟'' داتن پدو کا تفاخر سے مسکرائی۔تالیہ نے پیار سے اسے دیکھا۔

''آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔'' اس نے اسٹریٹ سائیڈ بچھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔''بہت سی باتیں ہیں جو مجھے تم سے

پوچھنی ہیں۔"

"اور مجھے تم سے صرف یہی پوچھنا ہے کہ تم کہاں تھیں' تالیہ؟ اتنے برس میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔" داتن کے انداز میں اپنائیت بھرا غصہ در آیا۔ وہ ہنس دی اور سڑک پہ گرا اپنا ہیٹ اٹھایا۔

"داستان لمبی ہے۔ تم داستان سننے ہی آئی ہو نا تو بیٹھ کے سنو۔" وہ دونوں سڑک کنارے بچھی کرسیوں کی طرف چلی گئیں۔ تالیہ نے ہاتھ سے ویٹر کو اشارہ کیا۔ اسے داتن کو یہ داستان کافی کے چند ادوار کے ساتھ سنانی تھی۔

☆☆==========☆☆

تیز بتیوں سے روشن جیولری اسٹور میں اس وقت ایڈم کے سامنے چار پانچ افراد بیٹھے تھے۔ سب اسے بغور سن رہے تھے جو ہاتھ ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ چار لوگ وہ ہیں جو چھے سال سے یہاں جاب کر رہے ہیں۔ آپ چاروں اس دن شاپ میں موجود تھے جب مسز عصرہ آئی تھیں۔"

"جی بالکل۔ مجھے یاد ہے۔ مگر ہم میں سے کسی کی ان سے بات نہیں ہوئی تھی۔"

"آپ ایک برانڈڈ اسٹور ہیں۔ آپ کے پاس آنے والے گاہک صرف وہ ہوتے تھے جن کے پاس پیسے کی فراوانی ہو۔ یہاں عام آدمی نہیں آتا۔ شہر کے کتنے امراء یہاں روز آتے ہیں گے لیکن آپ کو نہیں یاد ہو گا کہ چھے برس پہلے یہاں کون کون آیا۔ البتہ عصرہ محمود آپ کو یاد ہیں حالانکہ وہ اتنی امیر نہیں تھیں۔"

"بالکل۔" ایک سیلز آفیسر بولا۔ "آخری سال تک تو ان کے مالی حالات بہت خراب تھے۔ جس زمانے میں یہ ہیروں کا سیٹ انہوں نے ہم سے لیا تھا اس بات کو بھی کئی برس ہو چکے تھے۔ مگر ان کی آمد کا دن مجھے اچھے سے یاد ہے۔ ایک ایک تفصیل کے ساتھ۔"

"جی بالکل۔ اور آپ کو معلوم ہے ایک زمانے میں میں وان فاتح کے پاس ملازمت کرتا تھا۔" ایڈم مسکرا کے بولا۔

"جی۔ آپ ان کے باڈی گارڈ تھے۔" پیچھے کھڑا فین نوجوان تیزی سے بولا۔

"باڈی مین۔" ایڈم نے ضبط سے تصحیح کی۔ "اور مجھے اپنی جاب کا پہلا دن اچھے سے یاد ہے۔"

(اور وہ دن وہ کیسے بھول سکتا تھا؟ اسی دن تو سب شروع ہوا تھا۔ تنکو کامل کا گھر.... ان کی ملازمہ.... عصرہ کا دیا سکہ....)

"مجھے وہ دن اس لیے یاد ہے کہ اس دن میں ایک سلیبریٹی سے پہلی دفعہ ملا تھا۔ ہمیں امیر لوگ بھول جاتے ہیں' خوبصورت لوگ بھی ہماری یادداشت سے دھندلا جاتے ہیں' لیکن کسی بھی شخص کو روک کے پوچھیں کہ کیا کبھی وہ کسی سلیبریٹی

سے ملا ہے تو وہ اس دن کا پورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دے گا۔ جب اس نے مارکیٹ میں کسی ایکٹر یا سنگر کو دیکھا۔ کپڑے' جوتے' موسم.... ایک ایک لفظ جو سلیبریٹی کے منہ سے نکلا.... لوگوں کو وہ سب یاد رہتا ہے۔'' ایڈم پر جوش انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اور لوگ اس یاد کو محفوظ کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ وہ سلیبریٹی کے ساتھ تصویر کھنچواتے ہیں۔ اب بتائیے.... کیا کسی نے اس دن ان کے ساتھ تصویر کھنچوائی تھی؟ اور اگر کھنچوائی تھی تو لوگوں کو کہیں دکھائی ہوگی۔ فیس بک یا ٹوئیٹر پہ۔''

یہ ممکن نہیں تھا کہ عصرہ محمود شاپ میں داخل ہو اور کوئی اس کے ساتھ سیلفی نہ لے اور اسے اپ لوڈ نہ کرے۔ چند منٹ میں اس کے سامنے آٹھ تصاویر آ گئیں جو یہاں کام کرنے والے اور یہاں سے کام چھوڑ جانے والے ملازمین کے فیس بک سے اٹھائی گئی تھیں۔

عصرہ ہر تصویر میں مسکرا رہی تھی لیکن وہ تکان زدہ لگتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا جس کے اندر یقیناً وہ سیٹ ہوگا۔ صرف ایک تصویر ایسی تھی جس میں وہ صوفے پہ بیٹھی تھی اور ملازم نے پیچھے کھڑے ہو کے سیلفی بنائی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کا نیم رخ اس تصویر میں واضح نظر آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پہ واضح زخم کا نشان تھا۔ بال گھنگھریالے تھے۔ تصویر کافی حد تک قابل شناخت تھی۔

جو ہمیں کرنا آتا ہے' وہ ہمیشہ ہمارے کام آتا ہے۔ وہ گہری سانس لے کر بڑبڑایا۔

اتنے دن سے وہ غلط لوگوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ فلاں دکان' فلاں کافی شاپ۔ وہ بھری مارکیٹ میں لوگوں سے غلط سوال پوچھ رہا تھا۔ اور اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اسے صرف ان دکانداروں سے پوچھنا تھا کہ کیا انہوں نے کبھی عصرہ محمود کو یہاں آتے دیکھا ہے؟ اور ہر شخص کے پاس سنانے کو ایک فین مومنٹ سے بھری کہانی ہوتی۔ کتنی ہی سیلفیاں نکل آتیں۔ ساری کڑیاں مل جاتیں۔

ایڈم نے گہری سانس لی اور وہ تصویر تالیہ کو بھیجی۔

''وان فاتح سے پوچھ کے بتائیں.... کیا وہ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اور ہے تالیہ.... جب آپ ملاکہ سے واپس آئیں گی تو میں آپ کے پاس آؤں گا۔ مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی ہے۔'' اس نے وہ پیغام بھیج دیا اور ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

☆☆=========☆☆

سڑک کنارے بچھی کرسیوں پہ وہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ کافی کے کپ سامنے رکھے تھے اور فضا میں روسٹ ہوئے کافی

بینز کی مہک پھیلی تھی۔ تالیہ کا ہیٹ اب میز پہ رکھا تھا۔ کافی کا دوسرا دور چل رہا تھا اور باتیں ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھیں۔

''میں نے اتنے سال تمہیں اتنا تلاشا' تالیہ۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہارے وہ سال کہیں گئے ہی نہیں تھے۔'' داتن اس کی کتھا سن کے حسرت سے ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔ ''کاش یہ آپشن میرے پاس بھی ہوتا۔ زندگی کو pause کرنے کا۔''

''یہ آپشن نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ خیر تم بتاؤ..... تم پولیس کو مطلوب تو نہیں ہونا؟''

''نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ میرے پیچھے کوئی نہیں ہے۔'' وہ آنکھیں گھما کے مسکرائی تو تالیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم نے وہ زندگی نہیں چھوڑی' داتن؟'' اسے جیسے افسوس ہوا۔

''میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔'' داتن نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔ تالیہ نے سر جھٹکا اور کافی کا کپ اٹھا لیا۔ بدلنے کا فیصلہ تالیہ نے کیا تھا۔ داتن نے نہیں۔

''تم فاتح سے ملیں؟''

''ہاں۔ کئی دفعہ۔'' وہ عام سے انداز میں بولی۔ نظریں کافی کے کپ پہ جھکی تھیں۔ ''صبح بھی میں ان کے ساتھ تھی۔''

''سب کیسا ہے تمہارے درمیان؟'' داتن اس کا چہرہ پڑھنا چاہ رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔ میں یہ دیکھنے گئی تھی کہ ان کی زندگی میں میری جگہ ہے یا نہیں۔ مگر اب سوچ رہی ہوں کہ کیا میری زندگی میں ان کی جگہ ہے؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے دور تک بچھی میز کرسیوں کی قطار کو دیکھنے لگی۔ ہر کیفے اور ریستوران کے سامنے اس کا اپنا چھجا بنا تھا جس کے نیچے لوگ بیٹھے اس خوبصورت سہ پہر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بے فکرے' من موجی لوگ۔ یا شاید وہ بھی اس لڑکی کو دیکھ کے یہی سوچتے ہوں گے۔ کون اپنے اندر کس جنگ سے نبرد آزما ہے' کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔

''تمہاری زندگی میں اس کی جگہ کیوں نہیں ہے؟''

'کیونکہ دنیا والے مجھے اپنے پردھان منتری کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔''

''ایں؟ دنیا والے کہاں سے آ گئے؟''

''دنیا والے ہی تو ہر جگہ آ جاتے ہیں' داتن۔'' وہ اداسی سے سڑک کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وان فاتح ان کا ہیرو ہے اور لوگ اپنے ہیرو سے نفرت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کو شیئر کرنے والے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جیسے لوگ زارِ روس نکولیس دوم سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ اس کی بیوی الیگزینڈرا سے نفرت کرتے تھے۔ راسپوٹین سے کرتے تھے۔ حالانکہ قصوروار 'زار' تھا کیونکہ اس نے ان دونوں کو اپنی زندگی میں جگہ دی تھی۔ مگر پرستار کی اندھی محبت یہ سوال نہیں پوچھتی۔ اپنے ہیرو کے لیے ان کے پاس ڈھیروں تاویلیں ہوں گی۔ تالیہ مراد کے لیے نہیں ہوں گی۔''

''وان فاتح کے ساتھ زندگی کا تصور مشکل لگ رہا ہے؟''

''جو الزام میرے اوپر لگا ہے' اس کو دھوئے بغیر تو بہت مشکل ہے۔ دنیا والے مجھے برا کہیں گے۔ اگر ان کو معلوم ہوا کہ تالیہ مراد فاتح کی بیوی ہے تو وہ مجھے 'ہوم ریکر' کہیں گے۔ پہلی بیوی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ دوسری ہوتی ہے۔''

شام اب گہری ہو رہی تھی۔ پرندے آسمان پہ غول کی صورت اڑتے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

''تو پھر چھوڑ دو اس کو۔ نکل جاؤ اس کی زندگی سے۔ اپنی زندگی مشکل نہ بناؤ' تالیہ۔ تم ایک ایسا انسان ڈیزرو کرتی ہو جس کے ساتھ تم سر اٹھا کے جی سکو۔ تمہیں کسی کا خوف' کسی کا گلٹ نہ ہو۔''

تالیہ نے اداس مسکراتی نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔ ''تم ایڈم کی بات کر رہی ہو۔''

داتن چپ ہو گئی۔ پھر گہری سانس لی۔ ''شکر ہے تم جانتی ہو۔''

''ہاں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ ہم اس بارے میں بات کریں گے لیکن نہیں کر سکے۔ کئی دن۔ کئی سال۔'' وہ کپ کے دہانے پہ انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

''اگر تم وان فاتح کے ساتھ خوش نہیں ہو تو اس کو اپناؤ جو تم سے محبت کرتا ہے۔ سیانے کہتے تھے' شادی اس سے نہیں کرنی چاہیے جس سے آپ محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرتا ہے۔''

''ان سیانوں کی اپنی شادیوں کا کیا بنا۔ میں اکثر سوچتی ہوں۔'' وہ ہنس کے ٹال گئی۔ داتن نے ناک چڑھا کے ہونہہ کیا۔

''تم اپنے آپ کو وان فاتح کے انتظار میں ضائع کر رہی ہو۔ تم ایڈم جیسا انسان ڈیزرو کرتی ہو تالیہ۔ اب بھی وقت ہے۔ تم فاتح کی زندگی سے عزت کے ساتھ الگ ہو جائے۔ خود پہ کوئی دھبہ لگائے بغیر۔''

''کسی نے مجھے کہا تھا کہ کسی کو unlove کرنا آسان نہیں ہوتا۔ میں کوشش کروں گی کہ فاتح کو unlove کر سکوں۔ شاید یہ فیصلہ تب آسان ہو جائے۔'' پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ ''میرے پاس ابھی ایک دن ہے۔ کل مجھے فاتح کی فیملی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔ فاتح نے بلایا ہے۔''

''اگر تم نے وان فاتح کو چھوڑ ہی دینا ہے تو اس کی فیملی سے ملنے کا مقصد؟''

''میں اس ہیشا تاج سے ملنا چاہتی ہوں جو ان کے گھر رہ رہی ہے۔ وہ جولیانہ کی ہوم ٹیوٹر ہے اور....'' اس نے مسکرا کے داتن کو دیکھا۔ ''تمہیں اس کو دیکھ کے کوئی یاد آیا؟''

''کون؟'' داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔ تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''میں... داتن... میں تالیہ۔ وہ میری کاربن کاپی ہے۔ کسی نے دو سال پہلے اسے فاتح کی زندگی میں داخل کیا ہے اور وہ

صرف اسی لیے دھوکہ کھا گئے کیونکہ انہیں اس کو دیکھ کے میں یاد آتی تھی۔ وہ کون دومن ہے اور مجھے ان کو اس سے بچانا ہے۔"

"تالیہ۔" داتن نے آہستہ سے کہا۔ "دو سال ایک لمبا عرصہ ہے ایک کون کھیلنے کے لیے۔ اور میرا نہیں خیال کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی خاص مشابہت ہے۔ اتنی مشابہت ہونے کا یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے کہ فاتح ایک ہی طرح کی عورتوں کو اپنی زندگی میں جگہ دیتا ہے۔"

تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟"

"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ تم میشا تاج کے بارے میں غلط بھی ہو سکتی ہو۔ تالیہ تم ابھی تک چھے سال پہلے کے ٹائم فریم میں ہو۔ یہاں ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ اتنا وقت کس کے پاس ہوگا کہ وہ تمہارے جانے کے چار سال بعد کسی کو فاتح کی زندگی میں بھیجے گا؟ اور پھر دو سال تک اس عورت نے انہیں کوئی نقصان نہیں دیا۔ اب کیوں دے گی؟"

"تمہیں میری عقل اور سمجھ پہ ذرا بھی بھروسہ نہیں ہے؟" تالیہ خفگی سے کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"اپنی عقل سے پوچھو کہ کہیں وہ تمہیں وہی تو نہیں دکھا رہی جو تم دیکھنا چاہتی ہو۔ تم یہ ماننے کو تیار نہیں ہو کہ فاتح کی زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔ تم بس یہی چاہتی ہو کہ کسی طرح ان کو تمہاری ضرورت پڑتی رہے۔ تم ان کو ہر مسئلے سے بچاتی رہو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "اور تمہارا اپنا کیس؟ اس کی تحقیق کون کرے گا؟"

"ایڈم۔ کیونکہ دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔" وہ شانے اچکا کے بولی۔ "خیر چھوڑو میشا کو۔ میں تمہیں ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ بہر حال... میرے گھر کا پتہ تمہیں معلوم ہوگا۔ میں تم سے کل کے ایل میں ملوں گی۔ تب تک تم مجھے میشا تاج کے بارے میں جتنی معلومات مل سکیں، ڈھونڈ کے دو گی۔"

داتن نے منہ بنا کے اسے دیکھا۔ "تم اس زندگی کو ترک کر چکی ہو۔ اب میں تمہاری کرائم پارٹنر نہیں رہی۔ اب میں تمہارے لیے کیوں ریسرچ کروں گی، تالیہ؟"

"کہا نا... دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔" اس نے مسکرا کے ہیٹ سر پہ رکھا۔ اور ہاتھ اٹھا کے دوسری جانب سے آتی ٹیکسی کو اشارہ کرنے لگی۔

"تم اب کہاں جا رہی ہو؟" داتن نے پیچھے سے پکارا۔

"اس شخص سے ملنا جس نے میشا کو بھیجا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ کون ہے۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتا کے اس نے پرس سے وہ خط نکالا اور پھر... دھڑکتے دل سے لفافے کی مہر توڑی۔

اندر زردی مائل کاغذ پہ سیاہ روشنائی میں لکھی تحریر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ وہ اس لکھائی کو پہچانتی تھی۔

''پیاری تالیہ...

تمہیں گئے آج تیسواں روز ہونے کو آیا ہے۔میری فتوحات میں اضافہ ہو رہا ہے اور میرے دشمنوں کو شکست ہو رہی ہے۔لیکن کوئی بھی خوشی تمہارے بچھڑنے کے غم کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔تم مجھے بہت اکیلا کر کے چلی گئی ہو۔

میں مانتا ہوں کہ میرے کیے اکثر فیصلے بہت غلط تھے۔میں نے وان فاتح کو تکلیف پہنچائی۔نہیں معلوم کہ وہ دوسری دنیا پہنچنے تک زندہ رہا یا نہیں۔ نہیں معلوم کہ اپنی دنیا میں میں زندہ ہوں یا مردوں میں سے ہوں۔نہیں معلوم کہ تم اپنی کتابوں میں میرے بارے میں کیا پڑھو گی۔ غلط تھے میرے فیصلے۔میں مانتا ہوں۔لیکن اس سب میں ایک چیز سچی تھی۔تالیہ کی مراد راجہ سے محبت۔اور مراد راجہ کی اپنی اصل بیٹی تالیہ سے محبت۔میں نے جو کچھ کیا محبت میں کیا۔محبت انسان سے کیا نہیں کرواتی۔چوری... قتل... جنگ۔بس ایک ''محبت'' نہیں کرواتی۔میں تم سے وہ محبت نہیں کر سکا جو مجھے کرنی چاہیے تھی۔نہیں جانتا کہ تمہاری دنیا میں وقت کی سوئی کہاں ہے۔لیکن ایک ملال ہمیشہ رہے گا۔

کاش تم مجھے یوں دھوکہ دے کر نہ جاتیں۔تم مجھ سے لڑ کے، روپیٹ کے، مجھ پہ غصہ کر کے چلی جاتیں تالیہ....لیکن دھوکہ دے کر نہ جاتیں۔مجھے ٹھیک سے الوداع کہنے کا موقع تو دیتیں۔تم نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔میں اپنی دی گئی تکلیف کی سزا بھگت رہا ہوں.... لیکن جانتی ہو تمہارا دل کیوں ٹوٹا ہوا ہے؟ کیونکہ تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔تمہارا یہ دکھ کبھی دور نہیں ہوگا تالیہ۔تم چاہے ملکوں ملکوں پھرو....چاہے ان سارے مسئلوں سے نکل آؤ جن میں تم گرفتار تھیں...چاہے تمہارے پاس زمانے بھر کے خزانے آ جائیں...یا تمہیں اپنا من پسند آدمی مل جائے....تم جہاں بھی جاؤ گی میری بیٹی....تمہارا یہ زخم کبھی نہیں بھرے گا۔

سوائے اس کے کہ.....

تم میرے پاس واپس آ جاؤ۔

تمہیں کسی دوسری دنیا میں سکون نہیں ملے گا۔

یہ بددعا نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے۔

تمہارا باپ۔

مراد۔"

خط کے صفحے پہ جگہ جگہ گرتے آنسوؤں نے روشنائی مٹا ڈالی تھی۔اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔شوفر نے بیک ویو مرر میں اس لڑکی کو دیکھا جو خط تہہ کرتے ہوئے پرس میں رکھ رہی تھی۔اس کی جھکی پلکوں پہ کتنے ہی آنسو آن ٹھہرے تھے۔

کسی کو unlove کرنا واقعی آسان نہ تھا۔نہ فاتح کو۔نہ مراد راجہ کو۔

☆☆=========☆☆

وہ گلی چھے سال میں کئی دفعہ بدلی ہوگی۔لیکن تالیہ کو وہ آج بھی ویسی ہی لگی تھی۔وہی گملے۔وہی فرش۔اور ذوالکفلی کے گھر کے سامنے بنے دو اسٹیپ۔وہ اس گلی میں داخل ہوئی اور چبھتی نظروں سے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔اس کی آنکھوں کے سارے آنسو اب تک سوکھ چکے تھے۔اور ان میں سردمہری در آئی تھی۔

مکان کے دروازے پہ زنجیر میں لپٹا تالہ لگا تھا۔یوں معلوم ہوتا تھا اس گھر کو برسوں سے کسی نے نہیں کھولا۔جامنی فراک والی لڑکی سینے پہ بازو لپیٹے چند لمحے تنفر سے اس مکان کو دیکھتی رہی۔

پھر وہ دروازے کے سامنے بنے اسٹیپ پہ بیٹھی' ہیٹ اتار کے ساتھ رکھا اور اونچی آواز میں بولی۔"میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' ذوالکفلی۔"

گلی سنسان تھی۔مغرب گہری ہو چکی تھی اور سارے پہ جامنی اندھیرا پھیلا تھا۔بظاہر اس کے اردگرد کوئی نہ تھا۔لیکن تالیہ جانتی تھی کہ وہ کسی کونے سے اسے دیکھ رہا تھا۔چند لمحے گزرے اور گلی کے دوسرے کونے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔زینوں پہ بیٹھی تالیہ نے چہرہ اس طرف موڑا۔

لمبی برساتی پہنے' سر پہ سیاہ ہیٹ جمائے' وہ اس کی طرف چلتا آ رہا تھا۔جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا' اس کے چہرے کا ایک ایک نقش واضح ہوتا گیا۔اس کی آنکھوں کی چمک آج بھی ویسی ہی تھی۔جھریوں نے البتہ جلد کو کریلے کے خول کی مانند کر دیا تھا۔کڑوے کریلے جیسے۔قلموں سے بال سفید ہوتے نظر آ رہے تھے۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔پھر ہیٹ والا سر جھکا کے اسے دیکھا اور مسکرا کے ابرو اچکائے۔

"کیا چیز شہزادی کو میرے غریب خانے پہ لے آئی آج؟"

تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔

''تم بھی عجیب آدمی ہو ذوالکفلی۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ کے کہنے لگی۔ ''میں تم سے پہلی دفعہ تب ملی تھی جب میرے بابا زخمی تھے۔ تم نے مجھے ان کی دوا دی تھی.... اس شرط پہ کہ ان کو تمہارے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ محبت کی بے بسی بھی عجیب ہوتی ہے۔ ساری شرطیں منوا لیتی ہے۔ تمہیں جوان خون چاہیے تھا اپنی ساحرانہ قوتوں کو بڑھانے کے لیے۔ جتنے لوگوں کو تم جادو سکھاؤ گے' اتنی تمہاری طاقت بڑھے گی۔ میں نے پمبورو کی کتابوں میں پڑھا ہے اس بارے میں۔ اسی لیے تم نے مجھ سے میرا باپ لے لیا اور اس کو جادوگر بنا ڈالا۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔

''اگر تمہارا باپ جادوگر نہ ہوتا تو کیا وہ سارے ظلم نہ کرتا جو اس نے کیے' پتری تالیہ؟ اونہوں۔ کسی ہنر کا سیکھنا انسان کی فطرت نہیں بدلتا۔ سانپ کی فطرت میں ڈس لینا ہے۔ وہ مسجد میں رہ کے بھی نہیں بدلتا۔''

''جیسے تم نہیں بدلے۔ وہ دنیا ہو یا یہ دنیا۔ تم نے ہر جگہ دوسروں کو دھوکے سکھائے۔ جادو بھی تو ایک دھوکہ ہے۔ تم اپنی دنیا میں جادوگر تھے۔ ہماری دنیا میں کون آرٹسٹ کہلائے۔ جب میں تمہیں بھلا چکی تھی' تب تم مجھ سے یتیم خانے میں ملے۔ اور تم نے مجھے پھر سے دھوکہ دیا۔''

''اپنی شناخت چھپا کے؟'' وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔

''نہیں۔ مجھے یہ تاثر دے کر یہ تم مجھے ایڈاپٹ کرنے جا رہے ہو۔ پہلی دفعہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ مجھے ایک باپ' ایک گھر ملنے والا ہے۔ تالیہ نے ساری عمر کیا چاہا ہے اس کے سوا کہ اس کا کوئی گھر ہو' کوئی فیملی ہو؟ لیکن نہیں۔ برسوں بعد میں تمہیں دوبارہ ملی' تب بھی تم نے میرے ساتھ یہی کیا۔ مجھے ایک فریب کے پیچھے لگا دیا۔''

''کیا میں نے تمہیں بہروپیہ بنایا؟ یاد رکھو.... تم میرے پاس آنے سے پہلے بھی چھوٹی موٹی چوریاں شروع کر چکی تھی۔''

''میں vulnerable تھی۔'' اس کی آواز اب سپاٹ نہیں رہی تھی۔ اس میں اداسیاں گھل گئی تھیں۔ ''میرے خواب ٹوٹے تھے۔ میرے پاس غربت میں گزارا کرنے کی چوائس تھی۔ میں نے غلط فیصلہ کیا۔ لیکن تمہارے پاس بھی چوائس تھی۔ تالیہ کی روح کو بچا لینے کی۔ تم نے بھی درست فیصلہ نہیں کیا۔ تم نے مجھے فریب کاری کی دنیا میں گرنے دیا۔''

''میں نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا۔ تمہارے پیچھے تمہاری حفاظت کی۔ تم مشکل میں میرے پاس آتی تھیں۔ اور تم نے کیا کیا؟ مجھے زہر دینا چاہا؟''

دونوں اندھیر گلی میں آمنے سامنے موجود تھے۔ وہ ابھی تک بیٹھی تھی اور وہ کھڑا تھا۔ دونوں کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔

''میں نے تمہیں زہر نہیں دیا تھا۔ دھوکہ دیا تھا۔ میں تم سے چابی مانگنے کبھی نہ آتی اگر تم مجھے اس چابی کے چکر میں نہ پڑنے دیتے۔ تم مجھے میرا ماضی بھولے رہنے دیتے۔ بھولنا ایک نعمت تھی' ذوالکفلی۔ تم نے میری نعمت مجھ سے چھن جانے دی۔''

''اور تم نے مجھ سے دھوکے سے چابی حاصل کر لی۔ میں نے کہا تھا نا' تمہیں دھوکے کی قیمت چکانی پڑے گی۔ تمہارے چھے برس ضائع ہو گئے' تالیہ۔ چچ چچ.....''

''اگر میرے چھے برس ضائع ہوئے' تو تمہارے بھی یہ سال کسی اچھے کام کو کرنے میں نہیں گزرے۔ اب میری بات سنو جادوگر' انسان کا جو وقت کسی اچھے کام میں نہ گزرے' وہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اس نے وہ گزارا ہی نہیں۔ بورنگ روٹین میں رہنے والوں کو اسی لیے لگتا ہے کہ وقت تیزی سے گزر گیا۔ وقت صرف ان کا ضائع نہیں ہوتا جو روشنی کے سفر پہ نکلتے ہیں۔ تالیہ کو افسوس نہیں ہے کہ اس کے سال ضائع ہوئے۔ تالیہ کو تم سے چابی حاصل کرنے پہ بھی کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔''

''تو پھر یہاں کیوں آئی ہو؟''

''یہ کہنے کہ میرا تمہارا حساب برابر ہو چکا ہے۔ بلکہ تمہارے گناہ زیادہ ہی ہونگے۔ پھر فاتح کے پیچھے میشا کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟''

ذوالکفلی کے ابرو اچھنبے سے بھنچے۔ ''میں سمجھا نہیں۔ کون میشا؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

تالیہ نے افسوس سے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسٹیپ پہ کھڑی اس سے قدرے اونچی لگ رہی تھی۔

''تمہاری زبان دو کاموں میں ماہر ہے۔ جادو اور جھوٹ۔ لیکن تالیہ کو سچ اور جھوٹ کا فرق کرنا آتا ہے۔ تم نے اس عورت کو میرے سانچے پہ تخلیق کیا اور فاتح کی زندگی میں داخل کیا۔ صرف تم جانتے تھے ہمارے دونوں زمانوں کی باتوں کے بارے میں۔ سیاہ گھوڑے اور جانے کیا کچھ۔ تم فاتح کو نقصان پہنچا کے تالیہ سے بدلہ لینا چاہتے ہو۔''

''نہیں' پتری تالیہ۔'' وہ الجھن بھری برہمی سے بولا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی میشا کو نہیں جانتا۔ نہ مجھے کسی کو یوں بھیجنے کی ضرورت ہے۔ میرا عناد تم سے تھا۔ وان فاتح سے نہیں۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ''تم میرے تنفر میں اتنی اندھی ہو چکی ہو کہ اپنے اصل دشمن کو ڈھونڈنے کی بجائے....''

''میں تمہارے جھوٹ سننے نہیں آئی۔ یہ بتانے آئی ہوں کہ اگر....'' وہ ایک قدم نیچے اتری اور اس کے مقابل کھڑے ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اگر.... تم نے.... فاتح کو نقصان پہنچایا.... تو.... میں.... تمہاری.... جان لے لوں گی۔''

''تم؟'' وہ استہزائیہ مسکرایا۔ ''تم کسی کی جان نہیں لے سکتیں۔''

''کیونکہ میں نے تمہیں زہر نہیں دیا تھا؟''

ذوالکفلی تلخی سے مسکرایا۔ ''تم نے الف لیلوی کہانیاں پڑھی ہیں' پتری تالیہ؟ ان میں ایک شہزادی ہوتی ہے جس کو اگر کوئی زہر دے ڈالے... یا.... کسی ٹاور میں قید کر دے... یا... سوتیلی ماں اس پہ ظلم کرے... تو اسے بچانے ایک شہزادہ آتا ہے سفید

گھوڑے پہ۔اور وہ اس کہانی کے سارے کرداروں کو ان کے غموں سے نکال لیتا ہے۔تم بھی اپنی کہانی کی وہی saviour ہو۔سفید گھوڑے والی شہزادی۔اپنے سیاہ ماضی سے تائب ہو کے اچھائی کے سفید راستے پہ چلنے والی۔اور سفید گھوڑے والی شہزادیاں کسی کی جان نہیں لے سکتیں۔''

وہ کہہ رہا تھا اور تالیہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھتی گئی۔پھر اس کے کان کے قریب چہرہ جھکا کے بولی۔

''ذوالکفلی....'' اس کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔''سفید گھوڑے والی شہزادیوں کا زمانہ گزر چکا ہے۔''

پھر وہ اپنا ہیٹ لیے آگے بڑھ گئی۔ذوالکفلی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتے رہا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح اور اگلی دوپہر یوں گزر گئی کہ پتہ ہی نہ چلا۔پتراجایا کے آسمان پہ سرِ شام ہی سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے۔ان کے گرجنے کی آوازیں اونچے محلوں میں رہنے والوں کو اپنے آرام دہ لونگ رومز میں بھی واضح سنائی دے رہی تھیں۔آج رات بارش کھل کے برسنی تھی' یہ تھا۔

وان فاتح کی رہائشگاہ بھی بار بار بجلی کی چمک سے روشن ہوتی۔پھر اندھیرا چھا جاتا۔اندر اسٹڈی میں وہ اپنی مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا۔وہ سامنے بیٹھے سکندر اور جولیانہ کو دھیمے لہجے میں جو بات بتا رہا تھا' اسے سن کے جولیانہ نے کوئی تاثر نہیں دیا البتہ سکندر بدک کے کھڑا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے بے یقینی سے باپ کو دیکھا۔''تالیہ مراد ہمارے گھر آ رہی ہے؟وہ ہمارے ساتھ ڈنر کرے گی؟''

''تالیہ فیملی ہے' سکندر۔''

''تالیہ فیملی نہیں ہے۔'' وہ دبا دبا سا غرایا۔اس کے نوعمر چہرے پہ غصہ سرخی پھیلا رہا تھا۔

''سکندر.....'' وہ اتنے ہی تحمل سے بولا۔''وہ ہر برے وقت میں ہمارے ساتھ کھڑی ہوتی تھی۔یہ اس کا برا وقت ہے۔اس پہ ایک غلط الزام لگا ہے۔ہم اس کو اکیلا کیسے چھوڑ دیں؟''

''ڈیڈ.....آپ کو دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟اس نے ہماری ماں کا قتل کیا ہے۔سارا میڈیا یہی کہہ رہا ہے۔''

''میڈیا تو یہ بھی کہتا ہے کہ میں ایک برا حکمران ہوں۔کیا تم ان باتوں کا بھی یقین کر لیتے ہو؟'' اس کے انداز میں اب کے برہمی در آئی۔سکندر چپ ہو گیا۔فاتح نے جولیانہ کی طرف چہرہ موڑا۔''کیا تم نے سکندر کو نہیں بتایا؟''

سکندر نے چونک کے اسے دیکھا۔''کیا؟''

جولیانہ کھنکھاری۔پھر سکندر کی طرف دیکھا۔''ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔تالیہ نے ماما کا قتل نہیں کیا تھا۔جو کیک وہ بھیجتی تھی

وہ میں نے خود دیکھے تھے۔ان پہ آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔اور زہر آئسنگ میں تھا۔کیک میں نہیں۔آئسنگ کوئی بعد میں چھڑکتا تھا۔"

سکندر چند لمحے الجھن سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔پھر فاتح کی طرف رخ کیا۔"کون؟"

"دیکھو سکندر...تمہاری ماما کے ایک پرانے ملازم کا آج سراغ ملا ہے۔وہ جانتا ہے کہ تالیہ بے گناہ ہے۔وہ گواہی دے گا اور تالیہ بری ہو جائے گی۔یہ اتنا سمپل ہے۔"

سکندر نے دونوں ابرو سوالیہ انداز میں اٹھائے۔"یعنی تالیہ مراد بے قصور ہے اور اصل گواہ سامنے آنے والا ہے؟"

"ہاں۔"

"میں جولیانہ نہیں ہوں' ڈیڈ جو میں اس بات کا یقین کرلوں گا۔" وہ ایک دم پھنکارا۔"یہ تالیہ مراد کی کہانیوں میں سے ایک ہے۔اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔وہ کسی کو بھی خرید سکتی ہے۔"

"سکندر...." فاتح نے گہری سانس لے کر اس کو پکارا۔

"اس نے میری ماں کا قتل کیا ہے۔میں بس یہی جانتا ہوں۔آپ چاہتے ہیں کہ میں تمیز سے اس ڈنر میں بیٹھوں تو میں بیٹھ جاؤں گا۔میں اس کو برداشت کرلوں گا۔لیکن آپ مجھ سے یہ امید نہ رکھیں کہ میں اس کہانی میں آؤں گا۔" وہ پیر پٹخ کے اٹھا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔بادل زور سے گرجے اور کھڑکیوں کے باہر بجلی چمکی۔اگلے ہی پل سیاہی پھر سے چھا گئی۔فاتح نے افسوس سے اس کو جاتے دیکھا۔"اس کو کیا ہو گیا ہے؟"

"کیا اب آپ تالیہ کو نہیں بلائیں گے؟" جولیانہ نے تذبذب سے پوچھا۔

"ظاہر ہے میں اسے بلاؤں گا۔تالیہ فیملی ہے اور ہمارے گھر میں اس کی جگہ ہمیشہ رہے گی۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا تو جولیانہ مسکرا دی۔

"مجھے تالیہ مراد تھوڑی بہت یاد ہے۔مجھے وہ ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔" وہ سادگی سے بولی تو فاتح مسکرا دیا۔

ادھر سکندر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے غصے سے اندر داخل ہوا تو دیکھا۔اسٹڈی چیئر پہ اشعر ریلیکس انداز میں بیٹھا ہے۔جینز پہ جرسی شرٹ پہنے' وہ ہاتھ میں سکندر کی گیند گھما رہا ہے۔سکندر نے دروازہ بند کیا اور بگڑے تاثرات کے ساتھ بیڈ کے کنارے بیٹھا۔کشن اکو ٹھوکر ماری۔

"تو یہ سچ ہے؟ تالیہ مراد آج ڈنر ہمارے ساتھ کرے گی؟" اشعر گیند کو دیکھتے ہوئے بولا تو سکندر نے اسے گھورا۔

"ڈیڈ کو نظر کیوں نہیں آ رہا؟"

''کیونکہ وہ ان کا بلائنڈ سپاٹ ہے۔تم اسے نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں۔''اس نے گیند رکھی اور سنجیدہ آواز میں اسے سمجھانے لگا۔''تمہارے ڈیڈ زندگی کے اس حصے میں بہت اکیلے ہیں۔ان کو تالیہ کی صورت میں ایک لائف پارٹنر مل رہا ہے۔اور اس میں کوئی برائی نہ ہوتی اگر وہ کاکا کا قتل نہ کر چکی ہوتی۔''

''آپ سارا وقت مجھے ہی بولتے رہتے ہیں۔ڈیڈ کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟''وہ زچ ہو کے بولا۔اشعر نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔

''تمہارے ڈیڈ سمجھانے کی حدود سے نکل گئے ہیں۔یہ لڑکی خطرناک ہے' سکندر۔یہ تمہارے ڈیڈ کو نقصان پہنچانے کے لیے ان کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔ میں بتا رہا ہوں۔اب تمہیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔''وہ افسوس سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔''ورنہ تم ہر دوسری شام اس کے ساتھ ایک ہی میز پہ ڈنر کرنے پہ مجبور ہو گے۔''

اشعر چلا گیا اور سکندر دروازے کو گھورتا رہا۔

☆☆==========☆☆

جس وقت داتن اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی' لونگ روم کی کھڑکیوں کے باہر شام اترتی دکھائی دے رہی تھی۔بجلی وقفے وقفے سے چمک رہی تھی۔دروازے کا کمبنیشن کوڈ اسے معلوم تھا۔تالیہ نے پہلے سے بتا رکھا تھا۔وہ اندر آئی۔اپنا بیگ صوفے پہ ڈالا۔تالیہ کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔پھر دیکھا.... بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا۔

''تالیہ....تال...''وہ جو مگن سی اسے پکارتی اندر آ رہی تھی....چوکھٹ پہ ٹھٹک کے رک گئی۔

تالیہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تھی۔مرر کی سفید وینٹی لائٹس روشن تھیں۔ان کی تیز روشنی میں وہ کوئی سفید مورت لگ رہی تھی۔وہ بالوں کے جوڑے میں پنیں لگا رہی تھی۔آواز پہ پلٹی۔اسے دیکھ کے داتن متحیر رہ گئی۔

وہ سفید اور سلور انڈین ساڑھی میں ملبوس تھی۔ساڑھی کے آستین کلائیوں سے ذرا پیچھے تک آتے تھے۔بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنائے...چھوٹی گھنگریالی لٹیں گالوں پہ گرائے...وہ گہرا کاجل لگائے تیار تھی۔گردن میں ہیروں کا نازک نیکلیس پہن رکھا تھا اور کانوں میں سرخ یاقوت جڑے بندے تھے۔داتن کو دیکھ کو وہ اداسی سے مسکرائی۔

''تم...کتنی حسین لگ رہی ہو' تالیہ۔''

''پتلی ہو کے تم بھی اچھی لگتی ہو۔''وہ مسکرا کے آئینے کی طرف مڑ گئی۔پھر برش پہ ذرا سا پاؤڈر اٹھایا اور گال کی اونچی ہڈی پہ پھیرنے لگی۔

''تم فاتح کے گھر جا رہی ہو؟''داتن آہستہ سے اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔

''ہوں۔تم نے میشا کو چیک کیا؟''

''ہاں۔'' داتن کی آواز میں مایوسی تھی۔''سوری تالیہ لیکن اس کے بارے میں کوئی قابل گرفت بات نہیں معلوم ہوئی۔وہ وہی ہے جو وہ خود کو کہہ رہی ہے۔ایک سنگل مدر۔ایک فوٹو گرافر اور ٹیچر۔لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔''

''تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہوگا۔اس کے فنانشلز.....اس کا شناختی کارڈ.....'' تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سب چیک کیا ہے۔سب صاف ہے۔وہ ایک سادہ اور بے گناہ عورت ہے۔وہ کوئی کون وومن نہیں ہے۔''

''اونہوں۔'' تالیہ اس کی طرف گھومی اور سنجیدگی سے بولی۔''وہ بہت ہوشیار ہے۔دوبارہ چیک کرو۔کچھ مل جائے گا۔''

داتن نے ملال سے اسے دیکھا اور گہری سانس بھر کے رہ گئی۔تالیہ نے پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

''تالیہ.....تمہارے پاس میشا کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔کیا فاتح تمہارا یقین کرے گا؟''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔وہ باہر نکل گئی۔شاید اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

''دھیان سے جانا تالیہ۔آج موسم خراب ہے۔'' مگر تالیہ نے نہیں سنا تھا۔وہ سننے کی حدود سے باہر تھی۔

وان فاتح کی رہائشگاہ سری پردھانہ جیسی نہ تھی۔بس ایک بڑا سا بنگلہ تھا جس کے چاروں اطراف وسیع و عریض لان بنا تھا۔فرنٹ پہ ایک نیلا تالا بھی تھا جس کے ساتھ اس وقت ایک کرسی رکھی تھی اور وان فاتح اس پہ بیٹھا تھا۔وہ سفید شرٹ کے آستین پیچھے موڑے ٹیک لگائے بیٹھا سیاہ آسمان کو دیکھ رہا تھا جب کار اندر داخل ہوئی۔وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ سیدھی اس کی طرف آئی تھی۔تھوڑی سی نروس۔تھوڑی سی خوش۔وہ ملی جلی کیفیت کا شکار لگتی تھی۔سفید ساڑھی میں ملبوس وہ اس سیاہ رات میں دمک رہی تھی۔

وہ چند قدم آگے بڑھا۔چند قدم وہ قریب آئی۔یہاں تک کہ دونوں سوئمنگ پول کے کنارے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرکے۔

''خوش آمدید۔مجھے خوشی ہے کہ تم آگئیں۔'' وہ اسے دیکھ کے گہری سانس لے کر بولا۔تالیہ نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ کو شک تھا میرے آنے پہ؟''

''شک نہیں تھا۔ڈر تھا۔''

''لیکن آپ نے ہی کہا تھا کہ کچھ لوگوں کو اَن لوکرنا آسان نہیں ہوتا۔'' وہ مسکرائی۔اس کے گال پہ ننھا سا گڑھا بنا۔اس کے کانوں کے سرخ یاقوت چمکے۔تالاب کی سطح پہ پڑتی روشنی تالیہ کے چہرے سے ٹکرا کے اسے مزید روشن بنا رہی تھی۔

''ویسے ریکارڈ کے لیے.... کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کن لوگوں کی بات کر رہے تھے آپ؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔''میں تمہاری بات کر رہا تھا۔ تالیہ مراد کی۔ جسے اَن لوکرنا آسان ہے نہ بھلانا۔''

اسے محسوس ہوا کہ اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی ہیں لیکن بظاہر وہ مسکراتی رہی۔ وسط لان کے وہ دونوں چمکتے ہوئے پول کے کنارے کھڑے تھے۔ آسمان کے تاروں اور پول کے پانی سے بالکل بے نیاز۔

''کیا آپ واقعی مجھے بھول نہیں پائے؟'' اس کی آواز میں نمی در آئی۔ آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔

''تالیہ تمہیں کوئی کیسے بھول سکتا ہے؟ میں تو کبھی نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔''ہم نے اپنی دنیا میں گیارہ دن ایک دوسرے کو جانا تھا۔ پھر ہم چار ماہ کے لیے قدیم ملاکہ چلے گئے تھے۔''

''پھر اپنی دنیا میں ہم چھے ماہ کے لیے واپس آئے۔ اور پھر.... ایک ماہ ہم نے قدیم ملاکہ میں گزارا۔'' اس نے فاتح کا فقرہ مکمل کیا۔

''ہاں۔ اور کل ملاکے کتنا ہوا؟ ایک برس بھی نہیں۔'' اس نے انگلیوں پہ گنا۔''میں تمہاری زندگی میں ایک برس رہا تھا شاید۔ تم میری زندگی میں اس کے بعد بھی چھے برس تک رہی ہو۔ میں نے ایک لمبا عرصہ تالیہ مراد کی یاد میں گزارا ہے۔ میں تمہیں کئی دفعہ کھو چکا ہوں۔ اب کی بار میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔'' وہ ٹھہرا۔ تالیہ کا سانس رک گیا۔''کیا ہم پھر سے شروع کر سکتے ہیں؟''

''غلام اور شہزادی کی حیثیت سے؟ یا سلطان ساز اور راجہ کی بیٹی بن کے؟ یا پھر... باس اور ان کی باڈی وومن؟'' وہ بظاہر مسکرا کے بولی البتہ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کا چہرہ دہکنے لگا تھا۔

''نہیں۔ ایک فیملی بن کے۔'' وہ اپنائیت سے بولا۔''تم میری فیملی ہو تالیہ۔ ہاں ٹھیک ہے.... وہ رشتہ ہم نے مجبوری میں جوڑا تھا۔ چھے برس گزر چکے ہیں۔ تمہارے اوپر کیس چل رہا ہے اور میں پردھان منتری ہوں لیکن....'' اس نے گہری سانس لی۔''ہماری کہانی ان چیزوں سے بالاتر رہی ہے۔ ہم نے زمانوں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ تم نہیں تھیں تو الگ بات تھی۔ لیکن اب تم آ گئی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دوبارہ کہیں جاؤ۔''

تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹکنے لگا۔ آنکھوں میں گلابی پن در آیا۔''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ تم کہیں نہ جاؤ۔ یہیں رہو۔ میرے ساتھ۔ میرے گھر کا حصہ بن کے۔ کیا ہم ہر چیز دوبارہ سے شروع کر سکتے ہیں؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ڈر سا تھا۔ اور وہ یہ محسوس کر سکتی تھی۔

''مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ.... آپ کو کسی چیز کا ڈر ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''مجھے چھ برس اس بات کا خوف رہا ہے کہ تم کہیں چھپ گئی ہو اور ایک دن اچانک سے مجھے ڈاک میں ڈائیووورس پیپرز بھجوا دو گی۔ اور مجھے تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہیں سائن کرنا پڑے گا۔ اور میں تمہیں ایک دفعہ پھر کھو دوں گا۔'' اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔ اپنائیت تھی۔ وہ ایک دم پرسکون سی ہو کے ہنس دی۔ اس کے سارے واہمے' سارے خدشات جیسے دور بھاگ گئے۔

''میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔''

''یعنی تم میری زندگی کا حصہ بننے کے لیے تیار ہو؟''

تالیہ جواب میں کچھ کہنے لگی لیکن پھر فاتح کے عقب میں اس نے دیکھا.... پول کے دوسرے کنارے پہ ایک ہرن کھڑا تھا۔ رات کی تاریکی میں اس کی سفید جلد چمک رہی تھی۔ وہ اپنی سبز آنکھوں سے تالیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تالیہ؟''

''ہوں؟'' وہ چونکی۔ پھر مسکرا دی۔ ''میں آپ کو اپنا جواب ڈنر کے اختتام پہ بتا دوں گی۔''

''اوکے۔'' فاتح مسکرا دیا۔ آؤ.... میں تمہیں اپنے بچوں سے ملواتا ہوں۔'' تالیہ نے اس طرف نظریں موڑیں۔ اب وہ ہرن وہاں نہیں تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور فاتح کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

سیاہ آسمان اپنے پروں پہ ستارے پھیلائے ان کو خاموشی سے اوپر سے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب بنگلے کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ وہ آپس میں کچھ کہہ بھی رہے تھے۔ کسی بات پہ فاتح ہلکا سا ہنسا بھی تھا۔

سکندر نے کھڑکی سے یہ منظر ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اس کی رنگت سیاہ پڑ رہی تھی اور ماتھے پہ بل تھے۔

☆☆==========☆☆

ایڈم بن محمد کا اسٹڈی روم شام ہوتے ہی سفید روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ کھڑکی کے شیشوں سے باہر پھیلتا جامنی اندھیرا دکھائی اور گرجتے بادل سنائی دے رہے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کھلے لیپ ٹاپس' فونز اور فائلیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔

احمد نظام ایک لمبی گفتگو کے بعد اب کھڑے ہو رہے تھے۔ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے انہوں نے اپنے ساتھ اٹھتے تھکے تھکے سے ایڈم سے پوچھا۔

''کیا وان فاتح نہیں جانتے کہ یہ شخص کہاں رہتا ہے جو مسز عصرہ کے ساتھ جیولرز پہ گیا تھا؟''

''نہیں۔ انہوں نے میری ای میل کے جواب میں بس اتنا بتایا ہے کہ وہ ایک زمانے میں عصرہ کے والد کا ملازم تھا۔ اس کا

نام سرمد ہے۔اس کو کئی دفعہ انہوں نے اپنے گھر آتے دیکھا لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔عصرہ کی موت کے بعد وہ کبھی نہیں آیا۔''

''میں نے چند لوگوں کو کہہ رکھا ہے۔اگر وہ آدمی ملک سے فرار نہ ہو گیا ہو تو جلد ہمارے سامنے ہو گا۔تالیہ مراد کی بے گناہی صرف وہی ثابت کر سکتا ہے۔'' وہ امید سے کہہ رہے تھے۔ایڈم اداسی سے مسکرا دیا اور کندھے اچکا دیے۔وہ اپنے تئیں سب کچھ کر چکے تھے۔

وہ رخصت ہو گئے تو وہ دروازہ بند کر کے لونگ روم میں آیا۔

اس کا اپارٹمنٹ بالکل خاموش تھا۔دیواریں' فرنیچر' ٹی وی کی بجھی اسکرین....وہ جب بھی اکیلا ہوتا یوں لگتا یہ ساری چیزیں تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے فرصت سے اسے دیکھ رہی ہیں۔اس پہ طنز کر رہی ہیں۔

وہ صوفے پہ بیٹھا اور پیر میز پہ رکھ لیے۔پھر گردن پیچھے ٹکا کے خاموشی سے چھت کو دیکھنے لگا۔

تالیہ کے بعد اس نے کبھی دوست نہیں بنائے تھے۔دوست قسمت سے ملتے ہیں۔جس کو نہیں ملتے' اس کو نہیں ملتے۔ دوست سے قریب قریب کوئی رشتہ مل بھی جائے' تو بھی وہ دوست نہیں ہوتا۔

اس وقت اسے ایک دوست کی ضرورت تھی۔اور اس ساری دولت' شہرت اور عزت کے باوجود ایڈم بن محمد جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی دوست نہیں تھا جس سے وہ دل کی بات کہہ سکے۔جو اسے جج نہ کرے۔جس کے ساتھ وہ خود کو آرام دہ محسوس کرے۔

گھنٹی بجی تو اس نے گہری سانس لی اور اٹھ کے دروازے تک آیا۔انٹر کام اسکرین کو دیکھنے کی زحمت بھی محسوس نہ کی۔وہ جانتا تھا احمد نظام واپس آئے ہوں گے۔یقیناً وہ کچھ بھول گئے تھے۔

اس نے دروازہ کھولا اور....پھر وہ اگلا سانس لینا بھول گیا۔

پہلے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔پھر بے یقینی سے آنکھیں پھیلیں۔

''داتن؟'' اس کے ہونٹوں سے بے آواز نکلا۔

''کیسے ہو' رائٹر؟'' لیانہ صابری مسکرائی۔وہ ویسی ہی تھی۔وہی بال۔وہی مسکراتا چہرہ۔وہی بے نیاز انداز۔اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ بالکل ویسی نہیں تھی۔

''آپ....کیسے؟؟ اتنے عرصے بعد؟'' ششدر سے ایڈم نے چوکھٹ چھوڑ دی۔وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔وہ اسے روک بھی نہ سکا۔وہ اتنا شل تھا۔

''میں نے سوچا تمہاری یادداشت واپس آجائے' پھر آؤں گی۔'' وہ طنزیہ کہتے ہوئے صوفے پہ بیٹھی۔ وہ متحیر سا اس کے پیچھے چلا آیا۔

''میری یادداشت.....'' لمحے بھر کو اسے بھول ہی گیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ ''وہ تو بس....''

''ہاں ہاں.....وہ تو بس اپنے دوستوں کو خود سے دور رکھنے کا بہانہ تھا۔ اگر تم نے وہ سب نہ کیا ہوتا تو میں بہت پہلے آجاتی۔ گھر اچھا ہے تمہارا۔ کتنا کما لیتے ہو؟'' اب وہ گردن موڑ موڑ کے اس کے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔ وزن کم ہوا تھا۔ عادتیں نہیں بدلی تھیں۔ ایڈم ایک دم ہنس دیا۔

''جیسے آپ اب تک میرے بینک اکاؤنٹس کو کنگھال نہیں چکی ہوں گی۔''

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ ''تاکہ مجھے بھی معلوم ہو کہ میرے دوست کتنے دولت مند ہیں۔''

''آپ میری دولت کی لالچ میں یہاں نہیں آئیں' داتن۔ آپ میرے لیے آئی ہیں۔'' وہ مسکرا کے اس کے سامنے بیٹھا۔

''اور میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس وقت میں کتنا خوش ہوں۔ کچھ دیر پہلے میں سوچ رہا تھا کہ میں خود میں کتنا اکیلا ہوں۔ لیکن نہیں۔ اچھا ہوا جو اتنے سال میں نے جھوٹے دوست نہیں بنائے۔ انسان کے دوست کم ہوں تو بھی وہ ایک نعمت ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کھوٹے لوگوں سے محفوظ رکھا ہوتا ہے۔''

وہ اتنی صاف گوئی سے کہہ رہا تھا کہ داتن نے ابرو اچکا کے اسے دیکھا۔

''تم نے سچ بولنا نہیں چھوڑا' ایڈم بن محمد۔ میں سمجھی تھی اب تک اس دنیا سے کچھ سیکھ چکے ہو گے۔''

اور ایڈم بے اختیار ہنس دیا۔ ایک عرصے بعد اس کے سامنے کوئی آیا تھا جس کے لیے وہ ایک سلیبریٹی نہیں تھا۔ تالیہ کی بات اور تھی۔ لیکن داتن...داتن کے لیے وہ برابر کا ایک دوست تھا۔

☆☆=========☆☆

سکندر ان دونوں کو آتے دیکھ کے اندر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ملازم اسے بلانے آیا تو وہ تیوریاں چڑھائے باہر آیا۔

تالیہ اس وقت لاؤنج کے ایک سنگل صوفے پہ بیٹھی تھی۔ دوسرے پہ فاتح بیٹھا تھا۔ وہ مسکرا کے اس کے سامنے بیٹھی جولیانہ کو تالیہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جن دنوں وہ وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تھی اور کس طرح وہ ہر کرائسسز میں کوئی نہ کوئی حل نکال لیتی تھی۔ جولیانہ مسکرا کے سن رہی تھی۔ اس کے انداز سے تالیہ کا اعتماد بڑھا تھا۔ اور تب اس نے سکندر کو آتے دیکھا۔ اس

نے مسکرا کے سر کے خم سے سکندر کو گڈ ایوننگ بولا۔ وہ بظاہر ایک اٹھارہ انیس برس کا لڑکا تھا لیکن اس کے ماتھے کے بل اتنے پکے تھے کہ تالیہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ اس نے فوراً فاتح کو دیکھا۔ فاتح نے سکندر کے انداز کو دیکھ لیا تھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ وہ بہت وقار سے اس کو نظر انداز کر گیا تھا۔

لاؤنج میں ایک دم تناؤ کی سی کیفیت در آئی۔ ایسے میں جولیانہ نے فضا کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ ہمارے گھر آئیں۔ مجھے تھوڑا تھوڑا آپ کا ہمارے گھر میں آنا یاد ہے۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھی' ہاتھ باہم ملائے قدرے شرما کے بولی۔

''مجھے بھی یاد ہے۔'' سکندر سرد سا بولا۔ ''بالخصوص جب آپ ماما کے انتقال والے دن آئی تھیں۔ شور کی آواز سارے گھر نے سنی تھی۔''

تالیہ کی رنگت زرد ہوئی۔ اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پہ شکن در آئی تھی۔ مگر سکندر اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔

''ویسے آپ اتنے سال کہاں تھیں؟'' لہجہ بالکل ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔

''میں جہاں تھی' اپنی مرضی سے نہیں تھی۔'' وہ مدھم سا مسکرا کے بولی۔ اس عورت میں ایک مقناطیسی قوت تھی۔ وہ دیکھتی تھی تو سامنے والا خود بخود سب بھول کے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ لیکن سکندر کی آنکھوں کی چبھن غائب نہیں ہوئی۔

''میں نے سنا ہے آپ نے میری ماما کے سارے نوادرات بیچ دیے ہیں۔''

''ہاں۔ وہ اب مجھ سے بہتر کلیکٹرز کی ملکیت ہیں۔ میں ان کی حفاظت ویسے نہیں کر سکتی جیسے وہ کریں گے۔''

ماحول کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ فاتح خاموشی سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی منتظر تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو ٹوکے گا لیکن اس نے مداخلت نہیں کی۔

''بہت مہنگے بکے ہوں گے وہ۔'' سکندر کا انداز عجیب تھا۔

''بہت۔'' اس کی مسکراہٹ اب بالکل غائب ہو چکی تھی۔

''آپ خوش ہوں گی۔''

''میں کورٹ میں ایک کیس کا سامنا کر رہی ہوں۔ ابھی خوشی منانے کا وقت نہیں ملا۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔ وہ جس طرح صوفے کے کنارے بیٹھی تھی' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کر رہی ہے۔

''معلوم نہیں آپ کی کب اس سے جان چھوٹے گی۔'' سکندر کے کچھ بولنے سے پہلے جولیانہ تیزی سے بولی۔ گویا تناؤ کم

کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

''چھوٹ جائے گی۔'' فاتح نے اسی اطمینان سے کہا۔ ''ویسے بھی تالیہ ہمت نہیں ہارا کرتی۔''

تالیہ پھیکا سا مسکرا دی۔ اس کی شام بدمزہ ہو چکی تھی۔

''میں نے تالیہ کو اس لیے انوائیٹ کیا ہے کیونکہ....'' فاتح اسی نرم مگر سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''تالیہ ہمارے لیے فیملی ہے۔ اور میں تالیہ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس گھر میں اس کے لیے جگہ ہمیشہ رہے گی۔''

سکندر نے محض کندھے اچکا دیے۔ جولیانہ نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں آتی ہوں۔''

ان کو وہیں چھوڑ کے جولیانہ وہاں سے نکلی اور راہداری کی طرف چلی آئی۔ ایک کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا تو میشا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ بالوں کو ہیئر بینڈ میں باندھتے ہوئے مسکرا کے بولی۔ ''آؤ جولی۔''

''امی سو گئی؟'' جولی نے پیچھے سے کمرے میں جھانکا۔ میشا نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ ''ہاں۔ کیوں؟ کوئی کام تھا؟''

''آپ باہر آ جائیں نا۔ تالیہ آئی ہے۔'' پھر وہ ہچکچائی۔ ''مجھے تالیہ کے آنے پہ کیسا فیل کرنا چاہیے؟''

''مطلب؟''

''مجھے لگتا ہے تالیہ اور ڈیڈ شادی کرنے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کے والد سنگل ہوں اور آپ کو کسی لڑکی سے ملوائیں تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے نا۔''

''کیا تم خوش ہو؟'' میشا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جولیانہ نے اس کے ہاتھ تھامے اور الجھن سے پوچھا۔

''کیا مجھے خوش ہونا چاہیے؟''

''ہاں' جولی۔ تمہیں ایک اچھی لڑکی کی طرح نہ صرف خوش ہونا چاہیے بلکہ ان کو سپورٹ کرنا چاہیے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''دیکھو میں ایک سنگل پیرنٹ ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ سنگل پیرنٹ ہونا کیسا ہوتا ہے۔ تمہاری ماما کی ڈیتھ کو بھی اتنے سال ہو گئے ہیں۔ تمہیں ان کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔''

''ہاں۔ مجھے خوش ہونا چاہیے۔ ویسی بھی مجھے تالیہ اچھی لگتی ہے۔'' جولیانہ کھل کے مسکرا دی۔ ''اور اگر ڈیڈ اس کے ساتھ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔''

اس کے پیچھے لاؤنج میں تناؤ کی کیفیت ویسے ہی برقرار تھی۔ پھر سکندر نے ایک دفعہ پھر سامنے بیٹھی تالیہ کو مخاطب کیا۔ فاتح نے بات کا آغاز پھر سے کرنا چاہا تو سکندر نے اچانک سے بات کاٹی۔

''ویسے آپ اس سے پہلے کیا کرتی تھیں؟''

''سکندر۔'' وان فاتح کا ضبط اب جواب دے گیا تھا۔ اس نے برہمی سے اسے تنبیہہ کی۔

''میں نے صرف ان کی جاب پوچھی ہے۔'' وہ شانے اچکا کے بولا۔

تالیہ مسکرائی۔ اب کے یہ مسکراہٹ مصنوعی نہیں تھی۔ تلخ تھی۔

''وہی کرتی تھی جس کے بارے میں اشعر نے تمہیں بتایا ہوگا۔ اور یقیناً بہت کچھ بتایا ہوگا۔''

اب کے فاتح نے قدرے تعجب بھری ناراضی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''تالیہ! کیا ہم کسی اور موضوع پہ بات نہیں کر سکتے؟''

''مگر مجھے لگ رہا ہے کہ سکندر کو مجھ سے بہت سے سوال پوچھنے ہیں۔ آپ اسے پوچھنے دیں۔'' اس کا لہجہ اب کے زخمی تھا۔

سکندر نے ایک ناراض نگاہ باپ پہ ڈالی' پھر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اٹھا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ کے گھر میں میرے لیے جگہ ہے۔'' کچھ دیر پہلے کی چمکیلی رات کا فسوں اب تک غائب ہو چکا تھا۔

''میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میری زندگی میں تمہاری جگہ کا تعین میں نے کرنا ہے۔ میرے بچوں نے نہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے کسی دوسرے کے مطابق نہیں بدلنے ہوتے۔ دوسروں کو ان فیصلوں کے مطابق خود کو تبدیل کرنا ہوتا ہے۔''

وہ کچھ کہنے لگی لیکن خاموش ہونا پڑا۔ راہداری سے میشا اور جولیانہ چلتی آ رہی تھیں۔

''ہے تالیہ.... آپ کو یہاں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی۔'' میشا گرمجوشی سے اس کے قریب آئی۔

تالیہ نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا اور محض سر کے خم سے سلام کہہ دیا۔ وہ جو تیزی سے آگے آ رہی تھی کہ تالیہ سے مصافحہ کرے' خفیف سی ہو کے وہیں رک گئی۔ پھر سر جھکا کے سلام کہا۔

''بیٹھیے میشا۔'' فاتح نے بغور اس کے انداز کو دیکھا اور پھر میشا کی خفت دور کرنے کو کہا۔ ''تالیہ.... یہ میشا ہیں۔ جولیانہ کی ٹیچر۔ اور ہمارے لیے فیملی کی طرح ہیں۔''

''جی۔ میں ان کو جانتی ہوں۔'' تالیہ کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ در آئی۔ (فیملی کی طرح؟ واہ اتنا آسان ہے کسی کو فیملی بنا لینا؟)

''جی۔ ہم نمائش پہ ملے تھے۔'' میشا سامنے والے صوفے پہ بیٹھی اور مسکرا کے کہنے لگی۔ وہ اخروٹی بالوں کو پونی میں باندھے ہوئے تھی۔ گلابی باجو کرنگ پہنے' سر پہ اسٹول اوڑھے وہ سادہ سے حلیے میں بھی کافی دلکش لگ رہی تھی۔

''آپ یہاں رہ رہی ہیں' مسز میشا؟'' تالیہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جولیانہ بغور تالیہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ میشا کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

''جی۔ کچھ دن کے لیے۔'' اس کی گہری چبھتی نظروں کے جواب میں میشا کی نظروں میں صرف اپنائیت اور سادگی تھی۔

(یہ سب ایک ناٹک ہے!) اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور فاتح کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا آپ کا سیکیورٹی پروٹوکول آپ کو خونی رشتے داروں کے سوا کسی اور کو یوں گھر میں ٹھہرانے کی اجازت دیتا ہے؟''

''یہ فیصلہ گھر کے سربراہ کو کرنا ہوتا ہے' تالیہ۔ سیکیورٹی آفیسر کو نہیں۔'' اب کے وہ تنبیہ کرنے والے انداز میں بولا۔ اسے جیسے تالیہ کے رویے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

میشا کی خفت میں اضافہ ہونے لگا۔

''آپ لوگ بیٹھیں۔ میں بس سونے جا رہی تھی۔'' وہ اٹھنے لگی تو جولیانہ نے روک دیا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟ ڈیڈ نے کہا تھا سب کھانا اکٹھا کھائیں گے۔''

میشا متذبذب سی واپس بیٹھی۔ پھر سفید ساڑھی والی لڑکی کو دیکھا جو اسے یوں گھور رہی تھی جیسے اس کے اندر تک اتر جائے گی۔

''جی مسز میشا.... آپ بیٹھیے۔'' تالیہ انہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ویسے بھی مجھے آپ سے آپ کی فوٹوگرافز کے بارے میں ایک بات پوچھنی تھی۔'' ساتھ ہی وہ ذرا سا مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ سے ماحول کا تناؤ قدرے کم ہوا۔

فاتح کے ماتھے کی شکنیں بھی ڈھیلی ہوئیں۔ میشا کا چہرہ کھل اٹھا۔

''اوہ رئیلی.... آپ کو میرا کام کیسا لگا؟''

''بہت اچھا۔ کتنے عرصے میں یہ فوٹوگرافز کھینچی تھیں آپ نے؟''

''قریباً چھے ماہ میں۔'' وہ خوش دلی سے بتانے لگی۔ ''مجھے گھوڑے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں جہاں کوئی گھوڑا دیکھتی اس کی تصویر کھینچ لیتی۔''

''انٹرسٹنگ۔ ویسے آپ نے کبھی گھوڑے پالے ہیں؟''

میشا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔''

''میں نے پالے ہیں۔'' وہ نظریں میشا سے ہٹائے بغیر بولی۔ ''اور جو گھوڑے نہیں پالتا اس کو لگتا ہے کہ سارے گھوڑے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جیسے دوسری قوموں کے لوگ ہمیں ایک جیسے لگتے ہیں۔ سارے چائنیز' سارے افریقی ایک سی شکلوں

والے لگتے ہیں لیکن ان میں رہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کی شکل مختلف ہے۔ایسے ہی ہر گھوڑے کا چہرہ اور جسم مختلف ہوتا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی شکلیں یاد رہتی ہیں۔''

''اچھا۔گڈ۔''میشا کو جیسے اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔تالیہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

''یو نو...میں ویسے ہی ایک سنگاپورین فوٹوگرافر پیٹر ہوانگ کا کام دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ گھوڑوں کی تصاویر لیتا ہے۔آپ کی اور اس کی تصاویر میں صرف پس منظر کا فرق تھا۔گھوڑے ایک سے تھے۔ان کے کھڑے ہونے کا انداز تک ایک ہی تھا۔''

''آپ کہہ رہی ہیں کہ میں دوسرے فوٹوگرافرز کا کام چراتی ہوں۔''میشا افسوس سے بولی۔اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے سیاہ اور سفید دونوں گھوڑوں کی پہچان ہے۔''

''تالیہ۔''فاتح نے تعجب سے تنبیہہ کی۔وہ کسی اور مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے تھے مگر گفتگو غلط سمت جا رہی تھی۔

''ایک ہی گھوڑے کی تصویر دو لوگ بھی لے سکتے ہیں۔''جولیانہ ناگواری سے بولی۔وہ شام بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

تالیہ کچھ کہنے لگی کہ میشا سنجیدگی سے بولی۔

''پیٹر کے گھوڑے کا نام رزالی ہے۔اور پیٹر میرا اچھا دوست اور استاد رہا ہے۔''میشا نے فون پہ بٹن دبائے۔اور ایک تصویر نکال کے اس کے سامنے کی۔''یہ پیٹر کھڑا ہے میرے ساتھ اس کی نمائش پہ۔وہ مجھے گائیڈ کرتا رہتا ہے۔آپ اس سے بھی پوچھ سکتی ہیں۔میں نے صرف اس کے گھوڑے کی تصاویر بنائی ہیں۔اس کا کام نہیں چرایا۔''وہ سنجیدگی سے وضاحت دے رہی تھی۔فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔تالیہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔اس نے محض شانے اچکائے۔

''آپ نے اپنا ہوم ورک کر رکھا ہے۔میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''چے تالیہ....آپ شاید مجھے پسند نہیں کرتیں۔''میشا ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔''یا آپ کو میری طرف سے کوئی غلط فہمی ہے شاید۔مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کی شام تلخ ہو رہی ہے۔میں اب سونے جاتی ہوں۔''وہ اٹھتے ہوئے بولی۔''مجھے ویسے بھی یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔میں صبح یہاں سے اپنی بیٹی کے ساتھ موو کر جاؤں گی۔آپ اپنا دل میری طرف سے صاف کر لیں کیونکہ اللہ شاہد ہے....میں نے ہمیشہ آپ کی حمایت کی ہے۔'' وہ باوقار انداز میں اپنی صفائی دیتے ہوئے سب کو شب بخیر کہہ کے مڑ گئی۔

''میری حمایت؟'' تالیہ نے ابرو اٹھایا۔اسکے تاثرات ویسے ہی تھے۔میشا گہری سانس لے کر پلٹی جیسے اب اس کے تفتیشی انداز سے تنگ آ گئی ہو لیکن مہمان ہونے کی وجہ سے لحاظ کر رہی ہو۔

''آپ جولیانہ سے پوچھ سکتی ہیں۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ جولیانہ عدالت میں آپ کے حق میں گواہی دے؟''

فاتح نے بے اختیار پیشانی کو چھوا۔ ہر شے جیسے تلپٹ ہو کے رہ گئی تھی۔

''عدالت؟'' تالیہ نے چونک کے فاتح کو دیکھا۔

''مسز میشا.... آپ ریسٹ کریں۔ میں ہینڈل کرلوں گا۔'' فاتح کے کہنے پہ میشا سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگئی لیکن تالیہ مراد اپنی نشست پہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی تھی' فاتح؟''

جولیانہ نے ایک ناراض نظر تالیہ پہ ڈالی اور اٹھ کے میشا کے پیچھے چلی گئی۔

''تالیہ کیا میں تم سے اکیلے میں بات کرسکتا ہوں؟'' وہ جواب تک خاموشی سے ضبط کررہا تھا' اٹھتے ہوئے بولا اور اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کے دروازے کی جھری سے سکندر نے ان دونوں کے بگڑے تاثرات کے ساتھ اسٹڈی کی طرف جاتے دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

''ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟'' وہ دونوں اسٹڈی میں آئے تو تالیہ برہمی سے بولی۔ وہ اس کی طرف گھوما اور اس سے زیادہ تلخی سے بولا۔

''یہ کس طرح کا سلوک تھا تالیہ؟ میں تمہیں اپنی فیملی کا حصہ بنانا چاہتا ہوں اور تم....''

''مجھے آپ کی فیملی کا حصہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ لیکن آپ کو بچانے کی ایک کوشش کرنا چاہتی تھی۔ یہ عورت....'' اس نے ہاتھ سے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ عورت فراڈ ہے۔ کون وومن ہے۔ آپ کو دعویٰ تھا کہ آپ اپنے گھر میں داخل ہونے والی عورتوں کی نیت سمجھ جاتے ہیں۔ آپ کی وہ حس اب بے کار ہوتی جارہی ہے۔''

''یا اللہ.... اس بے چاری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' اس نے ماتھے کو چھوا۔ ''ہم اس کو دو سال سے جانتے ہیں۔ وہ کوئی فراڈ نہیں ہے۔ وہ میری بیٹی کی ٹیوٹر ہے۔ برے وقت میں اس نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔''

''وہ ایک بہروپیہ ہے اور آپ کو نقصان دینے کے لیے آپ کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔''

''اس کی سیکیورٹی کلیرنس بہت دفعہ ہوچکی ہے۔ ایسی کوئی بات ہوتی تو سامنے آجاتی۔''

بجلی زور کی کڑکی۔ ایسے جیسے دور کہیں کسی کے دل پہ گری ہو۔

''یعنی میری بات پہ آپ کو یقین نہیں ہے؟''

''تم یہ بات کس بنیاد پہ کہہ رہی ہو؟'' وہ اب کے گہری سانس لے کر بولا۔ ''اگر یہ عورت واقعی فراڈ ہے تو اس کی پوری

تفتیش کی جائے گی۔ مجھے کوئی ٹھوس وجہ دو ورنہ میں کیسے ایک مظلوم عورت کو مشکوک قرار دے کر سیکیورٹی ایجنسیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں؟"

"مطلب وہی نا۔ تالیہ کے قول پہ آپ کو یقین نہیں ہے۔" وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ وہ دونوں اسٹڈی کے وسط میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دونوں کے چہرے تلخ تاثرات کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ کھڑکی کے شیشے پہ بارش کے قطرے ایک دم تڑتڑاتے ہوئے گرنے لگے۔

"تمہیں کیوں لگا کہ وہ کوئی فراڈ ہے؟"

"کیونکہ اسے ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔ تالیہ مراد کے سانچے پہ تراش کے تاکہ اسے آپ کی زندگی میں داخل کر سکے۔"

"کیا تم نے ذوالکفلی سے اس بارے میں پوچھا ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اور ظاہر ہے اس نے انکار کر دیا.... لیکن میں جانتی ہوں یہ اسی کا کام ہے۔"

فاتح نے ملال سے سر جھٹکا۔ کھڑکیوں پہ برستی بوندوں کی آواز تیز ہو گئی تھی۔

"تم چھ سال پہلے والے دور میں جی رہی ہو جب ذوالکفلی ہمارا دشمن تھا۔ تم یہ بات تب کہتی تو میں مان جاتا۔ لیکن اب اس بات کو برسوں گزر چکے ہیں۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔"

تالیہ بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ اس کی چمکیلی شام کو کسی نے جلا کے راکھ کر دیا تھا۔

"آپ کو نہیں ماننا۔ آپ نہ مانیں۔ مگر مجھے بتائیں میشا کیا کہہ رہی تھی۔"

"وہ جولیانہ کی بات کر رہی تھی۔" فاتح نے سر جھٹکا اور میز کے دوسری جانب آیا۔ ایک کھڑکی کھلی تھی۔ اس سے پانی اندر آ رہا تھا۔ "جب وہ کیک آتے تھے تو جولیانہ انہیں دیکھتی تھی۔ ان پہ آئیسنگ نہیں ہوتی تھی۔ یعنی آئیسنگ بعد میں چھڑکی جاتی تھی۔" وہ کھڑکی بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور آپ خاموش رہے؟"

"اس نے مجھے بھی بہت عرصے بعد بتایا تھا۔ اور جولیانہ نفسیاتی طور پہ بہت کمزور ہے۔ وہ کبھی عدالت جا کے گواہی نہیں دے سکتی۔ اور اگر وہ بیان بھی دے تو میڈیا اس کو اتنے برس خاموش رہنے کی بہت بری سزا دے گا۔ وہ خبروں کا مرکز بن جائے گی۔ وہ اس سب کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ وہ میری بیٹی ہے تالیہ اور....."

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ جولیانہ میرے لیے گواہی دے۔ میں اتنی ظالم نہیں ہوں۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ میرے سامنے۔ آپ نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی؟" وہ بے یقین تھی۔

''کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ جب اس نے گواہی ہی نہیں دینی تو اس کا کیا فائدہ ہوتا؟''

تالیہ نے دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ نے تالیہ کو بچانے کی کوشش کب کی ہے؟''

باہر بار بار بجلی چمکتی۔ سارا لان روشن ہو جاتا۔ اور پھر وہی اندھیرا چھا جاتا۔ روشنی کی زندگی بہت کم تھی۔

''اوہ.... تم واقعی ایسا سمجھتی ہو؟'' فاتح کو اس کی بات سے جیسے دھکا سا لگا۔ ''جب سلطان نے اس ننھے بچے کو مارا تھا تو کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میں تمہیں بچاؤں؟ کیا میں نے تمہارے لیے چابی حاصل نہیں کی تھی؟''

''آپ نے وہ سب اپنے لیے کیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ نے یان سوفو سے کیا سودا کیا تھا۔''

فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ پہ بھروسہ ہونا چاہیے تھا۔''

''کیا آپ کو مجھ پہ بھروسہ ہے؟ نہیں۔ آپ ہمیشہ میرے علم میں لائے بغیر فیصلے کر لیتے ہیں فاتح۔ میرے باپ سے سودا کرنا ہو یا یان سوفو سے.... آپ مجھے بتانا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ آپ فیصلہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا اس کے مطابق خود کو بدلے۔ یان سوفو ٹھیک کہتی تھی۔ آپ خود غرض ہیں۔''

''کیا صرف میں ہوں جو ہر بات نہیں بتاتا؟ جب تم ایڈم کی دوا کے لیے اپنے باپ کے واپس واپس جانا چاہتی تھیں تو کیا تم نے مجھے بتایا تھا؟''

''اس بات سے آپ کا تعلق نہیں تھا۔ جولیانہ والی بات سے میرا تعلق تھا۔ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ لیکن آپ مجھے کبھی نہیں بچائیں گے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔ ''ایک میں کم عقل ہوں جو آپ کو اس عورت سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔''

''تھینک یو۔ میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔ میں دو دفعہ الیکشن جیتا ہوں اور تب میرے ساتھ تم نہیں تھیں۔''

بارش اتنی زور سے برس رہی تھی گویا پانی دیواریں توڑ کے اندر آ گھسے تھا۔

وہ چند لمحے اسے غم اور غصے سے دیکھتی رہی۔ وہ بھی ایسی ہی شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے۔ نہ آپ کو میری ضرورت ہے۔''

''کیونکہ تمہارے لیے میں ہمیشہ ایک ایسا سیاست دان رہوں گا جو تمہاری پیٹھ پیچھے لوگوں سے سودے کر لیتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ باہر برستی بارش کی آواز میں بادلوں کی گرج بھی شامل ہو گئی تھی۔

''جب ایسا ہی کرنا تھا تو مجھے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اچھا کیا۔ مجھے بلا لیا۔ میرے لیے فیصلہ آسان ہو گیا۔'' وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے کہا تھا کہ آج کی شام کے اختتام پہ میں آپ کو اپنا جواب

دے دوں گی۔تو میرا جواب بھی سن لیں۔'' وہ زخمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میری زندگی میں بھی' فاتح' آپ کی اب جگہ نہیں رہی۔ ہمارے درمیان وقت آچکا ہے۔''

یہ کہہ کے وہ اپنی سفید ہیلمٹ پہ الٹی گھومی۔ دروازے کا ہینڈل گھما کے کھولا۔ پھر کچھ سوچ کے گردن موڑی۔

''میں آپ کو ڈائیوورس پیپرز بذریعہ ڈاک نہیں بھیجوں گی۔ خود لے آؤں گی۔ سائن کر دیجیے گا۔''

''تم ایک دفعہ پھر حالات کا سامنا کرنے کی بجائے فرار اختیار کر رہی ہو۔ جیسے تم ہمیشہ کرتی ہو۔'' وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولا۔ تالیہ تیزی سے باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ مگر اس نے ان کو رگڑ دیا۔

باہر سیڑھیوں کے قریب جولیانہ اور سکندر سر جوڑے کھڑے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کی اونچی آوازیں بارش کے شور میں بھی سن لی تھیں۔ تالیہ بیرونی دروازے کی طرف جاتے جاتے ان کے قریب رکی۔

''میں جانتی ہوں کہ تم سمجھتے ہو' میں نے تمہاری ماں کا قتل کیا تھا۔'' سکندر کو دیکھ کے وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔ ''میری طرف سے تم کیا بلکہ سارا ملک بھی یہ سمجھتا رہے تو تالیہ مراد کو فرق نہیں پڑتا۔ فائن بائے می۔''

سکندر لاجواب سا ہو گیا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر کہہ نہیں سکا۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ اسے فرق نہیں پڑتا۔

''اور تم سمجھتی ہو کہ میں کوئی گولڈ ڈگر ہوں۔'' اس نے اب کے سنجیدگی سے جولیانہ کو دیکھا۔ ''جو تمہارے ڈیڈ کی زندگی میں داخل ہو کے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ مگر بے فکر رہو۔ تمہارے ڈیڈ کے پاس ایسا کچھ نہیں ہے جو میرے باپ کے پاس نہیں تھا۔ جانتی ہو میرے بابا کون تھے؟''

جولیانہ جو بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔ نفی میں سر ہلا کے رہ گئی۔

''میرے بابا اپنے ملک کے امیر ترین آدمیوں میں سے ایک تھے۔ اور جب وان فاتح اس اجنبی ملک میں گئے جہاں کوئی ان کو نہیں جانتا تھا تو وہ میرے بابا کے پاس ملازمت کرنے لگے۔'' اس نے انگوٹھی والی انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ ''میرے بابا کے پاس۔ وان فاتح کو اس اجنبی ملک میں شناخت میرے بابا نے دی تھی۔''

''امریکہ میں؟'' جولیانہ سانس روکے' آنکھیں تحیر سے پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اپنے ڈیڈ سے پوچھ لینا۔ وہ اس بات کا انکار نہیں کر سکیں گے۔ میں نے کہا نا' تمہارے گھر میں ایسا کچھ نہیں ہے جو میں زندگی میں پہلے نہیں دیکھ چکی۔'' یہ کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔ اب وہ مزید ایک لمحہ اس گھر میں نہیں رک سکتی تھی جس کے مکینوں کے دل میں اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔ سارے فیصلے آسان ہو گئے تھے۔

''اس نے کہا..... ڈائیوورس پیپرز۔'' جولیانہ ابھی تک ہکا بکا تھی۔ ان دونوں نے اسٹڈی سے آتی لڑائی کا اختتام بہت واضح

سنا تھا۔ ''کیا ڈیڈ اور تالیہ نے شادی کر لی تھی؟''

''ایش نے کہا تھا ایسا کچھ ضرور ہوگا ان کے درمیان۔ لیکن اگر ایسا ہے بھی تو فکر نہ کرو۔ وہ ختم ہونے والا ہے۔'' سکندر نے تسلی آمیز انداز میں گہری سانس لی۔

جولیانہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تالیہ تو چلی گئی تھی لیکن ان کے گھر کا ماحول مکدر ہو چکا تھا۔

باہر بارش اسی طرح تڑاتڑ برسے جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد کے اپارٹمنٹ کی اونچی کھڑکیوں پہ بھی بارش کی بوندیں گر رہی تھیں۔ شہر کے اس حصے میں البتہ ان کی شدت ہلکی تھی۔ بادلوں کی گرج کی آواز بھی نہ آتی تھی۔ یہاں بارش قہر بن کے نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہاں وہ نرم پھوار کی صورت برس رہی تھی اور ایسے میں گرما گرم کافی کی مہک نے ماحول کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔

''مجھے نہیں یاد میں نے آخری دفعہ کس کے لیے کافی بنائی تھی۔'' اوپن کچن سے نکلتے ایڈم کے ہاتھ میں دو گرما گرم مگ تھے اور وہ مسکراتے ہوئے لاؤنج میں آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایک مگ صوفے پہ بیٹھی داتن کو پکڑایا اور خود سامنے بیٹھا۔

''میں تو کافی بنانا بھول چکا تھا۔''

داتن نے ایک گھونٹ بھرا۔ پھر ماتھے پہ شکنیں ڈالیں ''ہاں۔ پتہ چل رہا ہے۔''

ایڈم نے برا منائے بغیر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور مسکرا کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''آپ کے بچے کیسے ہیں؟''

''ان کو پیسے بھیجتی رہتی ہوں۔ اس لیے خوش ہیں مجھ سے۔''

''اتنی تلخ نہ ہوں۔ ہم سب کسی نہ کسی رشتے کے معاملے میں قلاش ہوتے ہیں۔'' وہ ہلکا پھلکا نظر آ رہا تھا۔ پھر سرسری سا پوچھا۔ ''چے تالیہ سے ملیں آپ؟''

''ہاں۔ کل سے اس کے ایک واہمے کی تحقیق میں لگی ہوں۔'' وہ برے منہ کے ساتھ میشا والا قصہ بتانے لگی۔

''میشا کے بارے میں کچھ منفی نہیں ملا؟'' ایڈم حیران ہوا۔ ''لیکن وہ تو کون آرٹسٹ تھی۔ کچھ تو ملنا چاہیے تھا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ واقعی فراڈ ہے؟''

ایڈم سوچ میں پڑ گیا۔ ''مجھے چے تالیہ نے ایسا کہا تو کچھ دیر کے لیے میں بھی ان کی بات مان گیا۔ لیکن.... دو سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔'' پھر وہ چونکا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ چے تالیہ وہی دیکھ رہی ہیں جو وہ دیکھنا چاہتی ہیں؟''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ یہ قبول نہیں کر پا رہی کہ فاتح کو اس کی ضرورت نہیں رہی۔'' پھر اس نے کافی کا گھونٹ

بھرتے ہوئے بغور ایڈم کو دیکھا۔ ''تم بتاؤ... تمہاری زندگی کیسی جا رہی ہے؟''

''دیکھ نہیں رہیں؟ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔ خوش ہوں۔ مزے میں ہوں۔''

داتن نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں بڑے فخر سے کہا کرتی تھی کہ ایڈم بن محمد ہمیشہ سچ بولتا ہے۔''

''آپ کی کبھی اکثر باتیں سچ نہیں نکلتیں۔''

''نہیں بتایا تم نے اس کو؟'' داتن کے سوال نے اسے چپ کرا دیا۔ لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ بارش کی بوندوں کی ہلکی سی آواز بھی خاموش ہو گئی۔ یہ ایڈم کے اندر کا سناٹا تھا جو ایک دم سارے پہ چھا گیا تھا۔

''کوشش کی تھی۔ لیکن پھر ہم کئی سال کے لیے الگ ہو گئے اور اس بارے میں بات نہیں کر سکے۔''

''میں سمجھی تھی اب تک تم اپنے لیے لڑنا سیکھ چکے ہو گے۔ لیکن تم ایڈم.... تم اب بھی خود کو سیکنڈ بیسٹ سمجھتے ہو۔ اسی لیے تم اس کو کچھ نہیں بتا پاتے۔ کب نکلو گے اپنے احساس کمتری سے؟''

''اور اگر میرے بتانے سے وہ بھی ختم ہو گیا جو میرے اور چے تالیہ کے درمیان ہے؟ اگر ہمارے درمیان معاملات اتنے آکورڈ ہو گئے کہ ہم بات کرنے سے بھی رہ گئے تو؟''

''تو چھے سال تک سب ایسا ہی تھا۔ اس کے بغیر مر تو نہیں گئے تم۔ ہٹے کٹے ہو۔ کما رہے ہو۔ کام کر رہے ہو۔'' وہ جل کے بولی۔

''داتن۔'' ایڈم نے تنگ رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ''سچ سچ بتائیں۔ اگر میں ان کو سب بتا دوں.... اور ان سے انتخاب کرنے کے لیے کہوں تو کیا وہ مجھے چنے گی؟''

''نہیں۔'' داتن سوگواریت سے بولی۔ ''لیکن میری کبھی اکثر باتیں سچ نہیں نکلتیں۔''

ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ چہرہ بجھ گیا۔ ''لیکن اگر انہوں نے مجھے نہیں چنا تو میں یہ بات ان سے کیوں کہوں؟''

''اگر وہ تمہارا انتخاب کرلے گی تو تمہیں محبت مل جائے گی۔ نہیں کرے گی تو کلوژر مل جائے گا۔ موو آن کرنے کے لیے کلوژر سب کو چاہیے ہوتا ہے۔ اور پھر.... تمہارے پاس کھونے کو کیا ہے؟'' داتن کی بات پہ وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے اندر کا سناٹا اب بولتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆☆==========☆☆

حالم کا اپارٹمنٹ رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔عمارت کی بیرونی دیواروں پہ گرا بارش کا پانی اب تک سوکھ چکا تھا۔کھڑکیوں پہ جمی ہوئی سفید لڑیاں نظر آ رہی تھیں۔طوفان خود رخصت ہو گیا تھا لیکن اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

داتن اندر داخل ہوئی تو ایسی ویرانی تھی اس گھر میں کہ دل ہول جاتا۔لونگ روم کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور ہوا اندر آ رہی تھی۔ بالکونی کی منڈیر پہ پرندے بیٹھے تھے۔آہٹ پہ اڑ گئے۔جانے کون سے پرندے تھے اور یہاں کیوں آئے تھے۔

داتن کچھ دیر اندھیر لونگ روم میں کھڑے رہی۔ساری بتیاں بجھی تھیں۔صرف نیچے سڑک سے آتی ٹریفک کی روشنی یا اردگرد کی روشن عمارتوں کے باعث کمرے کے خدوخال نظر آتے تھے۔

سفید ساڑھی والی تالیہ بڑے صوفے سے کمر ٹکائے فرش پہ بیٹھی تھی۔بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ڈھیلے جوڑے سے الجھی الجھی لٹیں باہر نکل رہی تھیں۔داتن کی نظریں اس کی سفید ہیلز تک گئیں جو مخالف سمتوں میں اتار کے پھینکی گئی تھیں۔زیورات میز پہ لاوارث پڑے تھے۔وہ خود کو ہیروں کی قید سے آزاد کیے اداس بیٹھی تھی۔

''میں سمجھی تھی کہ ایک زمانہ گزر چکا ہے۔'' داتن سوگواریت سے بولی۔''اب میں حالم کے گھر میں داخل ہوں گی تو منظر مختلف ہوگا۔نیا گھر۔نئی زندگی۔لیکن پرانی تالیہ....''

تالیہ نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''تالیہ کبھی کسی کی نظر میں معتبر نہیں ہوگی۔''

''اور پرانے مسئلے۔'' داتن نے فقرہ مکمل کیا اور اپنا پرس میز پہ رکھا۔خود صوفے پہ آ بیٹھی۔تالیہ کے بالکل ساتھ۔پھر ترحم سے اس کا چہرہ دیکھا۔''میں نے کہا تھا نا۔موسم کے تیور اچھے نہیں ہیں۔''

''اس گھر میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ گھٹنوں پہ تھوڑی رکھے بھیگی آنکھوں سے دیوار کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوا کیا تھا؟''

''ان کے بیٹے نے مجھے میرا ماضی یاد کرایا۔بیٹی نے چند لمحے تک مجھے پسند کیا لیکن جیسے ہی میں نے ان کو ان کے گھر میں سجی نقلی پینٹنگ کی حقیقت بتانی چاہی وہ سب میرے خلاف اکٹھے ہو گئے۔''

''اور فاتح سے جھگڑا کیوں ہوا؟''

''اب تو یاد بھی نہیں کہ کس بات پہ جھگڑا ہوا۔بس اتنا یاد ہے کہ ان کے پاس میرے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔''

کھلی کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا سے زمین پہ گرا اس کی ساڑھی کا سفید پلو پھڑپھڑانے لگا۔داتن کی نظریں اس کی ساڑھی پہ پھسلیں۔

''اور تمہارا دل ٹوٹ گیا؟ کیونکہ تم فاتح کو بچا نہیں سکی۔ تم اچھی تالیہ ہو اب۔ اور تمہاری ذمہ داری ہے سب کی زندگی بچانا۔ تمہارا دل ٹوٹنا ہی تھا۔''

''تو پھر میں اور کیا کرتی' داتن؟'' وہ رندھی آواز میں کہتے ہوئے اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔ ''میں کیسے اپنے سفید گھوڑے پہ دھبہ لگنے دے سکتی تھی؟''

''سفید گھوڑا؟''

''کیا تم کتابیں نہیں پڑھتیں' داتن؟ کتابوں میں لوگوں کو ان کا خوشگوار انجام صرف تب ملتا ہے جب سفید گھوڑے والا شہزادہ آتا ہے اور سب کو بچا لیتا ہے۔ تالیہ وہی Saviour ہے.... اسے اپنی کہانی کے کرداروں کے دل بھی جیتنے تھے اور انہیں بچانا بھی تھا۔ لیکن تالیہ کے گھوڑا داغدار ہو گیا کیونکہ وہ ایسا نہیں کر سکی۔ سفید گھوڑے والوں کا ماضی داغدار نہیں ہونا چاہیے نہ ان کی زبان سے تلخ انکشاف ہونے چاہیے ہیں۔''

''یعنی کہ Princess Charming۔'' داتن نے گہری سانس لی اور پھر آہستہ سے بولی۔

''لیکن کیا میں تمہیں حقیقت بتاؤں تالیہ؟''

''ہوں؟'' تالیہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''ہماری دنیا میں سفید گھوڑے نہیں ہوتے۔''

اس کی آواز ٹھنڈے گھر کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دی۔

تالیہ کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور گال پہ لڑھک گیا۔

''سنا تم نے؟ اس دنیا میں کسی کا گھوڑا سفید نہیں ہے۔ اور تم سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہو جو سب کو بچا لے گی تو اس کو اس کی ہیپی اینڈنگ مل جائے گی۔ تمہیں کسی کے اپرووں کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ فاتح کے' نہ اس کے بچوں کے۔ تم اپنے اصل سے نہ بھاگو۔''

''یعنی میں اپنی پرانی زندگی کی طرف چلی جاؤں؟''

''میں یہ نہیں کہہ رہی۔ تم نے جرائم چھوڑ دیے۔ جھوٹ چھوڑ دیے۔ اچھا کیا۔ ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن تالیہ اپنا آپ نہیں چھوڑ سکتی۔ اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہیے۔''

''اور تالیہ کون ہے؟'' ٹھنڈی ہوا بار بار اس کے چہرے پہ بال بکھیر دیتی لیکن تالیہ ان کو پیچھے نہیں ہٹا رہی تھی۔

''تالیہ ایک معتبر لڑکی ہے۔ اپنی نظروں میں معتبر لڑکی۔'' داتن نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔ ''صرف ایک شخص ہے

جسے تالیہ کو معاف کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے خود تالیہ مراد۔ تم نے صرف خود کو معاف کرنا ہے اور تمہیں تمہاری پیپی اینڈنگ مل جائے گی' تالیہ۔"

"کیا میں اپنی کہانی کا white knight نہیں ہوں' داتن؟

"ہم سب اپنے اپنے وائٹ نائٹ خود ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں صرف اپنا ہی وائٹ نائٹ بننا چاہیے۔ تمہیں ساری دنیا کو بچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں ساری دنیا کی نظروں میں ہیرو بننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"اگر مجھے فاتح کے ساتھ رہنا ہے تو کیا مجھے ان سے جڑے لوگوں کی محبت نہیں چاہیے؟" وہ کسی بچے کی طرح سوال کر رہی تھی۔

"نہیں' تالیہ۔ تمہیں صرف فاتح کی محبت چاہیے۔ تمہیں خود کو معاف کر کے اپنی زندگی بنانی ہے۔ تم فاتح کو نہیں چھوڑ سکتیں صرف اس لیے کہ اس کے بچے تمہیں پسند نہیں کرتے۔"

"بہت سی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔ صرف ایک یہ بات نہیں ہے۔" تالیہ نے آنکھیں موند لیں۔ کرب سا کرب تھا جو اندر باہر چھایا تھا۔ "میں کیا کروں؟"

"فاتح کیا کہتا ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ میں ہمیشہ فرار اختیار کرتی ہوں۔"

"کیا درست کہتا ہے؟"

"شاید۔ میں ہمیشہ فرار ہی تو اختیار کرتی ہوں۔ گھائل غزال کی حقیقت نہیں بتائی ان کو۔ فاتح کی یادداشت کھونے پہ خاموشی سے ایک عرصہ ان کی اسٹافر بنی رہی۔ ان کو بتائے بغیر ایڈم کے ساتھ قدیم ملاکہ جا رہی تھی میں۔"

"اور کیا تمہیں تمہاری پیپی اینڈنگ مل گئی؟"

تالیہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اگر تم وہی غلط انتخابات کرتی رہو گی' تو تمہیں کبھی تمہاری پیپی اینڈنگ نہیں ملے گی۔ پیپی اینڈنگ درست فیصلے کرنے والوں کو ملا کرتی ہے۔ تم نے اب نہیں بچانا فاتح کو یا کسی اور کو۔ اب تم صرف خود کو بچاؤ گی۔ اب تم خود کو معاف کرنا سیکھو گی۔ تم کسی دوسرے کا گلٹ نہیں اٹھاؤ گی۔ تم صرف اپنی ہیرو ہو۔"

"اور اس سب سے کیا ہو گا؟ فاتح کو تو میں کھو چکی ہوں۔"

"کیا تم اس کو دوبارہ نہیں حاصل کر سکتیں؟ کیا تم اپنا جھگڑا نہیں چھوڑ سکتیں؟"

تالیہ نے آنکھیں رگڑیں اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''کل تم کہہ رہی تھیں کہ میں ان کو چھوڑ دوں۔''

''تب میں نے تمہیں سفید ساڑھی میں اس لئے پٹے حال میں نہیں دیکھا تھا۔ میں غلط تھی تالیہ۔ تمہیں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی چاہیے جو تم سے محبت کرتا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ گزارنی چاہیے جو تم سے محبت کرے اور تم اس سے محبت کرو۔''

''نہیں' داتن۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''میں وان فاتح سے علیحدہ ہو رہی ہوں۔''

داتن چند لمحے ملال سے اسے دیکھتی رہی۔

''او کے۔ پھر تم خود کو معاف کر کے آگے بڑھو۔ اور دنیا کو دکھاؤ کہ تمہیں اپنے آپ پہ کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ تم وہ کام چھوڑ چکی ہو۔ اپنا آپ نہیں چھوڑ سکتیں۔ تم اپنی نظروں میں معتبر ہو۔ کیونکہ....''

''کیونکہ سفید گھوڑے ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیونکہ سفید گھوڑے ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔'' داتن نے دہرایا۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر انگلیوں سے آنکھیں دوبارہ ملیں۔ اس کی آنکھیں بہتے کاجل سے سیاہ ہو چکی تھیں لیکن منظر اب کافی حد تک واضح تھا۔

''میں سفید گھوڑے کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھاؤں گی۔ مجھے خود کو اس بوجھ سے ہلکا کرنا ہے۔'' وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کی ساڑھی کا پلو ہنوز پھڑ پھڑا رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

رات گزر رہی تھی اور سب کے لیے ہی گزر رہی تھی۔ رات سب کے لیے رات ہی تھی۔ سب کے لیے سیاہ اور تکلیف دہ تھی۔

تالیہ اب اپنے بیڈروم میں تھی۔ بیڈ پہ چت لیٹے وہ چھت کو دیکھ رہی تھی۔

موبائل بجا تو اس نے فون اٹھا کے دیکھا۔ اسکرین دھندلی تھی۔ اس نے آنکھیوں کو رگڑا اور میسج کھولا۔

ایڈم کا پیغام آیا تھا۔

''ہم نے سرمد کو ٹریس کر لیا ہے۔ وان فاتح نے ہماری بہت مدد کی۔ ان کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ کل کا دن میں نے انہیں بہت تنگ کیا لیکن وہ میری ہر ای میل کا جواب دیتے رہے۔ ان کے تعاون کے بغیر ہم سرمد کو نہیں پکڑ سکتے

تھے۔"

اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔اور وہ کہتی تھی وہ اس کو بچانے نہیں آتا۔

وہ اس کے پیچھے قدیم ملاکہ بھی آیا تھا۔وہ اس کے لیے کب نہیں آتا تھا؟ لیکن اب یہ باتیں بے معنی ہوگئی تھیں.....

وہ اسٹڈی میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا۔آنکھوں پہ چشمہ چڑھا تھا اور ماتھے کے بل برقرار تھے۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی تھی' ڈیڈ۔" آواز پہ فاتح نے سر اٹھایا۔سفید فراک والی بچی کونے میں کھڑی تھی۔اس نے بالوں کو سفید ہیئر بینڈ میں جکڑ رکھا تھا اور وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ غلط کہہ رہی تھی۔" وہ ناپسندیدگی سے بڑبڑایا۔

"آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کو بچالیں گے۔اس کیس سے اس کو نکال لیں گے بس وہ قدیم ملاکہ سے واپس آپ کے ساتھ آجائے۔لیکن آپ نے اس سے اس کے کیس کی ایک اہم بات چھپالی۔"

"چھپانے اور نہ بتانے میں فرق ہوتا ہے۔میں جولیانہ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔اور تالیہ اپنے آپ کو اس مشکل سے نکال سکتی ہے۔مجھے معلوم ہے وہ اس سے نکل آئے گی۔"

"اگر اس نے خود کو خود ہی نکالنا تھا تو آپ نے اسے بچانے کا دعویٰ کیوں کیا تھا؟"

فاتح نے عینک اتاری اور فائل بند کی۔اب یہ ساری باتیں بے معنی ہوگئی تھیں۔

آج کی شام سے واپسی ممکن نہیں تھی۔

رات گزر رہی تھی اور سب کے لیے گزر رہی تھی۔

رات سب کے لیے رات ہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ صبح گزشتہ شب کی بارش کی تازگی لیے اتری۔

لان اور پودے نہا دھو کے پہلے سے زیادہ سرسبز لگ رہے تھے۔رات شاید کوئی بھی ٹھیک سے نہیں سویا تھا۔اور صبح بھی ناشتہ کیے بغیر وہ تینوں گھر کے اندرونی صحن کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھے تھے۔چاروں طرف کمرے تھے اور درمیان میں چوکور سا صحن تھا۔اوپر چھت کھلی تھی۔

صبح دوبارہ بارش ہوئی تھی اور صحن کا فرش گیلا گیلا سا تھا۔فاتح نے یہ گھر اسی صحن کی وجہ سے منتخب کیا تھا کہ یہ اس کو ملاکہ والے سن ہاؤ کے گھر کی یاد دلاتا تھا۔

وہ تینوں اوپر نیچے زینوں پہ بیٹھے تھے۔ جولیانہ کا سر اداسی سے جھکا تھا اور سکندر دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا' ڈیڈ؟''

''کیونکہ وہ یہاں نہیں تھی' سکندر۔ بہت ساری باتیں اسی لیے ہو رہی ہیں کیونکہ تالیہ یہاں نہیں تھی۔''

وہ ایک گملے پہ لگا پتا توڑ کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جولیانہ نے ہاتھ بڑھایا اور پتا توڑ کے اسے تھما دیا۔ فاتح عادتاً اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے لگا۔

''آپ نے اس سے شادی کیوں کی؟ میں آپ کو جج نہیں کر رہا۔ صرف پوچھ رہا ہوں۔'' سکندر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ رات کی نسبت اب وہ تینوں قدرے نارمل تھے۔

''اس کا باپ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر رہا تھا جو دولت مند تھا اور طاقت ور بھی لیکن وہ تالیہ کے لیے سونے کا دوزخ تھا۔ میں نے یہ صرف اسے اس مشکل سے نکالنے کے لیے کیا تھا۔ آئی ایم سوری میں تم لوگوں کو نہیں بتا سکا۔ لیکن شروع میں ہم نے اسے ایک پیپر میرج کے طور پہ جلد ختم کر دینا تھا۔''

''تو آپ نے اسے ختم کیوں نہیں کیا؟'' جولیانہ نے سر اٹھا کے امید سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں کر سکا۔ پھر دوسرے مسئلے آن پڑے۔ میں تالیہ کو بھول گیا۔'' وہ سر جھکائے دکھ سے کہتے ہوئے پتے کو توڑ توڑ کے نیچے گرا رہا تھا۔ ''جب یاد آیا تو حالات ایسے ہو گئے کہ اس کو چھوڑنا اس وقت تک ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور جب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ ہم نے ساتھ رہنا ہے یا نہیں' تب وہ غائب ہو گئی۔ چھ سال کے لیے۔''

''اور اب.... ڈیڈ؟'' جولیانہ نے امید سے پوچھا۔ ''اب آپ ساتھ رہیں گے یا نہیں؟''

''کیا کل رات کے بعد بھی اس سوال کی گنجائش ہے؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ گیلے صحن میں اداس سی خاموشی چھا گئی۔ جولیانہ کھنکھاری۔

''کیا آپ واقعی اس کے والد کے ملازم تھے؟''

''ہوں؟'' فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ پتا توڑتا ہاتھ رک گیا۔

''کل جاتے وقت تالیہ نے ہمیں کہا کہ اس کے بابا ایک بہت امیر آدمی تھے اور ایک اجنبی ملک میں انہوں نے آپ کو اپنے پاس ملازمت دی تھی۔ کیا ایسا ہی ہوا تھا ڈیڈ؟''

وان فاتح کے لبوں پہ اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے پتا گملے کی طرف اچھالا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ غلط نہیں کہہ رہی۔'' اسے آگے بڑھتے دیکھ کے سکندر نے جلدی سے پکارا۔

''ڈیڈ۔'' فاتح پلٹ کے اسے دیکھنے لگا۔ ''اگر وہ پیپرز لائی تو آپ ان پہ دستخط کر دیں گے؟''

وان فاتح کے چہرے پہ ایک وقت میں کئی تاثرات آ کے گزر گئے۔

''اگر وہ لائی تو ہاں۔'' اس نے قطعیت سے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ سارے سوالات کی گنجائش ختم ہو گئی۔

سکندر نے گہری سانس لی اور زیر لب بڑبڑایا۔ (شکر۔)

فاتح اندر آیا اور آفس کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو راہداری سے میشا نکل کے آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھ کے ٹھٹھکا ری۔

''داتو سری۔'' ساتھ ہی لاؤنج کی میز انگلی سے بجائی۔

وہ اس طرف متوجہ ہوا تو میشا مسکرائی۔ البتہ اس کا چہرہ اداس اور کملایا ہوا لگتا تھا۔

''مجھے آپ کی اجازت چاہیے تھی۔ میں اپنی ایک فرینڈ کے ساتھ اس کے گھر شفٹ ہو رہی ہوں۔''

فاتح نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''اور آپ کا ایکس ہزبنڈ؟ کیا وہ جگہ اس سے محفوظ رہے گی؟''

''میری فرینڈ کا فارم ہاؤس شہر سے دور ہے۔ مجھے لگتا ہے میں وہاں محفوظ رہوں گی۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اتنا عرصہ مجھے اپنے گھر رکھا۔''

''آپ یہ سب تالیہ کی باتوں کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔'' فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں چاہتی میری وجہ سے کوئی پیچیدگی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ ''میں پہلے ہی بہت سے مسائل کا شکار ہوں۔ مجھے مزید ایک مسئلہ نہیں چاہیے۔''

''میشا پلیز...'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''تالیہ اس وقت ایک مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ وہ تھوڑی سی پیرانائڈ ہے۔ اسے ہر شخص اپنا دشمن لگتا ہے۔ میں اس کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔ مگر آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ آپ یہیں رہیں۔ میں اس مسئلے کو حل کر لوں گا۔''

''مگر....''

''میشا.... آپ کو اجازت چاہیے تھی۔ میں نہیں دے رہا۔ آپ کے جانے سے جولی بہت ڈسٹرب ہو جائے گی۔ اگر آپ کو جانا ہی ہے تو تھوڑے دن رک جائیں۔ پھر آپ بے شک چلی جائے گا لیکن اس طرح نہیں۔'' فاتح نے مسکرا کے ہدایت دی تو میشا مسکرا دی۔ اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر آیا اور دروازہ بند کیا۔ پھر سوچتے ہوئے موبائل پہ کال ملائی۔

''میں نے رات تمہیں کہا تھا کہ مجھے میشا تاج کی سیکیورٹی کلیرنس دوبارہ کر کے دو۔ کیا تم نے کی؟''

''جی سر۔ میں نے تمام سرکاری ذرائع کو استعمال کر کے چیک کیا ہے۔''

''اور؟'' فاتح نے بے چینی سے پوچھا۔

''سر مجھے اس کے بارے میں کوئی قابل گرفت معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے گھر کے قریب رہنے والے لوگوں سے بھی معلوم کیا ہے۔ وہ واقعی وہی ہے جو وہ خود کو کہہ رہی ہے۔ ایک فوٹو گرافر اور ٹیچر۔ اس کے اسٹوڈنٹس کے والدین تک اس کے اچھے کردار کی گواہی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا شناختی کارڈ' ڈرائیونگ لائسنس' پاسپورٹ.... سب گورنمنٹ کا ایشو کردہ ہے۔ کرمنل تو دور کی بات اس کو آج تک پارکنگ ٹکٹ نہیں ملا۔ سوری لیکن آپ کے دوست کا شک بالکل بے بنیاد ہے۔''

فاتح نے افسوس سے آنکھیں بند کیں اور سر جھٹکا۔ ''اوہ تالیہ.... تمہارا paranoia ....''

وہ سمجھ سکتا تھا کہ تالیہ اس دھوکے میں کیوں ہے کہ میشا فاتح کو نقصان پہنچائے گی۔ یہ ایک طرح کا نفسیاتی مسئلہ تھا جس میں ایک شخص کو دوسرے کے saviour کا کردار ادا کرنے کی اتنی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ ایسے حالات ڈھونڈنے لگتا ہے جن میں اسے دوسرے کو بچانا پڑے۔ اسے یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ دوسرے شخص کو اس کی مدد اور حفاظت کی ضرورت ہے۔

☆☆==========☆☆

آج سارا شہر گیلا گیلا سا تھا۔ سورج بھی اتنے پانی کے باعث ناراض سا ہو گیا اور ٹھیک سے نہیں نکلا۔ مگر بادل تھے کہ برس برس کے تھکتے نہیں تھے۔ اپنی ساری سیاہی سمیت وہ آسمان پہ فخر سے پھیلے بوندیں برسائے جاتے تھے۔

ایسے میں ایک کافی شاپ کی شیشے کی دیوار پہ بوندیں ٹھہری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک ساری شاپ میں پھیلی تھی۔ کچھ آفس کے لیے تیار لوگ تیزی سے کافی مگ پکڑتے باہر نکل رہے تھے۔ کچھ لوگ میزوں پہ بیٹھے گرم کافی یا ہاٹ چاکلیٹ کے ساتھ ڈونٹ کھاتے ہوئے' موبائل پہ لگے تھے۔

ایسے میں ایک کھڑکی کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔ اس نے میز پہ رکھے مگ کے گرم ہینڈل کو پکڑ رکھا تھا اور شیشے سے باہر گیلی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ سن رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' سامنے بیٹھے ایڈم نے میز پہ دستک دی تو تالیہ چونکی اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔

اس نے مانگ نکال کے بالوں کی پونی باندھی ہوئی تھی۔ لباس سیاہ تھا۔ اتنا سیاہ جیسے کسی کے جنازے پہ آئی ہو۔ لیکن گردن

میں گرہ لگا مفلر سرخ تھا۔ ایڈم دیکھ سکتا تھا کہ وہ ڈسٹرب تھی۔ وہ اتنی دیر سے اس کو سرمد کے بارے میں تفصیلات بتا رہا تھا لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''میں نے فاتح کو میشا کی حقیقت بتانی چاہی۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ ''لیکن انہوں نے یقین نہیں کیا۔ صبح انہوں نے مجھے ایک میسج بھی بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ان کی سیکیورٹی ٹیم نے میشا کو پھر سے چیک کیا ہے۔ وہ بالکل کلیئر ہے۔''

''چے تالیہ.....''

''مگر ظاہر ہے یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ میشا کون وومن ہے۔ اور اس کو ذوالکفلی نے ہی بھیجا ہے۔''

''چے تالیہ.....'' وہ کھنکھارا۔ ''کیا معلوم آپ غلط ہوں؟''

''تم بھی مجھے unstable اور پیرانائڈ سمجھتے ہو؟'' اس نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ ''داتن بھی یہی سمجھتی ہے۔''

''نہیں۔ لیکن آپ کے لیے وہ چھے سال نہیں گزرے جو ہمارے لیے گزر چکے ہیں۔ میں.... فاتح صاحب... داتن.... ہم سب اپنی زندگی میں اسٹیبل ہو گئے ہیں۔ لیکن چھے سال پہلے جب ہم تازہ تازہ اس سب سے نکلے تھے تو ہم آپ سے زیادہ ان اسٹیبل تھے' پیرانائڈ تھے۔ اسی لیے تو وان فاتح نے سیاست چھوڑ دی تھی اور میں نے یادداشت کھونے کا بہانہ کیا تھا۔ ہمیں نارمل ہونے میں ایک لمبا عرصہ لگا تھا۔ آپ کو بھی لگے گا۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ میشا کوئی کون آرٹسٹ ہو۔''

''تو پھر وہ میری طرح کیوں لگتی ہے؟''

''کیونکہ یوں سمجھیں کہ.... ان کی کمفرٹ زون میں ایک ہی طرح کے لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں آپ کی جگہ ہے۔ اسی لیے اتفاق سے انہوں نے صرف ایسی عورت کو زندگی میں جگہ دی جو کسی طرح تالیہ سے ملتی جلتی تھی۔ ہر شخص کون آرٹسٹ نہیں ہوتا' چے تالیہ۔ آپ نے کہا تو میں بھی ایسے ہی سوچنے لگ گیا۔ لیکن اب میرا نہیں خیال کہ وہ ایسی ہوگی۔ اس کے سارے کاغذات اصلی ہیں۔''

''کیونکہ وہ بہت اچھی کون وومن ہے۔ اس نے اپنا ہوم ورک مکمل کر رکھا ہے۔'' تالیہ نے ہٹ دھرمی سے شانے اچکائے۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''اگر آپ یہ بات بار بار کہتی رہیں تو وان فاتح کو لگے گا کہ آپ جیلیس ہو رہی ہیں۔''

''میں اور جیلیس؟ ہونہہ۔'' وہ تلخی سے سر جھٹک کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایڈم کھنکھارا۔

''او کے... جب آپ ملا کہ میں تھیں تو میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔''

''تم مجھے ایک ڈاکومنٹ بنا دو گے ایڈم؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں باہر دیکھتے ہوئے بولی تو وہ چونک گیا۔

''کیسا ڈاکومنٹ؟''

''میں فاتح سے الگ ہو رہی ہوں۔ مجھے تحلیل نکاح کے کاغذات بنوانے ہیں۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔ ''میں وکیل نہیں ہوں۔''

''ہماری شادی اس دنیا میں رجسٹرڈ نہیں تھی اس لیے نوٹرائزڈ ڈاکومنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک کاغذ پہ چند سطور پرنٹ کر دو۔ میں فاتح سے دستخط کروا لوں گی۔''

''چند سطور تو آپ خود بھی لکھ سکتی ہیں۔''

تالیہ نے چہرہ اس کی طرف موڑا تو اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ ''مجھ سے نہیں ہوگا.... ایڈم۔''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب برسوں بعد ایڈم بن محمد کا دل ایک دفعہ پھر سے خالی ہو گیا۔ وہ چند لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔ دکھ سے۔ یاسیت سے۔ ملال سے۔

''سوری میں نے تمہاری بات کاٹ دی۔ تم کچھ کہنا چاہتے تھے؟'' اس نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

ایڈم نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ سارے فیصلے ایک پل میں ہو گئے تھے۔

''اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کا ہاتھ ابھی تک مگ کے گرم ہینڈل پہ تھا۔ وہ اتنا گرم تھا کہ نہ اس کے لمس سے ٹھنڈا ہو رہا تھا نہ باہر برستی بارش سے۔

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ میں آپ کو جانتا ہوں.... چے تالیہ۔ آپ کا دل ٹوٹا ہوا ہے۔ آپ ناخوش ہیں۔''

''میں ناخوش نہیں ہوں۔ بس فیصلہ کر چکی ہوں۔ فاتح اور میں....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم ناممکن ہیں۔ ہم کبھی ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔''

''اس فیصلے کو کچھ وقت دیں۔ شاید چیزیں ٹھیک ہو جائیں۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا.... ایڈم.... میں بس ان کی دنیا سے دور جانا چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔ ''ڈونٹ ٹیل می کہ آپ قدیم ملاکہ جانے کا سوچ رہی ہیں۔''

''نہیں.... یا اللہ.... کبھی نہیں....'' تالیہ نے جھرجھری لی۔ ''میں بس اس ملک سے دور جانا چاہتی ہوں۔ عدالت مجھے بری کر

دے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ کسی اور ملک' کسی اور شہر میں میں اپنا گھر بناؤں گی۔ نئے دوست بناؤں گی۔ کوئی نیا کام شروع کروں گی۔ وہاں کوئی میرا ماضی نہیں جانتا ہوگا۔ کوئی مجھے نفسیاتی مریض یا مجرم نہیں کہے گا۔ میری ساری زندگی ہی نئی ہو جائے گی۔"

"مگر دل تو وہی پرانا ہوگا۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"دل پہ تالیہ کا اختیار نہیں ہے' ایڈم۔ پلانز پہ ہے۔ اب یہی پلان اے' بی اور سی ہے۔"

"میں یہ کر چکا ہوں۔ ملکوں ملکوں پھر چکا ہوں۔ نئے دوست بنا چکا ہوں۔ ماضی سے پیچھا بھی چھڑا چکا ہوں۔ مگر میں آپ کو حقیقت بتاؤں' شہزادی؟" وہ میز پہ آگے کو جھکا اور مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ طریقہ کام نہیں کرتا۔ انسان جہاں بھی چلا جائے... اگر وہ اندر سے خوش نہیں ہے.... اگر اس کا دل محبت سے خالی ہے... تو باہر کا منظر بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ قدموں کے نیچے جیسی زمین بھی ہو' اس کا آسمان وہی رہتا ہے۔"

"تم مجھے پیپرز بنا دو گے؟" وہ آہستہ سے بولی۔ ایڈم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوکے۔" پھر بات بدل دی۔ "دو دن بعد کورٹ میں پیشی ہے۔ آج رات آپ کو سرمد سے ملنے جانا ہے۔ کیا آپ اسے ہینڈل کر لیں گی؟"

"کر لوں گی۔" تالیہ نے مگ اٹھایا اور ہونٹوں سے لگایا۔ اس کا ہینڈل اب تک ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"چے تالیہ.... آپ کو یقین ہے کہ سرمد آپ کی مرضی کی گواہی دے گا؟"

"میرا پاس ایک ہی گواہ بچا ہے' ایڈم۔ اور میں اس سے اپنی مرضی کا بیان ضرور دلواؤں گی۔" وہ اب کافی پیتے ہوئے شیشے کی دیوار کے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرد سی آگ جل رہی تھی۔ اسے اب صرف خود کو بچانا تھا۔

☆☆==========☆☆

سرمد ایک درمیانے قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگاتا تھا۔

یہ چشمہ اس رات اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا اور وہ خود لحاف اوڑھے سو رہا تھا جب دروازہ زور زور سے دھڑایا جانے لگا۔

سرمد ہڑبڑا کے اٹھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے وال کلاک کو دیکھا۔ صبح کے تین بج رہے تھے۔ اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ کوئی کال نہیں تھی۔ یعنی آنے والا اس کا کوئی شناسا نہ تھا۔

دروازہ ہنوز دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

وہ عینک لگاتا' سلیپرز پیروں میں اڑستا باہر آیا۔ چھوٹے سے گھر کی راہداری عبور کی۔ دروازے تک آیا اور باہر جھانکا۔ وہاں گھنگھریالے بالوں والی ایک عورت کھڑی تھی۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ دروازہ کھٹکھٹائے جا رہی تھی۔

سرمد نے پٹ کھولا اور گردن نکال کے باہر جھانکا۔ ''جی؟''

''کیا ہم اندر بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟'' وہ بنا کسی تمہید کے بولی۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کو کس سلسلے میں بات کرنی ہے؟''

''تم اس کی اجازت کیوں مانگ رہی ہو؟ ہم اس سے بات کیے بغیر تھوڑی جائیں گے۔'' دیوار کی اوٹ سے ایک لڑکی نکلی۔ اس نے سیاہ ٹراؤزر شرٹ پہ سیاہ ہڈی پہن رکھی تھی۔ ہڈ نے سر ڈھک رکھا تھا لیکن چہرہ واضح تھا۔ اسے دیکھ کے سرمد شل رہ گیا۔ لیکن وہ... وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے آئی' اور جوگر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔

''ہٹو سامنے سے۔''

''آپ کون ہیں اور یوں میرے گھر میں کیوں چلی آ رہی ہیں؟'' سرمد نے بظاہر جی کڑا کے کہا۔ مگر وہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔ وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کے پیچھے اندر لپکا۔

وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑی گردن گھما گھما کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

''آپ کون ہیں؟ دیکھیں... میں پولیس کو کال کر سکتا ہوں۔'' تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''تم میری توقع سے چھوٹے اور کمزور ہو۔''

''مجھے بات کرنے دو۔'' داتن دبی آواز میں بولی اور سامنے آئی۔

''دیکھیں سرمد صاحب... ہم دونوں جانتے ہیں کہ عصرہ محمود کے لیے آپ کیا کرتے تھے۔''

داتن نے ساتھ ہی ایک کرسی اس کے لیے رکھی۔ وہ تالیہ کو گھورتے ہوئے وہاں بیٹھا جواب ٹی وی کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی' جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں عصرہ کے والد کا ملازم تھا مگر میں ان سے کئی سال نہیں ملا۔''

''سرمد...'' داتن نے ضبط کیا۔ ''میرے پاس گواہ ہیں جو گواہی دیں گے کہ آپ عصرہ کے ساتھ جیولری سیٹ پہ ایک سیٹ کی قیمت لگوانے گئے تھے۔''

''کیا یہ جرم ہے؟'' وہ بگڑ کے بولا۔

''جس کام کے بدلے انہوں نے یہ سیٹ دیا' وہ جرم تھا۔''

''انہوں نے مجھے کوئی سیٹ نہیں دیا۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔

''دیکھیں سرمد...'' داتن نے پھر سے کوشش کی۔ ''انہوں نے آپ سے آرسینک منگوایا تھا۔ آپ صرف عدالت میں یہ بتا دیں تو تالیہ بری ہو جائے گی۔ کسی کو آرسینک لا کے دینا جرم نہیں ہے۔''

''لیکن میرا کریڈٹ کارڈ ہیک کر کے میرے نام سے کیک آرڈر کرنا جرم ہے۔'' تالیہ تڑخ کے بولی تو سرمد نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ داتن نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ سرمد کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ پولیس نہیں ہیں۔ نہ آپ مجھے گرفتار کروا سکتی ہیں۔ مجھے اپنے رائٹس معلوم ہیں۔ میں کوئی گواہی نہیں دوں گا۔ آپ کیا کر لیں گی میرا؟''

اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا جب وہ کسی چیل کی طرح اس پہ جھپٹی' اسے گدی سے پکڑ کے اس کا چہرہ زبردستی جھکا کے میز سے لگایا اور اس پہ جھکی۔ ہکا بکا سی داتن اسے روکتی رہ گئی لیکن تالیہ سرمد کے کان کے پاس جھک کے غرا رہی تھی۔

''تم نے اپنی مالکن کے ساتھ مل کے میری زندگی تباہ کر دی۔ میری آزادی چھین لی۔ اور تم مجھ سے پوچھتے ہو میں تمہارا کیا کروں گی؟''

''تالیہ... پلیز مجھے بات کرنے دو۔''

''میں اس سے بات کرنے نہیں آئی۔'' وہ سرمد کا گال میز سے لگائے اس کی گردن دبوچے کہہ رہی تھی۔

سرمد کا سانس گھٹنے لگا۔ اس نے ہاتھوں سے مزاحمت کرنی چاہی لیکن تالیہ نے اس کی کلائی مروڑ کے کمر سے لگا دی۔ وہ بے بس ہو کے رہ گیا۔

''میں پولیس نہیں ہوں۔ پولیس تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ میں پولیس سے زیادہ بری ہوں' سرمد۔ اب میری بات غور سے سنو۔ پرسوں صبح تم عدالت میں پیش ہو گے اور تم میرے حق میں گواہی دو گے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ ''ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی۔ اتنی مہارت سے کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ تم مجھے نہیں جانتے سرمد۔ میں اپنی برداشت کی انتہا پہ ہوں۔''

اس کی گردن مزید قوت سے نیچے جھکائی گویا ابھی اس کا چہرہ میز کے شیشے میں گاڑھ دے گی۔

''اور یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی مہربان لڑکی ہوں جو ایسا نہیں کروں گی۔ اونہوں۔ میں سفید نہیں ہوں۔ میں بہت سیاہ ہوں۔ اور میں یہ کر سکتی ہوں کیونکہ تم میری توقع سے بہت چھوٹے اور کمزور ہو۔'' جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی اور سیدھی ہوئی۔

وہ گدی پہ ہاتھ رکھے' کھانستا ہوا سیدھا ہوا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ اس نے چند گہرے سانس

لیے اور آنکھیں اٹھا کے تالیہ کو دیکھا تو ان آنکھوں میں خوف تھا۔

''میں بات کر رہی تھی نا' تالیہ۔' داتن نے افسوس سے اسے تنبیہہ کی تو سیاہ ہڈ والی لڑکی نے کندھے اچکائے۔ (واٹ ایور) اور پھر سے سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ سرمد پھر سے کھانسا۔ داتن اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم جانتے ہو تمہارے دیے گئے آرسینک سے عصرہ محمود کی موت واقع ہوئی ہے۔''

''وہ میری مالکن تھیں۔ میں ان کا وفادار تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے لیے زہر منگوا رہی ہیں۔'' وہ اب کے دھیمی آواز میں بولا اور گردن جھکا دی۔ ''مجھے معلوم ہوتا تو میں نہ دیتا۔ آئی ایم سوسوری۔ میں سمجھا وہ کسی اور کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا تھا انہیں ایک قیمتی جان لینی ہے۔ وہ ان کی اپنی جان تھی۔ آئی ایم سوسوری۔ میں خود کئی سال سے گلٹ میں ہوں۔''

''سرمد... میں تمہارے مالی حالات دیکھ سکتی ہوں۔ تم نے ان ناجائز کاموں سے کمائی گئی رقم جوئے میں اڑا دی ہے اور تم شدید کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہو۔'' داتن سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''ہم کریڈٹ کارڈ ہیک کرنے والی بات گول کر جائیں گے۔ تم نے صرف یہ کہنا ہے کہ عصرہ نے تمہیں آرسینک لانے کو کہا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ خودکشی کر لیں گی۔ اگر تم ہمارے حق میں گواہی دے دو تو سچ تالیہ تمہیں بہت بڑی رقم دیں گی۔ تم کئی برس کے لیے سیٹل ہو جاؤ گے۔''

وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی اور سرمد سر اٹھا کے تالیہ کو دیکھ رہا تھا جو ابھی تک اسے گھور رہی تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اوکے۔ میں گواہی دے دوں گا۔''

''سنو میری بات....'' تالیہ پھر سے غرائی۔ ''میرے لوگ تم پہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تم عدالت میں پیش ہونے سے پہلے بھاگو گے نہیں ورنہ وہ تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ سمجھے تم؟'' کہنے کے ساتھ اس نے پیر سے چھوٹی میز کو ٹھوکر ماری۔ اس پہ رکھی ٹوکری اور ٹائم پیس نیچے جا گرے۔ فرش پہ گرنے سے گھڑی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ سرمد نے کرچیوں سے نظر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔ ساتھ ہی تھوک نگلا۔

''میں گواہی دے دوں گا۔ لیکن مجھے پیسے پہلے چاہیے ہوں گے۔''

''پیسے کام کے بعد ہوں گے۔ سنا تم نے؟'' وہ سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ''اب میں اس شخص کو پے کروں گی جس نے مجھے پھنسایا تھا؟ واہ۔ میں تمہارا کار میں انتظار کر رہی ہوں۔''

داتن نے افسوس سے سر ہلایا اور واپس اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ دھیرے دھیرے بولتے اس سے پیسوں کے معاملات طے کرنے لگی۔

☆☆=========☆☆

ٹرائل والا دن بہت روشن تھا۔ آج آسمان پہ بادل تھے نہ ہوا تیز تھی۔ بس سنہری سورج تھا جو تیز چمک رہا تھا۔ سرما کی دھوپ کی تپش بھی عجیب ہوتی ہے۔ جتنا جھلسائے' اتنا ہی سکون آتا ہے۔

ایسے میں وان فاتح اپنی ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا ناشتے میں مصروف تھا۔ سکندر سوٹ میں ملبوس تیار لگ رہا تھا۔ اشعر بھی تیار تھا۔ وہ جانتا تھا وہ دونوں عدالت جا رہے ہیں۔ اس نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ البتہ ناشتہ کرتی جولیانہ ایک دم کھنکھاری۔ سب نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

''کیا تالیہ مراد آج عدالت آئے گی؟''

''ہاں۔ ظاہر ہے۔ وہ نہ پیش ہوئی تو اس کی ضمانت منسوخ ہو جائے گی۔'' اشعر نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر اس کے خلاف فیصلہ آیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''فیصلے ایک دن میں نہیں آجاتے۔'' فاتح نے ہموار آواز میں کہا تو جولیانہ فوراً بولی۔

''میں اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ تالیہ مراد آج کل ذرا ذرا سی بات پہ بہت اوور ری ایکٹ کر رہی ہیں۔'' وہ طنز سے بولی۔ اسے جیسے تالیہ پہ بہت غصہ تھا۔ ''جس طرح کا سلوک انہوں نے ہمارے سامنے دکھایا' ایسا ہی وہ میڈیا کے سامنے دکھا رہی ہیں۔ کل انہوں نے ایک صحافی کو تھپڑ کھینچ مارا۔''

''کیوں؟'' فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ سوشل میڈیا نہیں دیکھ رہے' آبنگ؟'' اشعر نے مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ایک اسٹور میں ایک صحافی نے تالیہ سے سوال کرتے ہوئے اسے عصرہ محمود کی قاتل کہہ دیا تو اس نے اسے تھپڑ مار دیا۔ راہگیریوں نے ویڈیو بھی بنالی۔ تالیہ بہت حد تک ان اسٹیبل ہو چکی ہے۔''

''مجھے بے گناہ ہوتے ہوئے کوئی قاتل کہے گا تو میں اس سے بھی زیادہ کروں گا' اشعر۔'' وہ ناگواری سے بولا اور پلیٹ پرے دھکیلتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ تالیہ کا ذکر' اس کا آئے روز ایک نیا مسئلہ' ہر شے تکلیف دہ تھی۔

سرما کی یہ جھلساتی دھوپ عدالت کی عمارت پہ بھی پھیلی تھی۔

کیمروں کے جلتے بجھتے فلیش کی روشنیاں جو کمرہ عدالت پہنچنے تک تالیہ کی آنکھوں میں پڑتے رہے تھے' اس کو اندر تک جھلسانے کے لیے کافی تھے۔ لیکن وہ سیاہ ہیٹ سر پہ جمائے' سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموشی سے رپورٹرز کے ہجوم سے نکل آئی تھی۔

آج عدالت میں پیش ہونے کا دن تھا۔ اور اس کے پاس گواہ تھا۔ تالیہ مراد کو یقین تھا کہ اس کا گواہ اس کو بری کروا لے گا۔

جج اپنا ڈیسک سنبھال چکی تھی۔ وکلاء اپنی اپنی میز پہ بیٹھے تھے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ پراسیکیوٹر جج کی طرف رخ کیے اپنے افتتاحی دلائل دینے لگا۔ وہ یہاں سے پراسیکیوٹر کی پشت دیکھ سکتی تھی۔ وہ نوجوان تھا، پر جوش تھا اور اس کی آواز میں تالیہ مراد کے لیے تنفر تھا۔

''تالیہ مراد ایک خطرناک عورت ہے' یور آنر۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ''یہ بہت پلاننگ سے وان فاتح اور مسز عصرہ محمود کی زندگی میں داخل ہوئیں۔ اس ٹرائل کے دوران میں آپ کو بتاؤں گا کہ کس طرح انہوں نے عصرہ محمود کے قیمتی نوادرات حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر ان نوادرات کی وصیت لکھوا کے عصرہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔''

تالیہ اولین قطار کی ایک نشست پہ بیٹھی تھی۔ اس نے نظریں گھمائیں۔ دونوں طرف کی کرسیوں کے درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ اس کے دوسری جانب پہلی قطار میں اشعر بیٹھا تھا۔ ساتھ سکندر موجود تھا۔ وہ بھی اشعر کی طرح سیاہ سوٹ پہنے' اس مقدمے کے لیے تیار ہو کے آیا تھا۔

تالیہ نے چہرہ دوسری جانب موڑا۔ اس کے ساتھ والی کرسی پہ ایڈم بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کے وہ سادگی سے مسکرایا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ گردن سیدھی کی۔

''میرا پہلا گواہ ہے سرمد زہدی.....'' پراسیکیوٹر کہہ رہا تھا۔ ''سرمد نے رضا کارانہ طور پہ گواہی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس کے پاس کیس سے متعلق اہم معلومات ہیں۔''

پراسیکیوٹر نے مسکرا کے پیچھے بیٹھے اشعر کو دیکھا۔ اشعر بھی مسکرایا۔ تالیہ نے گردن موڑ کے غور سے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔ پھر سپاٹ چہرہ سامنے کو موڑ لیا۔ آج اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

کچھ دیر بعد سرمد کٹہرے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' حلف لے رہا تھا۔ وہ آج بالکل نارمل لگ رہا تھا۔ پرسکون اور پر اعتماد۔ سوٹ بھی پہن رکھا تھا اور قدرے معتبر دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کا عصرہ محمود سے کیا تعلق تھا؟'' چوکھٹے سے نیچے کھڑا پراسیکیوٹر سوالات کا آغاز کرنے لگا۔

سرمد نے اسی اعتماد سے جواب دیا۔ ''میں ان کے والد کا ملازم تھا۔''

''آپ کی عصرہ سے آخری دفعہ ملاقات کب ہوئی؟''

''ان کی موت سے بھی شاید تین سال پہلے۔ میں ان سے ایک لمبا عرصہ نہیں ملا تھا۔''

تالیہ نے ایڈم کو دیکھا اور ایڈم نے تالیہ کو۔ پھر دونوں سامنے دیکھنے لگے۔

''آپ ان کی موت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر آپ نے گواہی دینے کے لیے خود کو کیوں پیش کیا؟'' پراسیکیوٹر کے سوالات رٹے رٹائے تھے۔ جیسے وہ دونوں ریہرسل کر کے آئے تھے۔

''کیونکہ پرسوں رات آپ کی یہ ملزمہ اپنی ایک ساتھی خاتون کے ساتھ میرے گھر آئی تھیں۔'' وہ سامنے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کی طرف انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔

''یہ زبردستی میرے گھر میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے مجھے گردن سے پکڑا۔ مجھے زدوکوب کیا۔'' اس نے کالر کا بٹن کھولا اور گردن کا نشان دکھایا۔ ''انہوں نے میرے گھر میں توڑ پھوڑ کی۔ اور مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے عدالت میں پیش ہو کے ان کے حق میں بیان نہ دیا تو یہ.... مجھے.... قتل کر دیں گی۔'' چبا چبا کے بولا۔ تالیہ نے آنکھیں سختی سے میچیں۔ بہت سی متعجب نظریں اس کی طرف اٹھیں۔ ان میں سے کچھ ملامتی بھی تھیں۔

''اور یہ آپ سے کیا بیان دلوانا چاہتی تھیں؟''

''پتہ نہیں۔ کچھ کہہ رہی تھیں یہ کہ میں کہوں عصرہ محمود کو آرسینک میں نے لا کر دیا۔ ساتھ مجھے بھاری رقم کی پیشکش بھی کی۔ میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ مجھے پولیس پروٹیکشن دی جائے۔ مجھے تالیہ مراد سے جان کا خطرہ ہے۔''

وہ اتنے اعتماد سے کہہ رہا تھا جتنے اعتماد سے سچ بولنے والا سچ بولتا ہے۔ کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکیوں سے چھن کے اندر آتی دھوپ کٹہرے پہ سیدھی پڑ رہی تھی۔ اس روشنی میں وہ معتبر لگ رہا تھا۔

یہاں سارے کھیل سچ اور جھوٹ کے تھے۔ یا پھر وقت کے۔

پراسیکیوٹر نے ریموٹ اٹھا کے بٹن دبایا تو ملٹی میڈیا پروجیکٹر پہ تصاویر چلنے لگیں۔ سرمد کے گھر کے لاؤنج کا منظر۔ وہاں ہر شے ٹوٹی بکھری پڑی تھی۔ صرف گھڑی اور ٹوکری نہیں۔ بلکہ برتن بھی ٹوٹے پڑے تھے۔ اس نے یقیناً تالیہ کے جاتے ہی مزید توڑ پھوڑ کر کے تصاویر لے لی تھیں۔

''یور ونیس۔ (آپ کا گواہ)'' پراسیکیوٹر واپس اپنے ڈیکس کی طرف آتے ہوئے احمد نظام سے بولا اور اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ایک مسکراتی نظر اشعر پہ ڈالی۔ اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

احمد نظام نے گہری سانس لی اور کھڑے ہوئے۔ پھر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کٹہرے کے سامنے آئے۔

''تو آپ عصرہ محمود کے ملازم ہیں؟''

''میں ان کے والد کا ملازم تھا۔''

''اور آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ پرسوں رات تالیہ مراد آپ کے گھر آئی تھیں؟'' احمد نظام تعجب سے پوچھ رہے تھے۔

''بالکل۔''

''اور انہوں نے آپ کو دھمکایا اور جان سے مارنے کی دھمکی دی؟''

''جی.....'' وہ مسکرا کے بولا۔

احمد نظام چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر کھنکھارے۔

''میرے پاس آپ کے لیے صرف ایک سوال ہے۔'' انہوں نے وقفہ دیا۔

''تالیہ مراد کس وقت آپ کے گھر آئی تھیں؟''

''قریباً رات کے تین بجے۔''

''اور وہ کب تک وہاں رہیں؟''

''دس سے پندرہ منٹ۔''

''آپ کو وقت کیسے یاد ہے؟''

''کیونکہ انہوں نے میری گھڑی توڑی تھی۔ اس پہ وقت وہیں جم گیا تھا۔ تین بج کے پندرہ منٹ۔''

''یعنی تین بجے سے تین بج کے پندرہ منٹ تک تالیہ مراد آپ کے گھر تھیں؟''

''جی۔''

احمد نظام جج کی طرف مڑے۔ ''یور آنر میں اس گواہ سے مزید سوال پوچھوں گا لیکن میں اس سے پہلے ایک ری بٹل گواہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

پراسیکیوٹر کوفت سے اٹھا۔ ''یور آنر مجھے اس بات پہ اعتراض ہے۔ احمد نظام عدالت کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ان کے گواہ کے پیش ہونے تک دیر ہو جائے گی اور.....''

''میرا گواہ اسی کمرے میں موجود ہے۔ بلکہ گواہان۔'' احمد نظام نے سامنے بیٹھے پولیس کمشنر کی طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔ بلائیے ان کو۔'' جج نے کاغذ پہ کچھ نوٹ کرتے ہوئے اجازت دی۔ پراسیکیوٹر اسی کوفت سے واپس بیٹھا۔

پولیس کمشنر اوپر کٹہرے تک آیا۔ حلف لیا اور ٹیک لگا کے کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''میں پولیس کمشنر ہوں۔''

''اور کیا آپ کے تھانے میں تالیہ مراد کا کیس ہے؟''

''جی۔''

''ابھی سرمد صاحب نے کہا کہ رات تین بجے سے تین پندرہ تک تالیہ مراد ان کے گھر پہ موجود تھیں۔ کیا یہ درست ہے؟''

''یہ ناممکن ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا۔''

جہاں اشعر چونک کے سیدھا ہوا اور سرمد نے تعجب سے کمشنر کو دیکھا' وہیں سیاہ ہیٹ والی لڑکی دھیرے سے مسکرا دی۔

اس کا گواہ آن پہنچا تھا۔

وقت۔

آج وقت نے تالیہ مراد کے لیے گواہی دینی تھی۔

''عدالت کو بتائیے کہ یہ ناممکن کیسے ہے؟''

پولیس کمشنر نے چہرہ مائیک کے قریب کیا اور سنجیدگی سے بولا۔

''کیونکہ پرسوں رات دو بجے سے صبح پانچ بجے تک تالیہ مراد ہمارے تھانے میں... ہماری حراست میں تھیں۔ انہوں نے ایک رپورٹر کو تھپڑ دے مارا تھا اور رپورٹر نے پولیس بلائی تھی۔ میں پوری رات وہیں بیٹھا اسی معاملے کو سلجھا تا رہا تھا۔ میرا پورا تھانہ اس بات کا گواہ ہے۔ ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیجز ہیں۔ آپ احمد نظام بھی ان کے ساتھ تھے۔''

اشعر نے بے یقینی سے گردن موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہی تھی۔ سرمد نے اچنبھے سے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ کمشنر جھوٹ کیوں بول رہا تھا۔

''کیا تین بجے تالیہ مراد پندرہ منٹ کے لیے آپ کی نظروں سے دور ہوئی تھیں؟''

''ہرگز نہیں۔ وہ سارا وقت ہماری نظروں کے سامنے تھیں۔ وہ میرے آفس میں بیٹھی تھیں۔ بلائنڈز کھلے تھے۔ سارا تھانہ ان کو دیکھ سکتا تھا۔ آپ سی سی ٹی وی چیک کر لیں۔ آفیسرز کو بلا لیں۔ بلکہ اس صحافی کو تھپڑ مارنے کی ویڈیو بھی ہمارے پاس ہے۔ اس پہ ٹائم اسٹیمپ ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ میں بتا رہا ہوں یہ کل میرے گھر اسی وقت پہ آئی تھیں۔'' سرمد اپنی جگہ سے اونچا سا بولا۔ وہ متعجب تھا۔ الجھا ہوا تھا۔ جج نے برہمی سے اسے روکا۔ ''اپنی باری پہ بولیے۔''

سرمد جب دوبارہ کٹہرے میں آیا تو اس کی رنگت اڑی اڑی تھی۔ احمد نظام نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کے گھر نہیں آئیں بلکہ آپ کو کسی نے ان پہ الزام لگانے کو کہا ہے۔''

''وہ آئی تھیں۔ایک عورت بھی ساتھ تھی۔انہوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی۔اور پیسے دینے کی آفر بھی کی۔''

''جان سے مارنے کی دھمکی دی یا پیسے دیے؟لوگ ایک وقت میں ایک چیز کیا کرتے ہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''آپ نے کہا کہ آپ کی ٹوٹی گھڑی پہ وقت تین بج کے پندرہ منٹ پہ فریز ہو چکا ہے سرمد۔آپ نے وہ گھڑی غالباً خود ہی توڑی تھی کیونکہ آپ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تالیہ مراد اس وقت تھانے میں ہیں۔آپ نے سوچا کہ وہ اپنے گھر ہوں گی اور ان کے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہوگی۔''

''شاید مجھے وقت بتانے میں غلطی لگی ہو۔''

''اگر ابھی کرائم سرچ یونٹ آپ کے گھر جائے تو ان کو آپ کی ٹوٹی گھڑی پہ کیا وقت فریز ہوا ملے گا؟''

وہ اتنی تیزی سے بولے کہ سرمد گڑبڑا گیا۔اب وہ اپنے بتائے وقت سے نہیں پھر سکتا تھا۔اس نے خود دیکھا تھا گھڑی پہ وقت۔تالیہ مراد ایک ہی وقت پہ دو جگہوں پہ کیسے ہو سکتی تھی؟اس کے پاس وقت کی چابی تھوڑا ہی تھی؟

''آب جیکشن۔''پراسیکیوٹر ضبط نہ کر سکا اور جگہ سے اٹھا۔جج اور احمد نظام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس بات پہ آبجیکشن کرے۔وہ واپس بیٹھ گیا۔اشعر جھک کے خفگی سے اسے کچھ کہنے لگا۔وہ جواباً پریشانی سے وضاحت دینے لگا۔

احمد نظام واپس سرمد کی طرف مڑے۔''تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ تالیہ مراد ایک ہی وقت میں دو جگہوں پہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ سوائے اس کے کہ ان کے پاس کوئی ٹائم ٹرنر ہو۔جس سے وہ وقت کو پیچھے کر سکیں۔''احمد نظام نے کمرہ عدالت کی طرف چہرہ موڑا اور با آواز بلند کہا۔''اور ہم سب جانتے ہیں کہ وقت کی کوئی چابی نہیں ہے۔گیا وقت ہاتھ نہیں آتا نہ آج تک وقت کسی کے لیے رکا ہے۔ہے نا؟''

تالیہ مسکرا دی۔ایڈم بھی مسکرا دیا۔

پھر وہ اس کی طرف جھکا اور آہستہ سے بولا۔''مجھے امید نہیں تھی کہ یہ کام کر جائے گا۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' کٹہرے میں کھڑے سرمد کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔وہ بار بار بے یقینی سے پہلی رو میں بیٹھی سیاہ ہیٹ والی لڑکی کو دیکھتا تھا۔وہ آج جارحانہ انداز والی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔وہ بس سادگی سے مسکرا رہی تھی۔

''آپ کی باتیں اتنی احمقانہ ہیں سرمد صاحب کہ میں ان پہ کوئی سوال ہی نہیں کرنا چاہتا۔ آگے چلتے ہیں۔'' احمد نظام نے افسوس سے کہا تو سرمد نے دیکھا' جج نے سر جھٹک کے کاغذ پہ کچھ لکھا ہے۔

پراسیکیوٹر برہمی سے اشعر سے سرگوشی کر رہا ہے۔

اور حاظرین چبھتی نظروں سے سرمد کو دیکھ رہے تھے۔

وہ سچ کہہ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ لیکن کوئی اس کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

''سرمد میرے پاس آپ کے فون ریکارڈز ہیں۔ اس رات تالیہ مراد تو آپ کے گھر نہیں گئی تھیں لیکن آپ نے اس رات یہ کالز ضرور کی تھیں۔'' احمد نظام ایک کاغذ اسے دکھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ''اور یہ کالز آپ نے اشعر محمود کو کی تھیں۔''

سرمد نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ پھر بے چارگی سے نیچے بیٹھے اشعر کو دیکھا جس نے ایک دم پہلو بدلا تھا۔ سکندر نے گردن موڑ کے اشعر کو دیکھا۔ پھر سرمد کو۔

''آپ نے اشعر کو کیوں کال کی؟''

''مجھے یاد نہیں۔''

''آپ کافی دیر تک ان سے بات کرتے رہے۔ آپ نے ان سے چار دفعہ کل سے آج تک بات کی۔ لیکن آپ کو یاد نہیں؟ کیا انہوں نے کہا تھا تالیہ مراد پہ تشدد کا الزام لگانے کے لیے؟''

''یہ کال ریکارڈز جھوٹے ہیں۔'' وہ گردن کڑا کے بولا۔ ساتھ ہی پریشان نظروں سے سامنے کرسیوں پہ بیٹھے اشعر کو دیکھا۔ وہ لبوں پہ مٹھی رکھے اسے گھورے جا رہا تھا۔

''میں آپ کی یادداشت تازہ کیے دیتا ہوں۔ اس عورت کو پہچانتے ہیں آپ؟'' احمد نظام نے فولڈر سے ایک فوٹو نکال کے اس کے سامنے کی۔

پراسیکیوٹر بے چینی سے اٹھا۔ ''اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟''

احمد نظام تحمل سے اس کی طرف گھومے۔

''پراسیکیوٹر صاحب... گواہ کا نام آپ نے فہرست میں لکھا تھا۔ اس کے متعلق پورا ریسرچ کر کے میں لایا ہوں۔ میں آپ کے لیے آپ کی جاب آسان کر رہا ہوں۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ آپ تحمل سے گواہ کو جواب دینے کا موقع دیں۔''

ان کا انداز ایسا دوٹوک تھا کہ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ جج صاحب نے بھی ناگواری سے اعتراض رد کیا تو وہ ماتھے پہ بل لیے واپس بیٹھ گیا۔ احمد نظام فرصت سے واپس سرمد کی طرف مڑے۔

''میں اس کو نہیں پہچانتا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''یہ لڑکی ایک زمانے میں عصرہ محمود کے گھر بطور آیا کام کرتی تھی۔ اس کو ہائر کرنے کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنے ساتھی کے ساتھ آریانہ بنت فاتح کو اغوا کیا اور ایک حادثے میں دونوں کی موت واقع ہوگئی۔ یہی لڑکی آپ کی قالینوں کی دکان پہ بھی کام کرتی تھی۔ میں نے اس لڑکی کی فیملی کو بھی ٹریس کیا ہے۔''

''مجھے یاد نہیں۔''

''سرمد صاحب... میرا خیال ہے.... عصرہ کو علم نہیں تھا کہ اس لڑکی کو آپ نے بھیجا تھا۔ آپ اس کے ذریعے آریانہ کو اغوا کر کے تاوان لینا چاہتے تھے لیکن بچی کی حادثاتی موت کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔ کئی برس بعد کسی طرح عصرہ کو اس کا علم ہو گیا۔ انہوں نے آپ کو کال کی۔ اپنی موت سے چند ہفتے قبل۔ وہ آپ کی دکان میں آپ سے ملنے بھی گئیں۔ آپ کی دکان میں کام کرنے والوں کو ان کی آمد کا دن تک یاد ہے۔ عصرہ نے آپ کو قانون کے کٹہرے میں لانے کی دھمکی بھی دی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔''

مگر وہ کہے جا رہے تھے۔

''آپ نے اپنے ایک دوست کو کانٹیکٹ کیا۔ یہ آدمی اب جیل میں ہوتا ہے اور یہ اس کا بیان حلفی ہے۔'' احمد نظام نے ایک کاغذ جج کے ڈیسک پہ رکھا۔ ''یہ آدمی آپ کا جانا پہچانا دوست تھا۔ آپ نے اس سے آرسینک خریدا۔ اور پھر آپ نے وہ زہر آلود کیک عصرہ کو بھیجے۔ عصرہ کو قتل کرنے کی سب سے بڑی وجہ آپ کے پاس ہے کیونکہ وہ آپ کو گرفتار کروانا چاہتی تھیں۔''

''ایسا نہیں ہوا۔ میں نے ان کا قتل نہیں کیا۔ وہ میری مالکن تھیں۔''

''آپ نے کہا ان کے والد آپ کے مالک تھے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں ان کا وفادار ملازم تھا۔ ٹھیک ہے میں ان سے ملا۔ وہ میری شاپ پہ آئیں لیکن انہوں نے مجھ سے صرف آرسینک منگوایا تھا۔ کسی کو آرسینک دینا کوئی جرم نہیں ہے۔'' وہ جذباتی ہو کے نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ تیزی سے کہہ رہا تھا۔

عدالتی کمرے میں دبی دبی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔ سکندر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر اشعر کو۔ پھر اس نے اشعر سے کچھ پوچھا لیکن وہ جواب دیے بنا سرمد کو گھورتا رہا۔

''آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آرسینک آپ نے اپنے لیے خریدا یا ان کے لیے؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔ جج اپنی عینک کے اوپر سے غور سے سرمد کو دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے جھک کے پراسیکیوٹر کو مخاطب کیا لیکن پہلی دفعہ اس نے ہاتھ اٹھا کے اشعر کو

روک دیا۔ وہ اس آدمی کی کہانی سننا چاہتا تھا۔

''انہوں نے بدلے میں مجھے ڈائمنڈ نیکلیس دیا تھا۔ آپ اس جیولری اسٹور پہ چلے جائیں۔ ان کے پاس ریکارڈ ہوگا۔ میں نے وہ ڈائمنڈ بیچے بھی تھے۔ اگر وہ مجھ پہ خفا ہوتیں تو مجھے وہ سیٹ نہ دیتیں۔'' اس کا اعتماد بڑھنے لگا۔ ''تالیہ مراد میرے اوپر قتل کا الزام ڈالنا چاہ رہی ہیں حالانکہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں نے صرف ان کو آرسینک دیا تھا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ عصرہ نے آرسینک خود منگوایا تھا؟''

''یور آنر....'' پراسیکیوٹر پھر سے اٹھا۔ ''اگر مسز عصرہ کو وہ آرسینک اس شخص نے دیا تھا تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا قتل اسی آرسینک سے ہوا ہے۔ تالیہ مراد کے پاس وسائل کی کیا کمی ہے؟ وہ کہیں اور سے بھی لے سکتی ہیں۔''

''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولے۔ ''سرمد صاحب.... جس آئی پی ایڈریس سے تالیہ مراد کا کریڈٹ کارڈ ہیک کر کے کیک آرڈر کیے گئے تھے وہ ان کافی شاپس کے تھے جو آپ کی دکان کے دو سو میٹر ریڈیئس میں آتی تھیں۔ آپ کے فون کے جی پی ایس ڈیٹا کے مطابق آپ بھی انہی جگہوں پہ اسی وقت موجود تھے جب یہ ہیک ہوا۔ آپ اتنے دن اتفاق سے انہی جگہوں پہ کیوں تھے؟''

''میں نے کوئی کارڈ ہیک نہیں کیا۔ مجھے ان کیکس کا کچھ نہیں پتہ۔ میں نے صرف آرسینک دیا تھا۔ اور آرسینک دینا جرم نہیں ہوتا۔'' وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اسے عدالت آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر اشعر نہ کہتا تو وہ کبھی یہاں نہ آتا۔ وہ روپوش ہو جاتا۔ یہ سارا کھیل تالیہ مراد کا تھا۔ وہ اور اس کی دوست.... وہ اس کے ساتھ گڈ کاپ بیڈ کاپ کھیل کے گئے تھے۔ وہ اسے کسی اور طرح عدالت نہیں لا سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا وہ اشعر سے رابطہ کرے گا اور اشعر اس کو عدالت میں جا کے تالیہ کا کیس خراب کرنے کو کہے گا۔ وہ خود چل کے ان کے پھندے میں آ گیا تھا۔

''عصرہ نے آرسینک منگوانے کی کوئی وجہ تو بتائی ہوگی؟''

''انہوں نے کہا تھا انہیں ایک جان لینی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ.....'' وہ چپ ہو گیا۔

''کہ وہ اپنی جان لینے جا رہی تھیں؟ آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ عصرہ محمود نے خودکشی کی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ میں نے صرف آرسینک لا کر دیا تھا۔ یہ جرم نہیں ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا۔ احمد نظام چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔

''میرا آخری سوال۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''آپ نے کس کس کو بتایا تھا کہ عصرہ محمود نے آپ سے آرسینک منگوایا ہے؟''

سرمد کی رنگت پھیکی پڑی۔ ''کسی کو نہیں۔''

''سرمد صاحب..... یہ آپ کے اس زمانے کے فون ریکارڈز ہیں۔'' انہوں نے کاغذات کا ایک پلندہ جج صاحبہ کی میز پہ رکھا۔ ''آپ نے عصرہ سے ملنے کے بعد سے ان کی موت تک کئی دفعہ ایک نمبر پہ کال کی اور اس نمبر پہ بات بھی کی۔ یہ نمبر اس زمانے میں اشعر محمود کے زیر استعمال تھا۔ اور انہی کے آئی ڈی کارڈ پہ رجسٹرڈ ہے۔ کیا آپ نے اشعر صاحب کو بتایا تھا کہ ان کی بہن نے آرسینک منگوایا ہے؟''

کمرہ عدالت میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سکندر نے گردن موڑ کے اشعر کو دیکھا۔ بے یقینی سے۔ صدمے سے۔

''ایش؟'' اس نے اشعر کو کہنی سے جھنجھوڑا۔

لیکن اشعر نے حرکت نہ کی۔ وہ سامنے دیکھتا رہا۔ اس کے تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' وہ ہکلایا۔

''سرمد..... میں آپ کے لیپ ٹاپ کی ہارڈ ڈرائیو اور آپ کے ای میل اکاؤنٹ سے لے کر آپ کی ہر چیز کا ریکارڈ کورٹ میں منگوالوں گا۔ پولیس کی ٹیک ٹیم آپ کی ایک ایک کال' ایک ایک موومنٹ کو ماضی میں ٹریس کرلے گی۔ یہ وزیراعظم کی بیوی کا قتل کیس ہے۔ صرف سچ آپ کو بچائے گا۔'' احمد نظام نے اونچی آواز میں دہرایا۔ ''کیا آپ نے کسی اور کو بتایا تھا کہ عصرہ محمود نے آپ سے زہر منگوایا ہے؟''

''میں نے..... صرف اشعر صاحب کو بتایا تھا۔''

وہ اب اشعر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اشعر کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ اس کی آنکھیں اتنی گلابی ہو رہی تھیں کہ لگتا تھا خون بہہ نکلے گا۔ لوگ مڑ مڑ کے اب اشعر کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ جانتے تھے ماما نے اس سے زہر منگوایا تھا؟'' سکندر دبی آواز میں غرایا۔

''یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ سکندر نے چہرہ موڑ لیا۔ اس کے ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں نمی تھی۔

''اور عدالت کو بتائیں..... اشعر صاحب نے آگے سے کیا کہا؟''

''انہوں نے کہا کہ میں خاموشی سے عصرہ میم کو آرسینک مہیا کردوں۔'' سرمد نے چہرہ جھکا دیا۔

''دیٹس آل..... یور آنر.....'' احمد نظام جج کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ ''عصرہ محمود نے اس شخص سے آرسینک منگوایا تھا۔ جو کیک مبینہ طور پہ تالیہ مراد نے بھیجے ان پہ آرسینک نہیں لگا ہوتا تھا۔ اس بات کے لیے ہمارے پاس گواہ ہے۔''

''کون؟''

تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔

''پردھان منتری خود۔ ان کا کہنا ہے کہ کیک پہ آئسنگ نہیں تھی۔ اگر عدالت ان کو طلب کرے تو وہ آ کر خود گواہی دیں گے۔ فی الحال یہ ان کی طرف سے حلفیہ بیان ہے۔''

انہوں نے ایک اور کاغذ جج صاحبہ کے سامنے رکھا۔ تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹکنے لگا۔

لیکن اس شام سے واپسی ممکن نہ تھی۔

''کیک جس نے بھی بھیجے' یہ معمہ حل کرنا پولیس کا کام ہے۔'' احمد نظام اب کہہ رہے تھے۔ ''لیکن میں یہ بات ثابت کر چکا ہوں کہ آرسینک عصرہ محمود نے خود منگوائی تھی۔ جناب عالی' عصرہ محمود کی موت قتل نہیں' خودکشی تھی۔ اور اگر اس میں کسی کا قصور ہے تو دو لوگوں کا۔ ایک یہ شخص (سرمد کی طرف اشارہ کیا) جس نے ان کو زہر لا کے دیا۔ اور دوسرا اشعر محمود (پیچھے حاظرین میں بیٹھے اشعر کی جانب بازو بلند کیا) جس کو معلوم تھا کہ اس کی بہن زہر منگوا رہی ہے اور زہر کسی کو شفا نہیں دیا کرتا۔ اس کا کام جان لینا ہی ہوتا ہے۔ اپنی یا کسی اور کی۔ لیکن اشعر محمود نے یہ ہونے دیا۔ میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ تالیہ مراد کے اغوا کاروں کے کنٹینر سے ملنے والے خون اور ڈی این اے کے سیمپل اشعر محمود کے سیمپلز کے ساتھ میچ کیے جائیں۔ مجھے شک ہے کہ عدالت کو وہاں سے حیرت انگیز نتائج ملیں گے۔''

اشعر سر جھٹکتے ہوئے اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور سیدھا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ درمیانی رستے کے وسط تک پہنچا تھا جب جج صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں' اشعر صاحب؟''

اس نے کوفت سے آنکھیں میچیں.... اور رک گیا۔

اب وہاں سے نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔

☆☆=========☆☆

عدالت سے واپسی کے سفر میں ان روشنیوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ جھلساتی دھوپ آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔ اوپر سے کیمروں کے چمکتے فلیش... نگاہیں چندھیا گئی تھیں۔

یا شاید اس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔ وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں باہر آ رہی تھی۔ ایڈم اس کے ساتھ تھا۔ اور رپورٹرز کا ہجوم اس کے سامنے مائیک اور کیمرے اٹھائے' چلا چلا کے پوچھ رہا تھا۔

''چے تالیہ.... عدالت نے آپ کے ٹرائل کو مس ٹرائل قرار دے کر آپ کو ہر الزام سے بری کر دیا ہے۔ اس پہ کیا کہیں گی؟''

''کیا آپ کو اشعر محمود نے اغوا کیا تھا؟ کیا اشعر محمود نے اپنی بہن کا قتل کروایا ہے؟''

''کیا عدالت سرمد کو چھوڑ دے گی؟''

ہر شے سلو موشن میں ہو رہی تھی۔ ایڈم رپورٹرز سے بات کر رہا تھا۔ وہ بس خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہر الزام اور ہر جرم سے آزاد۔

کچھ رپورٹرز ایسے تھے جو دور گھاس پہ کھڑے' اپنے اپنے کیمرہ مینوں کی طرف چہرہ کیے' مائیک اٹھا کے رپورٹ پیش کر رہے تھے۔

''وہ کیک کس نے بھیجے' ہم نہیں جانتے' ناظرین۔ عدالت نے سرمد زہدی کو گرفتار کر کے ری ٹرائل کا حکم دیا ہے۔ تالیہ مراد اب آزاد ہیں۔ آزاد تو اشعر محمود بھی ہیں لیکن وہ ری ٹرائل سے پہلے تک ملک نہیں چھوڑ سکتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی کو آرسینک مہیا کرنا جرم ہے؟ آرسینک ہوتا کیا ہے اور یہ کن کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ اس بارے میں ہم آپ کو ایک ڈاکومنٹری دکھانے جا رہے ہیں....''

فاصلے فاصلے پہ کئی رپورٹرز کھڑے اپنے چینل کے کیمرے کو دیکھتے ہوئے اپنی اپنی عدالت سجائے ہوئے تھے۔

وہ سیاہ شیشوں والی کار میں بیٹھی۔ اور دروازہ بند کیا۔ اس لمبی کار میں نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایڈم اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور احمد نظام سامنے۔

کار چل پڑی۔ رپورٹرز کے سوالات سے دور۔ عدالت کی عمارت کی دھوپ سے دور۔ احمد نظام نے بالآخر گہری سانس لی۔

''یہ خون کے نشانات والے کنٹینرز کا آپ نے بہت رسک لیا' چے تالیہ۔ مجھے پہلے معلوم ہوتا تو آپ کو روک دیتا۔''

''لیکن مان لیں کہ اس سے فرق پڑا ہے۔ اشعر محمود ایک لمبے عرصے کے لیے مشکوک ہو گیا ہے۔''

''لیکن وہ اس کیس سے بری ہو جائے گا۔''

''مجھے معلوم ہے وہ بری ہو جائے گا۔ سرمد بھی بری ہو جائے گا۔ کسی کو سزا نہیں ہو گی۔ مگر میں سروائیول موڈ میں ہوں' احمد نظام صاحب۔ مجھے خود کو بری کروانے کے لیے وہ سب کرنا تھا جو میں کر سکتی تھی۔''

''اشعر جانتا تھا کہ عصرہ زہر منگوا رہی ہیں تو اس نے ان کو کیوں نہیں روکا؟'' ایڈم نے سوچتے ہوئے افسوس سے پوچھا۔

''کیونکہ عصرہ اور فاتح کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ اشعر نے سمجھا ہوگا کہ یا تو وہ فاتح کو مارنا چاہتی ہیں یا تالیہ کو۔ دونوں صورتوں میں اشعر کا فائدہ تھا۔''

''یعنی اتنے سالوں سے اشعر جانتا تھا کہ زہر عصرہ نے منگوایا تھا پھر بھی اس نے آپ کو ہر جگہ مورد الزام ٹھہرایا۔'' ایڈم نے چچ چچ کرتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ پراسراریت سے مسکرائی۔

''میں نے اشعر کو اس کیس میں اس لیے پھنسایا ہے کیونکہ وہ اس ملک کا پردھان منتری بننا چاہتا ہے۔ لیکن اس دھبے کے بعد الیکشن تو کیا اس کو پارٹی کا کوئی اہم عہدہ بھی نہیں ملے گا۔ بعد میں وہ بری ہو جائے گا۔ ثبوت ناکافی ہوں گے لیکن آتھکس کمیٹی اس کو دوران تفتیش ہی پارٹی سے سائیڈ لائن کر دے گی۔ میں نے کہا تھا نا' میں سیاہ ہوں' ایڈم۔''

''آپ سیاہ نہیں ہیں' چے تالیہ۔'' احمد نظام سادگی سے مسکرا کے بولے۔ وہ بھی مسکرا دی۔

''لیکن آر یو شیور کہ آپ نے وقت کو روکنے والی کوئی گھڑی استعمال نہیں کی تھی؟''

تالیہ ہنس دی۔ ''نہیں۔ ہم نے صرف وہی کیا تھا جو ہمیں کرنا آتا ہے۔ سرمد ایک ہی جگہ سے شام کی چائے پیتا ہے۔ ہم نے اس کی چائے کو ڈرگ کیا تھا۔ وہ اتنی گہری نیند سویا کہ اسے معلوم نہ ہوا کب کوئی اس کے گھر بنا آواز کے داخل ہوا ہے اور اس کے فون اور گھڑیوں کے اوقات کو دو گھنٹے آگے کر گیا ہے۔ ہم اس سے ایک بجے ملنے گئے تھے۔ اور جاتے ہوئے اس کی کیبل کی تار کاٹ گئے تھے۔ اگلی رات داتن نے اس کی گھڑیاں درست کر دی تھیں۔ انٹرنیٹ ابھی تک اس کا خراب ہے تبھی اس نے سم کارڈ سے اشعر کو کال ملائی تھی۔''

''اور واپسی پہ چے تالیہ نے اس اسٹور میں میرے بھیجے رپورٹر کو مکا مارا جو توقع کے مطابق آپ کو تھانے لے گیا۔ تھانے سے بہترین ایلی بائی کوئی نہیں ہوتی۔ اس لیے' فار دی لاسٹ ٹائم احمد نظام صاحب' ہم نے کوئی ٹائم ٹرنر استعمال نہیں کیا تھا۔''

''آپ لوگوں سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ آخر آپ وقت کے مسافر رہے ہیں۔'' انہوں نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ تالیہ کی وقت کے سفر والی باتیں یوں دہراتے تھے جیسے انہیں ان پہ یقین ہو لیکن تالیہ کا خیال تھا وہ اندر سے ابھی تک ان پہ یقین نہیں کر پائے۔ کوئی بھی نہیں کر پائے گا۔

''آپ کا شکریہ۔'' کار احمد نظام کے گھر کے قریب رکی تو وہ بولی۔ شوفر نے دروازہ کھولا تو باہر سے سرما کی دھوپ میں لپٹی دھنک اندر امڈ آئی۔

ادھیڑ عمر وکیل نے شانے اچکائے اور اپنا بریف کیس سنبھالتے ہوئے اٹھا۔ شوفر نے دروازہ کھولا تو انہوں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

''آپ نے میری فیس دے دی۔ دیٹس اٹ۔ میں نے یہ سب فیس کے لیے ہی کیا تھا۔''

تالیہ کی سوگوار مسکراہٹ گہری ہوگئی۔''اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس کیس سے نہ نکل پاتی۔اور اگر آپ کا دوست میری مدد نہ کرتا تو میں اپنے پرانے جرائم کے لیے معافی نامہ کبھی حاصل نہ کر سکتی۔''

احمد نظام اپنے گھر کے لان کی طرف پشت کیے کھڑے تھے۔تالیہ کو تعجب سے دیکھا اور بولے۔''کون سا دوست؟''اور کندھے اچکا کے مڑ گئے۔تیز دھوپ ان کے عقب سے آ رہی تھی جہاں گھاس پہ دھنک کے سارے رنگ بکھرے تھے۔تالیہ نے ماتھے پہ چھجا بنا کے ان کو جاتے دیکھا اور مسکرا دی۔

''جانتے ہو مجھے اس آدمی کی سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟''

دروازہ بند ہوا تو وہ ایڈم سے بولی۔

''کیا؟''

''جب ان کو احساس ہوا کہ میں سیاہی کا راستہ چھوڑ چکی ہوں تو انہوں نے میرے اندر کی اچھائی کو ایک نہیں کئی موقعے دیے۔ان کے کسی قدم سے کوئی اچھائی کے راستے پہ جاتا ہوا شخص بددل نہ ہو جائے'بس اس ایک بات کے لیے یہ اتنا عرصہ میرے ساتھ لگے رہے۔ایسے لوگ کم ملتے ہیں'ایڈم۔''

''اور آپ جیسی بھاری فیس بھی کم لوگ ہی دیتے ہیں۔''

ایڈم ہنس کے بولا تھا۔تالیہ مسکرا کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔صدیوں کی مسافت کے بعد بالآخر وہ آزاد تھی۔

☆☆==========☆☆

دو دن بعد۔

صبح کی تازگی اس خوبصورت کالونی کی سڑک پہ پھیلی تھی۔دونوں طرف دورویہ درخت تھے جنہوں نے ٹھنڈی سی چھایا کر رکھی تھی۔آسمان آج گہرا جامنی تھا اور سورج کو نکلنے کا راستہ تک نہیں دے رہا تھا۔

ایڈم نے کار اسٹریٹ کے کنارے پارک کی۔پھر گہری سانس لے کر ساتھ بیٹھی تالیہ کو دیکھا۔وہ ہاتھوں میں پکڑے پرنٹ شدہ کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔اس کے جھکے سر پہ سیاہ ہیٹ تھا جس میں سرخ پھول لگا تھا۔

''آج اتوار ہے۔فاتح گھر پہ ہوں گے۔میں بس ان سے یہ سائن کروا کے آتی ہوں۔''

''دوستانہ مشورہ دے رہا ہوں۔یہ نہ کریں۔''

تالیہ نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں ڈر ہے کہ وہ سائن کر دیں گے؟''

''مجھے ڈر ہے کہ وہ سائن نہیں کریں گے اور پھر آپ اپنی ضد پہ اڑ جائیں گی اور ان سے سائن کروا کے دم لیں گی۔ جب آپ ضد کرتی ہیں تو اسے منوا لیتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ایسی چیز پہ ضد کریں جو آپ کو خوشی نہیں دے گی۔''

تالیہ کی آنکھوں میں آج کوئی نمی نہ تھی۔ ایک سوگواریت تھی لیکن اعتماد بھی تھا۔ وہ جیسے اس جذباتی جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ جیسے اس نے اس رشتے کے تحلیل ہو جانے کو قبول کر لیا تھا۔

''میرا رنگ سیاہ ہے ایڈم۔ میں تمہاری کتابوں میں لکھی کوئی سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہوں۔ میں اپنی سیاہی سمیت ان کی زندگی سے دور جانا چاہتی ہوں۔ کسی اور ملک۔ کسی اور جزیرے پہ کسی نئی داستان کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔''

''کہا نا.... میں یہ آزما چکا ہوں۔'' وہ مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کام نہیں کرتا۔''

دونوں گھنے درختوں کے سائے تلے کار میں بیٹھے سامنے پھیلی سڑک کو دیکھ رہے تھے۔

''میں ان کے ساتھ بھی خوش نہیں رہوں گی۔ ان کے بغیر رہ کے دیکھ لوں گی۔ اتنا عرصہ ان کے بغیر ہی تو رہ رہی تھی۔ تم میرا انتظار کرنا۔''

''اور میشا والا معاملہ؟''

''کہا نا... میں سیاہ ہوں۔ مجھے اب کسی دوسرے کو بچانے میں دلچسپی نہیں۔''

''چے تالیہ.... میشا کو وقت دیں۔ ہو سکتا ہے وہ ویسی نہ ہو جیسا آپ اس کو سمجھ رہی ہوں۔''

تالیہ نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ ''تم بھی سمجھتے ہو کہ تالیہ پیرانائڈ ہے؟''

''اچھا چھوڑیں....'' ایڈم نے گھڑی دیکھی اور سامنے اسٹریٹ میں بنی فاتح کی رہائشگاہ کو دیکھا۔ ''اندر کتنا وقت لگے گا آپ کو؟''

''ایک دستخط کروانے میں کتنا وقت لگ سکتا ہے؟''

''شاید ایک لمحہ۔ شاید پانچ سو ستاون برس۔''

ایڈم نے گہری سانس لے کر کندھے اچکائے۔ سیٹ بیلٹ کھولی اور ڈرائیونگ سیٹ پیچھے کر کے ٹیک لگا لی۔ اسے تالیہ کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔

چند منٹ بعد.... سیکیورٹی کے مراحل گزار کے بٹلر اسے گھر کے اندر لے آیا۔ وہ گردن سیدھی رکھے اس کے عقب میں چلتی رہی۔

''داتو سری اسٹڈی میں ہیں۔''بٹلر نے راستے میں بتایا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے فولڈر پہ اس کے ہاتھوں کی گرفت نم ہوگئی۔ یہ مرحلہ مشکل نہیں تھا۔ اسٹڈی میں جانا....فاتح سے ایک کاغذ پہ سائن لینا....مشکل کچھ نہ تھا۔ بس تکلیف دہ تھا۔ اور تکلیف ابھی سے ہونا شروع ہوگئی تھی۔

راہداری کے دوسری طرف سے میشا آتی دکھائی دی۔ تالیہ رک گئی۔ بٹلر بھی رک گیا۔ میشا ایک لمحے کو ہچکچائی پھر قریب آئی۔ اس کے ہاتھ میں دو خالی شاپنگ بیگز تھے۔

''چے تالیہ....ایک بات کرسکتی ہوں آپ سے؟''وہ اسے دیکھ کے سادگی سے گویا ہوئی۔ (بٹلر ہاتھ باندھے چند قدم پیچھے کھڑا ہوگیا۔)''میں نے ملازموں سے سنا کہ آپ آرہی ہیں تو یہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔ میری وجہ سے آپ لوگوں کی زندگی میں جھگڑا ہو میں یہ نہیں چاہتی۔''

تالیہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ اسی انداز میں کہے جارہی تھی۔

''آپ مجھے غلط سمجھتی ہیں لیکن بے فکر رہیے۔ میں کسی غلط ارادے سے اس گھر میں نہیں آئی تھی۔ داتو سری میرے لیے قابل احترام ہیں۔ انہوں نے مجھے اس گھر میں جگہ دی۔ برے وقت میں ساتھ دیا۔ یہ بہت ہے۔ میں ایک سنگل مدر ہوں چے تالیہ۔ میں اپنے ایکس ہزبنڈ کی ہراسمنٹ کا شکار ہوں۔ میں مردوں کی دنیا میں کام کرنے والی عورت ہوں۔ مجھے ہر جگہ غلط سمجھا جائے گا جانتی ہوں۔ لیکن میری زندگی میں پہلے بہت مسئلے ہیں۔ میں ان میں مزید اضافہ نہیں چاہتی۔''وہ تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

''آپ کہاں جائیں گی؟''پھر تالیہ نے قدرے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''اپنی فرینڈ کے گھر۔''پھر اس نے گہری سانس لی اور ہچکچاتے ہوئے بولی۔''میں جانتی ہوں آپ یہ پیپرز کیوں لائی ہیں۔ بچوں نے ذکر کیا تھا۔ میرا معاملہ نہیں ہے اس لیے مجھے کہنا نہیں چاہیے لیکن میں بھی ایک عورت ہوں۔ آپ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔ آپ ڈسٹرب ہیں۔ یہ کرکے (کاغذ کی طرف اشارہ کیا) آپ خوش نہیں رہیں گی۔ اس لیے ایسا کچھ مت کریں جو آپ کو تکلیف دے۔ اپنے فیصلے پہ غور کریں۔ اس گھر میں آپ کے لیے جگہ ہے اگر آپ چاہیں۔''نرمی سے کہا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

تالیہ نے کچھ نہیں کہا۔ بس بٹلر کو اشارہ کیا۔ وہ اسے اسٹڈی کی سمت میں لے گیا۔

جب بٹلر نے اسٹڈی کا دروازہ کھولا تو سامنے فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ دروازہ پورا کھلتا گیا تو جہاں کتابوں کے ریکس

نمایاں ہوئے وہیں تالیہ نے دیکھا' سکندر اور جولیانہ وہیں بیٹھے تھے۔ تالیہ کو دیکھ کے دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہم جائیں' ڈیڈ؟''

''ہاں۔''

''نہیں۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔ فاتح نے سوالیہ نظروں سے تالیہ کو دیکھا جو انہیں جانے سے منع کر رہی تھی۔ ان دونوں نے بے اختیار باپ کو دیکھا۔

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' وہ آگے آئی اور فولڈر ان کی میز پہ رکھا۔ فاتح نے ایک نظر فولڈر کو دیکھا اور دوسری سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''آپ یہ سائن کر دیں تو میں جاؤں۔''

جولیانہ نے سکندر کو دیکھا۔ (ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔)

سکندر نے اشارہ کیا۔ (خیر ہے... کھڑی رہو۔)

اسٹڈی میں بالکل سناٹا چھا گیا۔

اپنی کرسی پہ بیٹھے فاتح نے فولڈر اٹھا کے کھولا۔ سپاٹ چہرے سے اس پہ لکھی عبارت پڑھی۔ تالیہ سامنے کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔ فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

''میں سائن کر کے تمہیں بھجوا دوں گا۔'' اس نے فولڈر بند کر دیا۔

تالیہ کا دل اندر ہی اندر کٹ کے رہ گیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اسے ابھی اسی وقت کاغذ سائن کر کے دے ڈالے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اس نے تائیدی انداز میں سر کو خم دیا۔

''شیور۔ میں انتظار کروں گی۔'' اب وہ مڑنا چاہتی تھی اور یہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔ وہ بہت کچھ چاہتی تھی لیکن معلوم نہیں کیوں وہ چند لمحے مزید کھڑی رہی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں استفہام تھا۔

''کچھ اور؟'' اس کے انداز میں گلہ تھا۔

''ویل۔'' تالیہ نے سنجیدہ چہرہ سکندر اور جولیانہ کی طرف موڑا جو اسے انہی اجنبی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو اب تک یقین آ جانا چاہیے کہ میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی میں کوئی گولڈ ڈگر ہوں۔ میری اگلے ہفتے فلائٹ ہے اور میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ ہمارے راستے اب ایک دوسرے کو نہیں کاٹیں گے۔ امید ہے میں نے اپنے اوپر لگے تمام الزام دھو ڈالے ہیں۔'' وہ پرس لیے مڑی تو جولیانہ بولی۔

''اور جو الزام آپ نے دوسروں پہ لگائے؟ ان کا کیا؟''

تالیہ بہت ضبط سے واپس پلٹی۔ فاتح نے اکتا کے ہاتھ اٹھایا۔

''اس قصے کو اب ختم کر دو' جولی۔''

''کیوں؟ کیا انہیں معذرت نہیں کرنی چاہیے؟ انہوں نے میری ٹیچر کو فراڈ ثابت کرنے کو کوشش کی۔''

وہ تڑخ کے بولی۔

تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''میں نے اس عورت کو کچھ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ وہ فراڈ ہیں؟''

''صرف کہا تھا۔ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تب کرتی جب آپ لوگ میری کہی بات پہ اعتبار کرتے۔ لیکن چونکہ آپ اس کے ساتھ خوش ہیں تو میں اس معاملے میں دخل نہیں دینا چاہتی۔'' وہ ہیٹ سر پہ ٹھیک سے جماتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جولیانہ نے استہزایہ انداز میں سر جھٹکا۔ ابھی اس کا ہاتھ ڈورناب پہ تھا جب فاتح نے اسے پکارا۔

''ایک منٹ۔''

وہ پیچھے نہیں مڑنا چاہتی تھی۔ پیچھے مڑنے والے نمک کے مجسمے بن جاتے ہیں اور ان مجسموں کو آنسو گھول کے بہا دیتے ہیں۔ اسے بس یہاں سے نکلنا تھا۔

''یعنی تم میشا کو فراڈ ثابت کر سکتی ہو؟'' وہ تعجب سے بولا۔ تالیہ نے گہری سانس لی اور واپس پلٹی۔

''ظاہر ہے' فاتح۔ میری ایک عمر گزری ہے اصل اور نقل پینٹنگ کا فرق معلوم کرنے میں۔''

''اچھا۔ کیسے؟'' فاتح نے پیچھے ٹیک لگا کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ جیسے سارے اختلافات بھول گیا تھا۔ یا بھولنا چاہتا تھا۔

''پلیز چے تالیہ....'' جولیانہ کوفت سے بولی۔ ''میری ٹیچر کی فوٹو گرافز نقل نہیں ہیں۔''

تالیہ نے افسوس سے جولیانہ کو دیکھا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''اونہوں۔ میں اصلی پینٹنگ ہوں۔ وہ نقلی ہے۔''

''ڈیڈ.... آپ اس خاتون کو کیوں سن رہے ہیں؟ مسز میشا کی سیکیورٹی کلیئرنس.....''

مگر فاتح نے سکندر کو ہاتھ اٹھا کے خاموش کروا دیا۔

''میں سن رہا ہوں۔'' تالیہ کو بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

تالیہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''اس کو بلا کے پوچھیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔'' وہ رکی۔ ''وہ سیدھی کہاں جا رہی ہے۔ اور اس کے

جواب میں اپنا جواب ڈھونڈیں۔"

فاتح نے انٹر کام اٹھایا اور میشا کو بلانے کو کہا۔ اس کی نگاہیں ابھی تک تالیہ پہ جمی تھیں۔

چند لمحے بعد دروازے پہ دستک ہوئی اور میشا اندر داخل ہوئی۔ اس کا ہینڈ بیگ کندھے پہ تھا اور اس نے سفید ہیٹ پہن رکھا تھا۔ ایک نظر سب کے منتظر چہروں کو دیکھا۔ تالیہ پیچھے بک شیلف سے ٹیک لگائے کھڑی ابھی تک فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

"میشا.... آپ کی تیاری مکمل ہوگئی؟ میں نے سنا ہے کہ آپ جا رہی ہیں؟" فاتح نے نارمل انداز میں پوچھا۔ جواباً وہ سادگی سے مسکرا دی۔

"جی' داتو سری۔ میں بس نکلنے ہی والی ہوں۔"

"آپ کہاں جائیں گی؟"

"اپنی فرینڈ کی طرف۔"

"سیدھی وہیں جائیں گی؟ میرا مطلب ہے کہیں اور تو نہیں جائیں گی؟"

"جی نہیں۔" میشا نے گہری سانس اندر کھینچی۔ "میرا ایکس ہزبنڈ ابھی تک مفرور ہے۔ اس لیے بے فکر رہیں۔ میں سیدھی اپنی فرینڈ کی طرف جاؤں گی اور وہیں رہوں گی۔"

تالیہ ابھی تک فاتح کو دیکھ رہی تھی۔ اس جواب پہ مسکرائی اور ابرو اٹھایا۔ "کیا میں نے ثابت نہیں کر دیا اصلی اور نقلی پینٹنگ کا فرق؟"

میشا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر فاتح کو۔ تالیہ نے اپنا بیگ اٹھایا اور ہیٹ کو دو انگلیوں سے ماتھے پہ مزید جھکاتے ہوئے مسکرا کے باہر نکل گئی۔ وہ اب اس سے زیادہ یہاں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

"میں جاؤں' داتو سری؟" میشا نے اجازت چاہی۔

"میشا.... آپ کو معلوم ہے اصلی اور نقلی پینٹنگ کا فرق کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟" فاتح نے اس پہ نگاہیں مرکوز کیے کہا۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا اور میشا دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی تھی۔ "اس ایک چیز سے جو اصلی پینٹنگ میں نہیں تھی اور اسے نقلی پینٹر نے اپنی پینٹنگ میں ڈال دیا۔ آپ کی اور تالیہ کی کہانی میں ایک چیز کا فرق ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے اچنبھے سے فاتح کو دیکھا۔

"آپ کی ایک بیٹی بھی ہے۔" وہ بالکل اجنبی ٹون میں کہتے ہوئے اٹھا۔ "اور ایک ماں کی پہلی instinct اپنے بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کی دوست کا فارم ہاؤس شہر سے دور ہے۔ لیکن آپ سیدھی وہاں جا رہی ہیں۔ ایمی

کو اسکول سے پک کیے بغیر۔'' وہ دروازے کی طرف آیا۔ میشا کا ہاتھ ڈور ناب پہ تھا۔ فاتح نے نرمی سے اس کا ہاتھ وہاں سے ہٹایا' اور دروازہ بند کیا۔

''سکندر... باہر جاؤ اور سیکیورٹی ٹیم کو بلاؤ۔ ان سے کہو باہر انتظار کریں۔ اور تم میشا... تم یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

میشا چند لمحے بالکل ساکت سی اس کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم وہ ہنس پڑی۔

''دو سال لگے آپ کو مجھے پکڑنے میں۔ ناٹ بیڈ۔'' اس نے مسکرا کے ہیٹ اتارا اور آرام سے سامنے رکھے صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور کہنی صوفے کے ہتھ پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ذوالکفلی ٹھیک کہتا تھا۔ تالیہ آپ کی زندگی میں واپس آ گئی ہے اور صرف وہی مجھے پکڑ سکتی ہے۔ مجھے پہلے نکل جانا چاہیے تھا لیکن اٹس اوکے۔'' مسکرا کے شانے اچکائے۔ ''No regrets''

اسٹڈی میں ششدر سا سناٹا چھایا تھا۔ سکندر تو ہکا بکا تھا ہی... لیکن جولیانہ... اس کی رنگت فق ہو گئی تھی۔

''میم..... آپ مذاق...''

''پلیز شٹ اپ جولیانہ۔'' میشا نے فاتح کو دیکھتے ہوئے دایاں ہاتھ جھلا کے اشارہ کیا۔ ''تم بہت annoying اور بہت spoiled ہو۔''

میشا کا لہجہ اب وہ پوش' مہذب لہجہ نہیں رہا تھا جسے سننے کا وہ عادی تھا۔ بلکہ کے ایل کی تاریک گلیوں میں سلینگ بولنے والے نوجوانوں جیسا ہو گیا تھا۔

فاتح نے سکندر کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ فاتح نے میز پہ رکھا فون اٹھایا اور سختی سے بولا۔

''مسز میشا اندر میرے ساتھ ہیں۔ سیکیورٹی سے کہہ دو' وہ باہر نہیں جائیں گی۔ ایک اور سیکیورٹی ٹیم کو میری اسٹڈی کے باہر تعینات کر دو۔ میں مسز میشا سے چند باتیں کہہ لوں' پھر تم ان کو لے جا سکتے ہو۔'' فون رکھ کے جولیانہ کو دیکھا جو پلکیں تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

''جولی... تم جاؤ۔''

''ہاں' جولی.... پلیز تم جاؤ۔ داتو سری ویسے بھی مجھے دس منٹ سے زیادہ یہاں نہیں روک سکیں گے۔'' وہ جو اطمینان سے بیٹھی تھی' اسی انداز میں بولی۔ اس کا اعتماد.... اس کی بے خوفی.... فاتح نے جولیانہ کو وہاں سے بھیجا... اور خود کرسی کھینچ کے اس کے سامنے بیٹھا۔

''تو تمہیں ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔''

''آف کورس مجھے ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔کوئی اور مجھے دو سال کے لیے اتنا معاوضہ دے بھی نہیں سکتا۔''

''دو سال....ایک طویل عرصہ ہے۔تم صرف معاوضے کے لیے نہیں یہاں رہیں۔'' وہ غور سے اس کی آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ پڑھ رہا تھا۔فاتح کا چہرہ ایسا کرتے ہوئے بالکل سپاٹ تھا۔اندر ابلتے طوفانوں کو اندر دبائے وہ بظاہر بالکل پرسکون تھا۔

''یہ ایک بہترین کور تھا۔شہر کے امراء تک رسائی۔اسٹوڈنٹس کے گھروں میں نقب لگانا۔طاقتور لوگوں کے اہم راز ان کے بچوں کی زبانی سننا۔ٹیچر اور ڈاکٹر کو لوگ سب بتا دیتے ہیں۔اور انفارمیشن کی قیمت ہوتی ہے۔''

''تمہارے آئی ڈی کارڈز... پاسپورٹ... کسی چیز پہ کبھی کوئی ریڈ فلیگ نہیں تھا۔''

''کیونکہ میرے پاس اونچے عہدوں والے دوست ہیں' داتو سری۔کیونکہ میں اپنے کام میں اچھی ہوں۔تالیہ مراد سے بہت بہتر۔شاید بیسٹ۔'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے پاؤں جھلا رہی تھی۔

''اور تم نے میری بیٹی کو استعمال کیا؟''

''نہ صرف آپ کی بیٹی کو بلکہ اس کی سائیکولوجسٹ کو جس کے پاس اس کی تھیراپی ہو رہی تھی۔اس کی کیس فائلز سے یہ معلوم کرنا کہ آپ کو ہوم ٹیوٹر کی تلاش ہے' یا جولیانہ کو کس طرح کی ٹیچر چاہیے' بہت آسان تھا۔میں امیدواروں کی قطار میں داخل ہو گئی اور آپ نے مجھے خود چنا۔ایسے جیسے یہ آپ کا اپنا آئیڈیا ہو۔''

اسٹڈی میں وہ دونوں تھے اور خاموش کتابیں تھیں۔وہ کسی سانپ کی طرح دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔نظریں فاتح کی آنکھوں سے ہٹائے بغیر۔اس کے چہرے پہ ایک عجیب تمسخر تھا جس کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

''اور ایمی؟ وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے؟''

''ہاں۔وہ بھی ذوالکفلی کی ایک اسٹوڈنٹ ہے۔لیکن اس کی فکر مت کریں۔اس کو اسکول سے کسی نے پک کر لیا ہوگا۔وہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔''اور کچھ؟''

''تم ہم سے تالیہ کے بارے میں ہمیشہ اچھی باتیں کیا کرتی تھی۔''

''ڈونٹ یو انڈر اسٹینڈ' داتو سری؟ وہ ایک رول تھا۔میشا تاج۔ایک اچھی ٹیچر۔کون آرٹسٹ پورے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔'' وہ جوش سے کہنے لگی۔''وہ ایک کردار تخلیق کرتے ہیں اور اسے آخر تک نبھاتے ہیں۔''

''جب تالیہ نے تم پہ شک کا اظہار کیا تو تم بھاگی کیوں نہیں؟'' وہ سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ مجھے ذوالکفلی نے تالیہ کی جگہ لینے بھیجا تھا یار۔ میں نے آخری حد تک کوشش کرنی تھی۔ لیکن آج مجھے احساس ہوا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں بھاگ ہی رہی تھی۔ لیکن پھر آپ نے مجھے پکڑ لیا۔ سمپل۔'' اس نے شانے اچکائے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سا تھا۔ وہ بالکل پرسکون اور پراعتماد تھی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے۔ میں نے اور میری بیٹی نے تم پہ اعتماد کیا۔ تمہیں گھر میں جگہ دی۔ اور تم سارا وقت ہمارے ساتھ جھوٹ بولتی آئیں؟ مجھے تمہارے لیے افسوس ہے' یشا۔ تم اپنی زندگی میں جھوٹے رشتوں کے سوا کچھ نہیں پاؤ گی۔''

''اور آپ جیسے سچ بولنے والوں کی زندگی میں کیا ہے؟ یہ اونچا محل؟ خالی دیواریں؟ اپنی کرسی کو بچانے کی فکر؟ ہونہہ۔'' وہ مسکرا کے اٹھی۔ ''میں جاؤں؟''

''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں تمہیں جیل بھیجنے کے بجائے یہاں سے جانے دوں گا۔''

''اوہ آپ مجھے ابھی بہت عزت سے رخصت کرنے والے ہیں' داتو سری۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''کیونکہ میرے پاس ایک انشورنس پالیسی ہے۔''

''انٹرسٹنگ۔ کیا ہے وہ پالیسی؟''

''میں ذوالکفلی کے اس کام کے لیے اس لیے راضی ہوئی تھی کیونکہ اس نے مجھے بچ نکلنے کا راستہ دکھا دیا تھا۔'' وہ صوفے پہ آگے کو ہوئی اور اس کی طرف جھکی۔ ''میری انشورنس پالیسی ہے تالیہ مراد۔''

فاتح نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

''تالیہ نے بہت سے جرائم ذوالکفلی کے ساتھ مل کے کیے ہیں۔ اس کے پاس ان کے ثبوت ہیں۔''

''وہ ان جرائم کے لیے معافی نامہ حاصل کر چکی ہوں۔''

''ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ میں ان ثبوتوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گی؟ اونہوں۔'' یشا نے دائیں سے بائیں گردن ہلائی۔ ''اگر آج میں صحیح سلامت یہاں سے نہ نکلی تو ذوالکفلی ان ساری چیزوں کو میڈیا پہ دے دے گا۔ انٹرنیٹ کی دنیا کریزی ہوتی ہے' داتو سری۔ وہاں perception ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ تالیہ مراد کے جرائم کا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔ ابھی تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تالیہ ایک کون آرٹسٹ تھی۔ اس کا معافی نامہ بھی صوفیہ رحمٰن نے seal کروا دیا تھا۔ کوئی اسے کھول بھی نہیں سکتا۔ لیکن... اگر میری زبان کھل گئی تو...'' اس کی آواز ہلکی ہو گئی۔ وہ بنا پلک جھپکے فاتح کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

''تو سارا ملک جان جائے گا۔ سارا ملک یہ بھی پوچھے گا کہ صوفیہ رحمٰن نے کیسے ایک مجرم کو معاف کر دیا۔ تالیہ مراد ابھی

ابھی ایک الزام سے نکلی ہے۔ وہ اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ایسے کئی اسکینڈلز میں گھر جائے گی۔ جن لوگوں کی چیزیں اس نے چرائی تھیں یا ان کو لوٹا تھا' وہ بدلہ لینے نکل آئیں گے۔ اس دفعہ تالیہ پہ لگنے والے الزامات سچے ہونگے۔ اب آپ بتائیں داتو سری... آپ مجھے یہاں روکیں گے یا عزت سے جانے دیں گے؟''

یہ وہ میشا نہیں تھی جسے وہ اتنے عرصے سے جانتا تھا۔ یہ چمکتی آنکھوں اور عامیانہ لہجے میں بولنے والی عورت کوئی اور تھی۔

فاتح خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں میشا کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''گھڑی کی سوئیاں آپ کا وقت کم کر رہی ہیں۔ مجھے گیارہ بجے سے پہلے اس گھر سے باہر ہونا چاہیے۔ ورنہ تالیہ کے ساتھ بہت برا ہوگا۔ کیا آپ اس کی عزت سے زندگی گزارنے کی خواہش پوری نہیں ہونے دیں گے؟''

وان فاتح نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور میشا کو معلوم تھا وہ جیت چکی ہے۔

''تم یہاں سے خالی ہاتھ جاؤ گی۔ تم اپنا سامان' اپنی چیزیں' سب یہاں چھوڑ کے جاؤ گی اور دوبارہ میرے گھر یا میرے بچوں کے قریب بھی نہیں آؤ گی۔ اور تم کبھی بھی تالیہ کو ہرٹ کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''اینڈ.....وی ہیو اے ڈیل۔'' میشا نے مسکرا کے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

کچھ دیر بعد میشا تاج اس گھر کے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ جولیانہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی اور سکندر...وہ اسٹڈی کے ایک کونے سے دوسرے کا چکر کاٹتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

''ڈیڈ.....وہ عورت...وہ فراڈ تھی...آپ اس کو کیسے جانے دے سکتے ہیں؟'' وہ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔ رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''ہم اس کو روک نہیں سکتے تھے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں ملال تھا۔

''وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ ڈیڈ میں آپ کو بتا رہا ہوں.....یہ یہاں سے جا کے بھی کچھ ایسا ضرور کرے گی جس سے آپ کو نقصان ہو۔''

فاتح سوگواریت سے مسکرایا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''تمہیں لگتا ہے میں یہ بات نہیں جانتا؟'' اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ سکندر بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اب پورے گھر میں جولیانہ کو آوازیں دے رہا تھا۔ جولیانہ کو اس صدمے سے نکلنے میں اب ایک لمبا عرصہ لگنا تھا' وہ جانتا تھا۔

وہ فولڈر اس کی اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا رہ گیا۔

''کیا انہوں نے دستخط کیے؟'' تالیہ جب واپس کار میں آئی تو ایڈم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں لیکن ان کو میشا کی حقیقت جلد معلوم ہونے والی ہے۔'' وہ کچھ مضمحل سی لگ رہی تھی۔ ساری تفصیل سن کے ایڈم نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''یعنی ثابت ہوا... تالیہ مراد کے اندازے غلط نہیں ہوتے۔'' پھر اس نے جھرجھری لی۔ ''آپ چلی کیوں آئیں؟ وہاں رہ کے میشا کے تاثرات کیوں نہیں دیکھے؟''

''میں فاتح کو افسردہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی' ایڈم۔'' وہ پرملال لگ رہی تھی۔ ایڈم نے کار سڑک پہ ڈال دی تھی اور اب ڈرائیو کرتے ہوئے گاہے بگاہے اس کو دیکھ رہا تھا جو پریشان سی کھڑکی کی طرف چہرہ موڑے ہوئے تھی۔

''ایک بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔'' تھوڑی دیر بعد تالیہ نے اپنے خدشے کو زبان دی۔ ''میشا وہاں رکی کیوں رہی؟ جب میں نے اس سے ٹیڑھے سوال پوچھے تھے... اس روز ڈنر پہ... تو اس کا کور خراب ہو چکا تھا۔ اسے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ اس نے اتنے دن انتظار کیوں کیا؟''

''کیونکہ وان فاتح اس پہ ابھی تک بھروسہ کیے ہوئے تھے۔''

''نہیں' ایڈم۔ وہ عورت ان کو نقصان پہنچائے گی۔''

''تو آپ کو فکر کیوں ہے؟ آپ تو ویسے بھی ان کو چھوڑ کے جا رہی ہیں۔ اب آپ یہاں نہیں ہوں گی تو بھلے کوئی بھی ان کو نقصان پہنچائے۔ آپ کو کیا؟''

تالیہ کے ماتھے پہ شکنیں پڑیں۔ اس نے ناگواری سے ڈرائیو کرتے ہوئے ایڈم کو دیکھا۔

''میں نے صرف دایاں ہاتھ کٹوانے کی بات کی تھی یا زبان کی بھی؟''

ایڈم نے افسوس سے اسے دیکھ کے سر جھٹکا۔ ''دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی' لیکن شہزادی تاشہ کی رعونت نہیں گئی۔''

''جائے گی بھی نہیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جو بھی تھا' وہ اب اس بارے میں نہیں سوچے گی۔ وہ ہر ایک کو بچانے کی فکر اب نہیں کرے گی۔ بس۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ شہر میں سلطنت محل اب ایک میوزیم بن چکا تھا۔ یہ وہ سلطنت محل نہیں تھا جس میں ایک زمانے میں شہزادی تاشہ داخل ہوئی تھی۔ مراد راجہ کی موت کے چند سال بعد پرتگالی ملاکہ پہ قابض ہوئے اور اس محل کو جلا کے راکھ کر دیا۔ صدیوں بعد پرانے نقشے دریافت ہوئے اور ان کتابوں کی مدد سے ہو بہو ویسا ہی محل تعمیر کیا گیا۔

لکڑی کا یہ خوبصورت محل گو کہ وہی تھا لیکن... یہ وہ نہیں تھا۔ وہ ایسے بدل چکا تھا جیسے انسان بدل جاتے ہیں۔ ڈھانچہ وہی

رہتا ہے۔ نقش وہی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا دل بدل جاتا ہے۔ پرانا جل کے راکھ ہو جاتا ہے اور جو نیا دل اس کی جگہ لیتا ہے اس میں گوشت کم اور پتھر زیادہ ہوتا ہے۔

اس محل کو دیکھنے سیاح دن رات دور دور سے آتے تھے۔ انسٹاورڈی فوٹوز کھنچواتے' وہاں درج تحریریں پڑھتے' ہنستے بولتے کھاتے پیتے وہاں سے رخصت ہو جاتے۔

کچھ البتہ پچھلے طرف بنے احاطے میں بھی جاتے تھے جہاں گزشتہ سلاطین کی قبریں موجود تھیں۔ پتھریلی کتبوں والی یہ قبریں پرتگالیوں کی آگ سے محفوظ رہ گئی تھیں۔ وہاں تین چار قطاریں بنی تھیں اور اپنے وقت کے طاقتور ترین حکمران ایک ہی صف میں ابدی نیند سو رہے تھے۔

ان قبروں کی وسطی قطار میں تالیہ مراد موجود تھی۔ سر پہ سیاہ اسکارف اوڑھے' وہ دعا کے انداز میں ہاتھ باہم ملائے ایک قبر کے سامنے کھڑے تھی۔ اس کی گلابی آنکھیں کتبے پہ جمی تھیں۔

''سلطان مراد راجہ''

آنکھ سے آنسو گرا اور گال پہ بہہ گیا۔ اس نے اپنے لمبے سیاہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ قدیم طرز کا لفافہ نکالا۔ لفافے کے اندر سے خط نکالا اور وہ تحریر پھر سے پڑھنے لگی۔

اس کا باپ مر چکا تھا۔ اس کی قبر سامنے تھی۔

لیکن کسی اور دنیا میں اس کا باپ زندہ تھا۔ اور وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گال پہ لڑھکنے لگے۔ اس نے قبر پہ ہاتھ پھیرا۔

''میرے آپ سے سارے گلے دور ہو چکے ہیں' بابا۔ لیکن میں اب واپس نہیں جا سکتی۔ کیونکہ میں نے آپ کو ہر صورت موت کے ہاتھوں کھو دینا ہے۔ وہ میری دنیا نہیں ہے۔ یہ میری دنیا ہے۔ تالیہ نے زندگی میں بہت سے غلط فیصلے کیے ہیں۔ اب بھی شاید کر رہی ہے۔ لیکن بابا... میں اپنی دنیا نہیں چھوڑ سکتی۔ میری دعا ہے کہ آپ اپنی موت سے پہلے مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا تھا لیکن میں خود بھی دکھی ہوں۔''

وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ آنسو تھوڑی سے نیچے گردن پہ ٹپک رہے تھے۔

اس احاطے کے باہر ایڈم اور داتن منتظر سے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ تالیہ کی ان کی جانب پشت تھی۔ دور سے وہ بس سر جھکائے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک درخت کے ساتھ کھڑے اس کے منتظر تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ دونوں اداس تھے۔

پھر داتن کھنکھاری۔ ''تالیہ واپس جانے کا تو نہیں سوچے گی؟''

''یہ ناممکن ہے' داتن۔ وہ اپنے بابا کے خط کے بعد سے گلٹی ضرور ہیں لیکن بے وقوف نہیں ہیں۔''

دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ آ گیا۔ پھر داتن گویا ہوئی۔

''وہ فاتح کو چھوڑ رہی ہے۔ تم جانتے ہو۔ پھر بھی تم نے اس سے اب تک بات کیوں نہیں کی؟''

ایڈم نے سن گلاسز اتارے اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔

''پہلے مجھے ڈر تھا کہ وہ میرا انتخاب نہیں کریں گی۔ لیکن اب بات انتخاب سے آگے نکل چکی ہے۔ یہ جو دل ہوتا ہے نا' اس میں ایک وقت میں ایک شخص سما سکتا ہے اور جب تک وہ نہ نکلے کسی دوسرے کو اس میں داخل ہونے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔''

''کیا تم اس کے دل سے فاتح کے نکلنے کا انتظار کرو گے؟''

''نہیں' داتن۔ جس کے محبوب کے دل میں کوئی اور ہو' اور وہ پھر بھی اس کو پانے کے لیے جتن کرتا رہے' ایسا شخص ہمیشہ مغموم رہتا ہے۔ محبوب کے لیے دودھ کی نہر کھودنا یا زہر کھانا آسان ہوتا ہے۔ جانتی ہو مشکل کیا ہوتا ہے؟''

ایڈم اس کی طرف گھوما۔ وہ سرما کی دھوپ میں کھڑا تھا اور داتن چھاؤں میں۔ دھوپ اور سائے میں تین قدموں کا فاصلہ تھا۔ داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا جس کے اردگرد سے روشنی کی تیز شعاعیں نکل رہی تھیں۔

''کیا مشکل ہوتا ہے؟''

''اس کی محبت سے موو آن کر کے آگے بڑھ جانا۔ کسی کو اَن لو نہیں کیا جا سکتا' میں مانتا ہوں۔ لیکن اپنے دل کو اس کی خواہش سے خالی کیا جا سکتا ہے۔''

''نہیں کیا جا سکتا۔''

''مگر میں کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ جب دو لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں' تو کسی تیسرے کو ان کے درمیان کی لکیر نہیں بننا چاہیے۔ ایڈم بن محمد میں اتنی سیلف اسٹیم ہے کہ وہ ٹھکرائے جانے کا انتظار کیے بغیر ہی اس تکون سے الگ ہو جائے۔ میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا' داتن۔ کیونکہ اب میں خود سے بھی محبت کرتا ہوں۔ اور اگر میں ان کے درمیان میں آیا تو ایڈم کو ایڈم کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔''

سیاہ لباس والی تالیہ اب قبروں کی قطار سے نکل کے ان کی طرف آ رہی تھی۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ خط تہہ کرتے ہوئے' آنکھیں رگڑتی احاطے سے باہر نکلی۔ ان کے پاس پہنچنے تک اس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔ وہ خط کو پرس میں ڈالنے

لگی کہ داتن نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''کیا میں اس کا لفافہ رکھ سکتی ہوں؟ یہ اینٹیک ہے اور میرے کام آئے گا۔''

''نہیں۔'' تالیہ نے سختی سے کہا اور خط اندر پرس میں ڈال دیا۔ ''یہ میرے پاس میرے بابا کی آخری نشانی ہے۔''

داتن نے خفت سے کندھے اچکائے۔ ''اوکے۔اوکے۔سوری۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''کہیں چل کے کھانا کھاتے ہیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ مغموم سے انداز میں بولی۔اس کی ناک ابھی تک سرخ پڑ رہی تھی۔

''تالیہ....ہم تینوں آخری دفعہ ملا کہ ساتھ آرہے ہیں۔تم اگلے ہفتے ہمارا ملک چھوڑ کے چلی جاؤ گی۔ہم پھر کب آسکیں گے بھلا؟ کم از کم آج کا دن یہ اداس شکل نہ بناؤ اور اچھی یادیں لے کر جاؤ۔''

داتن قدرے خفگی سے بولی تو تالیہ جبراً مسکرائی اور اثبات میں سر ہلایا۔وہ بھی ایڈم کی طرح دھوپ میں کھڑی تھی۔

''اور یہ طے ہے کہ آپ اپنا ارادہ نہیں بدلیں گی؟'' ایڈم نے بغور اسے دیکھا۔

''نہیں۔میں مزید اس ملک میں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے دور جانا ہے۔''

''کہا نا...یہ کام نہیں کرتا۔'' ایڈم نے ابرو اچکا کے کہا اور آگے بڑھ گیا۔وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولی۔داتن ایک قدم پیچھے تھی۔

''آج کے دن تم اپنا سارا وقت مجھے اور ایڈم کو دو گی' تالیہ۔'' داتن ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''آج کے دن تم اپنی آزادی کو انجوائے کرو گی۔اگر فاتح سے دور جانے کا فیصلہ کیا ہی ہے تو اس کو برداشت بھی کرو۔آج ہم فاتح کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔''

''شیور۔کون فاتح؟'' شہزادی نے شانے اچکا کے کہا اور گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

داتن مسکرادی۔ایڈم نے البتہ اپنی مسکراہٹ چھپالی تھی۔

چلتے چلتے تالیہ نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا جہاں آج ایک روشن دن نکلا تھا۔پھر اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

ہاں آج کے دن وہ نہ فاتح کی فکر کرے گی' نہ اس کے بارے میں سوچے گی۔آج کا دن وہ اپنا رنگ میں رہے گی۔وہ سیاہ ہے اور اسے کسی دوسرے کو بچانے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔

وہ تینوں ایک ریستوارن میں داخل ہوئے اور ایک میز کے گرد رکھی تین کرسیاں ایک ساتھ کھینچیں۔

پھر کرسیاں کھینچتے ہاتھ تینوں کے ایک ساتھ رکے۔

گردنیں اوپر ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

آنکھیں وہیں ساکت ہو گئیں۔ جیسے ریستوران میں دوسرے لوگوں کی ہو چکی تھیں۔

اسکرین پہ وان فاتح کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اور ساتھ چلتی خبر سب کو ہکا بکا کر گئی تھی۔

''پردھان منتری ایک نئے مسئلے کا شکار۔''

اسکرین پہ نظر آتی نیوز کاسٹر سپاٹ چہرے اور روبوٹ مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

''پردھان منتری وان فاتح بن رامزل کی پندرہ ہزار چھے سو بہتر ای میلز انٹرنیٹ پہ جاری کر دی گئیں۔ ناظرین کی معلومات کے لیے بتاتے چلیں کہ پولیٹکولیکس ایک ایسا بین الاقوامی پورٹل ہے جہاں گزشتہ کئی برس سے سیاستدانوں' خفیہ ایجنسیوں اور سلیبریٹیز کے سیکرٹ ڈاکومنٹس' ای میلز اور پرائیوٹ ویڈیوز نشر کی جاتی ہیں۔ یہ مواد اس ویب سائٹ کو ہیکنگ کے ذریعے ملتا ہے یا وسل بلوورز کے ذریعے۔

''مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ وان فاتح کی جو ای میلز لیک کی گئی ہیں وہ ذاتی نوعیت کی نہیں ہیں۔ وہ سرکاری نوعیت کی ہیں۔ ان میں سیاسی دعوات ناموں سے لے کر فوجی عہدیداروں کے ساتھ کی جانے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ہمارے تجزیہ کار ان ای میلز کا جائزہ لے رہے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ان میلز میں موجود مواد ملکی سلامتی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ وان فاتح کے پہلے دورِ حکومت سے متعلق ہے اور اس میں روٹین کے امور کی بات کی گئی ہے۔ لیکن....'' نیوز کاسٹر نے وقفہ دیا۔ ''اگر یہ نقصان پہنچائیں گی تو صرف ایک شخص کو....''

''وان فاتح کو۔'' ایڈم بے یقینی سے اسکرین کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟ یہ ذاتی ای میلز نہیں ہیں۔ اور وہ کہہ رہے ہیں نا کہ ان میں کوئی بہت خفیہ یا نازک باتیں نہیں کی گئیں۔ اور یہ ان کے پہلے دورِ حکومت کی ہیں۔ تو ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گی؟''

''مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان ای میلز میں کیا ہے۔'' نیوز کاسٹر اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ داتن اپنا جواب اس کی رپورٹ میں ڈھونڈنے لگی۔ ''مسئلہ یہ ہے کہ پردھان منتری نے یہ ای میلز اپنے اس ای میل ایڈریس سے بھیجی ہیں جو پرائیوٹ سرور پہ ہے۔ یہ پرائیوٹ سرور پردھان منتری کی اپنی ویب سائٹ کا ہے جسے وہ کئی برسوں سے استعمال کر رہے ہیں۔''

''اوی تو... فاتح نے پی ایم بننے کے بعد ای میل سرور تبدیل نہیں کیا۔'' تالیہ شاک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''پردھان منتری گزشتہ کئی سالوں سے پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے ہیں جو کہ ایک بہت بڑی غفلت ہے۔ اس اہم عہدے پہ ہونے والے عہدیدار کو پرائیوٹ سرور نہیں بلکہ گورنمنٹ کا سرور استعمال کرنا چاہیے تھا۔''

''گورنمنٹ کے سرور بھی ہیک ہو سکتے ہیں۔'' داتن نے بے چینی سے کہا۔

''تب وہ فاتح صاحب کی غلطی نہ ہوتی۔ یہ ہے۔'' ایڈم نے افسوس سے اسکرین کو دیکھا۔ ''جب تک کچھ غلط نہیں ہوا ہوتا' انسان احتیاط نہیں کرتا۔ پہلے کب کسی کا پرائیوٹ سرور ہیک ہوا ہے جو وہ ایسا سوچتے۔''

''یہ میلز ہیک نہیں ہوئیں۔'' تالیہ نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ وہ شدید ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔ ''ان کا پرائیوٹ سرور بہت سیکیور تھا۔ اس کو ہیک کرنا آسان نہیں تھا۔ اس لیے ذوالکفلی نے ان کے گھر میں میشا کو داخل کروایا تھا۔ تاکہ کسی طرح اسے ان کے اسٹڈی روم تک رسائی مل جائے۔ اتنے برس میشا ان کی کمزوری ڈھونڈتی رہی۔ اور پھر ایک دن اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کے گھر رہنے آئی۔ وہ رات کو ان کی اسٹڈی میں گئی اور ان کے لیپ ٹاپ کے ذریعے یہ میلز ڈاؤن لوڈ کیں۔''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''میں غلط سمجھی تھی۔ میشا وان فاتح کی زندگی میں ان کی بیوی بننے نہیں آئی تھی نہ اسے میری جگہ لینی تھی۔ وہ صرف ان کو سیاسی نقصان پہنچانے آئی تھی۔''

''اور اب وان فاتح کی کرسی خطرے میں ہے۔'' داتن نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ایڈم بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنی دیر گزری تھی وان فاتح کا نام نہ لینے کے فیصلے کو؟ وہ نام تو کبھی ذہن سے محو ہی نہیں ہوتا تھا۔

''چے تالیہ.... اب آپ کیا کریں گی؟''

تالیہ کتنی ہی دیر اسکرین کو دیکھتی رہی۔ وہ ابھی تک کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ تینوں میس سے کوئی بیٹھ نہیں سکا تھا لیکن تالیہ کی حالت سب سے مختلف تھی۔

''تالیہ....'' داتن نے نرمی سے اسے پکارا۔ ''تم اس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ تم اب اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ اپوزیشن فاتح کو impeach کرے یا پولیس اسے غداری کے الزام میں پکڑ لے.... یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔''

''انہوں نے اتنے برس اس کرسی کے لیے محنت کی تھی۔'' وہ بنا پلک جھپکے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ''سارے فیصلے' ساری جدوجہد اس ایک خواب کے لیے تھیں۔''

''تالیہ.... پلیز....'' داتن اس کے اور اسکرین کے درمیان آ گئی۔ ''یہ ہمارا ملاکہ میں آخری دن ہے۔ ہم سب اس کے بعد الگ ہو رہے ہیں۔''

''میں نے دن رات ایک کر کے ان کو چیئرمین کا الیکشن جتوایا تھا۔'' وہ الجھے ہوئے انداز میں خود سے بول رہی تھی۔ ''میں ان کی کافی کا کپ لیے بارشوں میں ان کے ساتھ بھاگا کرتی تھی۔ اور وہ سب ضائع چلا گیا۔''

''تالیہ... یہاں سے چلو.... کہیں اور بیٹھتے ہیں۔ جہاں اس سیاہ سیاست کا ذکر نہ ہو۔''

تالیہ نے چہرہ ان دونوں کی طرف موڑا تو اس کی حیران آنکھوں میں پانی تھا۔

''ان کی برسوں کی ریاضت رائیگاں چلی جائے گی؟ وہ ایک بے وقار نا اہل وزیر اعظم کے طور پہ نکال دیے جائیں گے؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کو کیوں پرواہ ہے' چے تالیہ؟'' ایڈم سنجیدگی سے بولا۔ تالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں ایک چیلنج لکھا نظر آ رہا تھا۔ داتن نے اسے ٹوکنا چاہا لیکن ایڈم بن محمد کو سچ بولنے سے کون روک سکتا تھا۔

''آپ تو ان کو چھوڑ چکی ہیں۔ آپ تو فیصلہ کر چکی ہیں کہ آپ اب کسی کو نہیں بچایا کریں گی بلکہ آپ خود غرضی کی زندگی گزاریں گی۔ کیونکہ...'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا دو قدم قریب آیا۔ ''کیونکہ آپ کا رنگ سیاہ ہے۔''

''میرا رنگ سیاہ نہیں ہے....'' وہ جواباً غرائی۔ ''تالیہ سیاہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے نہیں معلوم میرا رنگ کیا ہے۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہے۔ کہ میں غلط تھی۔ میں ساری دنیا کو نہیں بچا سکتی۔ لیکن میں وان فاتح کو ضرور بچاؤں گی۔ تالیہ ان کا خواب ان کے ہاتھوں سے چھننے نہیں دے گی۔''

اس نے نوچنے والے انداز میں اپنا پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ داتن نے ہکا بکا سا اسے دیکھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو۔'' داتن اس کے پیچھے لپکی۔

''میری فلائٹ میں ابھی ایک ہفتہ ہے۔ میں اس وقت کو ضائع نہیں کروں گی۔ میں وان فاتح کی مدد کے لیے جا رہی ہوں۔''

''مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''ہو سکتا ہے۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ میشا کی حقیقت وہ جان گئے تھے۔ انہوں نے یقیناً اسے اپنی سیکیورٹی ایجنسیوں کے حوالے کر دیا ہوگا۔ میں میشا سے ملنے جا رہی ہوں۔ مجھے چاہے میشا کی جان بھی لینا پڑے لیکن میں اس سے یہ بات ثابت کروا کے رہوں گی کہ وان فاتح اس معاملے میں بے قصور تھے۔''

وہ باہر نکلتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

اس ساری پریشانی میں تالیہ مراد نے نہیں دیکھا تھا کہ داتن نے بہت مہارت سے اس کے پرس سے وہ لفافہ نکال لیا تھا۔ پھر خط واپس پرس میں ڈال کے اس نے لفافہ احتیاط سے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

تالیہ ان سے زیادہ خود سے بولتی ہوئی اب فٹ پاتھ پہ آگے بڑھ رہی تھی۔

.☆☆=========☆☆

سری پردھانہ پہ شام کے نیلگوں سایے پھیلے تھے۔اس اونچے محل کی ساری بتیاں روشن تھیں۔اس کے سبز باغات میں لگے لیمپ پوسٹس بھی جلے تھے۔پردھان منتری کے آفس کی کھڑکیوں سے البتہ باہر کی روشن رات دکھائی نہیں دیتی تھی۔کھڑکیوں کے آگے بلائنڈز برابر تھے۔

اپنی کرسی پہ بیٹھا فاتح ٹیک لگائے' آستینیں موڑے' اطمینان سے سامنے بیٹھے دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا۔وہ دونوں عمر رسیدہ تھے اور روایتی لباس میں ملبوس تھے۔سر ٹوپیوں سے ڈھکے تھے۔دونوں کے چہرے پریشان تھے اور وہ ایک ساتھ تیزی سے بولے جا رہے تھے۔

''آپ اس کرائسس سے کیسے نکلیں گے' داتو سری؟''

''بے فکر رہو۔''فاتح نے ابرو اچکا کے اسی مطمئن آواز میں کہا۔''لوگوں کی ای میلز ہیک ہوتی رہتی ہیں۔قومی سلامتی خطرے میں نہیں پڑی تو مسئلہ کیا ہے۔وہ پرانی ای میلز تھیں ویسے بھی۔''

''داتو سری....لوگ سوال اٹھا رہے ہیں کہ جانے اور کتنی حساس ای میلز آپ نے پرائیوٹ سرور پہ بھیجی ہوں گی۔''

''اور سب آپ کو الزام دے رہے ہیں۔پرائیوٹ سرور' پرائیوٹ سرور...اف۔''ان صاحب نے کراہ کے ماتھے کو چھوا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔میں نے استعمال کیا پرائیوٹ سرور۔سب کرتے ہیں۔اب سے نہیں کریں گے۔''

''سر یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔یہاں کوئی ہیکر کو الزام نہیں دے گا۔یہ لوگ میڈیا پہ آپ کے خلاف اتنی بڑی مہم چلائیں گے کہ..''

''کچھ نہیں ہوگا۔ریلیکس۔مجھے بتاؤ ہمیں بل منظور کروانے کے لیے کتنے لوگ چاہیے ہیں؟''

''صرف پانچ اور۔لیکن داتو سری.....اس وقت بل کو پس پشت ڈال دیجیے۔اور اس معاملے سے نکلنے کی کوشش کریں۔''

''بل کو کیوں پس پشت ڈال دیوں؟میں سوموار کی صبح یہ بل قومی اسمبلی میں پیش کرنے جا رہا ہوں۔''وہ اپنی نشست سے کھڑا ہوا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔''اور جس جس سے تم ملو' اسے بتا دینا کہ وان فاتح کو ان ای میل لیکس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔وان فاتح استعفیٰ نہیں دے گا۔''

مضبوط لہجے میں کہہ کے اس نے دونوں سے ہاتھ ملایا۔انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گہری سانس لے کر اسے الوداع کہا۔

وہ باہر نکلے تو فاتح کے چہرے پہ پریشانی کی رمق دکھائی دی۔اس نے اس بورڈ کو دیکھا جو ابھی تک آفس میں رکھا تھا۔

وہاں مختلف رنگوں کے مقناطیسی گوٹ لگے اسے بتا رہے تھے کہ ابھی تک اس کے پاس بل پاس کرنے کے لیے مطلوبہ اکثریت نہیں ہے۔اس نے گہری سانس لی اور انٹر کام اٹھایا۔

''کیا چے تالیہ ابھی تک بیٹھی ہیں؟''

''جی سر.....وہ پچھلے بیس منٹ سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

''اگلی میٹنگ میں کتنا وقت ہے؟''

''سات منٹ۔''

''اوکے۔تالیہ سے کہو اس کے پاس دس منٹ ہیں۔''فون رکھ کے اس نے تاثرات ویسے ہی بنا لیے۔پرسکون' مطمئن' اور قدرے سرد۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور وہ اندر آئی۔وہ دور سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کے ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔آج اس نے ہیٹ نہیں پہن رکھا تھا۔بس سیاہ اسکرٹ بلاؤز پہ پیلا رومال گردن میں باندھ رکھا تھا۔

''مجھے ابھی ابھی علم ہوا ہے کہ میشا تاج کو کبھی گرفتار ہی نہیں کیا گیا تھا۔اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ نے اسے جانے دیا۔کیوں' فاتح؟''وہ جارحانہ انداز میں بولتی اس کی میز کے سامنے آرکی۔اس کا چہرہ غم و غصے سے تمتما رہا تھا۔''یہ سب اس نے کیا ہے۔''

''کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔''ٹیک لگا کے بیٹھے فاتح نے کندھے اچکائے۔

''آپ کی پریمئر شپ خطرے میں ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے؟''وہ تعجب سے بولی۔''اور آپ نے میشا کو جانے کیوں دیا؟ جب کہ آپ جانتے تھے وہ یہ کرے گی۔''

''جس وقت میں نے اسے جانے دیا' وہ اس سے پہلے ہی یہ سب کر چکی تھی۔ہمیں معلوم اب ہوا ہے۔اس کو روکنے سے وہ جو نقصان پہنچا چکی تھی وہ ریورس تو نہیں ہو سکتا تھا۔''

تالیہ سیدھی ہوئی اور پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔''آپ نے اسے کیوں جانے دیا' فاتح؟''

''کیونکہ میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔وہ چپ چاپ چلی جائے' یہ بہتر تھا اس سے کہ میں کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرتا۔جولیانہ ڈسٹرب ہوتی۔شرمندگی الگ ہوتی۔''

''نہیں۔اس نے آپ کو بلیک میل کیا تھا۔ہے نا؟''وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''اس کے پاس کچھ تھا آپ کے خلاف۔''

''یہ گفتگو بے معنی ہے' تالیہ۔ تم بتاؤ تم کیوں آئی ہو؟'' اس نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے گھڑی دیکھی۔

''کیونکہ میں آپ کی کرسی چھنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی' فاتح۔ آپ اس مسئلے سے نہیں چھپ سکتے۔ مجھے بتائیں میشا کے پاس آپ کے خلاف کیا تھا تاکہ میں اس کو ڈھونڈ سکوں اور اس کو واپس لا سکوں۔''

''اس کو واپس لانے سے کیا ہوگا؟''

تالیہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے جھکی اور ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔

''وہ ساری عوام کے سامنے گواہی دے گی کہ وان فاتح نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں اس سے گواہی دلوا لوں گی۔ آپ صرف مجھے یہ بتائیں کہ اس نے کس چیز سے آپ کو بلیک میل کیا تھا؟'' اب کے تالیہ کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ بے بسی تھی۔

''تالیہ...'' فاتح نے ایک فائل قریب کرتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم ملک چھوڑ کے نہیں جا رہی تھیں؟''

''وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ وہ سیدھی ہوئی۔ ''آپ اپنے مسئلے کا سوچیں۔''

''میں اپنے مسئلے خود حل کر سکتا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تھینکس بٹ نو تھینکس۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا جیسے کسی بچے کو سمجھایا جاتا ہے۔

''لیکن یہ اسکینڈل آپ کی کرسی لے جا سکتا ہے' فاتح۔'' اس کی بے بسی اب پریشانی میں بدلنے لگی۔

''مگر میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے بچاؤ۔ میں نے اس سے بڑے مسئلے دیکھے ہیں۔ میں اس میں سے بھی خود نکل آؤں گا۔'' فائل قریب کرتے ہوئے اس نے عینک اٹھائی اور کھولی۔ ''اور وہ پیپرز میں ابھی تک سائن نہیں کر سکا۔ تمہاری فلائٹ سے پہلے کر کے تمہیں بھجوا دوں گا۔ ٹھیک' تالیہ؟'' عینک لگاتے ہوئے اس نے فائل کھولی۔ یہ اس کو جانے کا اشارہ تھا۔

''آپ نے کہا تھا کہ کبھی کبھار ہمیں دوسروں کو اجازت دینی چاہیے کہ وہ ہمیں بچا سکیں۔'' وہ دکھ سے اسے دیکھ کے بولی۔

''تمہارے لیے کہا تھا۔'' وہ اب فائل پہ اوپر سے نیچے سرسری نظر دوڑا رہا تھا۔

''اس نے آپ کو کس کی وجہ سے بلیک میل کیا؟''

فاتح کا صفحہ پلٹتا ہاتھ رکا۔ ''کسی بہت قیمتی شخص کی وجہ سے۔''

ایک گہری خاموشی نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''میشا کی دھمکی خالی بھی ہو سکتی تھی، ہو سکتا ہے وہ صرف ڈرا رہی ہو۔''

''ہو سکتا ہے۔ لیکن میرے پاس خطرہ مول لینے کی گنجائش تک نہ تھی۔'' وہ اب فائل کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ یہ طے تھا کہ وان فاتح اس کو اپنی مدد کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور جو اجازت نہ دے' اس

کی مدد کون کر سکتا ہے بھلا؟

وہ باہر نکلنے لگی تو اسی وقت ایک ڈھیلے سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کے رکا اور راستہ دیا۔ تالیہ باہر آ گئی لیکن اس نے گردن موڑ کے دیکھا وہ ایک سیاہ کور والی فائل لیے اندر جا رہا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا تو اندر کا منظر چھپ گیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ باہر میز پہ بیٹھا اسٹافر اس کو یوں کھڑا ہونے پہ بھنویں بھینچے گھورنے لگا۔ مگر وہ ڈھیٹ بنی کھڑی رہی۔

وہ نوجوان باہر آیا اور دروازہ بند کیا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''میں دیکھ رہی تھی کہ آپ ہر دفعہ ان سیاہ فائلز کا ڈھیر لگاتے جاتے ہیں لیکن پی ایم صاحب ان کو نہیں دیکھتے۔ ان میں ایسا کیا ہے؟''

شاہدان نامی وہ اسٹافر ہچکچایا۔ تالیہ نے سر جھٹکا۔ ''خیر کوئی کانفیڈنشل معاملہ ہے تو میں نہیں پوچھتی۔'' اور آگے بڑھنے لگی لیکن وہ فوراً بولا۔

''نہیں نہیں۔ خفیہ معاملہ نہیں ہے بلکہ ضروری معاملہ بھی نہیں ہے۔ کاش ہوتا۔ تب وہ اسے زیادہ جلدی دیکھ پاتے۔'' وہ رنجیدگی سے بولا۔ تالیہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''دراصل داتو سری نے کچھ عرصہ پہلے کہا تھا کہ وہ ایک پراجیکٹ جسٹس شروع کریں گے جن میں ان لوگوں کے کیسز سنے جائیں گے جو عرصے سے جیلوں میں مقید ہیں اور ان کے پاس اچھا وکیل کرنے کو رقم نہیں ہے اور سرکاری وکلاء ان کے کیسز لاپرواہی سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں۔''

''قیدی غلام۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''وہ غریب قیدیوں کو رہائی دلوانا چاہتے ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔'' اور صرف وہی سمجھ سکتی تھی۔

''جی ہاں۔ جب سے ہم نے اس پراجیکٹ کا اعلان کیا' ملک بھر سے سینکڑوں قیدیوں اور ان کے گھر والوں نے درخواستیں بھیجیں۔ میں ہر ہفتے وہ درخواستیں اکٹھی کر کے.. ان کو فائل میں لگا کے... داتو سری کے پاس لے کر جاتا ہوں۔ لیکن ان کے پاس زیادہ اہم کام ہیں۔ نہ جانے کب وہ ان درخواستوں کو دیکھ پائیں گے۔''

''جب وہ ان جمع ہوئی درخواستوں کو نہیں دیکھ پاتے تو آپ ہر ہفتے ان میں اضافہ کیوں کرتے جاتے ہیں؟''

''درخواستیں دیکھنا ان کی جاب ہے۔ فائل ان کے پاس پہنچانا میری جاب ہے۔ کیا وان فاتح نے ہمیں یہ نہیں سکھایا کہ اگر کوئی دوسرا اپنی جاب نہ کر رہا ہو تو بھی ہمیں اپنی جاب کرنی چاہیے۔'' وہ مسکرا کے بولا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

فاتح خود کو بچائے یا نہ بچائے' کیا تالیہ کو اپنی جاب نہیں کرنی چاہیے تھی؟

☆☆=========☆☆

حالم کا اپارٹمنٹ اس رات ہمیشہ کی طرح خاموش پڑا تھا۔ خاموش مگر روشن۔ آج لاؤنج میں رکھے کارنر لیمپس روشن تھے۔ ٹی وی اسکرین میوٹ پہ تھی مگر اس پہ چلتی خبریں خاموشی کے باوجود سمجھ آتی تھیں۔ وہ نیوز اینکرز اور تجزیہ نگاروں کی فاتح کے خلاف زہر اگلتی زبانیں سن سن کے تھک گئی تھی۔ اس لیے انہیں گونگا کر دیا تھا۔

لیکن وہ نیوز بند بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید کہیں سے کوئی اچھی خبر سننے کو مل جائے۔

حالات ہر گزرتے پل کے ساتھ بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جس جا دل چاہ رہا تھا' وہ فاتح کے خلاف بول کے ریٹنگ اور پیسے کما رہا تھا۔ کسی ایک کی بدنامی کی گنگا سے سب کا ہاتھ دھونا ضروری تھا۔

میشا کا پیپر ورک اتنا اچھا تھا کہ داتن اسے ڈھونڈ ڈھونڈ تھک گئی تھی اور اس کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ کہاں سے آئی' کہاں چلی گئی' کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ ایسے جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔ داتن نے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ مزید کوشش کرے گی لیکن وہ بہت پر امید نہیں تھی۔ تالیہ کی امید بھی دم توڑ رہی تھی۔ قوی امکان تھا کہ میشا تاج اب تک ملک سے فرار ہو چکی ہو گی اور کسی دوسرے ملک میں ایک نئی زندگی شروع کر چکی ہو گی۔

میشا تاج نے اپنے پیچھے ایک بریڈ کرمب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ کوئی اتنا پرفیکٹ کیسے ہو سکتا تھا؟

ٹی سی ہنوز چل رہا تھا اور وہ سامنے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ بال پونی میں باندھے' آلتی پالتی کیے... وہ گود میں رکھی ٹوکری سے چند خطوط نکال نکال کے دیکھ رہی تھی۔ یہ فاتح کے پانچ خطوط تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ رکھتی تھی۔۔ یہ تالیہ مراد کی کل متاع تھے۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ ان کو پڑھ رہی تھی۔

''ڈیئر تالیہ

میں اس امید کے ساتھ واپس آیا تھا کہ تم یہاں ملو گی لیکن تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔ تمہارے پیچھے ملائیشیا میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔ خود وان فاتح تبدیل.....''

ڈور بیل بجی تو وہ چونکی۔ اس وقت کون آ گیا۔ شاید داتن ہو۔ لیکن داتن گھنٹی کرنے کا تکلف کم ہی کیا کرتی تھی۔

اس نے ٹوکری میز پہ رکھی جہاں اس کا پاسپورٹ' ٹکٹ کا پرنٹ آؤٹ اور دوسرے سفری ڈاکومنٹس پڑے تھے۔ اس وقت وہ اپنے کاغذات کو ارینج کرنے بیٹھی تھی جب وہ خطوط ملے۔ اس گھنٹی نے سارے کام میں خلل ڈال دیا تھا۔

اس نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا تو پل بھر کے لیے متعجب رہ گئی۔ پھر پٹ کھولا۔

''سکندر؟''

اس نے اچنبھے سے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔ اس کے پیچھے دو سوٹ میں ملبوس گارڈ بت بنے کھڑے تھے۔

''مجھے آپ سے بات کرنی تھی' مس تالیہ۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''تم نے میرا گھر کیسے ڈھونڈا؟''

''میں پردھان منتری کا بیٹا ہوں۔ میرے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں طنز تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ شکن در آئی۔

''اوکے۔ تم مجھے یہ بتانے آئے ہو کہ تم مجھ سے کتنی نفرت کرتے ہو؟'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

''میں یہ بتانے آیا ہوں کہ میشا کو ڈیڈ نے میرے سامنے نکالا تھا۔ اور میں نے ڈیڈ سے کہا کہ یہ عورت آپ کو نقصان پہنچائے گی تو جانتی ہیں انہوں نے آگے سے کیا کہا؟''

''یہی کہا ہوگا کہ تمہارے خیال میں میں یہ بات نہیں جانتا؟''

تالیہ گہری سانس لے کر بولی تو سکندر جو کچھ کہنے جا رہا تھا' رک کے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے کی ایک شکن کم ہوئی۔

''آپ کو کیسے پتہ؟''

''کیونکہ میں ان کو جانتی ہوں۔''

سکندر نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔ ''مگر کیا آپ یہ جانتی ہیں کہ میشا نے ڈیڈ کو کس بات پہ بلیک میل کیا تھا؟''

''ہاں' سکندر' میں جانتی ہوں۔ اس نے یہی کہا ہوگا کہ وہ کسی طرح مجھے نقصان پہنچائے گی۔ شاید میرے ماضی کے جرائم دنیا کے سامنے لا کر۔ ہے نا؟''

سکندر کے تاثرات دیکھ کے تالیہ نے رنجیدگی سے سر جھٹکا۔ ''مجھے اندازہ تھا۔''

سکندر نے بولنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ پھر بند کر دیے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔ تالیہ سامنے سے ہٹ گئی۔ اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر داخل ہوا۔ ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں ڈالی۔ تالیہ نے دروازہ بند کیا اور سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ماتھے پہ شکنیں لیے وہیں کھڑا رہا۔

''میری ماں کے چھوڑے ہوئے نوادرات سے خریدا ہوگا آپ نے یہ گھر؟''

تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''سکندر.... میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو...''

''آف کورس میں آپ سے نفرت کرتا ہوں۔ اور میں آپ کو یہی بتانے آیا ہوں کہ آپ کی وجہ سے میرے ڈیڈ مشکل میں ہیں۔ آپ جب بھی ہماری زندگی میں آتی ہیں مشکلیں ہی لاتی ہیں۔ آپ نہیں تھیں تو ہم سکون میں تھے۔ آپ آئیں تو سب خراب ہونے لگا۔''

وہ دونوں لاؤنج کے وسط میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے سروں پہ چھت سے جھولتا فانوس اپنی ساری روشنیاں اپنے اندر دفن کیے خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''تو تمہیں خوش ہو جانا چاہیے کہ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔''

''میرے ڈیڈ کو مصیبت میں پھنسا کے آپ جا رہی ہیں۔ ویری گڈ۔''

''میں نے ان کی مدد کی کوشش کی لیکن وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے لیے کچھ کرے۔ میں کیا کر سکتی ہوں؟ اور ویسے بھی میرے ہونے سے تم سب کی زندگی مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ تمہاری ماں کا قتل بھی میں نے کیا تھا اور یہ ای میلز بھی میں نے لیک کی تھیں۔ فائن۔ کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے یا میں اپنے کام کروں؟'' وہ تھکے تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

سکندر نے سر جھٹکا اور آگے چلا آیا۔ پھر وہ خود ہی صوفے پہ بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسائے سامنے دیوار گیر کھڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہاں سے دور دور تک بلند عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں یا نیچے سڑک پہ رواں دواں ٹریفک۔

''آپ ان کو الزام دیتی تھیں کہ وہ آپ کے لیے کچھ نہیں کرتے۔'' وہ اب کے بولا تو اس کی آواز دکھی تھی۔ ''آپ کے لیے انہوں نے اپنا آفس داؤ پہ لگا دیا ہے۔ آپ کی وجہ سے ان کا کیریئر تباہ ہو رہا ہے۔''

تالیہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہر وقت کے الزام برداشت کر کر کے تنگ آ چکی تھی لیکن وہ فاتح کا بیٹا تھا۔ اس کی بات اسے برداشت کرنی تھی۔ کچھ رشتوں کا ادب ان کے ختم ہونے یا نہ ہونے سے بالاتر ہوتا ہے۔

''میں اسی لیے انہیں چھوڑ رہی ہوں' سکندر... میری وجہ سے ان کی زندگی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ میں اور کیا کروں؟''

''آپ کچھ بھی نہ کریں۔ آپ بس یہ یاد رکھیں کہ ان کا کیریئر آپ نے خراب کیا ہے۔ مسز میشا آپ کے بارے میں ٹھیک کہتی تھیں۔ آپ نہ اچھی کون وومن بن سکیں نہ اچھے فیصلے کر سکیں۔ وہ آپ سے بہتر ہی تھیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔ دونوں بازو پہلوؤں میں گرا دیے۔

''ایک منٹ ایک منٹ۔ یہ کب کہا اس نے؟'' وہ تیزی سے اس کے سامنے والے صوفے پہ آ کے بیٹھی۔

وہ جو تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ رک کے کوفت سے بولا۔ ''جب وہ آپ کو ڈھال بنا کے ہمارے گھر سے گئیں۔''

''اس نے کیا کہا؟ مجھے اس کے الفاظ بتاؤ۔'' وہ آگے کو ہوئے بیٹھی' سانس روکے اس سے پوچھ رہی تھی۔ سکندر کو لگا... جیسے وہ پلک جھپکنا بھول گئی ہے۔ وہ ٹھہر گیا۔

''جب ڈیڈ نے اسے گھر سے نکالا تو اس نے جاتے وقت مجھے اور جولی کو کہا تھا کہ..'' وہ اٹک اٹک کے یاد کرنے لگا۔ ''...کہ تالیہ سے کہنا میشا اس سے بہتر کون وومن ہے۔ بلکہ بہترین۔ کیونکہ میشا کو اپنی سیاہی پہ فخر ہے۔ جبکہ تالیہ مراد اپنے پیشے سے نفرت کرتی تھی۔ تالیہ مراد میدان چھوڑ کے بھاگنے والوں میں سے ہے۔ ایسا ہی کچھ کہا تھا۔''

''کیا اس نے واقعی یہ کہا؟'' وہ متعجب سی اسے دیکھ رہی تھی۔ سکندر نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کو یہاں میشا تاج کے پیغامات دینے نہیں آیا بلکہ یہ احساس دلانے آیا ہوں کہ آپ کی وجہ سے...''

''میری وجہ سے سارے مسئلے ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ. مجھے پتہ ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ''لیکن کیا اس نے واقعی یہ کہا؟'' وہ اب حیران سے انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس نے کیا کہا؟''

''پڑتا ہے نا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے میشا کو کیسے پکڑنا ہے۔''

سکندر نے بے یقینی سے اس کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟'' چند لمحے کے لیے وہ بالکل گنگ ہو گیا۔ ''اس کو پکڑ کے کیا یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ ای میلز لیک ہونے میں ڈیڈ کا قصور نہیں تھا؟''

''ایک دفعہ ہم اس کو پکڑ لیں تو ہم اس سے کچھ بھی کہلوا سکتے ہیں۔ لیکن تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔''

سکندر کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔ ''میں آپ کی مدد کیوں کروں گا؟''

''دیکھو سکندر... تم میرے پاس صرف اس لیے آئے ہو کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ اگر تمہارے ڈیڈ کو اس کرائسس سے کوئی نکال سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ اس لیے مجھ سے جتنا خفا ہونا ہے' وہ بعد میں ہو لینا۔ تالیہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فی الحال میری مدد کرو۔ ہم نے میشا کی پروفائل تیار کرنی ہے۔''

''ہم؟''

''ہاں۔ میں اور میری دوست لیانہ۔'' تالیہ موبائل پہ نمبر ملاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ بھی آپ کی طرح لوگوں کے گھر میں چوریاں کرتی ہے؟''

تالیہ نے فون کان سے لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''نہیں۔ وہ بنا تکلیف دیے قتل کرنے میں بھی ماہر ہے۔''

سکندر سر جھٹک کے منہ میں کچھ بڑبڑایا۔

تالیہ فون کان سے لگائے اٹھ گئی۔ سلسلہ مل گیا تھا۔ اب وہ کچن کے سامنے چکر کاٹتے ہوئے داتن سے بات کر رہی تھی۔

وہ واپس آئی تو سکندر ٹوکری میں رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔

''آپ واقعی اگلے ہفتے جا رہی ہیں؟'' اس نے پرنٹ شدہ ٹکٹ کو واپس رکھتے ہوئے سرد انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔ یہ جعلی کاغذات ہیں جو میں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لیے میز پہ سجائے ہیں۔'' وہ اسی کے طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے ساتھ بیٹھی۔ سکندر خاموش ہو گیا۔ وہ اب فون پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔

''آپ میشا کو کیسے پکڑیں گی؟'' کچھ دیر بعد وہ کھنکھارا۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ فون دیکھتی رہی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''میشا کی باتوں میں اتنا خاص کیا تھا؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''میشا کو ہم اس لیے نہیں ڈھونڈ پا رہے تھے کیونکہ اس کی ہر بات اس کے رول کا حصہ تھی۔ میری حمایت کرنا' یا مجھے اچھی نصیحت کرنا' سب دھوکہ تھا۔ لیکن...'' وہ مسکراتے ہوئے فون اسکرین پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ''اس نے اپنا راز کھلنے کے بعد جو بھی کہا' وہ اس کا سچ تھا۔''

''اس نے کہا کہ وہ آپ سے بہتر ہے۔''

''نہیں۔ اس نے کہا کہ وہ بہترین ہے۔ تمہیں معلوم ہے آج تک تالیہ مراد کسی کون گیم کے دوران کیوں نہیں پکڑی گئی؟ کیونکہ تالیہ کا ماننا تھا کہ بہترین کون گیم وہ ہوتا ہے جس میں خود ٹارگٹ کو بھی اپنے لوٹے جانے کا علم نہ ہو سکے۔ میں جب کون گیمز کھیلتی تھی تو لوگ مجھے حالم یعنی انویسٹی گیٹر کے طور پہ ہائر کرتے تھے۔ میں کبھی ولن بن کے نہیں بھاگتی تھی جیسے میشا بھاگی۔ لوگ مجھے خود پیسے دیتے تھے۔ اور برسوں میرے مشکور رہتے تھے۔ تالیہ آج تک اس لیے نہیں پکڑی گئی کیونکہ وہ لوگوں کو جتاتی نہیں تھی کہ وہ بہترین ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بہترین ہے اور اسے اپنی اس بات پہ فخر نہ تھا۔ جانتے ہو تالیہ کیسے پکڑی گئی؟''

''کیسے؟'' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اپنے ویک لنک سے۔ ہر زنجیر میں ایک کمزور کڑی ہوتی ہے۔ میری کمزور کڑی تھی عزت حاصل کرنے کی خواہش۔ اور اس خواہش کے پیچھے میں نے اپنی سیاہی کو خود سے علیحدہ کیا اور ایک صاف ستھری زندگی کو چنا۔ وہی زندگی مجھے لائم لائٹ میں لے آئی اور ایک دن پراسیکیوٹر احمد نظام نے مجھے گھیر لیا۔ اگر میں اپنی خواہش کے پیچھے نہ بھاگتی تو میں کبھی پکڑی نہ جاتی۔''

''اور میشا؟'' وہ اب دھیان سے اسے سن رہا تھا۔ لاؤنج کے کارنر لیمپس کی زرد روشنی میں وہ اس تیز تیز بولتی لڑکی کو سانس

رو کے سن رہا تھا۔

''میشا کے خیال میں وہ تالیہ کی طرح میدان چھوڑ کے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تمہارے گھر سے بھی فرار ہو سکتی تھی لیکن وہ اس وقت تک نہیں گئی جب تک فاتح نے اسے پکڑ نہ لیا۔ میشا خود پکڑے جانا چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے ان کو بلیک میل کرنے کا پلان بی بنا رکھا تھا۔''

''وہ کیوں پکڑے جانا چاہتی تھی؟''

''کیونکہ میشا نے دو سال تک ایک کون گیم کھیلا تھا۔ دو سال' سکندر۔ اسے اس اداکاری کے لیے تعریف چاہیے تھی۔ وہ فاتح کو ان کے منہ پہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے ان کو دھوکہ دیا۔ میشا کو کون گیم کا پہلا اصول یاد نہیں رہا جس میں سکھایا جاتا ہے کہ بہترین دھوکہ وہ ہوتا ہے جو کبھی نہ کھلے۔ بلکہ برسوں بعد بھی ٹارگٹ اس سب کو یاد کرے تو اسے لگے' یہ اس کا اپنا ہی آئیڈیا تھا۔ میشا چاہتی ہے کہ کسی فلم کی طرح آخر میں وہ اپنے ٹارگٹ کے سامنے انکشاف کرے اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ جانتے ہو کون لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں؟ ایکٹرز اور جادوگر۔ وہ اسٹیج پہ پرفارمنس دے کر تالیوں کے منتظر ہوتے ہیں۔ میشا کو بھی تالیاں چاہیے ہیں اور اسے پکڑنے کے لیے ہم اسے وہی دیں گے جو اسے چاہیے۔''

''مگر آپ ایک کون وومن کو con کیسے کریں گی؟''

''اسے ایک خواب دکھا کے۔ خوابوں کا فریب جان لیوا ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں تالیہ اس شہر کی بہترین کون آرٹسٹ تھی۔ میشا وہی بننا چاہتی ہے۔ اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ اس نے پردھان منتری کو کون کیا ہے۔ وہ یہ ملک نہیں چھوڑے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اس کا ریٹ بڑھ جائے گا۔ لوگ اسے ہائر کریں گے۔ میشا کی کمزور کڑی اس کی انا ہے۔ اسے اپنی دنیا میں نام کمانا ہے۔''

''مگر لوگ اسے کیسے ہائر کریں گے؟ اس کو تو تلاش کرنا ناممکن ہے۔''

''کیونکہ ہم اس کا اصلی نام نہیں جانتے۔ لیکن چونکہ وہ تالیہ مراد سے بہتر بننا چاہ رہی ہے' اس لیے اس کے پاس اپنے کلائنٹس سے رابطہ کرنے کا کوئی طریقہ ضرور ہوگا۔ جیسے تالیہ کے پاس تھا۔ ڈارک ویب۔ ڈارک ویب وہ ''میدان'' ہے جسے تالیہ نے چھوڑ دیا تھا۔ ہم اسے ڈارک ویب پہ ڈھونڈیں گے۔ جہاں ہیکرز سے لے کر کرائے کے قاتلوں تک نے اپنے اپنے چیج بنا رکھے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد لاؤنج کی روشنیاں تیز ہو گئیں اور کھڑکی کے آگے پردے ڈال دیے گئے۔ اب سامنے والے صوفے پہ داتن بیٹھی تھی اور لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے ایک ٹیڑھی نگاہ اس لڑکے پہ بھی ڈالتی تھی جو اس

کے مقابل بیٹھا تھا۔

''ڈارک ویب پہ کسی کانٹریکٹ کرمنل کی لوکیشن تلاش کرنا ناممکن ہے۔لیکن مختلف فورمز پہ لوگوں نے مختلف کانٹریکٹرز کو ریویوز دے رکھے ہوتے ہیں۔'' داتن اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بتا رہی تھی۔''میشا نہ ہی ہیکر ہے نہ قاتل۔وہ گرفٹر ہے۔ان فورمز سے میں نے کے ایل میں کام کرنے والے پچیس گرفٹرز کی پروفائلز تلاش کی ہیں۔''

''ان میں سے عورتیں کتنی ہیں؟'' سکندر تیزی سے بولا۔تالیہ اس وقت کچھ نے سنکل رہی تھی۔ہاتھ میں ٹیک اوے کے ڈبے تھے۔اس نے ان کو میز پہ رکھا اور چاپ اسٹکس نکال کے سب کے آگے رکھنے لگی۔

''یہاں مرد اور عورت کی تفریق کرنا ناممکن ہے۔سب خود کو مرد ہی ظاہر کرتے ہیں۔'' داتن نے لیپ ٹاپ اسکرین اس کے سامنے کی۔وہ صوفے پہ بیٹھی اور غور سے ان ناموں کو پڑھنے لگی۔

''آپ صرف اس کے نام سے اسے کیسے ڈھونڈیں گی؟ یہ تو کوئی بھی نقلی نام ہو سکتا ہے۔'' سکندر نے چاپ اسٹکس اٹھاتے ہوئے کہا۔وہ اب وہاں قدرے آرام دہ انداز میں بیٹھا تھا۔

تالیہ نے اسکرین پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔''یہ میشا ہے۔''

''کساتریا...ہتام؟'' داتن نے تعجب سے اس نام کو پڑھا۔''بلیک نائٹ؟ مگر یہ تو کوئی روسی کانٹریکٹر ہے اور اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ...''

''یہ میشا ہے۔'' وہ پورے یقین سے بولی۔''وہ سیاہ گھوڑوں کی تصویریں کھینچتی تھی۔وہ فاتح کا سیاہ گھوڑا نہیں تھا۔میشا خود کو بلیک نائٹ سمجھتی ہے۔وہ شطرنج کا سیاہ گھوڑا ہے جسے اپنی سیاہی پہ فخر ہے۔'' اس نے انگلی سے اسکرین پہ دستک دی۔''یہ میشا ہی ہے۔''

''کیا اس کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے؟'' سکندر تیزی سے بولا۔

''نہیں۔وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔ہم اس کے ساتھ ایک کون کھیلنے جا رہے ہیں۔میری زندگی کا آخری کون گیم۔اور مجھے یقین ہے وہ اس پھندے سے نہیں نکل سکے گی۔'' تالیہ نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور چوپ اسٹکس ڈبے کے اندر ڈالیں۔''اور تم۔تم مجھے میشا کے بارے میں ہر وہ بات بتاؤ جو ان دو سالوں میں تم نے دیکھی ہو۔ہر بات۔''

سکندر نے گردن ہلا دی۔اس کے کھنچے کھنچے انداز میں البتہ کمی نہیں آئی تھی۔وہ اب بھی تالیہ کو مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔وہ چاپ اسٹکس سے چاؤمن کھاتے ہوئے سکندر کی بات غور سے سن رہی تھی۔

.....

اگلے دو روز تک تالیہ مراد کے لاؤنج کا منظر ایسا ہ رہا تھا۔ سکندر البتہ دوبارہ نہیں آیا تھا۔ لیکن وہاں اب ایک وائٹ بورڈ لگا تھا جس پہ مختلف کاغذ چسپاں تھے۔ داتن صوفے میں دھنسی لیپ ٹاپ پہ لگی ہوتی تھی اور تالیہ... وہ بورڈ کے ساتھ کھڑی مارکر سے مختلف کاغذوں پہ سطور انڈر لائن کرتی تھی۔

''سکندر نے کہا تھا کہ میشا نے ایک دفعہ اس کی مدد کی تھی۔'' تالیہ داتن کی طرف مڑی اور چمکتی آنکھوں سے بتانے لگی۔ مارکر کی سیاہی اس کے پوروں پہ لگی تھی۔ ''سکندر کا ایک دوست کلاس میں bully کیا جا رہا تھا۔ میشا نے اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے اس لڑکے کی آؤٹ آف دی وے جا کے مدد کی۔ اس سے میشا کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن دیکھا جائے تو میشا کے تعلقات ٹین ایج لڑکے لڑکیوں سے بہت اچھے تھے۔ میرا خیال ہے میشا اپنی ٹین ایج میں abuse یا bullying کی شکار رہی تھی۔ ردعمل کے طور پہ وہ نوجوانوں کے ساتھ یہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے ہم میشا کو بلانے کے لیے ایک ٹین ایج نوجوان کا سہارا لیں گے۔''

''کون؟'' داتن نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''اور میشا اس کے گھر کیوں آئے گی؟''

''اسے اس گھر آنا ہوگا' داتن۔ اسی گھر سے تو یہ سب شروع ہوا تھا۔'' وہ مارکر کی کیپ بند کرتے ہوئے بولی۔ اس کے انداز میں سوگواریت تھی۔ اسے ایک پرانے شناسا کو ملنے جانا تھا۔

(میں تالیہ مراد ہوں۔ اور میں اپنی زندگی کا آخری کون گیم کھیلنے جا رہی ہوں۔)

وان فاتح ایک کانفرنس روم کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین پیچھے کو موڑے وہ ایک کاغذ اٹھا کے کچھ کہہ رہا تھا۔ طویل میز کے دونوں اطراف قطار میں بیٹھے لوگ کاغذوں کے پلندوں میں غرق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

(میرا رنگ سفید نہیں ہے۔ میں اتنی بے داغ اور اجلی رنگت کی نہیں ہوں' میں جانتی ہوں۔ مگر میرا رنگ سیاہ بھی نہیں ہے۔)

اسٹوڈیو کی تیز روشنیوں میں سبز بیک ڈراپ کے سامنے کرسی پہ بیٹھا ایڈم سپاٹ چہرے کے ساتھ کیمرے میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح وان فاتح کی ایک غلطی ان کو تباہی کے دہانے پہ لے آئی تھی۔ ڈائریکٹر نے کٹ کہا تو کیمرہ بند ہو گیا۔ ایڈم نے شرٹ پہ لگا مائیک دھیرے سے اتارا اور افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے اسے میز پہ رکھا۔ ایک پرانے دوست کی تباہی پہ تبصرے کرنا بھی عجیب کام تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اسے اپنا کام اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

(اگر میرا رنگ سیاہ ہوتا تو میں صرف اپنی پرواہ کرتی اور کسی دوسرے ملک جا کے اپنی زندگی بناتی۔ لیکن میرا رنگ سیاہ اور سفید کے درمیان ہے۔ معلوم نہیں کیا ہے۔ لیکن وہ کچھ اور ہے۔)

تالیہ سیاہ ہڈی پہنے ایک گلی میں کھڑی سر اٹھائے اس شناسا گھر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ میں ملال بھی تھا اور رنج بھی۔ زندگی ایک دفعہ پھر اس کو اس گھر کے دروازے پہ لے آئی تھی۔ پورے دائرے میں گھومتے ہوئے وہیں اختتام ہو رہا تھا۔

(مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں وان فاتح کو کس لیے بچانا چاہتی ہوں۔ میں انہیں چھوڑ کے جا رہی ہوں۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ رہی۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ میرے پیچھے وہ اپنے خوابوں سے ٹوٹ کے ایک اداس زندگی گزاریں۔)

اپوزیشن کے چار اراکین ایک آفس روم میں بیٹھے پر جوش انداز میں وان فاتح کا مستقبل ڈسکس کر رہے تھے۔ صوفیہ رحمٰن کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہلتی مسکراتے ہوئے ڈکٹیٹ کروا رہی تھی۔ ایک شخص لیپ ٹاپ پہ تیز تیز ٹائپ کرتے ہوئے مواخذے کے بل کا مسودہ تحریر کر رہا تھا۔ باقی افراد سر جوڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

(ایسے میں جب ہر شخص ان کے خلاف ہو چکا ہے' تالیہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ برسوں پہلے تالیہ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس ملک میں سب ان کا ساتھ چھوڑ جائیں' تب بھی وہ ان کو اپنا لیڈر کہے گی۔ اور تالیہ مراد کو وعدے نبھانے آتے تھے۔)

.....

تنگو کامل محمد کے اسٹڈی روم میں تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ بلکہ تناؤ ایک بہت چھوٹا لفظ تھا۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھے' میز پہ رکھے ہاتھ باہم پھنسائے' تالیہ مراد کو بغور دیکھ رہے تھے جو سامنے والی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں پہ ایک اداس مسکراہٹ تھی۔

''مجھے وقت دینے کے لیے شکریہ' تنگو کامل۔''

''جب سکندر نے کہا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو میں حیران ہوا تھا۔ آخری دفعہ ہم تب ملے تھے جب تمہارے پیچھے ایڈم بن محمد جاسوسی کرنے میرے گھر آیا تھا۔'' وہ واقعی متعجب تھے۔ تالیہ سوگواریت سے مسکرائی۔

''افسوس کہ آپ سے میں نے ہمیشہ جھوٹ بولے تھے یا بلوائے تھے۔'' وہ سیاہ ہیٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی گردن میں موتیوں کی لڑی تھی اور لباس بیش قیمت تھا۔ یہ ان کے گھر میں ملازمہ کی طرح کام کرنے والی تالیہ نہیں تھی۔

''تالیہ... وہ جھوٹ ماضی میں بہت پیچھے رہ گئے۔ فاتح میرا دوست تھا۔ ان گزرے برسوں میں مجھے ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی۔ کچھ اس نے بتا دی تھی۔ میری بیوی کے زیورات کیسے نقلی زیورات میں تبدیل ہوئے' میرے پاس میری مخالف کمپنی کا لیپ ٹاپ کیسے آیا... اور مجھے ان کا پیٹنٹ چوری کر کے بزنس میں کتنا فائدہ ہوا... یہ ساری کڑیاں ملانا مشکل نہ تھا۔''

تالیہ نے اداسی سے اس کمرے کی دیواروں کو دیکھا۔ وہ اب بھی ویسی تھیں۔ وہی بک شیلف... وہی لکڑی کی میز۔ اور کچن

سے آتی سوپ کی وہی مہک۔

''کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے؟'' وہ ان کو دیکھ کے بولی۔ تو وہ دھیرے سے مسکرائے۔ کمرے میں پھیلا تناؤ تھوڑا کم ہوا۔

''تم نے جتنی قیمت کے زیورات چرائے تھے' اس سے کہیں زیادہ مالیت کا پیٹنٹ مجھے میرے مخالف کے لیپ ٹاپ سے لا کر دیا تھا۔ جو منافع مجھے میرے لالچ نے دلوایا' وہی قیمت زیورات سے نکل گئی۔ مجھے تم پہ غصہ نہیں آیا تھا' تالیہ۔ شاید شروع میں آیا ہو۔ لیکن پھر بعد میں وہ ایک رنجیدگی میں بدل گیا۔''

''کب؟'' وہ چونکی۔

''جب میں نے دیکھا کہ لوگ تمہیں عصرہ محمود کی موت کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ تب میں نے سوچا کہ کاش تم وہی سوپ پارلر میں کام کرنے والی تالیہ ہوتیں جو اپنے بے کار باپ کے گھر کی روزی روٹی کی ذمہ دار تھی اور جس کا باپ اس کی شادی زبردستی طے کر رہا تھا۔''

تالیہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ ''میری کہانی اور میرا باپ اس سے بہت مختلف نہیں تھا۔''

''خیر میں جانتا تھا تم نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔ کیونکہ تم کسی کو اذیت نہیں دے سکتی تھیں۔ لالچ تو ہم دونوں نے کیا تھا۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد شیلا کا مس کیرج ہوا۔ اور جب ہم نے اپنا بچہ کھویا تو ہماری زندگی میں تبدیلی آ گئی۔ اس لیے ہاں' میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ شانے اچکا کے مسکرائے۔ ''اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ علی کامل ڈارک ویب سے ایک کانٹریکٹ تھیف کو ہائر کرے اپنی ماں کا نیکلیس چرانے کے لیے۔ وہ چوری کے لیے اس کانٹریکٹر کو دو دن کا وقت دے گا۔ ان دو دنوں میں آپ اپنے گھر ایک پارٹی منعقد کریں گے۔ وہ کانٹریکٹر اسی پارٹی کے دوران نیکلیس چرانے کی کوشش کرے گی۔''

''مگر اس طرح میں شیلا کو خطرے میں ڈال دوں گا۔'' وہ فکرمند ہوئے۔

''وہ نقلی نیکلیس پہن کے پارٹی میں جائیں گی۔ اصل نیکلیس ان کے لاکر میں ہوگا۔ اور فکر نہ کریں' بات نیکلیس چرانے تک نہیں آئے گی۔ ہم اس کانٹریکٹ تھیف کو اس سے پہلے ہی پکڑ لیں گے۔ پلیز... یہ فاتح کے لیے ہے' کامل صاحب۔ یہ ہم سب کے گناہوں کا کفارہ ہے۔''

وہ مدھم سا مسکرا دیے۔ تالیہ نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور اب اسکرین سے دیکھ کے ان کو ہدایات دینے لگی۔ وہ غور سے سنتے ہوئے سر ہلا رہے تھے۔

ان کے کچن سے ابھی تک سوپ کی مہک آ رہی تھی جس نے ماحول کو معطر بھی کر رکھا تھا اور اداس بھی۔

.....

پردھان منتری کی رہائشگاہ کا ڈرائینگ روم سنہرے رنگوں سے سجا تھا۔ وہاں اسٹینڈز پہ کیمرے سیٹ تھے۔ فلیش کی تیز روشنی سامنے رکھی دو سنہری کرسیوں پہ پڑ رہی تھی۔

ایک پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا ٹیب تھا جس سے پوائنٹس دیکھ دیکھ کے وہ سنجیدگی سے سوالات پوچھ رہا تھا۔ وہ سیاہ پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے' آج کافی عام سے حلیے میں تھا۔ جیسے انٹرویو اتنی جلدی میں سیٹ ہوا ہو کہ اسے ڈھنگ سے تیار ہونے کا وقت نہ ملا ہو۔

وان فاتح اس کی نسبت انٹرویو کے لیے تیار لگتا تھا۔ سرمئی سوٹ میں ملبوس' وہ بالکل مطمئن اور پراعتماد تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ جواب دیتے ہوئے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

''پی ایم صاحب... کیوں نا ہم ان ای میلز کی بات کر لیں جو اس وقت آپ کے لیے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔''

فاتح کی بات ختم ہوتے ہی ایڈم بے چینی سے پہلو بدل کے بولا۔ پروڈیوسر اس کے کان میں بار بار زچ ہو کے کہہ رہا تھا کہ اسے اس وقت کے ہاٹ ٹاپک پہ آنا ہے جبکہ پردھان منتری اپنے ''تعلیمی بل'' سے آگے پیچھے نہیں جا رہے تھے۔ اب کے اس نے دوسری دفعہ سوال کیا تو فاتح نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''ان ای میلز میں ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ البتہ ہم اس معاملے کی تحقیق کر رہے ہیں۔ جو بھی نتیجہ نکلا' میں اس سے آپ سب کو آگاہ کروں گا۔''

''مگر سر... آپ ایک پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے تھے جس کے بارے میں مخالفین کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک غیر ذمہ دارانہ فعل تھا اور...''

''جیسا کہ میں نے کہا' جو بھی اس معاملے کا قصوروار نکلا' اس کو سزا دی جائے گی۔''

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ ایڈم خاموش ہو گیا۔ پھر سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''کیا آپ سوموار کی صبح واقعی تعلیمی بل پیش کرنے جا رہے ہیں۔''

''بالکل۔ اور میں اپنی پارٹی اور اپنے اتحادیوں سے کہنا چاہوں گا کہ اگر وہ میرے بل کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے تو میرا نقصان نہیں کریں گے۔ اپنے بچوں کا کریں گے۔ اور پھر یہ لوگ عوام کو کیا منہ دکھائیں گے؟ بلکہ اپنے بچوں کا سامنا کیسے کریں گے؟ کیا ان کے بچے ان سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ ایسا بل جو ان کی کالج ٹیوشن کو ساٹھ فیصد تک کم کرنے جا رہا

تھا' اس کا ساتھ انہوں نے کیوں نہیں دیا؟'' وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔

ایڈم بن محمد بور سا ہو کے اسے سنے گیا۔

ڈائریکٹر نے کٹ بولا اور پروگرام ختم ہوا تو فاتح کالر پہ لگا مائیک احتیاط سے اتارنے لگا۔ ایڈم نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اپنا مائیک اتارا۔

''آپ ای میلو کے سوال سے احتراز کر رہے تھے۔''

فاتح نے مسکرا کے کھڑے ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟''

''کم از کم یہ نہ کرتا۔'' ایڈم بھی ساتھ ہی اٹھا۔ مائیک اب دونوں سے دور تھا اور کیمرہ کریو پیک اپ میں لگا تھا۔ ملٹری سیکرٹری اور باڈی مین فاصلے پہ کھڑے پردھان منتری کو اس اینکر سے بات کرتے دیکھ رہے تھے۔

''It's very lonely at the top, Adam.''

''میں جس وان فاتح کو جانتا ہوں وہ کوئی بات بے معنی نہیں کہتے۔'' ایڈم نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔ ''ذمہ داران کو سزا دلوانے سے آپ کی کیا مراد تھی؟''

''تمہاری تو یادداشت کھو نہیں گئی تھی؟'' فاتح نے مسکرا کے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

ایڈم نے آنکھیں گھمائیں اور برا منہ بنایا۔ ''آئی وش۔'' پھر توقف سے بولا۔ ''ایک آخری بات۔''

وہ جو جانے کے لیے تیار تھا' رک کے اس کی بات سننے لگا۔

پیچھے کھڑے ملٹری سیکرٹری اور باڈی مین اب بے چینی سے اس اینکر کو گھور رہے تھے جس نے پی ایم کو روک رکھا تھا۔ ایڈم قدرے قریب ہوا اور آہستہ سے بولا۔

''آپ اس کیس کے سامنے ہار نہ مانیے گا۔ چے تالیہ اس عورت کو ڈھونڈ نکالیں گی اور وہ گواہی دے دے گی۔ آپ اس اسکینڈل سے بہت آرام سے بچ نکلیں گے۔''

''ایڈم۔'' وہ مسکرایا۔ ''I don't need saving.... مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے۔''

''تو پھر آپ ان کو روک لیں۔'' ایڈم نے آواز دھیمی کی۔ اس کی آنکھوں میں منت تھی۔ ''ان کو اس ملک سے جانے نہ دیں۔ وہ یوں خوش نہیں رہیں گی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ چے تالیہ خوش رہیں۔''

''یہ فیصلہ اس نے خود کرنا ہے۔'' اسے فاتح کی مسکراہٹ اداس لگی تھی۔

''وہ آپ کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ صرف اپنے بابا کے خط کی وجہ سے گلٹ میں چلی گئی ہیں۔ انہیں لگتا

ہے ان کو مراد راجہ کی بددعا لگ چکی ہے اور انہیں خوش رہنے کا حق نہیں...''

''کیسا خط؟'' فاتح کے ابرو تعجب میں اکٹھے ہوئے۔ ملٹری سیکرٹری کھنکھارتے ہوئے قریب آیا لیکن فاتح نے بنا مڑے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ وہیں رک گیا۔

''ان کو ایک خط ملا تھا۔ جونکر اسٹریٹ والے مین ہول سے۔ وہ ان کے بابا کی طرف سے ہے جس میں تلخ باتیں لکھی گئی ہیں۔''

''اور وہ کیسے اس کا یقین کر سکتی ہے؟''

''واقعی۔ انہیں ان باتوں پہ یقین نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ مراد راجہ نے صرف ان کو تکلیف دینے کے لیے لکھی تھیں اور...''

''وہ اس بات پہ کیسے یقین کر سکتی ہے کہ یہ خط اس کے باپ نے ہی لکھا ہے۔''

اس کے لہجے کی سنگینی محسوس کر کے ایڈم ٹھہر گیا۔ پھر ابرو اچکائے۔

''چے تالیہ کو اصل اور نقل ڈاکومنٹ کی پہچان ہے۔ اس زمانے کا کاغذ' مہر... پھر ان کے بابا کی لکھائی۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''ایڈم... ہر انسان کی ایک کمزور کڑی ہوتی ہے جس سے اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔'' وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔ ''میری وہ کمزور کڑی تالیہ تھی ورنہ میں میشا کو کبھی اپنے گھر میں جگہ نہ دیتا۔ وہ میرا بلائنڈ سپاٹ تھی۔ تالیہ کا بھی ایک بلائنڈ سپاٹ ہے۔ اس کا باپ۔ اس کا ماضی کا گلٹ۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ کوئی دوسرا تالیہ کے گلٹ کے ساتھ کھیل نہیں رہا؟''

ایڈم اپنی جگہ سن رہ گیا۔

فاتح اسے سر کے خم سے شب بخیر کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اس کے سرکاری ملازم ایڈم کو گھورتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے۔

ایڈم چند لمحے کھڑا اس کی باتوں کو ذہن میں پراسیس کرتا رہا۔ پھر تیزی سے فون نکالا اور اپنے عملے کو وہیں چھوڑ کے باہر آیا۔

''داتن...'' کچھ دیر بعد وہ پریشانی سے فون پہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ خط... وہ مراد راجہ نے نہیں لکھا۔ مجھے لگتا ہے وہ ذوالکفلی کی کوئی چال ہے۔ کیا آپ کسی طرح چے تالیہ کی تحویل سے وہ خط چرا سکتی ہیں؟''

''چور سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟ اپنی دوست کے ہاں چوری کروں گی میں؟''

وہ آگے سے بگڑ کے بولی۔

ایڈم نے فون کان سے ہٹا کے اسے گھورا اور دوبارہ کان پہ لگایا۔

''یعنی آپ اسے پہلے ہی چرا چکی ہیں۔''

داتن آگے سے ہنس دی۔''ہاں۔اس کا لفافہ میں نے چرالیا تھا اور میں اپنے ایک دوست کی لیب پہ اسے کل رات دے بھی آئی تھی۔وہ اس پہ کچھ ٹیسٹ کرے گا اور یہ بتائے گا کہ وہ خط قدیم زمانے کے کاغذ کا ہے یا نئے زمانے کا۔''

''کب بتائے گا؟''

''اب تک رپورٹ ریڈی ہوگی۔لیکن میں تالیہ کے ساتھ اس کے آخری کون کا حصہ ہوں۔میں تنگو کامل کے گھر کے باہر کار میں ہوں۔تالیہ اندر ہے۔ہم میشا کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''مجھے لیب کا نام اور پتہ ٹیکسٹ کرو۔میں خود وہاں جاتا ہوں۔''وہ فکرمندی سے بولا۔اسے اس لیب کی رپورٹ ابھی اسی وقت چاہیے تھی۔اگر وہ تالیہ پہ یہ ثابت کر دیتا کہ وہ خط ذوالکفلی نے لکھا ہے نہ کہ مراد راجہ نے تو وہ اس کے گلٹ کو ختم کر سکتا تھا۔وہ تالیہ کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ اسے اس کی ہیپی اینڈنگ ملے گی۔

.....

تنگو کامل کے گھر کے لان میں پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔رات کا اندھیرا آسمان کو سیاہ کیے ہوئے تھا لیکن لان کے درختوں پہ لگی روشنیوں کی لڑیوں نے اپنے تئیں سیاہی سے لڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ایک طرف باربی کیو بن رہا تھا۔دوسری جانب مہمان ٹولیوں کی صورت ہنستے مسکراتے گفتگو میں مصروف تھے۔

شیلا کامل نیلے گاؤن میں ملبوس مسکرا کے ایک مہمان سے دوسرے کی طرف جا رہی تھیں۔ان کی گردن میں پڑا ہیروں کا نازک سیٹ جگمگا رہا تھا۔گیٹ پہ سیکیورٹی کی بھاری تعداد موجود تھی۔تالیہ نے سیکیورٹی اچھی رکھنے کو کہا تھا۔اگر وہ کمزور ہوئی تو میشا کو شک ہو جائے گا۔اسے چیلنج پسند تھا۔چیلنج دیکھ کے وہ بہت خوشی سے ہار چرانے آئے گی۔

وہ آئے گی۔وہ ضرور آئے گی۔تالیہ اس وقت ایک کمرے میں بیٹھی تھی۔کمرے میں اندھیرا تھا اور وہ کھڑکی کے ساتھ لگی بیٹھی باہر کی پررونق پارٹی کو دیکھ رہی تھی۔اس نے سیاہ جمپ سوٹ پہن رکھا تھا۔سر پہ سیاہ ٹوپی تھی۔وہ اس اندھیر کمرے میں خود کو بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔آنکھیں باہر لگی تھیں۔

دفعتاً اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ خط نکالا۔اس کا لفافہ وہ کھو چکی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اسے داتن نے چرایا ہوگا۔خیر۔

اس نے ایک دفعہ پھر خط پہ لکھی تحریر پڑھی۔وہ اس تحریر کو کئی دفعہ پڑھ چکی تھی۔ہر دفعہ یہ ایک نئی طرح سے اذیت دیتی تھی۔

مراد راجہ درست کہتا تھا۔تالیہ دنیا کے کسی حصے میں بھی چلی جائے اس کا دل محبت سے خالی رہے گا۔بالکل بنجر۔

اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نکلا اور خط پہ ٹپکا۔ جہاں ''تمہارا باپ'' لکھا تھا' وہ ان الفاظ پہ گرا اور انہیں بھگو گیا۔ اس نے انگلیوں سے ان بھیگے لفظوں کو چھوا۔ وہ جیسا بھی تھا اور وہ جیسی بھی تھی... وہ باپ بیٹی تھے۔

اس نے خط تہہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ادھر ادھر پھرتی شیلا کی گردن میں نیکلیس ابھی تک موجود تھا۔ میشا ابھی نہیں آئی تھی۔

.....

''یہ کاغذ عام کاغذوں سے بالکل مختلف ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایسی چیز میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔''

لیب میں نیلی سفید بتیاں جلی تھیں۔ ایک سفید کوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی ایڈم کو بتا رہا تھا۔ دونوں ایک میز کے اطراف میں کھڑے تھے جس پہ چند مشینیں رکھی تھیں۔ خط کا لفافہ بھی وہیں ایک ٹرے میں رکھا تھا۔

''آج کل کاغذ لکڑی کے pulp سے بنایا جاتا ہے۔ جبکہ یہ کاغذ linen rags سے بنایا گیا ہے۔ جیسے پرانے زمانے کے کاغذات ہوتے تھے۔ اور یہ خالص موم کی مہر ہے۔ اور یہ دھاگا... یہ سینتھیٹک نہیں ہے۔ یہ سب آج کل نہیں ملتا۔ لیکن...''

ایڈم کی امید بڑھی۔ تیزی سے پوچھا۔ ''لیکن؟''

''لیکن ایسے خطوط ہمیشہ اینٹیک ہوتے تھے۔ وہ کئی سو برس پرانے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ پا رہا کہ یہ خط age کیوں نہیں ہوا۔ یہ نیا نکور ہے۔''

ایڈم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ''ایسی جیسے کسی نے قدیم زمانے سے اسے کوریئر کیا ہو۔ اور یہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہو۔ ایج ہوئے بغیر۔''

''بالکل۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' وہ پرجوش سے انداز میں بولا۔ ایڈم کے چہرے پہ پھیلتی مایوسی چھپی نہ رہ سکی۔

''یعنی یہ کوئی فورجری نہیں ہے۔ یہ قدیم زمانے کا کاغذ ہے۔ اس کو نئے زمانے میں بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔''

''بنا تو ظاہر ہے اسی زمانے میں ہے۔ قدیم زمانے کا ہوتا تو کئی سو برس پرانا ہوتا۔''

''واٹ ایور۔'' وہ تکان سے بولا۔ وہ وقت کے چکر اس شخص کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔

''ویسے آپ کو یہ کہاں سے ملا؟''

''یہ اہم نہیں ہے۔ میں چلتا ہوں۔'' ایڈم نے گھڑی دیکھی اور ہاتھ بڑھا کے لفافہ اٹھا لیا۔

''نو.. نو... اس کو ہاتھ نہ لگاؤ۔'' اس نے ایسے کرنٹ کھا کے کہا کہ ایڈم نے جھٹکے سے لفافے چھوڑ دیا۔ وہ نیچے جا گرا۔ ڈاکٹر

جھکا اور داستانے والے ہاتھ میں ٹویزر پکڑے احتیاط سے اسے اٹھایا اور سیدھا ہوا۔

''اس میں ایسا کیا ہے؟'' وہ تعجب سے بولا۔ ڈاکٹر نے لفافہ زپ لاک بیگ میں ڈالا اور سنجیدہ چہرہ اوپر اٹھایا۔

''یہ زہریلا ہے۔''

ایڈم بن محمد کو لگا.. وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔

''زہریلا؟ یہ کاغذ زہریلا ہے؟''

''کاغذ نہیں۔ اس پہ جو الفاظ لکھے ہیں ''پتری تاشہ بنت مراد کے نام'' وہ زہریلے ہیں۔ میں نے اس کی روشنائی کو ٹیسٹ کیا ہے۔ روشنائی نہ صرف سنتھیٹک ہے یعنی کسی فیکٹری میں بنی ہے بلکہ زہریلی بھی ہے۔''

''اس کے اندر موجود سارا خط اسی روشنائی سے لکھا گیا تھا۔'' وہ چونک چونک گیا۔ دل زور سے دھڑکا۔ ''یہ کس قسم کا زہر ہے؟''

ڈاکٹر نے جھرجھری سی لی۔

''یہ تو ہم ابھی تک معلوم نہیں کر سکے۔ قوی امکان ہے کہ یہ کسی زہریلے پودے سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ صرف گیلا ہونے پہ اثر کرتا ہے۔ سائینائیڈ سے ملتا جلتا ہے لیکن سائینائیڈ نہیں ہے۔ یہ جلد کے ذریعے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ انگلیوں سے اندر جاتا ہے اور آہستہ آہستہ دل بند کر دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب طرح کا زہر ہے جس سے پچھلے تین برس میں چار ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ میں نے اس کے اجزاء کو پولیس ریکارڈ سے میچ کیا تھا۔ یہ بالکل وہی زہر ہے۔''

''اور یہ چار ہلاکتیں کن کیسز میں ہوئی تھیں؟'' وہ دم بخود تھا۔

''چاروں دفعہ ہیرے یا قیمتی زیورات چرائے گئے تھے۔ یوں لگتا ہے اس زہر کو استعمال کرنے والا کوئی گرفٹر یا چور ہے جو اپنے شکار کو ایسی تحریر بھیجتا ہے جو اس کو دھیرے دھیرے مار دے۔''

ایڈم نے بے اختیار میز کا کونا تھاما۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''آپ نے کہا یہ گیلا ہونے پہ اثر کرتا ہے؟''

''ہاں۔ سوکھے کاغذ کو چھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر یہ روشنائی بھیگ جائے اور اسے ہاتھ لگا لو تو ایک سے دو گھنٹے کے اندر موت واقع ہو جاتی ہے۔ تکلیف دہ موت۔'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ایڈا کو لیب کی سفید ٹیوب لائٹس اپنے سر پہ گھومتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''کیا... کیا اس زہر کا کوئی تریاق ہے؟''

''ابھی تک اس زہر کا شکار کوئی مریض بروقت ہسپتال نہیں لایا جا سکا۔ ہر دفعہ وقت گزر چکا ہوتا تھا۔''

وقت...ایڈم نے گھڑی دیکھی...سارے کھیل وقت کے تھے۔

وہ اگلی بات سنے بغیر بے اختیار باہر کو بھاگا....اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا اور اسے زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی وہ تیزی سے تالیہ کا نمبر ملا رہا تھا لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔

ذوالکفلی نے تالیہ مراد سے بدلہ اس خط کے ذریعے لے لیا تھا۔

.....

وہ ابھی تک اس اندرونی کمرے میں بیٹھی تھی۔ کمرہ اندھیر تھا اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ پارٹی زور و شور سے جاری تھی۔ مدھم موسیقی پس منظر میں بج رہی تھی۔

لان کی گھاس پہ مہمان ٹولیوں کی صورت میں بکھرے تھے۔ ملازم برتن لگاتے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ہر طرف قمقموں اور پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ بغیر چیک کیے کسی مہمان کو اندر آنے نہیں دیا جا رہا تھا۔ وہ ہر نئے مہمان پہ نظر رکھے ہوئے تھی۔ میشا یقیناً کسی مہمان کے روپ میں آئے گی وہ جانتی تھی۔ تالیہ نے پولیس یا کسی پرائیوٹ سیکیورٹی کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ میشا کو شک ہو جاتا اور وہ نہ آتی۔ اس کو معلوم تھا کہ میشا کے لیے ایک وہی کافی تھی۔

اور تب ہی اس نے وہ آواز سنی۔

کسی جانور کے رونے کی آواز۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ نے چہرہ موڑا۔

اندھیر کمرے کے دوسرے سرے پہ وہ کھڑا تھا۔

ایک سفید ہرن۔

اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ ننھے غزال کی آنکھوں میں دیکھتی گویا مبہوت ہو گئی۔ پھر وہ پلٹ گیا۔ وہ بے خود سی اٹھی اور اس کی جانب قدم بڑھائے۔

لیکن وہ دھیرے دھیرے اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔

تالیہ نے پلکیں جھپکائیں۔ ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔

کیا وہ ایسی چیزیں دیکھنے لگی تھی جن کا وجود نہیں تھا؟ یہ اس کے خوابوں جیسا معاملہ نہ تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

اس کے سر میں ایک دم سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے کنپٹی کو مسلا اور واپس کھڑکی کی طرف آئی۔ متلاشی نظروں سے مسز شیلا کو ڈھونڈا۔ وہ ایک طرف کھڑی ہنستے ہوئے کسی مہمان سے بات کر رہی تھی۔ اس کی گردن خالی تھی۔

تالیہ نے بے یقینی سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی سمت بھاگی۔ لاؤنج دوڑتے ہوئے عبور کیا۔ پھر لان میں آئی اور سیدھی مسز شیلا کے سر پہ پہنچی۔

اسے دیکھ کے وہ حیران رہ گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ''کیا ہوا؟''

تالیہ نے اس کا بازو تھاما اور اسے مہمانوں سے ذرا فاصلے پہ لے گئی۔

''آپ کا نیکلیس کہاں ہے؟''

شیلا نے فوراً گردن پہ انگلیاں رکھیں۔ پھر اسے ٹٹولا۔ گردن خالی تھی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

''ابھی... ابھی تو میری گردن میں تھا۔ اوہ گاڈ۔'' اس نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''مسز شیلا.. مجھے یاد کر کے بتائیں... ابھی دو منٹ پہلے وہ آپ کی گردن میں تھا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔ میشا دور نہیں گئی ہوگی۔ ''ان دو منٹ میں کوئی آپ سے ٹکرایا ہے؟''

شیلا چونکی۔ ''ہاں۔ وہ کوئی ویٹرس تھی۔ اس کے پاس گلاسز کی ٹوکری تھی۔ اس کے گلاس گرتے گرتے بچے... لیکن مجھے علم ہوئے بغیر کوئی میرا نیکلیس کیسے اتار سکتا ہے؟''

''وہ کس طرف گئی ہے؟'' وہ پھولتے سانس سے بولی۔ سر میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔

''شاید اس طرف۔'' شیلا نے پریشانی سے ایک سمت میں اشارہ کیا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ وہاں باربی کیو ہو رہا تھا اور دوسرے بہت سے یونیفارم والے ملازم کھڑے کام کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف لپکی۔

''کیا کسی نے ایک ویٹرس کو دیکھا ہے جس کے پاس گلاسز کی ٹوکری تھی؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔ دو ویٹرز نے ایک ساتھ کہا۔

''کون سارہ؟ وہ کچن کی طرف گئی ہے۔ اس نے..''

تالیہ تیزی سے اس طرف بھاگی۔ میشا اتنے لوگوں کے باعث تیزی سے نہیں بھاگی ہوگی۔ وہ آہستہ سے نکلی ہوگی۔ اسے معلوم تھا۔

جس لمحے وہ کچن میں پہنچی اس نے ایک جھلک دیکھی۔ سفید اور سیاہ ویٹرس یونیفارم پینٹری کی طرف غائب ہوا تھا۔

تالیہ نے رفتار کم کی اور دبے قدموں چلتی پینٹری تک آئی۔ پینٹری خالی تھی اور اسی پل عقبی دروازہ بند ہوتا دکھائی دیا۔

شاید اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہے۔

تالیہ تیزی سے دروازے سے باہر نکلی۔ عقبی دیوار پھاند کے سیاہ سفید یونیفارم غائب ہوا تھا۔

تالیہ نے دیوار پہ دونوں ہاتھ رکھے۔ اطراف میں اندھیرا تھا یا اسے محسوس ہو رہا تھا۔ دھند سی تھی جو چھا رہی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ دھند چھٹنے لگی۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟

اس نے دیوار پہ رکھے اپنے ہاتھ دیکھے۔ اس کے ناخنوں کا رنگ بدل رہا تھا۔ مگر اس نے سر جھٹکا۔ اور جوگر دیوار پہ رکھا۔ پوری قوت لگا کے اوپر چڑھی۔ پھر دوسری طرف پھاندی۔

اس کے جوتوں کے زمین پہ لگنے کی آواز دھپ سے آئی۔

تالیہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے کو لڑھکی۔ ہتھیلیوں کے بل خود کو گرنے سے سنبھالنا چاہا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

وہ گلی تاریک تھی۔ سیدھ میں جاتی اور دائیں جانب مڑ جاتی۔ اطراف میں اونچی دیواریں تھیں اور مخالف سمت میں سڑک۔

وہاں بس ایک اسٹریٹ لائٹ تھی جس کی روشنی ناکافی تھی۔ کچرے کا ایک ڈمپسٹر تالیہ کے قریب رکھا تھا۔ وہ ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل زمین پہ جھکی تھی۔ سر تک نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ اس کی حد نگاہ میں گلی کا پکا فرش تھا۔ بدقت اس نے نظریں ذرا کی ذرا اٹھائیں۔

گلی کے دوسرے سرے پہ سفید سیاہ اسکرٹ والی لڑکی کے سیاہ جوتے رک گئے تھے۔ پھر اسے وہ جوتے گھومتے دکھائی دیے۔ وہ واپس اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ بدقت زور لگا کے سیدھی ہوئی۔ اب اس کے گھٹنے زمین پہ تھے اور چہرہ سامنے۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ میشا دوسرے کونے سے مڑ کے واپس آ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ۔

تالیہ نے نڈھال سے انداز میں پیچھے کو ٹیک لگائی۔ اس کی کمر کچرے کے ڈمپسٹر سے جا لگی۔

وہ دوزانو نڈھال سی بیٹھی نیم کھلی آنکھوں سے اس ہیولے کو دیکھے گئی جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

میشا اندھیرے میں تھی۔ چند قدم قریب آئی تو چہرہ مدھم سی روشنی میں آیا۔ اسٹریٹ پول کے باعث یہاں تھوڑی بہت روشنی تھی۔

تالیہ نے پلکیں جھپکائیں۔ دھند سی دھند تھی جو ہر جگہ چھا رہی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ نہ آواز نکلتی تھی نہ سانس۔

''تالیہ مراد... تم کبھی ہار نہیں مانتیں' ہے نا؟'' میشا نے افسوس سے سر نفی میں ہلا کے کہا۔

تالیہ نے ہاتھ اٹھانے چاہے لیکن اس کی بند مٹھیاں پہلوؤں میں گری رہیں۔ اس کا جسم مفلوج ہو رہا تھا۔

میشا پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔ اس نے مانگ نکال کے ویٹرسز کی طرح بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ وہ افسوس سے تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''تو یہ سب تم نے اسٹیج کیا تھا۔ مجھے پکڑنے کے لیے۔ چچ۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ ''مجھے آج تک کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اور تم اس وقت مجھے پکڑنے کی حالت میں نہیں لگ رہیں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ غور سے پتلیاں سکوڑے اس کے چہرے کے رنگ دیکھ رہی تھی۔

تالیہ کی نظریں میشا کے کندھے سے پھسلتی اس کے عقب میں جا رکیں۔ گلی کے دوسرے سرے پہ کوئی تھا۔ اندھیرے میں روشنی کا ایک ہیولہ۔

''یہ ذوالکفلی نے کیا ہے' ہے نا؟'' وہ مدھم آواز میں افسوس سے کہنے لگی۔ ''وہ اپنا مخصوص زہر بنا رہا تھا کچھ دن پہلے اور اسے سیاہی کے ساتھ ملا رہا تھا۔ میرا خیال تھا اپنے کسی ٹارگٹ کے لیے بنا رہا ہے۔ لیکن اپنی ہی اسٹوڈنٹ کے لیے؟ چچ چچ... تم موت کے قریب ہو تالیہ... مجھے افسوس ہے.. مجھے واقعی افسوس ہے...''

اس نے دھیرے سے تالیہ کی سرد پڑتی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔

''ایک کون وومن کو دوسری کون وومن کے ساتھ ہونا چاہیے... اس کے آخری وقت میں...'' پھر میشا نے گردن اٹھا کے افسوس سے اطراف میں دیکھا۔

''ایک تاریک گلی میں کسی کچرے کے ڈبے کے ساتھ موت... آج تم اس طرح مرو گی۔ کل میں اس طرح مروں گی۔ میرے اور تمہارے جیسے لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے' تالیہ۔ ہمیں اندھیرے نگل جاتے ہیں۔''

تالیہ کی نظریں گلی کے سرے پہ جمی تھیں۔ آنکھوں کے آگے دھند تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں، دھند ہلکی ہوئی۔

بالآخر وہ اسے نظر آنے لگا۔ وہ سفید ہرن... وہ وہیں کھڑا تھا۔ اپنی بڑی بڑی سبز آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں اپنے اندھیرے قبول کر لینے چاہیے تھے۔ مگر نہیں تالیہ.. تمہیں روشنی چاہیے تھی۔ تمہیں رنگ چاہیے تھے۔ جبکہ ہمارا صرف ایک رنگ ہوتا ہے۔ اندھیرے کا رنگ۔ دیکھو روشنی نے تمہیں کیا دیا۔ ایک اندھیر گلی میں گمنام موت...''

وہ پنجوں کے بل بیٹھی افسوس سے کہہ رہی تھی۔ مگر تالیہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ غزال کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ننھے ہرن کی سبز آنکھیں پانی سے بھرتی گئیں۔

ہرن نے پلکیں جھپکائیں۔ آنسو اس کے چہرے پہ لڑھکے۔

تالیہ کو اپنے گال پہ گرتا گرم قطرہ محسوس ہوا تھا۔

''میں نہیں جانتی یہ کس چیز کے آنسو ہیں۔'' میشا نے انگلی کے پورے پہ اس کے گال کا قطرہ اٹھایا۔

''یہ ذاولکفلی کا زہر تھا۔ تکلیف دیتا ہے۔ مگر آئی ایم سوری... اس کا تریاق کسی کے پاس نہیں ہے۔''

سفید ہرن ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے دیکھا' ہرن کے ہونٹوں سے دھیرے دھیرے سرخ قطرے ٹپکنے لگے تھے۔

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میشا دھیمی آواز میں ملال سے کہہ رہی تھی۔ ''تمہارے منہ سے خون نکلنا شروع ہو چکا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک کام کر سکتی ہوں۔'' کہتے ہوئے میشا نے اس کی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کا موبائل نکالا۔ اس کو آن کیا۔ پھر تالیہ کے چہرے کے سامنے لا کے اسے ان لاک کیا۔ اب وہ اس پہ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔

تالیہ ابھی تک اس گھائل غزال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مڑ رہا تھا۔

اس کا دل بری طرح ڈوبا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ مگر نہ آواز نکلتی تھی نہ ہاتھ حرکت کرتے تھے۔

میشا فون پہ کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن تالیہ سن نہیں پا رہی تھی۔ وہ خوف سے اس غزال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہا تھا؟ وہ تو اسکا گارڈین اینجل تھا؟ یا کیا وہ موت کا فرشتہ تھا؟ وہ اسے چھوڑ کے کیوں جا رہا تھا؟

بھیگی آنکھوں والا سفید غزال مڑ گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والے خون کے قطرے زمین پہ ننھے سے تالاب صورت جمع تھے۔

وہ مڑا تو تالیہ نے اسے پکارنے کے لیے لب کھولے لیکن اس کا جسم حرکت کرنے سے انکاری تھا۔

ہرن اب دور جا رہا تھا۔

اندھیری دھند میں تحلیل ہو رہا تھا۔ تالیہ نے پلکیں جھپکانی چاہیں لیکن اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔

سب ختم گیا تھا۔

اس کی پیپی اینڈنگ اس دھند میں کھو گئی تھی....

.....

تاشہ...

وہ شہزادیوں جیسی تھی...

اور اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی

اور اسے آزاد کر دیا تھا...

''چے تالیہ... آپ کتابیں نہیں پڑھتیں؟''

''کیا تمہیں وعدہ نبھانے آتے ہیں؟''

''ہونہہ۔ اصلی فوجی ہونا نقلی شہزادی ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔''

''تم میرے ساتھ رہو۔ مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے۔''

''میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈلتے ہیں؟''

میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔''

''بڑے ہی کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔ وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔''

''میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتی اور ہم اس کتاب کو ایک ساتھ پڑھ سکتے۔''

''میں نے آپ کو اتنا عرصہ ماضی میں کیسے برداشت کیا تھا؟''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ ہمیشہ تمہاری جان بچاتا رہے گا۔''

''یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جو ایک شہزادی نے ایک گستاخ پہ تشدد کروایا ہو۔''

''جنگل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔ جنگل سے جنگ نہیں کرتے۔''

''اتنے عیش سے رہنے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہوگا۔''

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم۔''

''چے تالیہ آپ بہت ذہین ہیں اور آپ جیسے ذہین لوگوں کو جانتی ہیں کہاں ہونا چاہیے؟ جیل میں۔''

''دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ ہمیشہ تمہاری جان بچاتا رہے گا۔''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ...''

''جو تمہیں کرنا....''

تالیہ نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ پلکیں ابھی بھی بھاری تھیں لیکن وہ ان کو کھول سکتی تھی۔

نگاہوں کے سامنے سب کچھ سفید تھا۔

سفید چھت۔ سفید پردے۔ سفید لحاف جسے اوڑھے وہ لیٹی تھی۔

اس کی نظریں اپنے وجود پہ پھسلیں۔ اس کے ہاتھ کی پشت سے نالیاں جڑی تھیں۔۔۔ اور ان پہ سفید بینڈیج لگا تھا۔

اس نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔ دھند غائب ہونے لگی۔ اس کا دماغ ابھی تک غنودہ تھا لیکن وہ اپنے ساتھ بیٹھے شخص کو پہچانتی تھی۔

''تالیہ'' وہ مسکرایا۔ وہ اس کے بیڈ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا تھا۔ اس کی طرف جھکے مسکرا کے اسے جاگتے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ ایک خواب ہے؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ آواز ایسی تھی جیسے گلا خراب ہو۔

فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ تم ہسپتال میں ہو اور تم ٹھیک ہو۔''

''نہیں۔'' کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظر نامے کی سینس نہیں بنتی تھی۔

اس نے پریشانی سے اٹھ کے بیٹھنا چاہا لیکن فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے روک دیا۔ اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ یہ سب غیر حقیقی تھا۔

''تالیہ۔ تم ٹھیک ہو۔''

''مگر... میشا نے کہا تھا اس زہر کا کوئی تریاق نہیں ہے۔'' وہ پلکیں بار بار جھپکتی فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''کون سا زہر؟ تمہیں کسی زہر نے نہیں چھوا تھا۔ یہ فوڈ پوائزننگ تھی۔ تم نے کچھ غلط کھا لیا تھا۔''

تالیہ نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔ یہ غلط تھا۔ سب غلط تھا۔ غیر حقیقی۔ خواب۔

''میشا... وہ پکڑی گئی؟''

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''سب ٹھیک ہو چکا ہے۔ سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں۔''

تالیہ نے تکان سے سر تکیے پہ ڈال دیا۔ اس کا ذہن ایک دفعہ پھر غنودگی میں جانے لگا۔

''میشا نے... میشا نے اعتراف کر لیا؟ آپ کی کرسی اب خطرے میں نہیں ہیں؟ آپ ابھی تک وزیر اعظم ہیں؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ فاتح نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں پردھان منتری ہوں۔ اور سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے۔ ہمارے حق میں۔''

''میں کتنی دیر سوتی رہی؟'' اس نے آنکھیں کھول کے گھڑی دیکھنی چاہی لیکن سفید کمرے میں گھڑی نہیں تھی۔ اس کمرے میں وقت کا کوئی حساب نہ تھا۔

''آج کون سا دن ہے؟'' اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ وہ بڑبڑائی۔ ''صبح سوموار ہے نا... سوموار کو کچھ ہونا تھا..''

اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ کمرہ خوب روشن تھا۔ اتنا سفید روشن کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ اس سارے منظر نامے میں کچھ غلط تھا۔ ہر چیز کا ٹھیک ہو جانا غلط تھا۔

کیا یہ خواب تھا؟ یا وہ وہی دیکھ رہی تھی جو وہ دیکھنا چاہتی تھی؟

''تم.. سو جاؤ..'' قاتح اسے کہہ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر دیں۔

کوئی اسے کہہ رہا تھا.. اس کے اندر... کہ وہ جاگ جائے... اسے جاگنا ہے... کچھ غلط ہے.. لیکن اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ ذہن ایک دفعہ پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

.....

اب کی بار اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔ چند لمحے وہ چت لیٹی سانس لیتی رہی۔ پھر پلکیں جھپکائیں۔ چھت واضح ہوئی۔ یہ وہی چھت تھی جو اس نے پچھلی دفعہ جاگنے پہ دیکھی تھی۔ لیکن تب وہ سفید تھی۔

اب وہ مسٹرڈ رنگ کی تھی۔

اس کی نظریں نیچے پھسلیں۔ وہی کمرہ تھا لیکن دیواروں کا رنگ سرمئی تھا۔ پردے سبز پھولوں والے تھے۔ میزوں پہ پھول رکھے تھے، فائلیں رکھی تھیں۔ اس کے ہاتھ سے جڑی نالیوں میں سفید نہیں بلکہ رنگ دار مائع قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔

وہ چونک کے اٹھی۔ اس کی توانائی واپس آ چکی تھی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ ایک گھنٹی بج اٹھی۔ تالیہ نے بٹن سے اپنے بیڈ کو پیچھے سے اونچا کیا۔ پھر اپنے چہرے کو چھوا۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ حرکت کر سکتی تھی۔ اس کا جسم اب مفلوج نہیں تھا۔ پھر بھی دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور ایک نرس اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں فائل پکڑے وہ تالیہ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور مسکرا کے اسے دوپہر بخیر کہا۔ ''آپ جاگ گئیں۔ بالآخر۔''

''بالآخر؟'' وہ سکتے میں آ گئی۔ ''میں کتنی دیر سے بے ہوش تھی؟''

''اب تو ہم نے دنوں کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا' چے تالیہ۔''

''یہ... یہ کون سا سال ہے؟'' اس کا سانس رک گیا تھا۔

''یہ 2030 ہے۔آپ پچھلے نو سال سے کوما میں تھیں اور آج آپ جاگی ہیں۔''

وقت ایک لمحے کو تھم گیا۔

تالیہ مراد کا سانس رک گیا۔

اس کی ساری حسیات سن ہو گئیں۔

اسے لگا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔لیکن پھر اس نے بدقت سانس کھینچی۔

''کتنے پیسے دیے ہیں تمہیں داتن نے یہ مذاق کرنے کے لیے؟''

عقب میں قہقہہ بلند ہوا تو تالیہ کے ابرو بھنچ گئے۔اس نے برہمی سے نرس کے پیچھے سے نکلتی داتن کو دیکھا۔

''لڑکی..تمہارے چہرے کے تاثرات ریکارڈ کرنے والے تھے۔''

وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی ہوئی آگے آئی۔نرس بھی چہرہ نیچے کر کے ہنسی روکتے ہوئے مڑ گیا۔

تالیہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورے گئی۔

''ناٹ فنی۔داتن۔ناٹ فنی۔''اس نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا جو ایک لمحے کے لیے اتنی بری طرح ڈوبا تھا کہ ابھی تک اس کی دھڑکن نارمل نہیں ہوئی تھی۔

''ریلیکس گرل۔تم کل رات یہاں لائی گئی تھیں۔اور ابھی اس بات کو پورا دن بھی نہیں گزرا۔''

''مجھے سمجھ آ گیا تھا۔''تالیہ نے تکیے کو ٹیک لگائی اور الجھے ہوئے انداز میں پردوں کو دیکھا۔وہ سفید کیوں نہیں تھے؟

''کیا فاتح میرے ساتھ تھے؟ کسی وقت؟''

''ہاں۔وہ صبح تک یہیں تھے۔''

''تو وہ خواب نہیں تھا۔لیکن یہ کمرہ سفید تھا۔''وہ بڑبڑائی۔''یا میں وہی دیکھ رہی تھی جو میں دیکھنا چاہتی تھی۔''

''تم کیا دیکھنا چاہتی تھیں؟''

''میری پیپی اینڈنگ جس کا رنگ سفید ہو۔لیکن نہیں۔سب کچھ اتنا سفید نہیں ہو سکتا جتنا مجھے دکھا تھا۔''پھر اس نے سر جھٹکا اور داتن کو دیکھا۔

''خیر...میشا کا بتاؤ..اس نے اعتراف کر لیا؟ اب تو اپوزیشن فاتح کو امپیچ نہیں کرے گی نا۔''

''میشا؟''داتن نے استفہامیہ انداز میں ابرو اٹھایا۔

''یہ مت کہنا اب کی بار تمہاری یادداشت کھو گئی ہے۔''وہ چڑ گئی۔

''تالیہ.... میشا کہاں ہے تمہیں پتہ ہے؟''

اب کی دفعہ وہ واقعی سانس لینا بھول گئی۔

''داتن...داتن... میشا میرے ساتھ تھی اس تاریک گلی میں...اس نے کسی کو فون کیا تھا...فاتح نے مجھے بتایا کہ وہ پکڑی گئی ہے اور سب ٹھیک ہو گیا ہے..''

''کیا فاتح نے تمہیں یہ بتایا یا تم نے وہ سنا جو تم سننا چاہتی تھی؟'' داتن نے گہری سانس لی اور اس کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی۔ پھر اس کا نالیوں میں جکڑا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''تالیہ... جب ایڈم وہاں گیا تو تم اس گلی میں تنہا تھیں۔ وہاں میشا نہیں تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔''

''نہیں۔'' وہ الجھتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا سر پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ ''وہ وہیں تھی۔ اس نے مسز شیلا کا نیکلیس چرایا تھا۔''

''وہ نیکلیس پولیس کو اس ڈمپسٹر سے مل گیا ہے جس کے ساتھ سے تم ملی تھیں۔''

''مگر... میشا نے میرے فون سے کس کو کال کی تھی؟'' اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دھرا اپنا فون اٹھایا اور اسکرین کھولی۔

وہاں تمام کالز کا ریکارڈ موجود تھا۔ جس وقت کی وہ بات کر رہی تھی اس وقت کسی کو کال نہیں کی گئی تھی۔ البتہ ایڈم کی بہت سی مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔

''تالیہ... میشا وہاں نہیں تھی۔ ایڈم تمہارے لیے پریشان تھا کیونکہ تم فون نہیں اٹھا رہی تھیں۔ وہ تمہیں لینے آیا تو تم اس گلی میں بے ہوش ملیں۔ وہ تمہیں ہسپتال لے آیا۔ تمہیں سادہ سی فوڈ پوائزننگ ہوئی تھی۔''

''نہیں۔ یہ فوڈ پوائزننگ نہیں تھی۔ کچھ غلط ہے۔ میری حالت...ایسے...ایسے فوڈ پوائزننگ میں نہیں ہوتا۔'' وہ بے چینی سے اپنے ہاتھ سے لگی نالیاں الٹ پلٹ کے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دھری دواؤں کی ٹرے قریب کرنی چاہی تو داتن نے اسے روک دیا۔

''تالیہ... میری بات سنو... میشا کا خیال دل سے نکال دو۔ وہ غائب ہو چکی ہے۔''

''لیکن اگر میشا نہیں پکڑی گئی...اور اس نے اعتراف نہیں کیا تو فاتح کا عہدہ کیسے بچ گیا؟''

وہ الجھتے ہوئے کہتے ہوئے دوائیوں ٹٹول کے دیکھ رہی تھی۔

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی تو تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔ داتن کی شکل دیکھ کے اس کا دل ڈوبا۔

''آج سوموار ہے۔ آج اپوزیشن نے ان کو امپیچ کرنا تھا۔ اگر میشا نہیں ملی تو...تو...'' اس کی نظریں دیوار پہ لگی ٹی وی

اسکرین کی جانب اٹھیں۔وہ تاریک تھی۔

''میں فاتح کو نہیں بچا سکی۔''اس کے لب بے یقینی سے پھڑ پھڑائے۔''داتن ٹی وی آن کرو۔''

''مگر تالیہ تم ابھی ریسٹ کرو...میں...''

''پلیز ٹی وی آن کرو۔''اس نے بے چینی سے داتن کا ہاتھ تھاما۔آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔''انہوں نے کئی برس اپنے اس خواب کے لیے محنت کی ہے۔مگر یہ سارے لوگ ان کے خلاف جمع ہو کے ان کو ہرانے جا رہے ہیں۔اور میں کچھ نہیں کر سکی۔''

داتن چپ چاپ اٹھی اور ٹی وی آن کیا۔اسکرین روشن ہوئی تو سامنے ہی نیوز دکھائی دے گئیں۔

پارلیمان کا منظر دکھایا جا رہا تھا۔پردھان منتری اپنے ڈیسک کے پیچھے کھڑا کچھ کہہ رہا تھا اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔نیچے چلتی پٹیاں یہ بتا رہی تھیں کہ پردھان منتری کا پیش کیا گیا تعلیمی بل منظور ہو گیا تھا۔اور اب وہ بل قانون بن چکا تھا۔

اس کی تقریر جانے کب سے جاری تھی۔تالیہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے گئی۔

وہ گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔اس نے بال دائیں جانب کر کے جیل سے جما رکھے تھے۔وہ ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور اس کی آواز ایوان کی اونچی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

''جہاں مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے ممبران اسمبلی نے اس بل کو منظور کیا اور اسے قانون کا حصہ بنایا...وہاں مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے کہ بہت سے ممبرز نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔''وہ مائیک میں کہہ رہا تھا۔تالیہ سانس روکے سنے گئی۔

''کیا یہ ممبرز اپنے بچوں کا سامنا نہیں کرتے؟ کیا یہ اپنے بچوں کو جواب دہ نہیں ہیں؟ ہم انسان سب سے زیادہ محنت اپنے بچوں کے لیے کرتے ہیں۔کیا ہم ان کی تعلیم کے لیے یہ آپس کے اختلافات بھلا نہیں سکتے تھے؟ کیا اپنے چھوٹوں کے لیے ہم ذرا بڑے نہیں بن سکتے تھے؟''

وہ بول رہا تھا اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔کچھ لوگ لاپرواہی سے آپس میں سرگوشیاں بھی کر رہے تھے۔صوفیہ رحمٰن کاغذات کا ایک پلندہ لیے ساتھ بیٹھے شخص کے ساتھ سر جوڑے کچھ کہہ رہی تھی۔

''یہ فاتح کی تقریر کے بعد امپیچ منٹ کی قرارداد پیش کرے گی۔''وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔''یہ تیار ہو کے آئی ہے۔اس کے پاس اتنے لوگ ہوں گے جو یہ قرارداد کامیاب کر سکیں۔''

''لیکن جن لوگوں نے فاتح کے بل کے حق میں ووٹ دیا ہے' وہی لوگ امیج منٹ کے حق میں ووٹ کریں گے کیا؟ ایک ہی وقت میں ایسے لوگ فاتح کے حق اور فاتح کے خلاف کیوں ووٹ کریں گے؟''

''کیونکہ تعلیمی بل اوپن بیلٹ کے طور پہ پیش ہوا تھا۔ اخلاقی مجبوری آڑے آ گئی۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اور ان لوگوں کو دنیا دکھانے کو بل کے حق میں ووٹ دینا پڑا۔ امیج منٹ کا ووٹ سیکریٹ بیلٹ سے ہوگا۔ جس کی جہاں وفاداری ہوگی وہ وہیں ووٹ دے گا۔''

''مگر...''

''شش۔ چپ کرو۔ مجھے سننے دو۔''

اسکرین پہ نظر آتا فاتح کہہ رہا تھا۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کچھ لوگوں نے تعلیمی بل کے حق میں ووٹ صرف اس لیے دیا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ وان فاتح کی وزارت عظمیٰ محفوظ ہے۔'' وہ رکا۔ اب کے ہر شخص چونک کے اسے دھیان سے سننے لگا۔ فاتح نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''چند دن پہلے میری ای میل لیکس والا معاملہ سامنے آیا تھا۔''

بہت سی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔ یہ پہلی دفعہ تھی جب وان فاتح بنا سوال کے اس بات کا ذکر کر رہا تھا۔

''میں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ جو بھی ذمہ دار ہوا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس معاملے کی تحقیق کروائی جائے گی اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہم نے اس کی پوری تحقیق کروائی اور اس میں ثابت یہ ہوا کہ...'' وہ رکا۔

یہ تقریر آسان نہیں تھی۔

''ثابت یہ ہوا کہ ان ای میل لیکس کا ذمہ دار صرف اور صرف وان فاتح تھا۔''

تالیہ نے نالیاں جڑا ہاتھ لبوں پہ رکھ لیا۔

''یہ میری غلطی تھی۔ میری لاپرواہی تھی.... میری غیر ذمہ دارانہ حرکت تھی کہ میں ایک پرائیوٹ سرور استعمال کرتا رہا جبکہ مجھے یہ ای میل حکومتی سرور پہ کرنی چاہیے تھیں۔ اسے میری لاپرواہی کہیں یا ٹیکنالوجی سے نابلد ہونا... لیکن اس سارے معاملے میں اگر کسی کا قصور ہے تو وہ میرا ہے۔''

ہال کو سانپ سونگھ چکا تھا۔ صوفیہ رحمٰن نے دھیرے سے کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھ دیا۔ سب گردنیں اس کی طرف موڑے اسے بولتے سن رہے تھے۔

''اور جناب اسپیکر...ہم انسانوں کی خامی یہ نہیں ہے کہ ہم غلط کام کر بیٹھتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ غلطی کی ذمہ داری لینا ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو اپنے معاملات میں سچے ہوتے ہیں۔ ہم سب غلطیاں کرتے ہیں۔ میں چاہتا تو کسی بھی technicality کے پیچھے چھپ سکتا تھا۔ کوئی قانونی شق..کوئی دھوکہ...کسی اور پہ الزام...کچھ بھی مجھے بچا سکتا تھا...''

فاتح کو بولتے دیکھتی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''لیکن اگر میں ایسا کرتا تو یہ میں نہ ہوتا۔ یہ وان فاتح نہ ہوتا۔ وان فاتح ایسا نہیں ہے۔ وان فاتح کو یہ عہدہ عزیز ہے لیکن وہ اس لیے اس عہدے کے لیے لڑتا تھا تا کہ لوگوں کو یہ بتا سکے کہ سچ بولنا کتنا اہم ہے۔ اس نے اتنے عرصے ایمانداری سے کام اس لیے کیا تا کہ دوسروں کو انسپائر کر سکے۔ ہمیں کسی کون گیم، کسی ٹیکنکلٹی، کسی قانونی شق کے پیچھے چھپ کے خود کو بچانے کی ضرورت نہ پڑے اگر ہمیں سچ بولنا آتا ہو۔ صرف سچ ہمیں آزاد کر سکتا ہے اور صرف سچ ہمیں بچا سکتا ہے۔''

وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ ہسپتال کے اس کمرے میں اس وقت بالکل خاموشی چھائی تھی۔ فاتح کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ تالیہ کے سانس لینے کی بھی نہیں۔

''میں اپنے آپ کو ایک بہت اچھا پردھان منتری تصور کرتا ہوں۔ میں نے کبھی اپنے ملک کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں نے ہمیشہ اپنے لوگوں کی بہتری کے لیے فیصلے کیے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے لوگوں کو اس بات نے دکھ پہنچایا ہے کہ ان کے پردھان منتری کی معمولی غفلت ان کے لیے کا ہزیمت باعث بنی ہے۔ یہ میری غلطی ہے...اور میں اس غلطی کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں...اس لیے میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں اس کرسی سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

اس کو معلوم تھا وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔ وہ اس کے الفاظ اس کے ذہن سے پڑھ سکتی تھی۔ اسے اسی دن کا ڈر تھا لیکن جب یہ دن آیا تو وہ غمزدہ نہیں تھی۔ کم از کم اتنی نہیں جتنا اسے خوف تھا۔

''میں...وان فاتح بن رامزل..ملائیشیاء کے پردھان منتری کی حیثیت سے اخلاقی وجوہات پہ استعفیٰ دیتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک پرنٹ شدہ کاغذ اٹھایا اور اپنی کرسی کے پیچھے سے نکلا۔

ممبران پارلیمان ایک دوسرے کو مڑ مڑ کے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے زبان دانتوں تلے دے ڈالی۔ کسی نے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے سر جھکا دیا۔ وہ اب ڈیسک کے عقب سے نکل کے روش پہ چلتا اسپیکر کے ڈیسک کی طرف جا رہا تھا۔

اوپر گیلری میں بیٹھے افراد اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کے اسے دیکھ رہے تھے۔

اپنی نشست سے اسپیکر کی کرسی تک کی واک بہت طویل تھی۔ اس واک کو عبور کرنے کی ہمت کرنا آسان نہ تھا۔

وان فاتح متوازن قدم اٹھاتا اسپیکر کے چبوترے تک آیا۔اس کے چہرے پہ ایک مغموم مسکراہٹ تھی۔

اس نے کاغذ اسپیکر کو دیا تو اسپیکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

فاتح واپس پلٹ گیا۔

گیلری میں موجود افراد تالیاں بجانے لگے۔کسی ایک نے پہلی تالی پیٹی اور وہ تالیاں جنگل کی آگ کی طرح پوری گیلری میں پھیل گئیں۔فاتح اسی مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ڈیسک تک واپس آرہا تھا۔اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کے تالیاں بجاتے لوگوں کو ہلکا سا لہرایا اور اس روش کی طرف بڑھ گیا جو خارجی دروازے کی سمت جاتی تھی۔

ممبران پارلیمان بے اختیار ڈیسک بجانے لگے۔لیکن ان کے ڈیسک کا شور کم تھا۔گیلری میں بیٹھے عوام کی تالیاں ان پہ حاوی ہو گئیں۔

وہ اپنے اوپر لگے سارے داغ ایک اخلاقی جراءت سے دھو چکا تھا۔

لوگ کھڑے ہوئے اسی طرح تالیاں بجاتے رہے۔کسی آنکھ میں آنسو تھے۔کسی لب پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔کوئی پریشان تھا۔کوئی اندر سے خوش تھا۔لیکن ان سب تاثرات اور جذبات پہ تالیوں کی گونج حاوی ہو گئی۔

یہاں تک کہ وان فاتح پارلیمان کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

صوفیہ رحمٰن نے آہستہ سے کاغذ تہہ کر کے ایک فائل میں رکھ دیا۔وہ مسکرا کے اپنی ہیروں جڑی انگوٹھی پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

اس کے گروہ کے ایک دوسرے کی طرف جھکے سر واپس سیدھے ہو گئے۔

اسکرین کو دیکھتی تالیہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"یہ لوگ وان فاتح کو کیا نکالیں گے۔وہ خود انہیں اپنی زندگی سے نکال کے جا رہے ہیں۔"

آنسو اس کے گال پہ پھسل رہے تھے۔وہ اتنی غم زدہ نہیں تھی جتنا اس کو خوف تھا۔

.....

سری پردھانہ کی دیواریں اس سہ پہر مغموم سی خاموشی میں ڈوبی تھیں۔پردھان منتری کے آفس کے باہر موجود اسٹافرز ڈھیلے ڈھالے انداز میں اپنے کام نمٹا رہے تھے۔بار بار نگاہیں اس پاور آفس کے دروازوں کی طرف بلند ہوتی تھیں جہاں وان فاتح کچھ دیر پہلے اندر گیا تھا۔

وہ سب جانتے تھے کہ وہ اسے اپنے آفس میں آخری دفعہ دیکھ رہے تھے۔عجیب غیر یقینی صورتحال بن چکی تھی۔

آفس کے اندر فاتح اپنی میز کے پیچھے کھڑا تھا۔میز پہ ایک باکس کھلا رکھا تھا جس میں وہ اپنی چیزیں ڈال رہا تھا۔آریانہ کی

تصویر کا فریم۔ جولیانہ اور سکندر کے فریم۔ اپنی فلیگ پن۔ ایک ننھا سا پودا۔ اپنا چائے کا مگ۔

سامنے کھڑا شاہدان اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''داتو سری.... ہم آپ کو بہت مس کریں گے۔''

فاتح نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ مسکرایا۔ پھر سر نیچے کر کے اپنا کام کرنے لگا۔

''ٹوئیٹر پہ لوگ ابھی سے ٹرینڈز ٹویٹ کر رہے ہیں کہ وان فاتح اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور آپ نے...'' شاہدان نے ایک نظر میز پہ رکھے دوسرے استعفیٰ کو دیکھا۔ ''آپ نے پارٹی کی رکنیت تک سے استعفیٰ دے دیا ہے۔''

''میرے سیاست کرنے کے دن ختم ہو چکے ہیں' شاہدان۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ اندر رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس کرسی پہ کئی سال حکومت کی اور یہ جان لیا کہ یہ مجھے خوشی نہیں دے سکتی۔''

''لیکن آپ اس کرسی پہ رہ کے بہت کچھ کر سکتے تھے۔''

''اپنے ملک کے لیے کوئی کام کرنے کے لیے اس کرسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے یہ بات سمجھنے میں ایک عمر بیت گئی ہے۔ میں اس کے بغیر بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔''

وہ مڑا اور پیچھے بنے کیبنٹ تک گیا۔ پھر سیاہ کور والی فائلز کا پلندہ اٹھایا۔ شاہدان تیزی سے آگے بڑھا اور جلدی سے باقی فائلز اٹھوائیں۔ پھر دونوں نے ان کو باکس میں ڈالا۔

''آپ اب پردھان منتری نہیں رہے۔ ان فائلز کا کیا کریں گے؟''

''میں اب بھی ایک وکیل ہوں۔ اور مجھے کوئی چیز اتنی خوشی نہیں دے سکتی جتنی ان بے گناہ قیدیوں کی رہائی دے گی۔ یہ کرسی بھی نہیں۔''

''آپ ان کیسز پہ کام کریں گے؟'' شاہدان نے خوشگوار حیرت سے دیکھا۔ فاتح نے ڈبہ بند کرتے ہوئے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''استعفیٰ دینے سے پہلے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ایک این جی او بناؤں گا جس کے ذریعے میں ان بے گناہ لوگوں کو انصاف دلواؤں گا۔ میرے پاس پیسہ بھی ہے اور تعلقات بھی۔ مجھے امید ہے کہ میں اس معاملے میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لیے مجھے نیک نیت لوگ چاہیے ہیں جو میرے ساتھ چلیں۔''

وہ ڈھکن بند کر کے رکا اور کچھ سوچتے ہوئے شاہدان کو دیکھا۔

''تم نے یہ فائلز اکٹھی کی تھیں۔ تم سے زیادہ ان لوگوں کا غم کسی کو نہیں ہے۔ تم چاہو تو میرے ساتھ آ سکتے ہو۔ میرے اس

کام کا حصہ بن سکتے ہو۔"

شاہدان چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ پھر ہچکچایا۔ "کیا میں سوچنے کا وقت لے سکتا ہوں؟"

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈبہ اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

جس وقت وہ باہر کھڑی اپنی کار میں بیٹھ رہا تھا' شاہدان تیزی سے بھاگتا اس کے پاس آیا۔ فاتح دروازہ بند کر چکا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے کھڑکی کا شیشہ نیچے گرایا۔ پھر مسکرا کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم نے شاید فیصلہ کرلیا ہے؟"

شاہدان نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"داتو سری... میں... بہت خوش ہوں کہ آپ ان کیسز پہ کام کر رہے ہیں۔ اور میں آپ کو بیسٹ آف لک کہوں گا۔ لیکن..."

شاہدان نے گردن موڑ کے اپنے پیچھے کھڑی سری پردھانہ کی پرشکوہ عمارت کو بے چارگی سے دیکھا۔

"لیکن حکومتی عہدہ چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔" فاتح نے گہری سانس لی۔ "میں سمجھ سکتا ہوں' شاہدان۔ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا۔"

"سوری.. داتو سری۔" شاہدان نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔ "لیکن یہ جاب... اور اگلے وزیراعظم کے ساتھ کام کرنے کا موقع... اسے چھوڑنا ناممکن ہے۔"

فاتح نے مسکرا کے سر کو جنبش دی اور شیشہ اوپر کرلیا۔ اس کی کار آگے بڑھ گئی۔

سری پردھانہ کے تمام ملازمین اپنی اپنی کھڑکیوں سے پردھان منتری کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔

گیٹ پہ موجود اہلکار سلیوٹ کر رہے تھے۔ کوئی سینے پہ ہاتھ رکھے تعظیم پیش کر رہا تھا۔

وہ قومی میک اور ماڈل کی بنی کار میں بالآخر چھے برس بعد اس محل سے رخصت ہو چکا تھا۔

.....

ہسپتال کا کمرہ مختلف رنگوں کا امتزاج لیے باہر سے آتی روشنی سے منور تھا۔ ٹی سی اسکرین پہ ایک ہی خبر بار بار دکھائی جا رہی تھی۔ اب تو نیوز کاسٹر کی آواز سے اکتا کے تالیہ نے اسکرین میوٹ کر سکھی تھی۔ خود وہ بیڈ پہ اٹھ کے بیٹھی تھی۔ بیڈ کے ساتھ جڑی ٹرے سامنے سیٹ کر رکھی تھی جس پہ کھانے کے برتن سجے تھے۔

وہ ابھی تک ہسپتال کے گاؤن میں ملبوس تھی۔ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس رکھے تھے اور چہرہ کمزور ویران سا لگتا تھا۔ وہ بے توجہی سے سوپ کے چمچ بھر کے پی رہی تھی۔

دیوار کے ساتھ ایڈم کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ گردن موڑے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

''استعفیٰ دینے کے علاوہ بھی اس مسئلے کا حل نکالا جا سکتا تھا۔'' وہ افسوس سے بولا تو تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''وہ وان فاتح ہیں۔ ان کا ضمیر ایسے مطمئن نہ ہوتا۔''

''مگر انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ وہ محض ایک غلطی تھی۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ اس سے زیادہ اچھا حل نکالتا۔''

''چلو کم از کم اب سارے ملک کے اینکرز ہر وقت یہ تو نہیں کہیں گے کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو یہ کرتا۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''انہوں نے خود کو ہر چیز سے آزاد کر لیا ہے۔''

ایڈم نے چہرہ موڑ کے تالیہ کو غور سے دیکھا۔ ''آپ کو افسوس نہیں ہے کہ انہوں نے خود کو اپنے خواب سے دور کر لیا؟''

''وان فاتح کبھی بھی lounge lizard بن کے نہیں رہ سکتے۔ وہ ایک خواب سے دستبردار ہو کے دوسرے کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے۔ میں ان کو جانتی ہوں۔'' پھر اس نے پیالہ پرے دھکیلا اور سوچتی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔

''جب تم میرے پاس اس تاریک گلی میں آئے تھے... تو کیا میشا وہاں نہیں تھی؟''

''میشا سے obssess ہونا چھوڑ دیجیے۔ وہ نہ اس گلی میں تھی نہ ہی شاید اس ملک میں ہو گی۔ وہ سب آپ کی hallucination تھی۔ جب میں وہاں آیا تو آپ تنہا تھیں اور خود سے بول رہی تھیں۔ اور آپ بار بار گلی کے سرے ہو دیکھتی تھیں جیسے وہاں آپ کو کوئی اور نظر آ رہا تھا۔''

تالیہ نے الجھ کے کنپٹی کو چھوا۔ ''مگر میں کیسے بچ گئی؟ مجھے تو ذوالکفلی نے زہر دیا تھا۔''

''آپ کو کسی نے زہر نہیں دیا تھا۔ کچرے کے کین سے کسی گلی سڑی چیز کے فیوم اٹھ رہے تھے شاید۔ اسی سے آپ کی طبیعت خراب ہوئی۔ یا شاید کوئی غلط چیز کھانے سے فوڈ پوائزننگ۔''

''تو وہ ذوالکفلی کا جادو نہیں تھا؟'' اس نے تکیے سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

''نہیں سچ تالیہ۔ وہ کوئی جادو نہیں تھا۔ اور وہ خط... وہ بے شک ذوالکفلی نے لکھا تھا لیکن اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''

''کیا میشا پکڑی گئی؟ کہیں اور سے؟'' وہ بند آنکھوں سے بولی۔

''نہیں۔ ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت ہے بھی نہیں۔ اس کی تلاش کروانا وان فاتح کو بے عزت کرنے والی بات ہے۔ اور اب ویسے بھی وہ پردھان منتری نہیں رہے تو یہ کیس ٹھپ ہو جائے گا۔''

''اور میشا کبھی پکڑی نہیں جائے گی۔'' وہ آنکھیں موندے بڑبڑائی۔ ''اور خدا کرے وہ میرے خوابوں اور تخیل میں آنا بھی چھوڑ دے۔''

''میشا کو بھول جائیں۔ کچھ مجرم کبھی نہیں پکڑے جا سکتے۔ جب اس کا وقت آئے گا وہ حساب دے گی۔ کیا آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ وقت کے انتقام بہترین ہوتے ہیں؟''

تالیہ خاموش رہی۔ ایسے لگا جیسے وہ سو گئی تھی۔

''چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔ میں چلتا ہوں۔'' ایڈم نے سینے پہ بندھے بازو کھولے اور ایک افسوس بھری نظر اسکرین پہ ڈالی اور سر نفی میں ہلایا۔ ''میں ان کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔''

پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔

تالیہ نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس کی بصارت کے پردے پہ ایک منظر ابھر رہا تھا۔

دوائیوں کا اثر جیسے جیسے کم ہوتا جا رہا تھا ویسے ویسے وہ منظر صاف ہو رہا تھا۔ دھند چھٹ رہی تھی۔

وہ کوڑے کے ڈمپسٹر کے ساتھ دوزانو بیٹھی تھی۔ اس کا جسم مفلوج ہو رہا تھا۔ آنکھیں دور گلی کے سرے پہ جمی تھیں جہاں ایک سفید ہرن کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

میشا اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔ پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ تالیہ کی پلکوں میں جنبش نہ ہوئی۔ میشا نے دھیرے سے اس کی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کا فون نکالا۔ اسکرین روشن تھی۔ شاید فون کب سے بج رہا تھا۔ اس نے اسے ان لاک کر کے کان سے لگایا۔ تاریکی اور سناٹے میں وہ فون سے آتی آواز مدھم سی سن سکتی تھی۔

''چے تالیہ.. وہ خط.. وہ زہریلا ہے۔ اسے آپ کے بابا نے نہیں لکھا...'' ہانپتی کانپتی آواز ایڈم کی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ایڈم ڈیئر۔'' میشا سرد لہجے میں کہتے ہوئے اٹھی۔ ''لیکن آپ کو دیر ہو چکی ہے۔ تالیہ پہ زہر اثر کر چکا ہے۔''

وہ بات کرتے ہوئے اٹھی اور چند قدم کے فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی۔ اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔ فون سے آتی آواز رک گئی۔ وہ صرف میشا کی آواز سن سکتی تھی۔

''میں تالیہ کے ساتھ ہوں۔ مسز شیلا کامل کے گھر کی پچھلی گلی میں ایک ڈمپسٹر کے ساتھ... ہوں؟ اچھا۔'' وہ رک کے سنتی رہی۔ تالیہ کی نظریں ہرن پہ جمی تھیں۔ وہ اب پلٹ رہا تھا۔

''ذوالکفلی کے زہر کا تریاق کسی کے پاس نہیں ہے۔ سوائے ذوالکفلی کے۔ ظاہر ہے میں اسے لا سکتی ہوں۔ میں چوری کرنا جانتی ہوں۔'' وہ سرد سا ہنسی۔ ''خیر.. اگر آپ کو تریاق چاہیے تو وان فاتح سے کہیں کہ میرا کیس بند کر دیں۔ میری فائل

کلوز کر دی جائے...کوئی مجھے تلاش نہیں کرے گا...مجھے آزادی سے رہنے دیں..نہ آپ میرے راستے میں آئیں گے نہ میں آپ کے...آپ تالیہ کو ہسپتال لے کر جائیں...آپ کو آپ کا تریاق میں پہنچا دوں گی...میں نے کہا نا...میں پہنچا دوں گی...لیکن میری اور آپ کی ڈیل خفیہ رہے گی...''

ہرن اب پلٹ چکا تھا۔سیاہی میں اس کی سفیدی غائب ہو چکی تھی۔تالیہ کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔پلکوں کی ذرا سی جھری سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ میشا جھک کے اس کی جیب میں فون ڈال رہی تھی۔پلکیں بند ہونے سے پہلے اس نے دیکھا...وہ اب گلی کی دوسری سمت میں جا رہی تھی...وہاں ابھی سفید ہرن غائب ہوا تھا...اسے پیچھے گلی میں ایک ساتھ بہت سے لوگوں کی آواز آئی...دروازے کھلے...کوئی اسے پکار رہا تھا...پولیس کے جوتوں کی آواز...ایمبولنس کے سائرن...ایڈم کی آواز...لیکن اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں..

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

بالآخر خواب اور حقیقت میں فرق کرنا اسے آ گیا تھا۔

.....

تالیہ مراد کا اپارٹمنٹ آج دو دن بعد آباد ہوا تھا۔لونگ روم کی بتیاں روشن تھیں۔وسط میز پہ ٹوکری میں اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ کی کاپی رکھی تھی۔ساتھ چائے کا بھرا ہوا مگ پڑا تھا۔وہ سیاہ اور سفید لمبے فراک میں ملبوس تھی۔بالوں کی چھوٹی سی فرنچ چوٹی بنا رکھی تھی۔چہرہ پہلے کی نسبت بہتر لگتا تھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھی اداس مسکراہٹ سے اس پاسپورٹ اور ٹکٹ کو دیکھ رہی تھی۔فلائیٹ کل رات کی تھی۔اس نے ایڈم اور داتن کو پرسوں کا وقت بتایا تھا۔وہ ان کو درست وقت نہیں بتانا چاہتی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے پیچھے آئے۔وہ لوگ اگر اس کے پیچھے میشا سے ڈیل کر سکتے تھے تو وہ بھی اپنے فیصلے تنہا کر سکتی تھی۔

دروازے پہ گھنٹی ہوئی تو وہ چونکی۔کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔اس وقت کون؟

وہ اٹھ کے دروازے تک آئی۔پھر میجک آئی سے باہر جھانکا۔پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی اور دروازہ کھولا۔

سامنے فاتح کھڑا تھا۔

سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس..جیبوں میں ہاتھ ڈالے..وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیسی ہو؟''

''آپ کیسے ہیں' داتو سری؟'' پھر رکی۔''اب تو آپ کو داتو سری نہیں کہنا پڑے گا نا؟''

''جب میں نے آخری دفعہ چیک کیا تھا تو میں اس ملک کا وزیر اعظم نہیں تھا۔'' وہ خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اسے پیچھے ہونا پڑا۔

اندر آ کے وہ طائرانہ نگاہوں سے گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

''اور جب میں نے آخری دفعہ چیک کیا تھا تو تم بہت امیر تھیں۔ پھر اتنا چھوٹا اور عام سا فلیٹ؟''

لونگ روم کے وسط میں کھڑے ہوئے فاتح نے حیرت سے اسے دیکھا۔ سیاہ سفید فراک والی لڑکی مسکرا کے کندھے اچکاتے ہوئے سامنے آئی۔

''حالم کو اونچے گھروں کا اب شوق نہیں رہا۔ ویسے بھی یہ ایک عارضی ٹھکانہ تھا۔'' پھر کچن کاؤنٹر کی سمت چلی گئی۔ ''چائے پئیں گے؟''

''میں نے زندگی میں ایک بات سیکھی ہے کہ جو لوگ چائے کو انکار کرتے ہیں' ان سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔''

وہ مسکرا کے کہتا ہوا آگے آیا اور بڑے صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پوری توجہ سے اسے دیکھنے لگا جو کچن میں کام کر رہی تھی۔

''میشا کا کچھ پتہ نہیں چلا؟'' فاتح کی طرف پشت کیے وہ کیتلی میں چائے کا پانی رکھتے ہوئے بولی۔

''میں پردھان منتری نہیں ہوں اس لیے مجھے کچھ علم نہیں۔'' وہ بظاہر لاعلمی سے بولا۔ تالیہ مسکرا کے رہ گئی۔ کچھ باتوں کا اَن کہا رہ جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔

''کیا تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟''

''نہیں فاتح۔ میں آپ سے شاید پہلے بھی ناراض نہیں تھی۔ وہ صرف وقتی غصہ تھا۔ اب تو یاد بھی نہیں کہ کس بات پہ تھا۔'' وہ سر جھٹک کے اب مگ نکال رہی تھی۔ ابلتے پتوں کی مہک سارے میں پھیل گئی تھی۔

''تو پھر جا کیوں رہی ہو؟''

اس کا انداز ایسا تھا کہ تالیہ کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ حلق میں ایک گولا سا اٹکنے لگا۔ پھر اس نے تھوک نگلا۔ آنسو بھی نگل لیے۔ اور کیتلی اٹھا کے اسے مگ میں انڈیلنے لگی۔

''کیونکہ مجھے اس ملک میں نہیں رہنا اب۔'' سنہری دھار اب مگ میں گر رہی تھی۔ اس سے بھاپ اڑاتی خوشبو اوپر اٹھ رہی تھی۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا وہ ٹوکری میں رکھے اس کے کاغذ دیکھ رہا تھا۔

''یا شاید تم چناؤ نہیں کر پا رہیں؟''

''میں نے چناؤ کرلیا ہے۔'' وہ مگ ٹرے میں لیے سامنے آئی اور انہیں میز پہ رکھا۔ پھر فاتح کے مقابل صوفے پہ بیٹھی۔ وہ نارمل لگ رہی تھی۔ نہ پریشان۔ نہ اداس۔

دونوں کے درمیان اب ایک میز حائل تھی۔ اور دو چائے کے مگ۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے روکنے آئے ہیں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ نے اپنی کرسی بچانے کے بجائے مجھے بچانے کا انتخاب کیا۔ لیکن میں نے وہ کاغذ آپ کو اس لیے دیے تھے تاکہ آپ انہیں سائن کر کے ہمارے درمیان سے مجبوری کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم کردیں۔ آپ اور میں کبھی بھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ ہم دو بہت مختلف لوگ ہیں۔ میں آپ کی طرح سفید نہیں ہوں۔ میں سیاہ بھی نہیں ہوں۔ میں اس کے درمیان کچھ ہوں۔ مجھے اپنے آپ کو ڈھونڈنا ہے۔ آپ بھلے اس کاغذ پہ سائن کریں یا نہ کریں' آپ مجھے جانے سے نہ روکیں۔ آپ تالیہ کو تالیہ کی تلاش کے سفر میں جانے دیں۔''

''کیا تم نے ابھی تک خود کو تلاش نہیں کیا؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ چائے کے مگ ہنوز ان چھوئے رکھے تھے۔

تالیہ کا ذہن بھٹکا۔ اسے سبز آنکھوں والا سفید ہرن یاد آیا۔

''نہیں۔ میں ابھی تک خود کو جان نہیں پائی ہوں۔ میں ایک پیچیدہ انسان ہوں فاتح۔ بہت پیچیدہ۔ مجھے ایک لمبے عرصے کے لیے اس سب سے دور جا کے خود کو سمجھنا ہے۔''

''اور تم کہاں جاؤ گی؟''

''مختلف ملکوں میں.. مختلف تہذیبوں کے درمیان... ماضی کی یادوں.. اور حال کے لوگوں کے درمیان مجھے وقت گزارنا ہے۔ مجھے یہ دنیا بہت مشکل سے واپس ملی ہے۔ ہماری یہ دنیا جادوئی دنیا ہے فاتح۔ میں اس دنیا کو ایکسپلور کرنا چاہتی ہوں۔ میں ایک بیک پیک کے ساتھ' کچھ بھی جمع کرنے کی تمنا کیے بغیر... پہاڑوں پہ چڑھنا چاہتی ہوں۔ سمندروں کا سفر کران چاہتی ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک الوہی سی چمک تھی۔

''اور کیا ہے جو تم نہیں کرنا چاہتی؟''

''یہ کون گیمز... یہ ناٹک.. یہ حالم والے کام... میں ان سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔ میں اسپین کے کسی کیفے میں سوپ بنانا چاہتی ہوں۔ میں پراگ کے کسی قلعے کے سامنے پینٹنگ بنانا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے کسی سفر میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی کیونکہ مجھے ابھی چند سال اپنی تلاش کے سفر پہ نکلنا ہے۔''

''تالیہ...'' وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا۔ ''ایسا نہیں تھا کہ مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں تھا۔ یعنی وہ جو تم نے میشا کے متعلق

کہا۔تم کھل کے کہتیں تو میں مان جاتا۔مگر اس وقت ماحول کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ ہمارے درمیان تلخی در آئی۔ورنہ تمہارے جاتے ہی...''

''میرے جاتے ہی آپ نے اپنی سیکیورٹی ٹیم کو میشا کو چیک کرنے کا کہا ہوگا۔ مجھے بعد میں اندازہ ہو گیا تھا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔''میں نے کہا نا...اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ ہم کیوں لڑے تھے۔''

''اگر میں کہوں کہ مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے۔اور یہ کہ تم میرے پاس رہو تو کیا تم رک جاؤ گی؟''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔اس کا دل کمزور پڑنے لگا۔لیکن نہیں۔آج اسے مضبوط رہنا تھا۔

''آپ یہ نہ کہیں۔میں رکنا نہیں چاہتی۔''

فاتح نے شکست خوردہ انداز میں گہری سانس لی۔

''کیا تم کبھی واپس آؤ گی؟''

''میں نہیں جانتی فاتح۔لیکن میں آپ کو پوسٹ کارڈز بھیجا کروں گی۔''اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

''اور تم اس پوسٹ کارڈ پہ واپسی کا پتہ تحریر نہیں کیا کرو گی۔میں سمجھ گیا۔''اس نے جھک کے مگ اٹھایا اور واپس پیچھے ہوتے ہوئے گھونٹ بھرا۔چائے قدرے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

''آپ وہ کاغذ سائن کریں یا نہ کریں...اب مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ تالیہ کی زندگی میں اب کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔''اس نے نم آنکھوں سے شانے اچکائے اور اپنا کپ اٹھایا۔اس کی چائے گرم تھی۔یا شاید ہاتھ ٹھنڈے تھے۔

''تمہیں مجھ سے ہمیشہ یہ گلہ ہوتا تھا کہ میں تمہیں بچانے نہیں آتا۔''

وہ جواب میں کچھ کہنے لگی لیکن فاتح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''اور مجھے خود سے یہ گلہ ہے کہ فاتح نے پچھلے چھ سال سے...بلکہ چھ صدیوں سے...تالیہ مراد کو بچانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔''

تالیہ نے پلکیں جھکا دیں۔''آئی ایم سوری۔مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔لیکن پھر بھی میں آپ کا چناؤ نہیں کر سکی۔ہم دو بہت مختلف لوگ ہیں۔ہم کبھی بھی ساتھ خوش نہیں رہ سکیں گے۔''

''کیا تم کوشش بھی نہیں کرنا چاہو گی؟''

تالیہ نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکیں کہ تم میری زندگی کی سب سے اہم انسان ہو تالیہ؟''

وہ کہہ رہا تھا اور اس کے اندر کچھ موم کی طرح پگھلنے لگا تھا۔

(نہیں۔اسے پگھلنا نہیں تھا۔ورنہ وہ کبھی خود کو اس ملک سے آزاد نہیں کر سکے گی۔اسے یہاں سے دور جانا تھا۔بہت دور۔)

''تم سوچتی ہو کہ میری زندگی میں تمہاری جگہ ہے یا نہیں۔کیا تمہیں ابھی تک علم نہیں ہو سکا کہ میری زندگی ایک لمبے عرصے سے صرف تمہارے گرد گھوم رہی ہے۔جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو ہر چیز تمہارے متعلق ہوتی تھی۔ہر قدم ہر کام۔چاہے فاتح کو یاد تھا یا وہ بھول گیا تھا فاتح رامزل کی زندگی تالیہ مراد کے گرد گھومنے لگی تھی۔کیا تالیہ مراد کو بھول گیا ہے کہ فاتح اس کے پیچھے اس دوسری دنیا تک گیا تھا؟''

''مگر پھر ہمارے درمیان چھے سال آ گئے۔''وہ زخمی سا مسکرائی۔

''اور تالیہ کو بھول گیا کہ فاتح نے چھے سال پہلے استعفیٰ دے دیا تھا۔لیکن پھر میں نے وہ استعفیٰ لیا تھا۔میں نے خود کو سنبھالا اور دوبارہ الیکشن لڑے تھے۔میں اپنے خوابوں کی طرف اس لیے چل پڑا کیونکہ تم یہ چاہتی تھیں۔کیونکہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں کسی ٹراما کا شکار ہو کے اس سب کو نہیں کھوؤں گا جس کے لیے میں نے برسوں محنت کی ہے۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم کہاں ہو۔مگر ان چھے سالوں میں میں نے تمہارا بہت انتظار کیا تھا۔مجھے یقین تھا کسی ایک دن دروازہ کھلے گا اور سامنے تم ہو گی۔یا فون بجے گا اور میں اسے اٹھاؤں گا اور آگے سے تم بولو گی۔میں نے کبھی یہ تصور نہیں کیا کہ تالیہ واپس نہیں آئے گی۔ان چھے سالوں میں مجھے تمہاری ایک ایک بات یاد آتی رہی۔تالیہ مراد کی یاد تالیہ سے بڑی ہوتی گئی۔تمہاری کہی باتیں ازبر ہو گئیں مجھے۔تمہیں پڑھنے کا فن آ گیا مجھے۔''

''اب میں جا رہی ہوں۔اب ان باتوں کا فائدہ؟''

''ہاں۔تم جا رہی ہو۔اب کیا فائدہ۔''اس نے گہری سانس لی۔اس کے چہرے پہ ملال تھا۔صرف ملال۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ تالیہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جو کسی نے کسی سے نہیں کی ہو گی۔لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہم نے دو دنیاؤں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔اگر تمہیں لگتا ہے کہ ہم دونوں مختلف انسان ہیں یا ہماری زندگیوں میں ایک دوسرے کے لیے جگہ نہیں ہے تو تم نہ مجھے جانتی ہو نہ خود کو۔''

تالیہ کی آنکھ سے ایک آنسو گرا اور گال پہ لڑھکا۔لیکن اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ نہیں پگھلے گی۔فاتح جو بھی کہے وہ خود کو مضبوط رکھے گی۔

''میں نے خود کو چنا ہے۔میں اپنے لیے سفر کرنا چاہتی ہوں۔میں شاید کئی سال تک واپس نہ آؤں۔آپ مان لیں کہ آپ

میرا انتظار نہیں کر سکیں گے...''

وہ مسکرایا پھر کھڑا ہو گیا۔ ''تمہارے خیال میں چھے سال میں نے اور کیا کیا ہے؟''

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فاتح کو امید تھی کہ وہ اسے روک لے گی۔ وہ کہے گی کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد اب تالیہ فاتح کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا دروازے تک آیا۔ ڈور ناب پہ ہاتھ رکھا۔ لیکن تالیہ نے اسے نہیں پکارا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھی لب دانتوں سے کاٹتی رہی۔

وہ اپنا چناؤ کر چکی تھی۔

وان فاتح دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کا دل بوجھل تھا۔

.....

کافی شاپ کے کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹولز پہ اس صبح مختلف لوگ بیٹھے اپنی اپنی کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ آج صبح سے بارش ہو رہی تھی ایسے میں شاپ کے اندر پھیلی روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک نے ماحول بہت بنا رکھا تھا۔

باریستا ایک کے بعد ایک کافی کپ کاؤنٹر پہ رکھتی آوازیں لگا رہی تھی۔ ہر کپ پہ کافی لینے والے کا نام لکھا تھا۔

''انچے ساحر۔'' (مسٹر ساحر۔) مصروف سے انداز میں اس نے آواز لگائی تو کاؤنٹر کی طرف پشت کیے کھڑا شخص اس جانب گھوما۔ اس نے سیاہ کوٹ کے اوپر سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ مسکرا کے اس نے ٹشو سے کپ تھاما اور اسے لیے شاپ کے کونے میں بنی ایک میز تک آیا۔ اپنی کافی رکھ کے کاؤچ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے عام سے انداز میں کہا۔

''میں کافی دیر سے تمہیں اپنا پیچھا کرتے دیکھ رہا ہوں' پتری تالیہ۔ تم سامنے آ سکتی ہو۔''

ذوالکفلی نے مسکرا کے چہرہ اوپر کیا۔ اس کی چمکتی آنکھیں متلاشی انداز میں اردگرد گھومیں۔ اور پھر وہ اسے نظر آ گئی۔ ایک ستون کے پیچھے سے نکلتی تالیہ۔

اس نے گلابی پھولدار فراک کے اوپر سرمئی ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہیٹ میں لگا پھول اور ساتھ جڑی موتیوں کی لڑی بھی سرمئی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ تنفر تھا۔

''میں تم سے آج ایک آخری بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ جارحانہ انداز میں سامنے والے کاؤچ پہ بیٹھی اور میز پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

''میں سن رہا ہوں۔ مگر اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' ذوالکفلی نے مسکرا کے چینی کا پیکٹ اٹھایا اور کافی میں چھڑکا۔ پھر اسٹک سے اسے ہلایا۔ پھر ڈھکن بند کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اسی طرح اسے گھور رہی تھی۔

''ویسے تم ابھی تک گئیں نہیں؟ تمہاری آج فلائیٹ ہے نا؟'' اس نے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے محظوظ انداز میں تالیہ کو دیکھا۔

''تم نے مجھے زہر کیوں دیا؟''

''کیا تم نے مجھے دھوکہ نہیں دیا تھا؟ دونوں میں کوئی فرق ہے کیا؟''

''پہلے تم نے میرے باپ کو اپنے جادو میں دھکیلا۔ پھر مجھے۔ تمہارے پاس سارے سوالات کے جواب تھے لیکن تم ذوالکفلی۔ تم ہم سب کو اپنی انگلیوں پہ کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے دیکھتے رہے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ اس کے انداز میں غصے کے ساتھ بے بسی بھی تھی۔ ''تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس بہت طاقت ہے۔ تم ہمیں ناکام ہوتے دیکھتے رہو گے۔ تم نے سب کچھ کیا۔ میں نے سب کچھ سہا۔''

''اوہ تو یہاں وکٹم 'تم' ہو؟'' اس نے ابرو اٹھائی۔

''ذوالکفلی... سنو میری بات...'' وہ آگے ہوئی اور مٹھی میز پہ زور سے رکھی۔ ''تمہاری اور میری لڑائی آپس میں تھی۔ تم فاتح کو درمیان میں کیوں لائے؟''

''کیا تم اب تک یہ نہیں سمجھ سکی ہو کہ تم اور فاتح الگ نہیں ہو؟ چچ چچ۔'' اس نے افسوس سے کہتے ہوئے گھونٹ بھرا۔ اس کی چمکتی آنکھیں محظوظ لگ رہی تھیں۔

تالیہ لب بھینچے ضبط سے اسے دیکھتی رہی۔ ''تم نے فاتح سے ان کی کرسی چھینی صرف مجھے ہرٹ کرنے کے لیے۔''

''اور میں کامیاب ہو گیا۔''

''اور تم نے وہ خط لکھا مجھے گلٹ میں مبتلا کرنے کے لیے۔ جانتے ہو میرے دل پہ کیا گزری تھی۔''

''اور میں دوبارہ سے کامیاب ہو گیا۔''

''اور تم نے مجھے زہر دینا چاہا۔ لیکن میشا نے فاتح کے ساتھ ڈیل کر لی۔ تمہاری ایک اور اسٹوڈنٹ نے تمہیں دھوکہ دے دیا۔''

''میں پھر بھی ناکام نہیں ہوا۔ تمہیں تمہارا سبق مل چکا ہے۔ اور اس کو اس کا سبق میں دے دوں گا۔'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولا۔ ''تم اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟''

''تمہیں یہ بتانے کہ میں اس جنگ کو ختم کر رہی ہوں۔''

''ہوں۔ انٹرسٹنگ۔ لیکن کیوں؟ کیا تم میرا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتیں یا تمہارا خیال ہے تم اس ملک سے چلی جاؤ

گی تو میں تمہارے پیچھے نہیں آسکوں گا؟ میں دنیا کے ہر ملک' ہر جزیرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔"

"دیکھو ذوالکفلی..." اس نے بے بسی بھری سانس لی اور ذرا دھیمے انداز میں کہنے لگی۔ "تم میرے پیچھے نہیں آسکتے۔ لیکن میرے کچھ اپنے ابھی یہاں موجود ہیں۔ اور مجھے ہرٹ کرنے کے لیے تم ان کو نقصان پہنچاؤ گے۔ مجھے معلوم ہے۔ میں تمہیں یہ کہنے آئی ہوں کہ تم ایسا مت کرو۔ میری تمہاری جو بھی لڑائی ہے اسے یہیں ختم کر دو۔"

"کیا تم مجھ سے معافی مانگ لو گی؟ اپنے استاد کو دھوکہ دینے کی معافی۔"

"معافی؟" وہ طنزیہ مسکرائی اور پیچھے ہوئی۔ سر پہ رکھا ہیٹ ترچھا کیا۔ "میں تمہیں ایک نصیحت کرنے آئی ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔" اس نے کپ رکھا اور بظاہر پوری توجہ سے اسے سننے لگا۔

"جانتے ہو انسان کو سب سے زیادہ اس کا کون سا عضو مشکل میں ڈالتا ہے؟ اس کی زبان۔ زبان سارے جھوٹ گھڑتی ہے۔ زبان ساری تکلیف دہ باتیں کہتی ہے۔ زبان انسان کو بناتی ہے۔ زبان اسے تباہ کرتی ہے۔ مگر یہ بغیر ہڈی کے نرم سا ٹکڑا ایک اور کام بھی کرتا ہے۔"

"کیا؟"

"جادو۔" وہ مسکرائی۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔

"ابھی دنیا میں وہ جادو نہیں بنا جو آنکھوں یا ہاتھ کے اشارے سے ہو سکے۔ سارے جادو زبان سے ہوتے ہیں۔ سارے منتر اس زبان کو ہلا کے پڑھنے ہوتے ہیں۔" وہ آگے کو جھکی اور اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا۔

"اور میں تم سے تمہاری زبان چھیننے آئی ہوں۔"

"اچھا۔ وہ کیسے؟" وہ مسکرا کے بولا۔

"باریستا کو ایک ہزار رنگٹ دے کر۔"

ذوالکفلی کی رنگت بدلی۔ اس نے چونک کے اپنے کپ کو دیکھا۔ پھر اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے ایک دفعہ پہلے بھی مجھے زہر دینے کا ناٹک..." س کے الفاظ اٹکنے لگے۔ اس نے بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"کیا ہوا؟ دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے' ہے نا؟" وہ ہمدردی سے دھیرے سے بولی۔ "بلکہ... زبان مفلوج ہوتی جا رہی ہے نا؟ چچ چچ۔ اب تم کیسے بولو گے؟ اور بولو گے نہیں تو.... جادو کیسے کرو گے؟ اور جادوئی زہر کیسے بناؤ گے؟"

وہ کھانسا۔ اس کی آواز گھٹی گھٹی سی نکلی۔ اس نے ہاتھ سے تالیہ کی طرف اشارہ کیا اور زبان ہلانی چاہی۔ وہ مسکرا کے اسے

دیکھے گئی۔زبان کے بغیر سارے جادو ادھورے تھے۔

''صرف تم نہیں ہو جسے قدیم زمانے کی دوائیاں بنانی آتی ہیں۔اور یہ دوا تو بہت آسان تھی۔صرف تمہاری زبان سے چمٹ گئی اور اسے مفلوج کر دیا۔ چچ چچ۔اب اگر تم جادو نہیں کر سکو گے تو ساحر کیسے کہلاؤ گے؟ پمبورو کیسے رہو گے؟''

اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔اس نے تیزی سے پانی کا گلاس غٹا غٹ پی لیا۔پھر بولنے کی کوشش کی۔لیکن زبان ہلنے سے انکاری تھی۔وہ بے بسی سے مٹھیاں میز پہ مارنے لگا۔

''اور اس دوا کا کوئی تریاق بھی نہیں ہے۔زبان کے زہر کا تریاق ویسے بھی کوئی نہیں ہوتا' ساحر۔'' وہ تلخی سے مسکرائی اور اٹھی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہوں۔اگر ہوتی تو تم سے صلح کر لیتی۔ میں سیاہ گھوڑے والی شہزادی بھی نہیں ہوں۔ورنہ تمہیں جان سے مار دیتی۔میرا رنگ کچھ اور ہے۔ان دونوں کے درمیان کا۔''اس نے سرمئی ہیٹ سر پہ سختی سے جمایا اور میز کے پیچھے سے نکلی۔وہ اب سر جھکا کے کھانس رہا تھا۔

''اب تم کبھی جادو نہیں کر سکو گے نہ لوگوں کی زندگی سے کھیل سکو گے۔اور جب تم جادو نہیں کر سکو گے تو تمہارے ساتھ وقت کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔پمبورو ختم ہو جائیں گے۔اب وقت کے چکر میں کسی کی زندگی برباد نہیں ہو گی۔تم اپنے جادو کے بغیر بالکل بے کار ہو' ذوالکفلی۔اپنی زندگی کے بقیہ ایام تم چھوٹی موٹی چوریاں کر کے گزار سکتے ہو۔گڈ لک۔''

اس نے سرمئی ہیٹ ترچھا کیا یہاں تک کہ اس کا آدھا چہرہ چھپ گیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ذوالکفلی اس کو نہیں سن رہا تھا۔وہ مسلسل کھانستا ہوا کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔لوگ پریشانی سے اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔

اس کا سیاہ ہیٹ فرش پہ جا گرا تھا۔اکٹھے ہوتے مجمعے کے پیر اس ہیٹ کو کچل رہے تھے۔کپڑے کے چیتھڑے الگ ہو رہے تھے۔

.....

(میں ایڈم بن محمد ہوں۔مراد راجہ کہتے تھے کہ میں چے تالیہ کے عام انسانوں کے خوشگوار انجام کی امید ہوں۔مگر جانتے ہو میں اس سے پہلے کیا تھا؟)

کے ایل کا انٹرنیشنل ایئر پورٹ اس وقت بھانت بھانت کی قوموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔مختلف بولی بولنے والے' مختلف

رنگ والے' مختلف لباس والے لوگ اپنے اپنے سامان اٹھائے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ کسی کو منزل مل چکی تھی۔ کسی کو اب منزل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ کوئی تھکا ہوا تھا۔ کوئی سفر کے لیے تازہ دم تھا۔

(میں اتنا عام سا انسان تھا کہ جب بھی امیر اور مشہور لوگ دیکھتا' اداس ہو جاتا۔ احساس کمتری میں چلا جاتا۔ وہ لوگ اتنے چمک دار چہروں والے' اتنے دولت مند اور متاثر کن ہوتے تھے کہ مجھے اپنا آپ پہلے سے زیادہ عام لگتا۔)

وہ دونوں کندھوں پہ بیک پیک پہنے ائیر پورٹ کے باہر روڈ پہ کھڑی تھی۔ اس نے پاؤں کو چھوتی سفید میکسی پہن رکھی تھی اور بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔ ہوا سے چند لٹیں بار بار چہرے پہ آتیں جنہیں وہ ہٹا دیتی۔

(میں آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ نہیں پاتا تھا۔ نہ مجھے اپنی رنگت اچھی لگتی نہ شخصیت۔ میرے اندر کچھ بھی نہیں تھا جو کسی کو متاثر کر سکتا۔)

وہ اکیلی آئی تھی۔ داتن اور ایڈا کو درست وقت نہیں معلوم تھا لیکن فاتح جانتا تھا۔ کیا وہ آئے گا؟

(اور پھر میں ملا ایک لڑکی سے۔ اور ایک آدمی سے۔ اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہاں' میں ان چمک دار لوگوں جیسا نہیں بن سکتا لیکن یہ لوگ بھی مجھ جیسے نہیں بن سکتے۔)

وہ سفید جوگرز سے قدم اٹھاتی اندر آ رہی تھی۔ وہاں روشنیوں کی ایک نئی دنیا تھی۔ بیگز اٹھائے لوگ آ جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے نیاز صرف اپنی منزل کو فوکس میں رکھے۔

کیا فاتح اس کو الوداع کہنے آئے گا؟ کیا وہ اس کو روکنے آئے گا؟

(میں نے جانا کہ یہ سارے امیر اور خوبصورت لوگ ایک جیسے ہیں۔ لیکن میں ان جیسا نہیں ہوں۔ مجھے ان جیسا بننا بھی نہیں ہے۔ مجھے اپنی نظروں میں معتبر بننا ہے۔)

وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اور اگر وہ آیا تو کیا وہ رک جائے گی؟

(اس لڑکی نے مجھے یہ سکھایا کہ مجھے اپنا بہترین ورژن بننا ہے۔ پھر مجھے کسی کے چہرے کی چمک متاثر نہیں کرے گی۔)

ائیر پورٹ میں قدم قدم چلتی تالیہ کو پتہ نہیں کیوں یقین تھا کہ وہ آئے گا۔ جیسے فلموں میں ہوتا ہے۔ وہ آئے گا اور اس سے کہے گا کہ وہ رک جائے۔ اس دفعہ وہ اس کو ناں نہیں کر پائے گی اور اپنا ٹکٹ پھاڑ دے گی۔ وہ رک جائے گی۔

(یوں میں نے خود سے سچا بننا سیکھ لیا۔ میں نے اپنے اصل ٹیلنٹ کو پہچان لیا۔ میں اپنی نظروں میں خوبصورت بنتا گیا تو دنیا والوں کی نظریں بھی مجھ سے متاثر ہونے لگیں۔)

وہ اب اپنا پاسپورٹ لیے قطار میں کھڑی تھی۔ گردن موڑے وہ متلاشی نگاہوں سے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ کیا معلوم وہ وہیں کہیں ہو اور اسے تلاش کر رہا ہو؟

(یہاں تک کہ میری شخصیت ان چمک دار لوگوں سے زیادہ متاثر کن ہو گئی جس کبھی احساس کمتری میں مبتلا کرتے تھے۔ لیکن پھر مجھے ایک چمک دار چہرے والی لڑکی سے محبت ہو گئی۔ نہیں ہونی چاہیے تھی۔)

کیا وہ واقعی اس کے روکنے پہ رک جائے گی؟ مگر وہ تو دنیا کا سفر کرنے جا رہی تھی۔ وہ تو ملکوں ملکوں پھرنے جا رہی تھی۔ وہ تو اپنی تلاش کے سفر پہ روانہ ہو رہی تھی۔ پھر وہ کیوں رکے گی؟

(کیونکہ اس محبت نے مجھے سمجھایا کہ ہر انسان کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ سب اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کا دائرہ ہم سے کبھی مل نہیں پاتا۔)

وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی عورت اب اس کو اس کا بورڈنگ پاس دے رہی تھی۔ تالیہ نے پاس پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔

(میں نے جان لیا کہ میرا اور اس کا دائرہ مختلف ہے۔ ہمارا دائرہ ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنے دائرے میں چلنا ہے اور اسے اپنے دائرے میں۔)

وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور مڑ کے دیکھا۔ دائیں سے بائیں ائیر پورٹ کے اس حصے میں نگاہ دوڑائی۔ ہر چہرے کو دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ نہیں آیا تھا۔

(میں نے یہ بھی جان لیا کہ اس کا دائرہ کسی اور سے ملتا ہے۔ وہ دونوں چمک دار چہروں والے لوگ ہیں۔ میرے جیسے لوگ ان جیسے کبھی نہیں بن سکتے۔ اور وہ مجھ جیسے نہیں ہو سکتے۔ پھر میں اپنا دائرہ چھوڑ کے کیوں بھٹک جاؤں؟)

اس نے گہری سانس لی اور آگے بورڈنگ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ چاہتا بھی تو اس کے پیچھے وہاں نہیں آ سکتا تھا۔

لاؤنج کے اندر آ کے اس نے صوفے پہ اپنا بیک پیک دھرا اور خود ساتھ بیٹھ گئی۔ نظریں گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ بورڈنگ شروع ہونے میں پچاس منٹ رہتے تھے۔

(اور تب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کسی دوسرے کے دائرے میں نہیں جانا۔ بلکہ دو محبت کرنے والوں کو ان کے دائرے میں رہنے دینا ہے۔)

تالیہ نے اپنے سیل فون کو دیکھا۔ کوئی کال نہیں۔ کوئی میسج، ای میل کچھ بھی نہیں۔

کیا وہ فاتح کے روکنے پہ رک جائے گی؟ کیا اسے رک جانا چاہیے؟

(اپنی محبت سے موو آن کرنے کا فیصلہ دل کاٹ دیتا ہے۔اس کے بعد انسان دنیا میں یوں چل پھر رہا ہوتا ہے جیسے اندر سے مر چکا ہو۔کسی بھٹکتی روح کی طرح۔)

ہاں۔وہ رک جائے گی۔کسی نے اندر سے کہا۔تو پھر اس سفر کا کیا؟وہ سفر جو اس کے لیے ضروری تھا؟

اس نے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ذہن الجھتا جا رہا تھا۔

(اس فیصلے کا غم ختم ہونے میں عرصہ لگ جاتا ہے۔لیکن مجھے امید ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ غم ختم ہو جائے گا۔)

یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب وہ فاتح کو چھوڑ کے جا رہی تھی۔وہ اس کے پیچھے اس کا انتظار کیا کرتا تھا۔

وہ قدیم ملاکہ میں ایک پنجرے میں قید تھے۔ایڈم اور تالیہ نکل آئے لیکن فاتح نہیں نکل سکا۔

اسے دولت امان کے آفیسرز گرفتار کر کے لے گئے تھے۔اور اس کے انتظار میں وان فاتح روز وہاں آتا تھا۔اس کے لیے خط لکھتا تھا۔

مراد نے فاتح کو سلاخ دے ماری تھی۔وہ غصے میں فاتح اور ایڈم کو چھوڑ کے مراد کے پیچھے لپکی تھی اور وہ چھے برس تک اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔

(مجھے جس سے محبت ہوئی' وہ کسی اور کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔کچھ لوگ ہمارے لیے نہیں ہوتے۔ہم دعائیں کریں یا جادو' وہ ہمیں نہیں ملیں گے۔ان لوگوں کے ملنے کی خواہش کو ترک کرنا دل مار دیتا ہے۔)

وہ اس کے پیچھے آتا تھا۔یا اس کا انتظار کرتا تھا۔پھر آج کیوں نہیں آیا؟

(اور میں ایڈم بن محمد اپنا دل اس امید پہ مار رہا ہوں کہ کبھی نہ کبھی میرا یہ زخم بھر جائے گا۔کبھی تو میرا خدا میرے دل کو پھر سے تندرست کر دے گا۔)

بورڈنگ میں اب پچیس منٹ رہتے تھے۔تالیہ نے فون اٹھایا اور فاتح کے گھر کا نمبر ملایا۔

''ہیلو؟'' کسی ملازم نے اٹھایا۔

''کیا وان فاتح گھر پہ ہیں؟''

''جی۔وہ اسٹڈی میں ہیں۔آپ کون؟'' اس نے بنا کچھ کہے فون رکھ دیا۔

(لیکن اب اس زخمی دل کے ساتھ میں آگے کیسے بڑھوں؟موو آن کیسے کروں؟کوئی دوست' کوئی غمگسار' کوئی ہے میری مدد کے لیے یہاں؟)

وہ گھر پہ تھا؟اس نے بے یقینی سے فون کو دیکھا۔اس کا گھر پتراجایا میں تھا۔ائیر پورٹ سے قریباً گھنٹے بھر کی مسافت پہ۔

وہ اگر آتا بھی تو پچیس منٹ میں یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وان فاتح اس کو روکنے نہیں آئے گا۔اس کو روکنے کوئی نہیں آئے گا۔

(کچھ فیز ہوتے ہیں جن میں ہمارے اپنے ہمیں بچاتے ہیں۔کسی تاریک گلی میں گرے پڑے مرتے ہوئے انسان کو بچا لیتے ہیں۔لیکن ہر فیز میں ہمیں نہیں بچایا جاتا۔)

تالیہ نے بورڈنگ پاس اونچا کر کے دیکھا۔اسے عقب میں دیوار پہ لگی گھڑی نظر آ رہی تھی۔کوئی اس کو روکنے نہیں آنے والا تھا۔

(کچھ فیز ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔موو آن کرنے کا فیز بھی ایسا ہی ہے۔)

وہ اٹھی۔ بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور اس دروازے کی سمت بڑھی جس سے وہ آئی تھی۔

(یہ سفر انسان کو تنہا کرنا پڑتا ہے۔اس میں اپنی بھلائی کے فیصلے بھی اسے تنہا کرنے پڑتے ہیں۔)

واپس باہر نکل کے وہ سیدھی ایک کچرے کے کین تک آئی۔بورڈنگ پاس کے دو ٹکڑے کیے اور اسے کین میں اچھال دیا۔

(اس فیز میں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔کوئی اس کو اس کی مشکل سے نہیں نکال سکتا۔زندگی کے سب سے بڑے فیصلوں میں انسان تنہا ہوتا ہے۔)

اب وہ تیز قدموں سے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

(اور ہم سب کو اپنے مشکل فیصلے خود کرنے کی عادت ڈال لینی چاہیے۔کسی دوسرے کے آنے کا انتظار کیے بغیر۔)

وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی شیشے سے باہر بھاگتی عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔انسان ساری دنیا کا سفر جس خوشی کی تلاش میں کرتا ہے وہ اس کے اپنے شہر اور اپنے گھر میں اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔

(کیونکہ اگر ہم اپنی محبت کھو بھی دیں...تب بھی ایک شے ہمارے پاس باقی رہتی ہے۔وقت۔)

وہ فاتح کے گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھی اسٹڈی کی طرف بڑھی تھی۔

(کسی کو اللہ نے شکل زیادہ اچھی دی ہے اور کسی کو دولت۔ ہر شے میں اللہ کی تقسیم مختلف ہے۔لیکن وقت ہر ایک کو برابر کا ملتا ہے۔غلام کو بھی۔بادشاہ کو بھی۔سب سے بڑا کنگال وہ ہوتا ہے جو وقت ضائع کرے۔)

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسٹڈی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

(صرف ایک چیز محبت کے زخم پہ مرہم رکھتی ہے۔تندرست نہیں کرتی لیکن مرہم ضرور رکھتی ہے۔اور وہ ہے خود کو کسی نئے خواب کی جستجو میں چھوڑ دینا۔ایڈم بن محمد نے بھی ایک نیا خواب بُن لیا ہے۔)

.....

وان فاتح نے دروازہ کھولا۔ وہ کسی اور کے گمان میں کچھ کہنے لگا تھا۔ اسے دیکھ کے وہ رک گیا۔

چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ دونوں کے درمیان بس ایک کھلا دروازہ تھا۔ اور اس کو پار کرنا وقت کے دروازوں کو پار کرنے سے زیادہ مشکل فیصلہ ثابت ہوا تھا۔

یہ فیصلہ تالیہ مراد کو تنہا ہی کرنا تھا۔

''آپ نے کہا تھا' کبھی مجھ سے ملنے آؤ.. حالم۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

''اور میں نے کہا تھا کہ کیا تم کوشش نہیں کرنا چاہتیں؟'' اس نے مسکرا کے دروازہ کھول دیا اور خود پیچھے ہٹ گیا۔

''میں کرنا چاہتی ہوں۔'' تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور چوکھٹ پار کی۔

''میں پوری دنیا کا سفر نہیں کرنا چاہتی فاتح۔ اگر ہم اندر سے ناخوش ہوں تو نہ بڑے گھر ہمیں خوش کر سکتے ہیں نہ ہی دنیا بھر کے خوبصورت نظارے۔ تنہا سفر بہت مشکل ہے۔ اور میں یہ نہیں کر سکتی۔ ہم مختلف ہیں تو کیا ہوا۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھتے تو کیا ہوا۔ ہم ایک جیسے ہوتے تو زندگی بورنگ ہو جاتی۔ ہم ایک کوشش کر سکتے ہیں۔ ساتھ رہنے کی۔ اپنا گھر خود بنانے کی۔''

وہ اسٹڈی کے وسط میں کھڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کا سفید بیک پیک ابھی تک اس کے کندھے پہ تھا۔ اور اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی تھی۔

فاتح ٹیبل کے کنارے پہ بیٹھا اور مسکرا کے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

''تم مجھے سمجھتی ہو یا نہیں.. میں تالیہ کو اچھے سے سمجھتا ہوں۔ نہ میں سفید ہوں۔ نہ تم سیاہ ہو۔ ہر شخص کا اپنا رنگ ہوتا ہے۔ اور انسان اپنے اصل رنگ سے نہیں بھاگ سکتا۔ مجھے معلوم تھا تم واپس آ جاؤ گی۔ میں تمہارے انتظار میں تھا۔ ایک دن بعد یا ایک سال بعد۔ تم ضرور آؤ گی۔''

''اسی لیے آپ میرے پیچھے ائیر پورٹ نہیں آئے؟'' اس نے گلہ کیا۔

''نہیں۔ کیونکہ فلائیٹ مس کرنے کا فیصلہ تمہیں اور صرف تمہیں کرنا تھا۔ اور مجھے امید تھی تم یہ ضرور کرو گی۔ میں نے کہا نا' میں تمہیں جانتا ہوں۔'' اس کے سامنے کھڑے ہوئے وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز پرسکون تھا۔ نرم اور اپنائیت لیے۔

''مجھے کیا معلوم کہ آپ کو یقین تھا یا نہیں۔'' اس نے ابرو اٹھایا۔

فاتح نے اس سے نظریں ہٹائے بغیر میز سے ایک فائل اٹھا کے اس کے سامنے کی۔

''میں ایک آرگنائیزیشن بنا رہا ہوں جس کا مقصد بے گناہ قیدیوں کو قانون کے شکنجے سے نکالنا ہے۔ لیکن مجھے کیسے معلوم

ہوگا کہ کون سا قیدی بے گناہ ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر چاہیے۔ اور میں نے اپنے لیے کس انویسٹی گیٹر کا نام لکھا ہے۔ تم دیکھ سکتی ہو۔" تالیہ نے خوشگوار حیرت سے فائل کھولی۔

وہاں انویسٹی گیٹر کے خانے میں ایک لفظ جگمگا رہا تھا۔

حالم۔

اور تالیہ بنت مراد کھلے دل سے مسکرا دی۔

وہ ایک دفعہ پھر ایک خواب بُن رہا تھا اور وہ اس خواب میں اس کا ساتھ دینے کے لیے ہمیشہ کی طرح تیار تھی۔

.....

دو ماہ بعد

بہار 2023

وہ ایک روشن دن تھا۔ نہ دھوپ تیز تھی نہ چھایا بہت ٹھنڈی تھی۔ بہار کی خوشگوار ہوا سارے میں چل رہی تھی۔

کوالالمپور کے ڈاؤن ٹاؤن میں ٹریفک سست روی سے چل رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف خوبصورت فٹ پاتھ بنے تھے جن پہ لوگ دونوں اطراف میں چلتے ہوئے جا رہے تھے۔

ایسے میں صوفی ایک گتے کی ٹرے میں کافی کے چار بڑے کپ پھنسائے تیز تیز چل رہی تھی۔ تیز چلنے سے اس کی بالیاں جھول رہی تھیں اور ماتھے پہ خفا سی سلوٹیں دکھائی دیتی تھیں۔

اسٹریٹ کے وسط میں اس نے ایک شیشے کا دروازہ کھولا۔ دروازے کے اوپر ایک پلیٹ لگی تھی جس پہ تحریر تھا۔

"ایڈم بن محمد... کیمپین آفس۔"

صوفی اندر داخل ہوئی تو وہاں باہر سے زیادہ شور سنائی دیا۔ وہ ایک شاپ تھی جو حال ہی میں کرائے پہ لی گئی تھی۔ فرش اور دیواریں خالی تھیں۔ نیا فرنیچر ایک کونے میں رکھا تھا۔ چند ورکرز بھاگتے دوڑتے کام کاج کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی انٹرنیٹ کی وائرز لگا رہا تھا۔ کوئی کمپیوٹرز سیٹ کر رہا تھا۔ کوئی ہدایات دے رہا تھا۔

ایک بڑی شاپ کے تین حصے کر کے درمیان میں دروازے لگائے جا رہے تھے۔ ایک آفس نما کمرے میں صد شکر کہ میز رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے ساتھ کھڑے لڑکے کو اسکرین پہ کچھ دکھاتا ہدایات دے رہا تھا۔

صوفی اس کی طرف آئی اور کافی کی ٹرے میز پہ رکھی۔

''آپ کی کافی.. باس!'' اس کا کپ نکال کے سامنے رکھا۔

''تھینک یو' صوفی۔'' ایڈم نے مسکرا کے کپ اٹھایا تو صوفی نے دونوں آنکھیں پھیلا کے تعجب سے اسے دیکھا۔

''جب آپ نے کہا تھا کہ آپ وان فاتح کی چھوڑی نشست پہ الیکشن لڑیں گے تو مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ آپ سیاست میں آسکتے ہیں۔ لیکن... واؤ... آپ تو مجھ سے خوش اخلاقی سے بات کرنے لگے ہیں۔ آپ کا مستقبل روشن ہے' باس۔''

ایڈم نے جواباً کچھ تیکھا نہیں کہا۔ بلکہ مسکرا کے کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر میز کے پیچھے سے نکلا اور آگے بڑھ گیا۔ صوفی نے دوسری کپ وہاں کھڑے نوجوان کو تھمایا اور ٹرے لیے ایڈم کے پیچھے آئی۔

''نہیں... بینر کو ذرا دائیں جانب کرو...'' وہ کافی کپ پکڑے' گردن اٹھائے' سامنے والی دیوار پہ بینر آویزاں کرتے ورکرز کو کہہ رہا تھا۔ وہ سیڑھی پہ چڑھ کے چھت کے قریب بینر کو چسپاں کر رہے تھے۔ بینر ابھی اکٹھا تھا سو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔

صوفی ٹرے میں دونوں کپ لیے کھڑی وہیں ان نوجوانوں کو بینر آویزاں کرتے دیکھنے لگی۔ پھر کھنکھاری۔

''کہہ دو' صوفی۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا کہ میں الیکشن ہار جاؤں گا؟''

''آپ کے پولز اچھے جا رہے ہیں۔ آپٹکس بھی آپ کے حق میں ہیں۔ لیکن...'' اس نے سوچنے والے انداز میں کہا۔ ''آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ممبر پارلیمنٹ بننا چاہتے ہیں؟''

ایڈم نے چہرہ اس کی طرف موڑا تو لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔

''پتہ ہے صوفی... میں کتنی کتابیں لکھ لوں... میں کتنے شوز کر لوں... میں کتنا بول لوں... میں ملک میں اصل تبدیلی نہیں لا سکتا جب تک میں پاور میں نہ ہوں۔ اگر میں ممبر پارلیمنٹ بن گیا تو میرے پاس اختیار ہوگا۔ میں پالیسیز بنا سکوں گا۔ میں کچھ پریکٹکل کر سکوں گا۔''

''اور آپ کی رائٹنگ؟''

''وہ ساتھ ساتھ چلتی رہے گی۔ جیسے بہت سے سیاستدان کتابیں لکھتے ہیں' میں بھی لکھتا رہوں گا۔'' وہ مسکرا کے واپس دیوار کو دیکھنے لگا۔ ''تھوڑا سا اور دائیں جانب۔'' اونچی آواز میں ہدایت دی۔

''آپ یہ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟''

''کیونکہ میں وان فاتح کی جگہ ہوتا تو وہ غلطیاں نہ کرتا جو انہوں نے کیں۔ ان کے کچھ فیصلے غلط تھے۔ صرف ان پہ تنقید کرنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ میں ان کی جگہ لے کر درست فیصلے کرنا چاہتا ہوں۔'' گھونٹ بھر کے کپ نیچے کیا اور مسکرا کے بولا۔

''مجھے' صوفی' ایک نیا خواب مل چکا ہے۔''

''ایک نئی کافی لانے والی لڑکی بھی رکھ لیں۔اب میرے کام بھی بڑھ چکے ہیں۔'' وہ منہ بنا کے پیچھے سے پکار کے بولی۔

ایڈم اسے نظر انداز کیے ہال نما شاپ کے دوسرے کونے کی جانب بڑھ گیا۔وہاں ایک میز پہ دو ورکرز کھڑے کمپیوٹرز سیٹ کر رہے تھے۔داتن ان کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی۔ایڈم کی طرف اس کی پشت تھی۔

''تھینک یو...داتن۔'' اس نے مسکرا کے اسے مخاطب کیا تو وہ گھومی۔عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔اور کندھے اچکائے۔

''اب تم غلطی کرنے کا سوچ ہی چکے ہو تو ظاہر ہے مجھے تمہارا ساتھ دینا پڑے گا۔'' گہری سانس لے کر بولی۔

''ہاں نا...آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں؟'' وہ مسکرا کے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔اتنے دن سے اس آفس پہ کام جاری تھا اور بالآخر اس کی شکل نکلتی آ رہی تھی۔

''تمہارے مخالف امیدوار پہ میں نے اپوزیشن ریسرچ کی ہے۔تمہارے کام آئے گی۔'' داتن نے معنی خیز انداز میں ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔وہ اسے دیکھ کے سوچ کے بولا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے...میں یہ الیکشن جیت جاؤں گا؟''

''مجھے لگتا ہے کہ تم جیت بھی جاؤ...تب بھی سیاست میں آنا تمہاری غلطی ہے...اور ہر انسان کو اپنی غلطی خود کرنے دینی چاہیے۔''

''اچھا...اگر میں اتنا غلط ہوں تو آپ میرا ساتھ کیوں دے رہی ہیں؟''

''کیونکہ لڑکے...الیکشن اس دنیا کا مہذب ترین 'کون' ہے۔اور میں اس کون گیم کا حصہ ضرور بننا چاہوں گی۔''

داتن مسکرا کے بولی۔''اور تم اگر ممبر پارلیمنٹ بننے میں خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔''

''ممبر پارلیمنٹ؟ اونہوں۔'' ایڈم نے کافی کا گھونٹ بھرا اور اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہال کے وسط میں آئے۔نوجوان اب بینر چسپاں کر چکے تھے۔ایک نے ڈوری کھولی اور نیچے گرا دی۔کسی آبشار کی طرح بینر نیچے گرا اور ساری دیوار پہ چھا گیا۔

''میں ممبر پارلیمنٹ نہیں...ایک دن اپنے ملک کا وزیر اعظم بنوں گا...لیانہ صابری۔''

''وزیر اعظم؟'' لیانہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہاں...کیونکہ اگر میرا خواب مجھے ڈرائے گا نہیں تو یہ بڑا خواب نہیں ہوگا۔''

وہ چہرہ موڑ کے دیوار کو دیکھنے لگا۔وہاں نیلے رنگ کے انتخابی نشان کے ساتھ ایڈم کا سوٹ میں ملبوس فل سائز پورٹریٹ

نظر آ رہا تھا۔ سارے ورکرز اور اسٹافرز اپنے اپنے کام روک کے اس خوبصورت اور بارعب پوسٹر کو دیکھ رہے تھے۔ گردنیں اٹھائے۔ آنکھوں میں چمک لیے۔ منہ سے واؤ کہتے.. توصیفی انداز میں سر دھنتے....

ایک نئے خواب کا سفر شروع ہو چکا تھا۔

.....

وہ ایک طویل سڑک تھی۔ شہر کے مضافات میں واقع یہ جگہ ایک ننھی سی پہاڑی کی مانند تھی۔ یہاں بے ہنگم ٹریفک کا شور تھا نہ دھواں۔ دور دور تک سبزہ زار تھا اور درمیان میں بنی یہ سڑک۔

سڑک کے دونوں اطراف میں چیری بلاسم کے درختوں کی قطار تھی۔ درخت اتنے گھنے تھے کہ دھوپ کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ سڑک پہ چھایا سی تھی۔

درختوں کے اوپر تازہ تازہ پھول کھلے نظر آ رہے تھے۔ گلابی اور سفید پھول... اتنے نرم گویا کاٹن کینڈی ہوں.. یا... بادل کے ٹکڑے۔

ابھی پت جھڑ کا موسم ان پہ نہیں آیا تھا۔ وہ جوان تھے۔ اپنی خوبصورتی کے جوبن پہ تھے۔ نرم تھے لیکن ابھی کمزور نہیں پڑے تھے۔ ان پہ مشکل وقت کبھی نہ کبھی آنا تھا لیکن ابھی وہ اس سے محفوظ تھے۔ پورے قد سے بہار کی رعنائیاں لیے کھڑے تھے۔

سڑک کے اختتام پہ ایک گھر تھا۔ دو منزلہ لکڑی کا گھر جس کی مخروطی چھت بھی لکڑی کی بنی تھی۔ اس کی بالائی بالکونی کے کھلے دروازے سے لگتا تھا کہ وہ کسی کا گھر ہے۔

البتہ نچلی منزل کے ہال کمرے میں لگی میز کرسیوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی قہوہ خانہ تھا۔ دروازے پہ لگی لکڑی کی تختی پہ انگریزی میں ''جیا'' لکھا تھا۔

اندر آؤ تو وہ کوئی سیاحوں کے لیے خصوصی طور پہ بنائی کافی شاپ تھی۔ اس کو قدیم زمانے کے آرکیٹکچر پہ آراستہ کیا گیا تھا۔ آئل پیسٹل سے بنی قدیم ملاکہ کی یادگار پینٹنگز۔ برتن بھی پرانی طرز کے تھے۔

البتہ دیوار پہ لگا مینیو نئے زمانے کا تھا۔ گو کہ ویٹرز پرانے زمانے کے سفید باجو کرنگ میں ملبوس تھے لیکن کافی کے روسٹ ہوئے بینز کی مہک بتاتی تھی کہ وہ ایک تھیمڈ کافی شاپ تھی۔

شاپ کے مالک بالائی منزل پہ رہتے تھے۔ باہر سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی رہائش گاہ چھوٹی اور سادہ سی ہے۔ شہر سے دور... خوبصورت مگر سادہ سے طرز زندگی۔ اور سامنے چیری بلاسم کے درختوں کی قطار۔

درختوں کی اس دورویہ قطار کے ساتھ ایک جگہ سڑک کنارے ایک بنچ رکھا تھا۔

اس بنچ پہ فاتح بیٹھا تھا۔ سیاہ ڈریس شرٹ پہنے' آستین پیچھے کو موڑے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو سامنے کافی شاپ سے تالیہ چلی آ رہی تھی۔

اس کے کھلے بال کندھوں سے نیچے گر رہے تھے۔ اس نے سادہ باجو کرنگ پہن رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جس سے بال اڑ اڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے۔ فاتح نے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ پھر قریب آئی اور ایک مگ اسے تھمایا۔''''

''تھینک یو۔'' اس نے مسکرا کے مگ تھاما۔ وہ اپنا مگ لیے ساتھ بیٹھی اور گردن اٹھا کے درختوں کو دیکھا۔

''ساکورا ہانامی... بالآخر ان درختوں نے پھول اٹھا لیے ہیں۔''

''ہاں۔ اور دیکھو یہ کتنے خوبصورت ہو گئے ہیں۔ جب ہم نے یہ گھر لیا تھا تب یہ ویران اور خالی تھے۔ لیکن وقت انسان کو پھل دے دیتا ہے۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ بنچ پہ بیٹھے درختوں پہ آئی بہار دیکھ رہے تھے۔

''وقت۔'' وہ مسکرائی۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ ''آپ کی سکندر سے بات ہوئی؟''

''وہ کال کرے گا۔'' وہ مطمئن تھا۔ جب تالیہ ان کی فیملی کا حصہ بنی تو سکندر اور جولیانہ نے ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ جولیانہ نے کہا کہ وہ بورڈنگ شفٹ ہونا چاہتی ہے اور زندگی میں پہلی دفعہ ایک نارمل ہائی اسکول مین داخلہ لینا چاہتی ہے۔ سکندر اپنی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں شفٹ ہو گیا تھا۔ جولیانہ باپ کو فون کرتی تھی اور ایک دفعہ ملنے بھی آئی تھی لیکن سکندر نے رابطہ منقطع کر رکھا تھا۔

''اور اگر اس کی ناراضی ختم نہ ہوئی؟'' تالیہ نے افسوس سے پوچھا۔

''تالیہ... اگر مجھے لگتا کہ وہ اپنی ناراضی ختم نہیں کرے گا تو میں اسے ہاسٹل نہ جانے دیتا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ چند ماہ میں ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ مسکرا دی۔ جو شخص اس کے ساتھ بیٹھا تھا وہ ایسا ہی تھا۔ ہر حالت میں پر امید۔ ہر شخص کے اندر کی اچھائی پہ یقین رکھنے والا۔

''فاتح... میں خوش ہوں۔ اس بات پہ کہ میں نے درست فیصلہ کیا۔'' ہوا چیری بلاسم کی شاخوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک گلابی لبادہ اوڑھے درخت تلے بیٹھے تھی۔ تالیہ بول رہی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔ ہوا سے اس کے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

''اگر اس روز میں آپ کو چھوڑ کے چلی جاتی تو میں بہت اکیلی رہ جاتی۔ میں دنیا میں کھو جاتی اور میری دنیا میرے اندر کھو

جاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اب میں نے خود کو دریافت کرلیا ہے لیکن میں کوشش کر رہی ہوں۔'' پھر اس نے فاتح کے ہاتھ میں پکڑی فائل کو دیکھا۔ ''ان لوگوں کے کام آنا... ان کے لیے عدالتوں میں لڑنا... یہ بہت تھیراپیوٹک ہے' فاتح۔ مجھے یہ سکون دنیا کی کسی وادی' کسی ساحل پہ نہ ملتا۔ اگر میں آپ کو چھوڑ جاتی تو میں بہت اکیلی رہ جاتی۔''

وہ یہ اعتراف آج کل اکثر کیا کرتی تھی۔ بالآخر وہ خوش تھی اور اپنی خوشی اسے تعجب میں مبتلا کر دیتی تھی۔

''اور میں بھی اس بات پہ خوش ہوں کہ تم نہیں گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم نہیں جاؤ گی۔ جب میرے ہاتھ سے کرسی نکلی تو بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ گئے، صرف تم نہیں گئیں۔ لیکن تالیہ اگر تم چلی جاتیں تو میرے پاس کچھ بھی نہ بچتا۔ میں نہیں جانتا کہ اصل محبت کیا ہوتی ہے۔ عصرہ کہا کرتی تھی کہ وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے۔ یا شاید آریانہ سے۔'' وہ یاد کر کے سوگوار سا مسکرایا۔ ''لیکن جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ وہ محبت سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے... میں بھی خوش ہوں کہ تم نہیں گئیں۔''

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تو تالیہ نے پل بھر کو آنکھیں موند لیں۔ پھر گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ سر پہ گلابی پھولوں کی چھاتا تنی تھی۔

''میں کبھی کبھی اس بات پہ حیران ہو جاتی ہوں کہ میں بالآخر خوش کیسے ہوں۔ میں کبھی زندگی میں ایک لمبا عرصہ اتنا خوش نہیں رہی۔''

''کیا اب تمہیں وہ سفید ہرن نظر آتا ہے؟''

''بہت کم۔'' وہ اوپر نظر آتے پھولوں اور ان کے جھروکے سے دکھائی دیتے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

''لیکن میں خوش ہوں کہ اب مجھے وہ خواب بھی نہیں دکھائی دیتے۔ مجھے زندگی unpredictable اچھی لگ رہی ہے۔ کسی ایک خواہش کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے کے بجائے... سکون سے لوگوں کے کام آنا... اور سادگی سے رہنا... مستقبل کی فکر اور ماضی کے ملال سے خود کو آزاد کر کے رہنا اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن فاتح...'' اس نے گردن نیچے کی اور اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ڈر سا تھا۔

''کیا یہ سب ہمیشہ ایسا رہے گا؟ ہم ہمیشہ ایسے خوش رہیں گے؟''

اس نے گہری سانس لی۔ کافی کا آخری گھونٹ بھرا اور فائل بند کی۔

''نہیں تالیہ۔ وقت ایک سا کبھی نہیں رہتا۔ یہ سارے چیری بلاسم بھی ایک دن گر جائیں گے۔ اگلے بہار میں یہ درخت پھر سے پھول اٹھالیں گے۔ درخت کبھی پھول دیتا ہے۔ کبھی پھل۔ اور کبھی اس پہ پت جھڑ کا وقت آجاتا ہے۔ شاید کچھ عرصے

بعد ہم دونوں بھی ایک بورنگ روٹینگ کپل بن جائیں۔لیکن یہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ ہوتا ہے کہ انسان پہ جیسا بھی وقت آئے...وہ اپنی ذات سے دوسرے انسانوں کی بھلائی کے کاپ کرتا رہے۔"

"اوران کاموں کے لئے اگر ہم ابھی شہر کے لیے نہ نکلے تو ہمیں دیر ہو جائے گی۔" وہ دونوں ایک ساتھ اٹھے۔تالیہ نے خالی مگ کچرے کے کین میں ڈالے۔ پیچھے مڑ کے کافی شاپ کے دروازے پہ کھڑے ہیڈ ویٹر کو ہاتھ ہلایا۔اس نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا۔پھر وہ فاتح کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

چیری بلاسم کے درختوں کے سایے میں وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔

"آپ ہمیشہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ نہیں جانتے محبت کیا ہوتی ہے؟" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔"میں تو ہمیشہ بڑے فخر سے کہتی ہوں کہ مجھے آپ سے محبت تھی اسی لیے میں اس روز ائیر پورٹ سے واپس آئی۔"

"کیا ہر بات بار بار بتانا ضروری ہے کیا؟" وہ گہری سانس لے کر بولا۔وہ دونوں اب بنچ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔یہاں سے ان کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔

"کچھ باتیں آپ ایک دفعہ بھی نہیں بتاتے۔"

"مثلاً؟"

"آپ نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ چابی کے بدلے آپ نے یان سوفو کو کیا دیا تھا؟" وہ مسکراہٹ دبا کے بولی۔یہ بات اس کا فاتح کو تنگ کرنے کے لیے ایک ہتھیار کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

"تالیہ...ریلیکس۔" اس نے گہری سانس لی۔"میں نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔"

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس نے اپنے دل کی اچھائی کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہمارے لیے چابی بنائی؟ ناممکن۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔سوائے بھاگ جانے کے محفوظ راستے کے۔اس نے بغاوت میں اپنی جان بچالی...کیا یہی کافی نہیں ہے؟" وہ دونوں اب دور سے بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ان کی آوازیں مدھم ہو چکی تھیں۔

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔اور بنچ کے قریب ایک گلابی چیری بلاسم کا پھول ٹوٹ کے آن گرا۔

.....

563 برس قبل قدیم ملاکہ کے سلطنت محل کے اس منظر میں واپس چلتے ہیں جب وان فاتح ملکہ یان سوفو کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے ایک رقعہ ملکہ کی طرف بڑھایا تھا۔ ملکہ نے کاغذ کی تہیں کھول کے اسے پڑھا۔ پھر چونک کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر اس نے تمام کنیزوں اور غلاموں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ملکہ نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ سیاہ قبا میں ملبوس فاتح مسکرایا اور اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بغاوت؟ میرے آقا کے خلاف بغاوت ہو رہی ہے؟ کیا تم بھی اس کا حصہ ہو؟'' وہ تندی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

جواب میں فاتح وہ سب کہتا گیا جو وہ کہنے آیا تھا۔

''آپ یہ بات پہلے ہی جانتی ہیں کہ میں اور تاشہ وقت کے مسافر ہیں۔ ہمیں اپنی دنیا میں واپس جانا ہے۔ صرف آپ ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ میں آپ کو راجہ کا سامان لا کے دے سکتا ہوں۔ آپ نے ہمیں چابی بنا کے دینی ہوگی۔''

''اور بدلے میں؟''

''بدلے میں میں آپ کو بغاوت کی خبر دے رہا ہوں۔ آپ یہاں سے فرار ہو کے اپنی جان بچا لیجئے گا۔''

''وان فاتح...'' وہ مسکرائی۔ ''تم نے اپنے پتے جلد دکھا دیے۔ بہت جلد۔ میں چابی بنانے سے انکار بھی کر سکتی ہوں اور بغاوت کے بارے میں تم پہلے ہی بتا چکے ہو۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' اس نے رقعہ میز پہ ڈال دیا۔ ''اور تمہیں کیوں لگا تھا کہ میں تمہیں چابی بنا دوں گی؟''

''میں آپ کو بدلے میں اس اطلاع سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا' ملکہ۔ آپ چاہیں تو مجھے چابی بنا کے نہ دیں۔ لیکن ہم اس چابی کو بنا کے آپ خود کو کیا کچھ دے سکتی ہیں' یہ سوچا ہے آپ نے؟''

ملکہ نے تھوک نگلا۔ اس کے تاثرات قدرے بدلے۔ ''تمہاری پیشکش کیا ہے''

''میں نے کہا نا... میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ لیکن... آپ خود کو ایک تحفہ دے سکتی ہیں۔ اس دنیا میں آپ کے لیے کچھ نہیں رکھا۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ چند سال بعد طاعون سے ہلاک ہو جائیں گی لیکن تب تک آپ کئی سال سے گمنامی میں ہوں گی۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ سچ تھا یا جھوٹ۔ مستوبل کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا' ملکہ۔ آپ اپنا مستقبل خود بنا سکتی ہیں۔''

یان سوفو کھڑی ہو گئی۔ اس کی رنگت گلابی پڑ چکی تھی۔ ''کیا تم مجھے اپنی دنیا میں لے جا سکتے ہو؟''

''میں آپ کے لیے کچھ نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ میرے لیے چابی بنا سکتی ہیں تو اپنے لیے چابی آپ کو خود بنانی ہوگی۔''

اس نے شانے اچکا دیے۔ ''اور میری مدد کے بغیر آپ ایک چابی بھی نہیں بنا سکتیں۔''

وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔اس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔آنکھوں میں عجیب سا سحر چھانے لگا تھا۔

''تمہاری دنیا کیسی ہے'وان فاتح؟''

''آپ کی دنیا جیسی نہیں ہے۔''

''اونہوں...کچھ تو ہے اس دنیا میں جو تم دونوں ملاکہ کی حکمرانی کو ٹھوکر مار کے واپس اس میں جانا چاہتے ہو۔کچھ تو جادوئی ہے تمہاری دنیا میں۔''وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔''چلو آج سے ہم اپنی دشمنی ختم کرتے ہیں۔میں تمہارے لیے چابی بنا دوں گی۔اور تم مجھے یہاں سے جانے کا محفوظ راستہ دے دو گے۔''

فاتح نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔وہ منظر وقت کی دھول میں تحلیل ہو گیا۔

.....

واپس 2023 کے بہار کے موسم میں آتے ہیں۔

ملاکہ شہر کے اس قدیم چرچ کے اندر ایک اعترافی کمرہ بنا تھا۔وہ چرچ اب خالی تھا اور ویران تھا۔اندر ہوئی ذی نفس نہ تھا۔ایسے میں اس اعترافی کمرے کے فرش سے کھٹر پٹر کی آواز سنائی دینے لگی۔چرچ کے ہال میں پھرتے چوہے تیزے سے کونوں کھدروں میں جا دبکے۔

فرش میں بنا ڈھکن ہٹا کے ایک ہاتھ اوپر آیا۔پھر پورا وجود۔اوپر آ کے اس نے ڈھکن بند کیا۔چغے میں ملبوس اس وجود نے لباس سے گرد جھاڑی۔پھر اعترافی کمرے کا جالی دار دروازہ کھولا۔پھر اس نے چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی اور گردن اٹھا کے اس قدیم چرچ کو دیکھا۔

یان سوفو کا چہرہ کھڑکی سے آتی مدھم روشنی میں بھی دمک رہا تھا۔وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔دودھ کی طرح ملائم اور نازک۔

اس کے چغے کے اندر ایک پوٹلی بندھی تھی جس میں سونے چاندی اور قیمتی ہیروں سے مزین زیورات تھے۔گردن میں ایک زنجیر تھی جس سے ایک سنہری چابی لٹک رہی تھی۔یان سوفو قدم قدم چلتی...اردگرد تعجب سے دیکھتی...چرچ سے باہر نکلی...

دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے جھک کے چابی پہ پھونک ماری۔ایک پنکھ سا اس سے نکلا...اور ہوا میں سست روی سے اڑنے لگا۔وہ اس پنکھ کا تعاقب کرنے کے لیے پلٹی تو ٹھٹھک کے رک گئی۔

اس کے سامنے ایک لمبی سڑک تھی۔سڑک کے گرد دور تک دکانیں تھیں۔ریستوارن تھے۔وہاں تیز آوازیں تھیں۔زن سے گزرتی گاڑیاں تھیں۔وہ بے یقینی سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ اتنی تیز چلتی

تھیں گویا کسی کے اوپر سے گزر جائیں گی۔

اس کی متحیر نظریں فٹ پاتھ پہ چلتے لوگوں پہ پڑیں۔ انہوں نے بہت سے رنگ پہن رکھے تھے۔ ایسے رنگ جو یان سوفو نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ وہ چمکتے ہوئے ہنستے مسکراتے لوگ تھے۔ ان کو ہاتھوں میں چمکتی چیزیں تھیں۔ ان کے جوتے تک چمک رہے تھے۔

وہ پنکھ کے تعاقب میں آگے بڑھی لیکن اس کی متحیر نظریں ابھی تک اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

سڑک کنارے جگہ جگہ کارٹ دھکیلتے لوگ کھڑے تھے۔ ان کے کارٹ رنگ برنگی چیزیں تھیں۔ گلابی روئی جیسی کپاس سے بنی چیزیں۔ ہر رنگ کے مشروب کی بوتلیں۔

آسمان سے زوردار چنگھاڑ سنائی دی تو اس نے گھبرا کے سر اٹھایا۔ اس کے عین سر کے اوپر سے ایک اڑن کھٹولا تیزی سے گزرا تھا۔ یان سوفو نے دھیرے سے چہرہ نیچے کیا۔ سامنے کھڑا ایک شخص اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کی مدد سے ایک ڈرون کیمرے کو فضا میں اڑا رہا تھا۔ اس کا کیمرہ کسی اڑنے والی مکڑی کی طرح درختوں کے اوپر ہوا میں تیر رہا تھا۔

یان سوفو کے لب بالآخر مسکراہٹ میں ڈھلے۔ یہ دنیا بہت خوبصورت تھی۔ یہ دنیا جادوئی دنیا تھی۔ شاہِ چین کی بیٹی کو اس کو خوابوں کی طلسماتی سرزمین مل گئی تھی۔

لیکن اس سے پہلے اسے پمبورو کے راہبر کو ڈھونڈنا تھا۔ وہ پنکھ کے پیچھے چپ چاپ چلتی گئی۔ وہ اسے گھاس اور پارکس کے اندر سے گزارتا آگے لے جا رہا تھا۔ اس کے جادو نے اسے بتایا تھا کہ سابقہ پمبورو راہنما اپنا جادو اور ذہنی توازن دونوں کھو چکا تھا۔

اور پمبورو راہبر کی جگہ کبھی خالی نہیں رہتی۔ وہ جگہ اب بھر چکی تھی۔ اور جس نے اس جگہ کو بھرا تھا... یان سوفو اس کا چہرہ اپنے پیالے میں دیکھ چکی تھی۔ اسے وہ چہرہ پسند آیا تھا۔

اسے وہ پنکھ اسی کے گھر لے جا رہا تھا۔

قریباً دس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد بالآخر شاہِ چین کی بیٹی ایک کالونی کے سرے پہ آ رکی۔ اس کالونی میں گھروں کی ایک قطار تھی۔

وہ پنکھ تیسرے نمبر کے گھر کے گیٹ کے پاس زمین پہ گر گیا تھا۔

یان سوفو نے مسکراتی نظریں اٹھائیں۔ اب اسے اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹانا تھا اور شکار باز رہبر سے ملاقات کرنی تھی۔

راہبر کو معلوم تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ اور راہبر کو اس کا انتظار تھا۔

اس نے چغے کی ٹوپی پیچھے پھینکی اور پورے اعتماد سے آگے بڑھ گئی۔ پھر لکڑی کے گیٹ میں ہاتھ ڈال کے اسے کھولا اور اندر چلی آئی۔ اب وہ مرکزی دروازے کی طرف جا رہی تھی اور چھوٹے باغیچے میں لگے پھول اس کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

سبز گھاس پہ اگے گہرے اور ہلکے نیلے پھول۔

جامنی اور پیلے پھول۔

سرخ اور نارنجی پھول۔

.....

ختم شد

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official